

فضائل اعمال

فضائل نماز

فضائل قرآن مجید

حکایات صحابہؓ

فضائل رمضان

فضائل تبلیغ

فضائل ذکر

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی

۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ھ

۱۸۹۸ - ۱۹۸۲ء

مکتبۃ الرشیدی

کراچی - پاکستان

فضائل اعمالؐ

فضائل نماز

فضائل قرآن مجید

حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم

فضائل رمضان

فضائل تبلیغ

فضائل ذکر

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ھ

۱۸۹۸ - ۱۹۸۲ء



کراچی - پاکستان

کتاب کا نام : فضائل اعمال

تالیف : شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی

تعداد صفحات : ۸۳۲

قیمت برائے قارئین : ۵۰ روپے

سن اشاعت : ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء

ناشر : مکتبۃ البشریٰ

چوہدری محمد علی چیر سیٹھل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

Z-3، اوور سینر بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : +92-21-7740738

فیکس نمبر : +92-21-4023113

ویب سائٹ : www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : al-bushra@cyber.net.pk

ملنے کا پتہ : مکتبۃ البشریٰ، کراچی۔ پاکستان +92-321-2196170

مکتبۃ الحرمین، اردو بازار، لاہور۔ پاکستان +92-321-4399313

المصباح، ۱۶ اردو بازار لاہور 7223210-042-7124656

بک لینڈ، سٹی پلازہ کالج روڈ، راولپنڈی 5557926-051-5773341

دارالخلاص، نزد قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تمہید۔	۲۲
	باب اول (دین کی خاطر سختیاں برداشت کرنا اور تکالیف و مشقت کا جھیلنا)	۲۵
۱	حضور اقدس ﷺ کے طائف کے سفر کا قصہ۔	۲۵
۲	قصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نصر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا۔	۲۸
۳	صلح حدیبیہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ و ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ۔	۲۹
۴	حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مصائب۔	۳۱
۵	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام۔	۳۳
۶	خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں۔	۳۵
۷	حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کا ذکر۔	۳۶
۸	حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اسلام۔	۳۷
۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا۔	۳۸
۱۰	مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعب ابی طالب میں قید ہونا۔	۴۰
	باب دوم (اللہ جل جلالہ کا خوف اور ڈر)	۴۵
۱	آندھی کے وقت حضور ﷺ کا طریقہ۔	۴۵
۲	اندھیرے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل۔	۴۶
۳	سورج گرہن میں حضور ﷺ کا عمل۔	۴۷
۴	حضور ﷺ کا تمام رات روتے رہنا۔	۴۷
۵	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر۔	۴۸
۶	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت۔	۴۹
۷	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت۔	۵۱
۹	تبوک کے سفر میں قوم ثمود کی بستی پر گزر۔	۵۲
۱۰	تبوک میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اور توبہ۔	۵۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱	صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہنسنے پر حضور ﷺ کی تنبیہ اور قبر کی یاد۔	۶۱
۱۲	حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نفاق کا ڈر۔	۶۲
۱۳	تکمیل (اللہ کے خوف کے متفرق احوال)۔	۶۳
	باب سوم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زہد اور فقر کے بیان میں)	۶۷
۱	حضور ﷺ کا پہاڑوں کو سونا بنادینے سے انکار۔	۶۷
۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور ﷺ کے گذر کی حالت۔	۶۷
۳	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک میں حالت۔	۷۰
۴	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ۔	۷۰
۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ۔	۷۲
۶	حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا حضور کے لئے ایک مشرک سے قرض لینا۔	۷۴
۷	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا۔	۷۶
۸	حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو شخصوں کے بارے میں سوال۔	۷۷
۹	حضور ﷺ سے محبت کرنے والے پر فقر کی دوڑ۔	۷۸
۱۰	سریۃ العنبر میں فقر کی حالت۔	۷۹
	باب چہارم (صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں)	۸۰
۱	حضور ﷺ کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت۔	۸۰
۲	حضور ﷺ کا صدقے کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا۔	۸۱
۳	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا۔	۸۱
۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے۔	۸۲
۵	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا۔	۸۳
۶	حضرت علی بن معبد رضی اللہ عنہ کا کرایہ کے مکان سے تحریر خشک کرنا۔	۸۳
۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر۔	۸۴
۸	حضور ﷺ کا ارشاد جس کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔	۸۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو مشک تولنے سے انکار۔	۸۶
۱۰	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا حجاج کے حاکم کو حاکم نہ بنانا۔	۸۷
	باب پنجم (نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع و خضوع)	۸۸
۱	اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں۔	۸۸
۲	حضور ﷺ کا تمام رات نماز پڑھنا۔	۸۸
۳	حضور ﷺ کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا۔	۸۹
۴	حضرت ابوبکر، حضرت ابن زبیر، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کی نمازوں کے حالات۔	۹۰
۵	ایک مہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا نماز میں تیر کھانا۔	۹۲
۶	ابوطالب رضی اللہ عنہ کا نماز میں خیال آ جانے سے باغ وقف کرنا۔	۹۳
۷	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا۔	۹۴
۸	صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کرنا۔	۹۵
۹	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زید رضی اللہ عنہ و عاصم رضی اللہ عنہ کا قتل۔	۹۶
۱۰	حضور ﷺ کی جنت میں معیت کیلئے نماز کی مدد۔	۱۰۰
	باب ششم (ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)	۱۰۱
۱	صحابی رضی اللہ عنہ کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا۔	۱۰۱
۲	روزہ دار کے لئے چراغ بجھا دینا۔	۱۰۲
۳	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا۔	۱۰۲
۴	حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا صدقہ میں مقابلہ۔	۱۰۳
۵	صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا۔	۱۰۴
۶	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن۔	۱۰۵
۷	بکرے کی سری کا چکر کاٹ کر واپس آنا۔	۱۰۶
۸	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو زچگی میں لے جانا۔	۱۰۷
۹	ابوطالب رضی اللہ عنہ کا باغ وقف کرنا۔	۱۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۰	ابو ذر رضی اللہ عنہ کا اپنے خادم کو تنبیہ فرمانا۔	۱۰۹
۱۱	حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا قصہ۔	۱۱۱
	باب ہفتم (بہادری، دلیری اور موت کا شوق)	۱۱۴
۱	ابن جحش رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کی دعا۔	۱۱۴
۲	اُحد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری۔	۱۱۵
۳	حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت۔	۱۱۶
۴	عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی تمنائے شہادت۔	۱۱۷
۵	مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت۔	۱۱۸
۶	قادیسیہ کی لڑائی میں سعد رضی اللہ عنہ کا خط۔	۱۱۹
۷	وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی اُحد میں شہادت۔	۱۲۰
۸	بیر معونہ کی لڑائی۔	۱۲۱
۹	عمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے۔	۱۲۳
۱۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت۔	۱۲۴
۱۱	غزوہ موتہ کا قصہ۔	۱۲۵
۱۲	سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی گفتگو۔	۱۲۸
	باب ہشتم (علمی ولولہ اور اس کا انہماک)	۱۳۲
۱	فتویٰ کا کام کرنیوالی جماعت کی فہرست۔	۱۳۳
۲	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مجموعہ کوجلا دینا۔	۱۳۴
۳	تبلیغ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔	۱۳۵
۴	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم۔	۱۳۶
۵	حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اہتمام فتن۔	۱۳۷
۶	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا۔	۱۳۹
۷	قتل مسلمانہ و جمع قرآن۔	۱۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸	ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط روایت حدیث میں۔	۱۴۲
۹	ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کیلئے جانا۔	۱۴۳
۱۰	ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انصاری کے پاس جانا۔	۱۴۵
۱۱	مختلف علمی کارنامے۔	۱۴۶
	باب نہم (حضور ﷺ کی فرمانبرداری اور امتثال کا حکم)	۱۵۳
۱	حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا چادر کو جلا دینا۔	۱۵۴
۲	انصاری کا مکان کو ڈھا دینا۔	۱۵۴
۳	صحابہ رضی اللہ عنہم کا سرخ چادروں کو اتار دینا۔	۱۵۶
۴	وائل رضی اللہ عنہ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا۔	۱۵۷
۵	سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی عادت اور خریم کا بال کٹوا دینا۔	۱۵۷
۶	ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا۔	۱۵۸
۷	ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کہ نماز قصر قرآن میں نہیں۔	۱۵۹
۸	ابن مغفل رضی اللہ عنہ کا خذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا۔	۱۶۰
۹	حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا سوال نہ کرنے کا عہد۔	۱۶۰
۱۰	حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جاسوسی کے لئے جانا۔	۱۶۱
	باب دہم (عورتوں کا دینی جذبہ)	۱۶۳
۱	تبیحات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔	۱۶۳
۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ۔	۱۶۵
۳	ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدقے سے روکنا۔	۱۶۶
۴	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت اللہ کے خوف سے۔	۱۶۷
۵	اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی دعا اور ہجرت۔	۱۶۸
۶	اُمّ زیاد کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت۔	۱۷۰
۷	اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کی غزوۃ البحر میں شرکت کی تمنا۔	۱۷۱
۸	اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کا لڑکے کے مرنے پر عمل۔	۱۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا۔	۱۷۳
۱۰	حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا افک کے معاملہ میں صفائی اور صدقہ۔	۱۷۴
۱۱	خساء رضی اللہ عنہا کی اپنے چاروں بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت۔	۱۷۶
۱۲	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہودی کو تنہا مارنا۔	۱۷۸
۱۳	اسماء رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال۔	۱۷۹
۱۴	اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت۔	۱۸۰
۱۵	اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت۔	۱۸۳
۱۶	سمیہ رضی اللہ عنہا اُمّ عمار کی شہادت۔	۱۸۳
۱۷	اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی زندگی اور تنگی۔	۱۸۴
۱۸	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور اسماء رضی اللہ عنہا کا دادا کو اطمینان دلانا۔	۱۸۶
۱۹	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت۔	۱۸۷
۲۰	حضور کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور انتقال۔	۱۸۸
۲۱	ربیعہ رضی اللہ عنہا بنت معوذ کی غیرت دینی۔	۱۸۹
۲۱	(معلومات) حضور ﷺ کی بیبیاں اور اولاد۔	۱۹۰
۲۲	(معلومات) حضور ﷺ کی اولاد۔	۲۰۲
۲۰۹	باب یازدہم (بچوں کا دینی جذبہ)	
۱	بچوں کا روزہ رکھوانا۔	۲۰۹
۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث اور آیت کا نزول۔	۲۱۰
۳	عمیرہ رضی اللہ عنہ کا جہاد کی شرکت کا شوق۔	۲۱۱
۴	عمیرہ رضی اللہ عنہ کا بدر کی لڑائی میں چھپنا۔	۲۱۱
۵	دوانصاری بچوں کا ابو جہل کو قتل کرنا۔	۲۱۲
۶	رافع رضی اللہ عنہ اور ابن جندب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ۔	۲۱۳
۷	زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کی وجہ سے تقدّم۔	۲۱۵
۸	ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری کے باپ کا انتقال۔	۲۱۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹	سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی غابہ پر دوڑ۔	۲۱۶
۱۰	بدر کا مقابلہ اور براء رضی اللہ عنہ کا شوق۔	۲۱۸
۱۱	عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن ابی کا اپنے باپ سے معاملہ۔	۲۱۹
۱۲	جابر رضی اللہ عنہ کی حمراء الاسد میں شرکت۔	۲۲۱
۱۳	ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بہادری روم کی لڑائی میں۔	۲۲۲
۱۴	عمرو رضی اللہ عنہ بن سلمہ کا کفر کی حالت میں قرآن یاد کرنا۔	۲۲۳
۱۵	ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا۔	۲۲۴
۱۶	ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بچپن میں حفظ قرآن۔	۲۲۴
۱۷	عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا حفظ حدیث۔	۲۲۵
۱۸	زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حفظ قرآن۔	۲۲۷
۱۹	امام حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ۔	۲۲۸
۲۰	امام حسین رضی اللہ عنہ کا علمی مشغلہ۔	۲۲۹
	باب دوازدہم (حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے واقعات)	۲۳۱
۱	ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان اسلام اور تکلیف۔	۲۳۲
۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے وصال پر رنج۔	۲۳۴
۳	ایک عورت کا حضور ﷺ کی خبر کے لئے بے قرار ہونا۔	۲۳۶
۴	حدیبیہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کا فعل اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل۔	۲۳۶
۵	ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خون پینا۔	۲۴۰
۶	مالک رضی اللہ عنہ بن سنان کا خون پینا۔	۲۴۰
۷	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو انکار۔	۲۴۱
۸	انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا عمل اُحد کی لڑائی میں۔	۲۴۳
۹	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا پیام اُحد میں۔	۲۴۴
۱۰	حضور ﷺ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت۔	۲۴۴
۱۱	صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کے متفرق قصے۔	۲۴۵
۱۲	خاتمہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برتاؤ اور ان کے اجمالی فضائل)	۲۵۱

فہرست مضامین رسالہ فضائلِ قرآن

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	خطبہ کتاب۔	۲۵۸
۲	سبب تالیف۔	۲۵۹
۳	تلاوت کے ظاہری و باطنی آداب۔	۲۶۳
۴	حفظِ قرآن کی وہ مقدار جو فرض ہے۔	۲۶۴
۵	احادیث۔	۲۶۵
۶	سب سے بہترین شخص کون ہے؟۔	۲۶۵
۷	تلاوت کی برکت اور کلام اللہ کی فضیلت۔	۲۶۶
۸	دو اور تین اور چار آیات کا ثواب۔	۲۶۶
۹	تلاوت میں مہارت پر اور انکے پر ثواب۔	۲۶۹
۱۰	دو چیزوں میں حسد جائز ہے۔	۲۷۰
۱۱	تلاوت کرنیوالوں اور نہ کرنیوالوں کی مثال۔	۲۷۰
۱۲	کتاب اللہ کی وجہ سے قوموں کا عروج و زوال۔	۲۷۲
۱۳	قیامت میں تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی۔	۲۷۳
۱۴	سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن مجید کا حق ہے۔	۲۷۴
۱۵	تفسیر کے لئے پندرہ علوم میں مہارت ضروری ہے۔	۲۷۵
۱۶	قرآن پاک کی وجہ سے جنت میں بلند مقام۔	۲۷۷
۱۷	قرآن پاک کے ایک حرف پر دس نیکیاں۔	۲۸۰
۱۸	تلاوت اور عمل کرنے والے کے والدین کو سورج سے زیادہ روشن تاج پہنائے جائیں گے۔	۲۸۱
۱۹	قرآن پاک کو آگ نہیں جلاتی۔	۲۸۳
۲۰	کلام پاک پر عمل کرنے والے کو دس آدمیوں کی سفارش کا حق۔	۲۸۵
۲۱	قرآن پاک کے پڑھنے والے کی مثال مشک سے بھری ہوئی تھیلی کی طرح ہے۔	۲۸۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۲	جس سینے میں قرآن پاک نہیں وہ دیران گھر کی طرح ہے۔	۲۸۶
۲۳	قرآن پاک نماز میں پڑھنا افضل ہے۔	۲۸۷
۲۴	قرآن دیکھ کر پڑھنے کا ثواب۔	۲۸۹
۲۵	زنگ خوردہ دلوں کو جلاءء تلاوت قرآن پاک اور موت کی یاد ہے۔	۲۹۰
۲۶	اس اُمت کا شرف اور افتخار قرآن پاک ہے۔	۲۹۱
۲۷	تلاوت قرآن پاک دنیا میں نور اور آخرت میں ذخیرہ ہے۔	۲۹۲
۲۸	صحائفِ آسمانی اور کتبِ سماویہ کی تعداد اور ان کے مضامین۔	۲۹۳
۲۹	یکجا تلاوت کرنے والوں پر سکینہ اور رحمت کا نزول اور فرشتوں کا گھیرنا۔	۲۹۵
۳۰	اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنے والے قرآن پاک سے عمدہ اور کوئی عمل نہ لے جاسکیں گے۔	۲۹۷
۳۱	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خواب۔	۲۹۸
۳۲	مرتبہ احسان کے حصول کا طریقہ۔	۲۹۸
۳۳	اہل تلاوت اہل اللہ ہیں۔	۳۰۰
۳۴	خوش الحالی سے قرآن پاک پڑھنے والے پیغمبر کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ۔	۳۰۱
۳۵	قاری کی قرأت کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ۔	۳۰۱
۳۶	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک گویے کا قصہ۔	۳۰۲
۳۷	قرآن پاک کورات دن پڑھنے کا حکم اور اس کا ثواب۔	۳۰۳
۳۸	تورات کی ایک روایت۔	۳۰۵
۳۹	قرآن مجید سابقہ کتب کا جامع اور ان سے زیادہ پر مشتمل ہے۔	۳۰۵
۴۰	ضعفاء مہاجرین کی ایک مجلس۔	۳۰۶
۴۱	قرآن پاک پڑھنے اور سننے کا ثواب۔	۳۰۸
۴۲	قرآن پاک شافع اور مُشَفَّع ہے۔	۳۰۹
۴۳	روزہ اور قرآن پاک شفاعت کریں گے۔	۳۱۰
۴۴	تلاوت کرنے والوں کے واقعات۔	۳۱۱
۴۵	ختم قرآن پاک کے مسائل۔	۳۱۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۶	کوئی شفاعت کر نیوالا قرآن مجید سے افضل نہ ہوگا۔	۳۱۳
۴۷	تلاوت کر نیوالے کی قرآن مجید حفاظت کرتا ہے۔	۳۱۳
۴۸	تلاوت کرنے والا گویا علوم نبوت کو اپنے سینے میں سمیٹ لیتا ہے۔	۳۱۴
۴۹	تین شخص جو بے خوف مشک کے ٹیلوں پر ہونگے۔	۳۱۵
۵۰	ایک آیت کا سیکھنا سو رکعت سے بہتر ہے۔	۳۱۵
۵۱	دس آیتیں پڑھنے والا غافلین میں نہیں لکھا جاتا۔	۳۱۶
۵۲	فرض نمازیں پڑھنے والا غافلین میں سے نہیں۔	۳۱۶
۵۳	فتنوں کا توڑ کتاب اللہ ہے۔	۳۱۷
۵۴	خاتمہ	۳۱۸
۵۵	سورہ فاتحہ ہر بیماری کی دوا ہے۔	۳۱۸
۵۶	سورہ فاتحہ اور دوسری سورتوں اور آیتوں کے فضائل۔	۳۱۹
۵۷	سورہ یسین کی برکات اور فضائل۔	۳۲۰
۵۸	سورہ واقعہ، سورہ ملک کے فضائل	۳۲۲
۵۹	افضل عمل کون سا ہے؟۔	۳۲۴
۶۰	قرآن مجید کی خبر گیری اور اشتغال کی ضرورت۔	۳۲۵
۶۱	قرآن مجید کو ذریعہ سوال بنانے والے کا عذاب۔	۳۲۶
۶۲	نتیجہ۔	۳۲۸
۶۳	جس خوبی سے کسی کو محبت ہو وہ قرآن پاک میں موجود ہے۔	۳۳۰
۶۴	محبت کے اسباب پانچ امور ہیں اور وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔	۳۳۸
۶۵	حفظ قرآن کا ایک مجرب عمل۔	۳۴۰
۶۶	تکملہ۔ مختصر چہل حدیث تمت بالخیر۔	۳۴۳

فہرست مضامین رسالہ فضائل نماز

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	خطبہ و تمہید	۳۴۸
	باب اول (نماز کی اہمیت کے بیان میں)	۳۵۰
	فصل اول (نماز کی فضیلت کے بیان میں)	۳۵۰
۱	عن ابن عمر رضی اللہ عنہما فی الاسلام علی خمس۔	۳۵۰
۲	عن ابی ذر رضی اللہ عنہ خرج والورق۔ بہافت۔	۳۵۱
۳	عن ابی عثمان رضی اللہ عنہ وقد اخذ غصنا۔	۳۵۲
۴	عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ لو ان باب احد کم نہر۔	۳۵۲
۵	عن جابر رضی اللہ عنہ مثل الصلوات الخمس کمثل نہر۔	۳۵۵
۶	عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ اذا حزبه امر صلی۔	۳۵۶
۷	عن ابی مسلم رحمۃ اللہ من توضع فقام الی فریضۃ۔	۳۶۰
۸	عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فی رجلین استشهد احدهما۔	۳۶۲
۹	عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما فی ملک ینادی اطفئوا۔	۳۶۳
۱۰	عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ فی عہدہ تعالیٰ بالمغفرۃ۔	۳۶۵
۱۱	عن ابن سلمان فی رجل ریح لم یریح مثله۔	۳۶۶
۱۲	چہل حدیث اردو۔	۳۶۸
۱۳	حضور ﷺ کی عادت نماز میں۔	۳۷۱
۱۴	ایک مجددی کی حسرت جنت پر۔	۳۷۲
	فصل دوم (نماز کے چھوڑنے پر وعید و عتاب کا بیان)	۳۷۳
۱	عن جابر رضی اللہ عنہ بین العبد والکفر الخ۔	۳۷۳
۲	عن عبادۃ رضی اللہ عنہ اوصانی خلیلی سبع۔	۳۷۵
۳	عن معاذ رضی اللہ عنہ اوصانی بعشر۔	۳۷۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴	عن نوفل بن عبد الرحمن عن عائشة كانت تقرأ القرآن في كل يوم.	۳۷۸
۵	عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم من جمع بين عذريتين.	۳۷۸
۶	عن عبد الله بن عمرو بن العاص عن النبي صلى الله عليه وسلم من حافظ كتاب الله.	۳۷۹
۷	عن حافظ أكرم خمس والعقب خمس عشر عقوبة.	۳۸۱
۸	من ترك عذب حقاً.	۳۹۱
۹	عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم لا سهم في الإسلام.	۳۹۳
۳۹۵	باب دوم (جماعت کے بیان میں)	
۳۹۵	فصل اول (جماعت کے فضائل میں)	
۱	عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم صلاة الجماعة سبع عشرين.	۳۹۵
۲	عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم تضعف خمساً وعشرين.	۳۹۷
۳	عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم شرع سنن الهدى.	۴۰۰
۴	عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم من صلى أربعين يوماً في جماعة كتب له بها ثمان.	۴۰۲
۵	عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم من توضأ فأحسن ثم راح فوجد الناس صلوا.	۴۰۲
۶	عن قباث صلاة الرجلين يوم احدهما اذكى من اربعة تترى.	۴۰۳
۷	عن سهل بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم بشر المشائين في الظلم.	۴۰۴
۴۰۷	فصل دوم (جماعت چھوڑنے پر عتاب کا بیان)	
۱	عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم من سمع النداء ولم يمتعه عذر لم تقبل منه.	۴۰۸
۲	عن معاذ بن جبل عن النبي صلى الله عليه وسلم الجفاء والكفر الخ.	۴۰۹
۳	عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم هممت ان امرتني فجمعوا الى خطباً.	۴۰۹
۴	عن أبي الدرداء عن النبي صلى الله عليه وسلم ما من ثلاثة في قرية ولا بدوا الخ.	۴۱۰
۵	عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم من يصوم ويقوم الليل ولا يشهد الجماعة الخ.	۴۱۱
۶	عن كعب بن جراح عن النبي صلى الله عليه وسلم يكشف الآيات.	۴۱۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	باب سوم (خشوع و خضوع کے بیان میں)	۴۱۳
۱	تفسیر آیات خشوع۔	۴۱۵
۲	عن عمار رضی اللہ عنہ لیسرف وما کتب لہ الا عشر صلوات الخ۔	۴۲۷
۳	عن انس رضی اللہ عنہ من اتم قیامہا تخرج بیضاء سفرة تقول حفظک اللہ والا تقول ضیعک اللہ۔	۴۲۸
۴	عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اول ما یحاسب الصلوۃ ویکمل الفریضۃ عن التطوع۔	۴۳۰
۵	عن عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ اول ما یحاسب الصلوۃ فان صلحت صلح سائر عملہ۔	۴۳۲
۶	عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اسوء الناس سرقة۔	۴۳۳
۷	عن ام رومان رضی اللہ عنہ رأی ابو بکر رضی اللہ عنہ اتمیل الخ۔	۴۳۴
۸	عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر۔	۴۳۶
۹	عن جابر رضی اللہ عنہ رفعہ افضل الصلوۃ طول القنوت۔	۴۳۸
۱۰	نماز میں بارہ ہزار چیزیں۔	۴۴۱
۱۱	آخری گزارش۔	۴۵۰
۱۲	تمت۔	۴۵۱

-----☆-----☆-----☆-----

فہرست مضامین رسالہ فضائل ذکر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	تمہید	۴۵۴
	باب اوّل (فضائل ذکر)	۴۵۶
	فصل اوّل (آیات ذکر)	۴۵۶
	فصل ثانی (احادیث ذکر)	۴۶۹
۱	اللہ کے ساتھ نیک گمانی۔	۴۶۹
۲	آدمی افضل ہے یا فرشتہ۔	۴۷۳

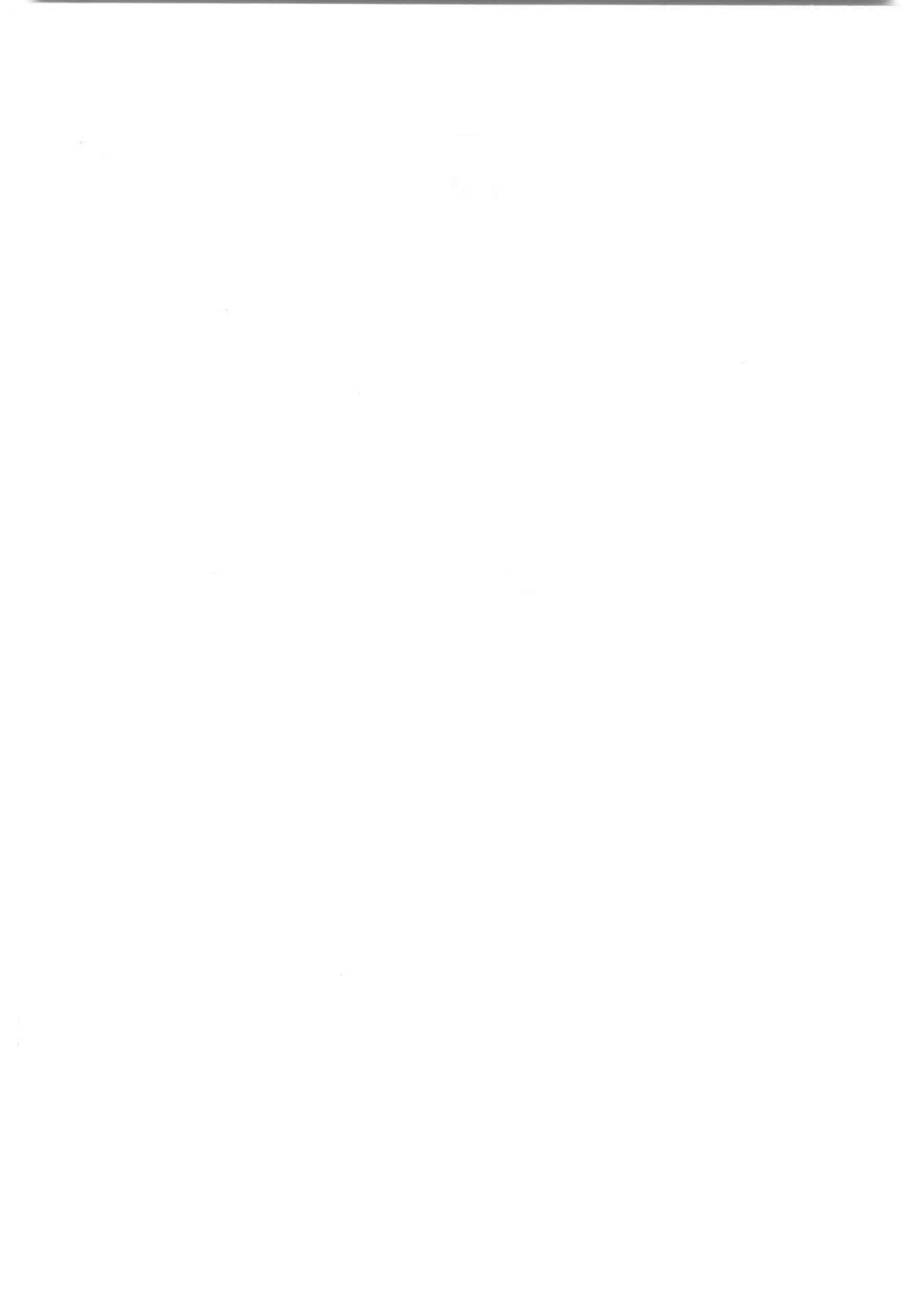
نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳	ذکر کے ساتھ رطب اللسان رہنے کی تاکید۔	۴۷۳
۴	بہترین عمل اللہ کا ذکر ہے۔	۴۷۵
۵	بستروں پر ذکر کرنے والے بھی افضل ہیں۔	۴۷۷
۶	ذکر کرنے والا زندہ ہے، نہ کرنے والا مردہ۔	۴۷۸
۷	ذکر کرنے والا روپے تقسیم کرنے والے سے افضل ہے۔	۴۷۹
۸	جنتیوں کا ذکر سے خالی وقت پر افسوس۔	۴۸۰
۹	ذکر کرنے والوں کو فرشتوں کا گھیر لینا۔	۴۸۱
۱۰	اللہ تعالیٰ کا ذکر کرین پر فخر۔	۴۸۲
۱۱	ذاکرین کی خطاؤں کا تبادلہ۔	۴۸۵
۱۲	عذاب قبر سے ذاکر کی حفاظت۔	۴۹۱
۱۳	ذاکرین نور کے ممبروں پر۔	۴۹۳
۱۴	ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں	۴۹۶
۱۵	شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت	۴۹۸
۱۶	اللہ کا ذکر ایسا کرو کہ لوگ مجنوں کہنے لگیں	۴۹۹
۱۷	سونے کی تختی پر نصائح	۴۹۹
۱۸	ذاکر قیامت میں عرش کے سایہ تلے	۵۰۲
۱۹	عقل مند وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں	۵۰۴
۲۰	غور و فکر یعنی مراقبہ	۵۰۴
۲۱	حضور اکرم ﷺ کو ذکر کرین کے پاس بیٹھنے کا حکم	۵۰۷
۲۲	نماز فجر اور عصر کے بعد ذکر کی تاکید	۵۱۰
۲۳	ذکر اور علم کے علاوہ دنیا ملعون ہے	۵۱۱
۲۴	ذکر اللہ کی سو سے زیادہ برکات	۵۱۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	باب دوم (کلمہ طیبہ کے فضائل)	۵۲۵
	فصل اوّل (اُن آیات میں جن سے کلمہ مراد ہے)	۵۲۶
	فصل دوم (اُن آیات میں جن میں کلمہ وارد ہے)	۵۳۷
	فصل سوم (فضائل کلمہ کی احادیث میں)	۵۴۰
۱	افضل ترین ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے	۵۴۰
۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی درخواست پر کلمہ کی تعلیم	۵۴۲
۳	حضور ﷺ کی شفاعت کلمہ والے کے لئے	۵۴۳
۴	حضور ﷺ کی شفاعت کے انواع	۵۴۴
۵	کلمہ کا خلاص یہ ہے کہ محرمات سے روک دے	۵۴۵
۶	گناہوں کی نحوست سے ایمان جاتا رہتا ہے	۵۴۶
۷	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عرش تک پہنچتا ہے	۵۴۷
۸	حضور کا کواڑ بند کروا کر کلمہ پڑھوانا	۵۴۸
۹	ایمان کی تجدید اور کلمہ کی کثرت کا حکم	۵۴۹
۱۰	اخلاص سے کلمہ پڑھ کر مرنے والے پر جہنم حرام ہے	۵۵۰
۱۱	جنت کی کنجی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے	۵۵۱
۱۲	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اعمال نامہ میں سے بُرائیاں دھو دیتا ہے	۵۵۲
۱۳	کلمہ سے عرش کا ستون حرکت میں آتا ہے	۵۵۲
۱۴	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ والوں کو وحشت نہیں ہوتی	۵۵۳
۱۵	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ننانوے دفتروں کے مقابلہ میں	۵۵۶
۱۶	کلمہ طیبہ آسمان و زمین وغیرہ سب پر غالب ہے	۵۵۸
۱۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اُمت محمدیہ پر کلمہ سہل ہے	۵۶۰
۱۸	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جنت کے دروازے پر	۵۶۲
۱۹	افضل ترین کلمہ اور افضل ترین دعا	۵۶۳
۲۰	شیطان کا قول ہے کہ کلمہ طیبہ اور استغفار نے مجھے ہلاک کر دیا	۵۶۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱	کلمہ کی برکات موت کے وقت	۵۶۶
۲۲	حضور ﷺ کا اپنے چچا ابوطالب پر کلمہ پیش کرنا	۵۷۰
۲۳	حضرت آدم علیہ السلام کا حضور ﷺ کے وسیلہ سے توبہ کرنا	۵۷۵
۲۴	اسم اعظم اور نظر کی دعا	۵۷۷
۲۵	حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو وصیت	۵۸۱
۲۶	برائی کو بھلائی سے دھونے کا حکم	۵۸۵
۲۷	ایک مخصوص کلمہ پر چالیس ہزار نیکیاں	۵۸۶
۲۸	وضو کے بعد کلمہ پر آٹھوں دروازے جنت کے کھلنا	۵۸۸
۲۹	سو مرتبہ کلمہ پڑھنے والے کا منہ بدر کی طرح	۵۸۹
۳۰	بچوں کو ابتداء کلمہ کی تلقین کی برکت	۵۸۹
۳۱	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے نہ کوئی عمل بڑھ سکتا ہے	۵۹۲
۳۲	ایمان کے ستر شعبے اور ان کی تفصیل	۵۹۳
۵۹۹	باب سوم (تیسرا کلمہ)	
۵۹۹	فصل اوّل (قرآن پاک میں کلمات مذکورہ تسبیح، تحمید، تکبیر وارد ہیں)	
۶۲۵	فصل دوم (احادیث میں کلمات مذکورہ کے فضائل)	
۶۲۷	۱ قیامت میں اللہ کی نعمتوں کا حساب ہوگا	
۶۳۲	۲ جنت کے درخت یہ کلمات ہیں	
۶۳۵	۳ فقرہ کی شکایت کہ مال دار ثواب میں بڑھ جاتے ہیں	
۶۵۱	۴ باطل میں اعانت کرنے والا اللہ کے غصہ میں ہے	
۶۵۵	۵ انگلیوں سے قیامت میں سوال اور ان پر گننے کی فضیلت	
۶۶۰	۶ گٹھلیوں پر گننے اور تسبیح متعارف کا جواز	
۶۶۴	۷ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا خادم مانگنا اور حضور ﷺ کا اس کی بجائے تسبیح کا تلقین فرمانا	
۶۶۹	۸ خاتمہ اور صلوٰۃ التسبیح	
۶۷۸	تمت بالخیر	

فہرست مضامین رسالہ فضائل تبلیغ

صفحہ	مضمون	فصل
۶۸۰	تمہید	آغاز کتاب
۶۸۲	آیت قرآنی در تاکید امر بالمعروف ونہی عن المنکر	فصل اول
۶۸۷	احادیث نبوی در تاکید امر بالمعروف ونہی عن المنکر	فصل ثانی (دوم)
۷۰۰	تنبیہ برائے اصلاح نفس	فصل ثالث (سوم)
۷۰۲	فضائل اکرام مسلم و وعید تحقیر مسلم	فصل رابع (چہارم)
۷۰۵	اخلاص اور ایمان و احتساب	فصل خامس (پنجم)
۷۰۸	تعظیم علمائے کرام و بزرگان دین	فصل سادس (ششم)
۷۱۲	اہل حق کی پہچان اور ان کی مجالست کی اہمیت	فصل سابع (ہفتم)



حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

مکتبہ الرشیدیہ
کراچی - پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَمَهِید

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَآتْبَاعِهِ
الْحَمَاءِ لِلدِّينِ الْقَوِيمِ اما بعد: اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور میرے مربی و محسن کا
ارشاد ۵۳ھ میں ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند قصے بالخصوص کم سن صحابہ رضی اللہ عنہم اور
عورتوں کی دینداری کی کچھ حالت اردو میں لکھی جائے تاکہ جو لوگ قصوں کے شوقین ہیں وہ
واہی بتا ہی جھوٹی حکایات کے بجائے اگر ان کو دیکھیں تو ان کے لئے دینی ترقی کا سبب ہو
اور گھر کی عورتیں اگر راتوں میں بچوں کو جھوٹی کہانیوں کی بجائے ان کو سنائیں تو بچوں کے
دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور عظمت کے ساتھ دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہو۔ میرے
لئے اس ارشاد کی تعمیل بہت ہی ضروری تھی کہ احسانات میں ڈوبے ہوئے ہونے کے علاوہ
اللہ والوں کی خوشنودی دو جہان میں فلاح کا سبب ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اپنی کم مائیگی
سے یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس خدمت کو مرضی کے موافق ادا کر سکتا ہوں۔ اس لئے چار برس
تک بار بار اس ارشاد کو سنتا رہا اور اپنی نااہلیت سے شرمندہ ہوتا رہا کہ صفر ۱۳۵ھ میں ایک
مرض کی وجہ سے چند روز کے لئے دماغی کام سے روک دیا گیا۔ تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی
ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گزار دوں کہ اگر یہ اوراق پسند خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ
خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گزر ہی جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کے قصے ان کے حالات یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کی
تحقیق اور تفتیش کی جائے اور ان سے سبق حاصل کیا جائے، بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی
جماعت جس کو اللہ جلّ ثنا نے اپنے لاڈلے نبی اور پیارے رسول ﷺ کی مصاحبت کے لئے
پناہ کی مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ اس کے علاوہ اللہ والوں کے ذکر سے اللہ کی
رحمت نازل ہوتی ہے۔ صوفیاء کے سردار حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں
اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدین کے دلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: ہاں! اللہ جل ثنا کا ارشاد ہے:

”وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَ مُوعِظَةٌ وَ ذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝“

ترجمہ: ”اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں (ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہے جو خود بھی راست اور واقعی ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کی) یاد دہانی ہے۔“ (بیان القرآن)

ایک ضروری بات یہ بھی دل میں جمالینے کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیثیں ہوں یا بزرگوں کے حالات، اسی طرح مسائل کی کتابیں ہوں یا معتبر لوگوں کے وعظ و ارشادات یہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کو ختم کر دیا جائے، بلکہ اپنی حالت اور استعداد کے موافق بار بار دیکھتے رہنا چاہیے۔ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک وعظ کی مجلس میں حاضر ہوا تو ان کے وعظ نے میرے دل پر اثر کیا، مگر جب وعظ ختم ہوا تو وہ اثر بھی ختم ہو گیا میں دوبارہ ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس وعظ کا اثر فارغ ہونے کے بعد گھر کے راستہ میں بھی رہا تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا تو اس کا اثر گھر میں پہنچنے پر بھی رہا۔ میں نے گھر جا کر اللہ کی نافرمانی کے جو اسباب تھے سب توڑ دیئے اور اللہ کا راستہ اختیار کر لیا۔ اسی طرح دینی کتابوں کا بھی حال ہے کہ محض سرسری طور پر ایک مرتبہ ان کے پڑھ لینے سے اثر کم ہوتا ہے، اس لئے کبھی کبھی پڑھتے رہنا چاہیے، پڑھنے والوں کی سہولت اور مضامین کے دل نشین ہونے کے خیال سے میں نے اس رسالہ کو بارہ^{۱۲} بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

۱: پہلا باب : دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مشقت کا جھیلنا۔

۲: دوسرا باب : اللہ جل جلالہ کا خوف اور ڈر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص عادت تھی۔

۳: تیسرا باب : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی کا نمونہ۔

- ۴: چوتھا باب : صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی حالت۔
- ۵: پانچواں باب: نماز کا شوق اور اس کا اہتمام۔
- ۶: چھٹا باب : ہمدردی اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا۔
- ۷: ساتواں باب: بہادری و دلیری اور ہمت و شجاعت اور موت کا شوق۔
- ۸: آٹھواں باب: علمی مشاغل اور علمی انہماک کا نمونہ۔
- ۹: نواں باب : حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کی تعمیل۔
- ۱۰: دسواں باب : عورتوں کا دینی جذبہ اور بہادری اور حضور ﷺ کی بیبیوں اور اولاد کا بیان۔
- ۱۱: گیارہواں باب: بچوں کا دینی ولولہ اور بچپن میں دین کا اہتمام۔
- ۱۲: بارہواں باب: حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کا نمونہ۔
- ☆ خاتمہ : صحابہ رضی اللہ عنہم کے حقوق اور ان کے مختصر فضائل۔

پہلا باب

دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف و مشقت کا جھیلنا

حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں، ان کا برداشت کرنا تو درکنار اس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دُشوار ہے۔ تاریخ کی کتابیں ان واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ان پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا، ہم ان کے معلوم کرنے کی بھی تکلیف نہیں کرتے۔ اس باب میں چند قصوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کرنا ہے۔ ان میں سب سے پہلے خود حضور اکرم ﷺ کے ایک قصہ سے ابتدا کرتا ہوں کہ حضور کا ذکر برکت کا ذریعہ ہے۔

(۱) حضور اکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا قصہ

نبوتِ مل جانے کے بعد نو برس تک نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرماتے رہے اور قوم کی ہدایت اور اصلاح کی کوشش فرماتے رہے، لیکن تھوڑی سی جماعت کے سوا جو مسلمان ہو گئی تھی اور تھوڑے سے ایسے لوگوں کے علاوہ جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپ کی مدد کرتے تھے، اکثر کفارِ مکہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے، مذاق اڑاتے تھے اور جو ہو سکتا تھا اس سے درگزر نہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے چچا ابوطالب بھی انہی نیک دل لوگوں میں تھے جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے حضور ﷺ کی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے۔ دسویں سال میں جب ابوطالب کا بھی انتقال ہو گیا تو کافروں کو اور بھی ہر طرح کھلے مہار اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا موقع ملا۔ حضور اقدس ﷺ اس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں قبیلہ ثقیف کی بڑی جماعت ہے، اگر وہ قبیلہ مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کو ان تکلیفوں سے نجات ملے اور دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے، وہاں پہنچ کر قبیلہ کے تین سرداروں سے جو بڑے درجے کے سمجھے جاتے تھے گفتگو فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بلایا اور اللہ کے رسول کی یعنی اپنی مدد کی طرف متوجہ کیا، مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ دین کی بات کو قبول کرتے یا کم سے کم

عرب کی مشہور مہمان نوازی کے لحاظ سے ایک نو وارد مہمان کی خاطر و مدارات کرتے صاف جواب دے دیا اور نہایت بے رنجی اور بد اخلاقی سے پیش آئے۔

اُن لوگوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ یہاں قیام فرمائیں۔ جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی کہ وہ شریف ہوں گے اور مہذب گفتگو کریں گے اُن میں سے ایک شخص بولا کہ اوہو! آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرا بولا کہ اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تیسرے نے کہا کہ میں تجھ سے بات کرنا نہیں چاہتا، اس لئے کہ اگر تو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے تو تیری بات سے انکار کر دینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر جھوٹ ہے تو میں ایسے شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ان لوگوں سے نا اُمید ہو کر حضور اکرم ﷺ نے اور لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ تو ہمت اور استقلال کے پہاڑ تھے، مگر کسی نے بھی قبول نہ کیا، بلکہ بجائے قبول کرنے کے حضور ﷺ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ، اور جہاں تمہاری چاہت کی جگہ ہو وہاں چلے جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ جب اُن سے بالکل مایوس ہو کر واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے شہر کے لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ ﷺ کا مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں، پتھر ماریں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے۔ حضور اقدس ﷺ اسی حالت میں واپس ہوئے۔ جب راستہ میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِيْ
وَ قِلَّةَ حِيلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلٰى
النَّاسِ . يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ! اَنْتَ
رَبُّ الْمُسْتَضْعِفِيْنَ وَ اَنْتَ رَبِّىْ
اِلٰى مَنْ تَكَلَّنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ
يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوِّ مَلِكْتَهُ
اَمْرِئ . اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلٰى
غَضَبٍ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافَيْتَكَ
اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں
اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں
ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو
ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار
ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، کسی
اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا
ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے
جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ!

ہی اَوْسَعُ لِي، اَعُوذُ بِنُورِ
وَجْهِكَ الَّذِي اَشْرَقَتْ لَهُ
الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِي
غَضَبَكَ اَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ،
لَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى وَ
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ. (كَذَا
فِي سِيرَةِ ابْنِ هِشَامٍ، قُلْتُ:
وَاخْتَلَفَتِ الرِّوَايَاتُ فِي اَلْفَاظِ
الدَّعَاءِ كَمَا فِي "قِرَّةِ الْعْيُونِ")

اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی
بھی پرواہ نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی
ہے، میں تیرے چہرہ کے اُس نور کے طفیل
جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور
جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام
درست ہو جاتے ہیں اس بات سے پناہ مانگتا
ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض
ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا
ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ
تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

مَا لِكَ الْمَلِكِ كِي شَانِ قَهَارِي كُو اَسْ پَر جُوشِ اَنَا هِي تَهَا كِه حَضْرَتِ جَبْرِئِيلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نِي
آ كَر سَلَامُ كِيَا اَوْر عَرْضُ كِيَا كِه اللّٰهُ تَعَالٰی نِي اَبْ كِي قَوْمِ كِي وَهْ كَفْتَنُ كُو اَبْ سِي هُوِي سُنِي اَوْر اَن
كِي جَوَابَاتِ سُنِي اَوْر اِيك فَرَشْتِه كُو جِس كِي مُتَعَلِّقِ پِهَاڑُوں كِي خِدْمَتِ هِي اَبْ كِي پَاسِ بِيْجَا
هِي كِه اَبْ جُو چَا هِي اَس كُو حَكْمِ دِيں۔ اَس كِي بَعْدِ اَس فَرَشْتِه نِي سَلَامُ كِيَا اَوْر عَرْضُ كِيَا كِه جُو
اِرْشَادِ هُو مِيں اَس كِي تَعْمِيلِ كَرُوں، اَكْر اِرْشَادِ هُو تُو دُونُوں جَانِبِ كِي پِهَاڑُوں كُو مَلَا دُوں جِس سِي
يِه سَبِ دَرْمِيَانِ مِيں كُچَلِ جَانِيں يَا اَوْر جُو سَزَا اَبْ تَجْوِيْزِ فَرْمَانِيں۔ حَضْرَتِ ﷺ كِي رَجِيمِ وَ كَرِيمِ
ذَاتِ نِي جَوَابِ دِيَا كِه مِيں اللّٰهُ سِي اَس كِي اَمِيْدِ رَكْهَتَا هُوں كِه اَكْر يِه مُسْلِمَانِ نِيں هُوئِي تُو اَن
كِي اَوْلَادِ مِيں سِي اِيْسِي لُوگِ پِيْدَا هُوں جُو اللّٰهُ كِي پَرَسْتِشِ كَرِيں اَوْر اَس كِي عِبَادَتِ كَرِيں۔

ف: يِه هِي اَخْلَاقِ اَس كَرِيمِ ذَاتِ كِي جِس كِي هَم لُوگِ نَامِ لِيُوَا هِيں كِه هَم ذِرَا سِي
تَكْلِيْفِ سِي، كَسِي كِي مَعْمُولِي سِي گَالِي دِي دِيْنِي سِي اِيْسِي بَهْرُكِ جَاتِي هِيں كِه پُھر عَمْرُ بَهْرِ اَس كَا
بَدَلِ نِيں اَتَرَتَا، ظَلَمِ پَر ظَلَمِ اَس پَر كَرْتِي رِهْتِي هِيں اَوْر دَعْوِي كَرْتِي هِيں اِيْنِي مُحْمَدِي هُونِي كَا، نَبِي
كِي پِيرو بِنِي كَا، نَبِي كَرِيمِ ﷺ اَتْنِي سَخْتِ تَكْلِيْفِ اَوْر مُشَقَّتِ اُٹْھَانِي كِي بَاو جُو دِنِ بَدْوَعَا
فَرْمَاتِي هِيں نِه كُوِي بَدَلِ لِيْتِي هِيں۔

(۲) قصہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کو اس چیز کا صدمہ تھا، اس پر اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے کہ اسلام کی پہلی عظیم الشان لڑائی اور تو اس میں شریک نہ ہو سکا، اُس کی تمنا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں۔ اتفاق سے اُحد کی لڑائی پیش آ گئی جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے۔ اُحد کی لڑائی میں اوّل اوّل تو مسلمانوں کو فتح ہوئی، مگر آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے کچھ آدمیوں کو ایک خاص جگہ مقرر فرمایا تھا کہ تم لوگ اتنے میں نہ کہو اس جگہ سے نہ ہٹنا کہ وہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ تھا۔ جب مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی تو کافروں کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہو چکی، اس لئے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جائے اور غنیمت کا مال حاصل کیا جائے۔ اس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضور ﷺ کی ممانعت تھی تم یہاں سے نہ ہٹو، مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر حضور ﷺ کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت کے واسطے تھا وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہنچ گئے۔ بھاگتے ہوئے کافروں نے اس جگہ کو خالی دیکھ کر اس طرف سے آ کر حملہ کر دیا۔ مسلمان بے فکر تھے، اس اچانک بے خبری کے حملہ سے مغلوب ہو گئے اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آ گئے، جس کی وجہ سے ادھر ادھر پریشان بھاگ رہے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک دوسرے صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ ان سے کہا کہ اے سعد! کہاں جا رہے ہو؟ خدا کی قسم! جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑ سے آرہی ہے۔ یہ کہہ کر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے ہجوم میں گھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہو گئے واپس نہیں ہوئے۔ شہادت کے بعد اُن کے بدن کو دیکھا گیا تو چھلنی ہو گیا تھا۔ اُسی سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے۔ ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا۔

ف: جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں ان کو

دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے۔ اگر اخلاص آدمی میں ہو جاوے تو دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ میں نے ایک معتبر شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ علیہ کے مخلص خادم ہیں حضرت کا مقولہ سنا ہے کہ ”جنت کا مزہ آرہا ہے“۔ فضائلِ رمضان میں اس قصہ کو لکھ چکا ہوں۔

(۳) صلح حدیبیہ اور ابو جندل رضی اللہ عنہ اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قصہ

۱۔ ھ میں حضور اقدس ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے تھے۔ کفارِ مکہ کو اس کی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذلت سمجھے، اس لئے مزاحمت کی، اور حدیبیہ میں آپ کو رکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے جو حضور ﷺ پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے لڑنے کو تیار ہو گئے، مگر حضور ﷺ نے مکہ والوں کی خاطر سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا اور صلح کی کوشش کی، اور باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی لڑائی پر مستعدی اور بہادری کے حضور اکرم ﷺ نے کفار کی اس قدر رعایت فرمائی کہ ان کی ہر شرط کو قبول فرمالیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح دب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار تھا، مگر حضور ﷺ کے ارشاد کے سامنے کیا ہو سکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرمانبردار، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادروں کو بھی دینا پڑا۔ صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں ان شرطوں میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے، مسلمان اس کو مکہ واپس کر دیں اور مسلمانوں سے خدا نخواستہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے۔

یہ صلح نامہ ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جا کر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔ ان کے باپ سہیل نے جو اس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے،

فتح مکہ میں مسلمان ہوئے، انہوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مرتب بھی نہیں ہوا، اس لئے ابھی پابندی کس بات کی، مگر انہوں نے اصرار کیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو، مگر وہ لوگ ضد پر تھے، نہ مانا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا، اب واپس کیا جا رہا ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گزر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر حضور ﷺ کے ارشاد سے واپس ہوئے۔ حضور ﷺ نے تسلی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہ تمہارے لئے راستہ نکالیں گے۔

صلح نامہ کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ کفار نے ان کو واپس بلانے کے لئے دو آدمی بھیجے۔ حضور اقدس ﷺ نے حسب وعدہ واپس فرما دیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو کر آیا، آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اُن سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا۔ یہ صحابی رضی اللہ عنہ ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار! تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے۔ شیخی باز آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے، وہ نیام سے تلوار نکال کر کہنے لگا کہ ہاں! میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا ہے۔ یہ کہہ کر تلوار ان کے حوالہ کر دی، انہوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک کو تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے، اب میرا نمبر ہے۔ اس کے بعد ابو بصیر رضی اللہ عنہ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو۔ وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں، اس لئے میں نے یہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے۔ کاش! کوئی اس کا معین و مددگار ہوتا۔ وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئے گا تو میں

واپس کر دیا جاؤں گا۔ اس لئے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔
 مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم ہوا تو ابُو جَندَل رضی اللہ عنہ بھی جن کا قصہ پہلے گذرا
 چھپ کر وہیں پہنچ گئے۔ اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ ان کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں
 یہ ایک مختصر سی جماعت ہو گئی۔ جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام، نہ وہاں باغات اور
 آبادیاں، اس لئے ان لوگوں پر جو گزری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر جن ظالموں کے
 ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگے تھے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے
 مقابلہ کرتے اور لڑتے، حتیٰ کہ کفارِ مکہ نے پریشان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عاجزی
 اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے ساری جماعت کو
 آپ اپنے پاس بلا لیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لئے آنے جانے
 کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا تو
 ابو بصیر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ حضور ﷺ کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت
 میں انتقال فرمایا (رضی اللہ عنہ وارضاه)۔^۱

ف: آدمی اگر اپنے دین پر پکا ہو، بشرطیکہ دین بھی سچا ہو، تو بڑی سے بڑی طاقت
 اُس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کی مدد کا تو اللہ کا وعدہ ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

(۴) حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مصائب

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مُؤدِّن رہے۔ شروع
 میں ایک کافر کے غلام تھے، اسلام لے آئے جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیئے
 جاتے تھے۔ اُمیہ بن خلف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت
 تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تا کہ وہ حرکت نہ
 کر سکیں اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مرجائیں، اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں،
 مگر وہ اس حالت میں بھی ”أحد أحد“ کہتے تھے، یعنی معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں
 میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن اُن زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی

کیا جاتا، تاکہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔ عذاب دینے والے اُکتا جاتے، کبھی ابو جہل کا نمبر آتا، کبھی امیہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔

ف: چونکہ عرب کے بُت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے، اس لئے ان کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ”ایک ہی ایک“ کا ورد تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے تو اللہ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا، سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دیا جاتا کہ وہ اُن کو گلی کو چوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ ”ایک ہی ایک ہے“ کی رٹ لگاتے تھے۔ اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضور ﷺ کے دربار میں مؤذن بنے اور سفر حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور ﷺ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے بچے دن ہیں جہاد میں گزار دوں، اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بلال! یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے؟ تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما نے اذان کی فرمائش کی۔ لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کھرام مچ گیا۔ عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں۔ چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔ (اسد الغابہ)

(۵) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو بعد میں بڑے زاہدوں اور بڑے علماء میں سے ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ابوذر ایسے علم کو حاصل کئے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں، مگر انہوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ جب ان کو حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی پہلے پہل خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیق کے واسطے مکہ بھیجا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سنیں۔ وہ مکہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے، نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس مجمل بات سے تشفی نہ ہوئی تو خود سامان سفر کیا اور مکہ پہنچے اور سیدھے مسجد حرام میں گئے۔ حضور ﷺ کو پہنچانے نہیں تھے اور کسی سے پوچھنا مصلحت کے خلاف سمجھا، شام تک اسی حال میں رہے۔

شام کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مسافر ہے۔ مسافروں کی، غریبوں کی، پردیسیوں کی خبر گیری، ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا، ان حضرات کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، اس لئے ان کو اپنے گھر لے آئے، میزبانی فرمائی، لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو، کیوں آئے؟ مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔ صبح کو پھر مسجد میں آگئے اور دن بھر اسی حال میں گذرا کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت کسی سے کیا نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حضور ﷺ کے ساتھ دشمنی کے قصے بہت مشہور تھے۔ آپ کو اور آپ کے ملنے والوں کو ہر طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ ان کو خیال ہوا ہو کہ صحیح حال معلوم نہیں ہوگا اور بدگمانی کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی۔ دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے، بظاہر جس غرض کے لئے آیا ہے وہ پوری نہیں ہوئی، اس لئے پھر اپنے گھر لے گئے اور رات کو کھلایا سٹلایا، مگر پوچھنے کی اس رات بھی نوبت نہ آئی۔ تیسری رات کو پھر یہی صورت ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دریافت کیا کہ تم کس کام

سے آئے ہو، کیا غرض ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اول ان کو قسم اور عہد و پیمان دیئے اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں۔ اس کے بعد اپنی غرض بتلائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ بیشک اللہ کے رسول ہیں اور صبح کو جب میں جاؤں تو تم میرے ساتھ چلنا، میں وہاں تک پہنچا دوں گا، لیکن مخالفت کا زور ہے، اس لئے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی اندیشہ ہو تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتا درست کرنے لگوں گا، تم سیدھے چلے چلنا، میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں جس کی وجہ سے تمہارا میرا ساتھ ہونا معلوم نہ ہو۔ چنانچہ صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے پیچھے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں جا کر بات چیت ہوئی، اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

حضور اقدس ﷺ نے اُن کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا، چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ۔ جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمہ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلا کے پڑھوں گا۔ چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ پڑھا۔ پھر کیا تھا؟ چاروں طرف سے لوگ اٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا، مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے ان کے اوپر بچانے کے لئے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو؟ یہ شخص قبیلہ غفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملکِ شام کے راستہ میں پڑتا ہے، تمہاری تجارت وغیرہ سب ملکِ شام کے ساتھ ہے۔ اگر یہ مر گیا تو شام کا جانا آنا بند ہو جائے گا۔ اس پر ان لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملکِ شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے، اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جا کر با آواز بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کے سننے کی تاب نہ لا سکتے تھے، اس لئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔

ف: حضور ﷺ کے اس ارشاد کے باوجود کہ اپنے اسلام کو چھپاؤ، ان کا یہ فعل حق

کے اظہار کا ولولہ اور غلبہ تھا کہ جب یہ دین حق ہے تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے جس سے ڈر کر چھپایا جائے۔ اور حضور ﷺ کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمل نہ ہو، ورنہ حضور ﷺ کے حکم کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ مجال ہی نہ تھی۔ چنانچہ اس کا کچھ نمونہ مستقل باب میں آ رہا ہے، چونکہ حضور اقدس ﷺ خود ہی دین کے پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرما رہے تھے، اس لئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سہولت پر عمل کے بجائے حضور ﷺ کے اتباع کو ترجیح دی۔ یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی و دنیوی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم چوم رہی تھی اور ہر میدان ان کے قبضہ میں تھا کہ جو شخص بھی ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ جاتا تھا، بڑی سے بڑی قوت بھی اس کو روک نہ سکتی تھی اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اشاعت سے ہٹا سکتا تھا۔

(۶) حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بھی انہی مبارک ہستیوں میں ہیں جنہوں نے امتحان کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور اللہ کے راستہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ شروع ہی میں پانچ چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اس لئے بہت زمانہ تک تکلیفیں اٹھائیں۔ لوہے کی زرہ پہنا کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات بالکل سیدھا گرم ریت پر لٹا دیا جاتا جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گل کر گیا تھا۔ یہ ایک عورت کے غلام تھے، اس کو خبر پہنچی کہ یہ حضور اقدس ﷺ سے ملتے ہیں تو اس کی سزا میں لوہے کو گرم کر کے ان کے سر کو اس سے داغ دیتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرصہ کے بعد اپنے زمانہ خلافت میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے ان تکالیف کی تفصیل پوچھی جو ان کو پہنچائی گئیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا۔ میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔ ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فتوحات کا دروازہ کھلا تو اس

پر رویا کرتے کہ خدا نخواستہ ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے خلافِ عادت بہت ہی لمبی نماز پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق عرض کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رغبت و ڈر کی نماز تھی۔ میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں، دو ان میں سے قبول ہوئیں اور ایک کو انکار فرما دیا:

- (۱) میں نے یہ دعا کی کہ میری ساری اُمت قحط سے ہلاک نہ ہو جائے، یہ قبول ہو گئی۔
 - (۲) دوسری یہ دعا کی کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مُسلط نہ ہو جو ان کو بالکل مٹا دے، یہ بھی قبول ہو گئی۔
 - (۳) تیسری یہ دعا کی کہ ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے نہ ہوں، یہ بات منظور نہیں ہوئی۔
- حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا انتقال سینتیس ہجری میں ہوا اور کوفہ میں سب سے پہلے صحابی یہی دفن ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گذر ان کی قبر پر ہوا تو ارشاد فرمایا: اللہ خباب پر رحم فرمائیں، اپنی رغبت سے مسلمان ہوا اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گذاردی اور مصیبتیں برداشت کیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور حساب کتاب کی تیاری کرے اور گزارہ کے قابل مال پر قناعت کرے اور اپنے مولیٰ کو راضی کر لے۔ (اسد الغابہ)
- ف: حقیقت میں مولیٰ کو راضی کر لینا انہی لوگوں کا حصہ تھا کہ ان کی زندگی کا ہر کام مولیٰ ہی کی رضا کے واسطے تھا۔**

(۷) حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کا ذکر

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو بھی سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں ان کو عذاب دیا جاتا اور حضور اقدس ﷺ کا اس طرف گذر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی بشارت فرماتے۔ آخر ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اسی حالتِ تکلیف میں وفات پا گئے کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا اور ان کی والدہ حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں ابو جہل ملعون نے ایک برچھا مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں مگر اسلام سے نہ ہٹیں، حالانکہ بوڑھی تھیں، ضعیف تھیں، مگر اس بد نصیب نے کسی چیز کا

بھی خیال نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کے لئے ایک مکان سایہ کا بنانا چاہئے جس میں تشریف رکھا کریں، دوپہر کو آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ سکیں تو قبا میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اول پتھر جمع کئے اور پھر مسجد بنائی۔ لڑائی میں نہایت جوش سے شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ مزے میں آ کر کہنے لگے کہ اب جا کر دوستوں سے ملیں گے، محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے ملیں گے۔ اتنے میں پیاس لگی اور پانی کسی سے مانگا۔ اس نے دودھ سامنے کیا۔ اس کو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ دنیا میں سب سے آخری چیز تو دودھ پیئے گا۔ اس کے بعد شہید ہو گئے اس وقت چورانوے برس کی عمر تھی۔ بعض نے ایک آدھ سال کم بتلائی ہے۔ (اسد الغابہ)

(۸) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ صحابی کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ یہ دونوں حضرات علیحدہ علیحدہ حاضر خدمت ہوئے اور مکان کے دروازہ پر دونوں اتفاقاً اکٹھے ہو گئے۔ ہر ایک نے دوسرے کی غرض معلوم کی تو ایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اور حضور ﷺ کے فیض سے مستفید ہونا دونوں کا مقصود تھا۔ اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد جو اس زمانہ میں اس قلیل اور کمزور جماعت کو پیش آتا تھا وہ پیش آیا، ہر طرح ستائے گئے، تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ آخر تنگ آ کر ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کافروں کو یہ چیز بھی گوارا نہ تھی کہ یہ لوگ کسی دوسری ہی جگہ جا کر آرام سے زندگی بسر کر لیں۔ اس لئے جس کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہوتا تھا اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے کہ تکالیف سے نجات نہ پاسکے۔ چنانچہ ان کا بھی پیچھا کیا گیا اور ایک جماعت ان کو پکڑنے کے لئے گئی۔ انہوں نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں تیر تھے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز ہوں، اتنے ایک بھی تیر میرے پاس باقی رہے گا تم لوگ مجھ تک نہیں آ سکو گے اور جب ایک بھی تیر نہ رہے گا تو میں اپنی تلوار سے

مقابلہ کروں گا، یہاں تک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کرنا۔ اس لئے اگر تم چاہو تو اپنی جان کے بدلہ میں اپنے مال کا پتہ بتلا سکتا ہوں جو مکہ میں ہے، اور دو باندیاں بھی ہیں وہ سب تم لے لو۔ اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے اور اپنا مال دے کر جان چھڑائی۔ اسی بارے میں آیت پاک ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ“ (البقرہ: ۲۰۷) نازل ہوئی۔ (درمنثور)

ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہیں۔

حضور ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ صورت دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ نفع کی تجارت کی۔ صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس وقت کھجور نوش فرما رہے تھے اور میری آنکھ دُکھ رہی تھی، میں بھی ساتھ کھانے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: آنکھ تو دُکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو، میں نے عرض کیا کہ حضور! اُس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو تندرست ہے۔ حضور ﷺ یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بڑے ہی خرچ کرنے والے تھے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہونے لگا تو ان ہی کو جنازہ کی نماز پڑھانے کی وصیت فرمائی تھی۔ (اسد الغابہ)

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے پاک نام پر آج مسلمانوں کو فخر ہے اور جن کے جوشِ ایمانی سے آج تیرہ سو برس بعد تک کافروں کے دلوں میں خوف ہے۔ اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ اور تکلیف پہنچانے میں بھی ممتاز تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ ایک روز کفار نے مشورہ کی کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے جو محمد کو قتل کر دے؟ عمر نے کہا کہ میں کرونگا۔ لوگوں نے کہا کہ بیشک تم ہی کر سکتے ہو۔ عمر تلوار لٹکائے ہوئے اٹھے اور چل دیئے۔ اسی فکر میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ زہرہ کے جن کا نام حضرت سعد بن ابی وقاص ہے اور بعضوں نے اور صاحب لکھے ہیں ملے۔ انہوں نے

پوچھا کہ عمر! کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کے قتل کی فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنو ہاشم اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے، وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا۔ لا پہلے تجھی کو نمٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار سونت لی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں تلوار سنبھالی، دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ غصہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ جن کا ذکر نمبر ۶ پر گذرا، کواڑ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر نے کواڑ کھلوائے۔ ان کی آواز سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ بھی جلدی میں باہر ہی رہ گیا جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے کواڑ کھولے۔ حضرت عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو بہن کے سر پر مارا جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اپنی جان کی دشمن تو بھی بد دین ہو گئی۔

اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا کہ بات چیت کر رہے تھے۔ کہنے لگے۔ ”کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا؟“ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہو تب۔ یہ سننا تھا کہ ان کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے چھڑانے کی کوشش کی تو ان کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھی کہنے لگیں کہ عمر! ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ بیشک ہم مسلمان ہو گئے، جو تجھ سے ہو سکے تو کر لے۔

اس کے بعد حضرت عمر کی نگاہ اس صحیفہ پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور غصہ کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا۔ اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آرہی تھی۔ کہنے لگے کہ اچھا مجھے دکھلاؤ، یہ کیا ہے؟ بہن نے کہا کہ تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ ہر چند اصرار کیا، مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔

حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور اس کو لے کر پڑھا اس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی اس کو پڑھنا شروع کیا۔ اور ”اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ“ (طہ: ۱۳) تک پڑھا کہ حالت ہی بدل گئی۔ کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی محمد ﷺ کی خدمت میں لے چلو۔ یہ الفاظ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ اندر سے نکلے اور کہا کہ اے عمر! تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ کل شب پنجشنبہ میں حضور اقدس ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! عمر اور ابو جہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے (خاص) ان کا مسلمان ہونا تھا کہ کفار کے حوصلے پست ہونا شروع ہو گئے، مگر پھر بھی یہ نہایت مختصر جماعت تھی اور وہ سارا مکہ بلکہ سارا عرب، اس لئے اور بھی جوش پیدا ہوا اور جلسے کر کے مشورہ کر کے ان حضرات کو ناپید کرنے کی کوشش ہوتی تھی اور طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی تھیں۔ تاہم اتنا ضرور ہوا کہ مسلمان مکہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ (اسد الغابہ)

(۱۰) مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شعب ابی طالب میں قید ہونا

مسلمانوں کو اور ان کے سردار فخرِ دو عالم ﷺ کو جب کفار سے تکالیف پہنچتی ہی رہیں اور آئے دن ان میں بجائے کمی کے اضافہ ہی ہوتا رہا تو حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اجازت فرمادی کہ وہ یہاں سے کسی دوسرے جگہ چلے جائیں تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی۔ حبشہ کے بادشاہ اگرچہ نصرانی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر ان کے رحم دل اور منصف مزاج ہونے کی شہرت تھی۔ چنانچہ نبوت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

مکہ والوں نے ان کا پیچھا بھی کیا کہ یہ نہ جاسکیں، مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ وہاں پہنچ کر ان کو یہ خبر ملی کہ مکہ والے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کو غلبہ ہو گیا۔ اس خبر سے یہ

حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آ گئے، لیکن مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دشمنی اور تکلیفیں پہنچانے میں مصروف ہیں تو بڑی وقت ہوئی۔ ان میں سے بعض حضرات وہیں سے واپس ہو گئے اور بعض کسی کی پناہ لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے، اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسیٰ مرد اور اٹھارہ عورتیں بتلائی جاتی ہیں متفرق طور پر ہجرت کی اور یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے ایک۔

کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے تو ان کو اور بھی غصہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف لے کر نجاشی شاہ حبشہ کے پاس ایک وفد بھیجا جو بادشاہ کے لئے بھی بہت سے تحفے لے کر گیا اور اس کے خواص اور پادریوں کے لئے بھی بہت سے ہدیے لے کر گیا۔ جا کر اول حکام اور پادریوں سے ملا اور ہدیے دے کر ان سے بادشاہ کے یہاں اپنی سفارش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا۔ اول بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور حکام نے تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ! ہماری قوم کے چند بیوقوف لڑکے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے جس کو نہ ہم جانتے ہیں، نہ آپ جانتے ہیں اور آپ کے ملک میں آ کر رہنے لگے۔ ہم کو شرفائے مکہ نے اور ان لوگوں کے باپ، چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں، آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے، بغیر تحقیق ان کو حوالہ نہیں کر سکتا۔ اول ان سے بلا کر تحقیق کر لوں، اگر صحیح ہوا تو حوالہ کر دوں گا۔

چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا۔ مسلمان اول تو بہت پریشان ہوئے کہ کیا کریں، مگر اللہ کے فضل نے مدد کی اور ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہئے اور صاف بات کہنا چاہئے، بادشاہ کے یہاں پہنچ کر سلام کیا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آداب شاہی کے موافق سجدہ نہیں کیا۔ ان لوگوں نے کہا: ہم کو ہمارے نبی نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی

اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت کئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے۔ نہ اللہ کو جانتے تھے، نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے۔ پتھروں کو پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، رشتے ناتوں کو توڑتے تھے۔ ہم میں کا قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا تھا۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو، اس کی سچائی کو، اُس کی امانت داری کو، پرہیزگاری کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو ایک اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِیکَ لَهُ کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں اور بتوں کے پوجنے سے منع فرمایا۔ اُس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا، برے کاموں سے منع کیا۔ اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا، امانت داری کا حکم دیا، صلہ رحمی کا حکم کیا، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ نماز، روزہ، صدقہ خیرات، کا حکم دیا اور اچھے اخلاق تعلیم کئے۔ زنا بدکاری، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تہمت لگانا اور اس قسم کے بُرے اعمال سے منع فرمایا۔ ہم کو قرآن پاک کی تعلیم دی۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل کی۔ جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہم کو ہر طرح ستایا۔

ہم لوگ مجبور ہو کر تمہاری پناہ میں اپنے نبی ﷺ کے ارشاد سے آئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا: جو قرآن تمہارے نبی لے کر آئے ہیں وہ کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی اوّل کی آیتیں پڑھیں جس کو سُن کر بادشاہ بھی رو دیا اور اس کے پادری بھی جو کثرت سے موجود تھے سب کے سب اس قدر روئے کہ ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف انکار کر دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔

وہ لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ بڑی ذلت اٹھانا پڑی، آپس میں صلاح کر کے ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے۔ ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں چاہئے، یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہو گئے، مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں، مگر اس نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بلایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی۔ بہر حال گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا وہ ہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ پر ان کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں، اس کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریم کی طرف ڈالا۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ پادری لوگ آپس میں کچھ چیخ چیخ کرنے لگے۔ نجاشی نے کہا: تم جو چاہے کہو۔ اس کے بعد نجاشی نے ان کے تحفے واپس کر دیئے اور مسلمانوں سے کہا: تم امن سے ہو، جو تمہیں ستائے اس کو تاوان دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کروادیا کہ جو شخص ان کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔ (خمیس)

اس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا اور اس وفد کو ذلت سے واپس آنا پڑا تو پھر کفار مکہ کا جتنا بھی غصہ جوش کرتا ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے اُن کو اور بھی جلا رکھا تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے ملنا جلنا بند ہو جائے اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے۔ اس لئے سردارانِ مکہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کھلم کھلا محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن قتل کر دینا بھی آسان کام نہ تھا، اس لئے کہ بنو ہاشم بھی بڑے جتھے اور اونچے طبقہ کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ وہ اگرچہ اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن جو مسلمان نہیں تھے وہ بھی حضور ﷺ کے قتل ہو جانے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس لئے ان سب کفار نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بایکٹ کیا جاوے، نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ ان سے کوئی خرید و فروخت کرے، نہ بات چیت کرے، نہ انکے گھر جائے، نہ ان کو اپنے گھر میں آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک کہ وہ حضور ﷺ کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا، بلکہ یکم محرم کے نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھ کر بیٹ اللہ میں لٹکایا گیا، تاکہ ہر شخص اس کا احترام کرے اور اس کو

پورا کرنے کی کوشش کرے، اور اس معاہدہ کی وجہ سے تین برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند رہے کہ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا، نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے۔ نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے، نہ باہر سے آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی سے ضرورت کا اظہار کرتا تو صاف جواب پاتا۔ معمولی سا سامان غلہ وغیرہ جو ان لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا۔ آخر فاقوں پر فاقے گزرنے لگے اور عورتیں اور بچے بھوک سے بے تاب ہو کر روتے اور چلاتے اور ان کے اعزہ کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں۔ آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر ہوا، اور ان حضرات کی یہ مصیبت دور ہوئی۔ تین برس کا زمانہ ایسے سخت بایکاٹ اور نظر بندی میں گزرا اور ایسی حالت میں ان حضرات پر کیا کیا مشقتیں گزری ہوں گی وہ ظاہر ہے، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے بلکہ اس کی اشاعت فرماتے رہے۔

ف: یہ تکالیف اور مشقتیں ان لوگوں نے اٹھائی ہیں جن کے آج ہم نام لیوا کہلاتے ہیں اور اپنے کو ان کا متبع بتلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ ترقی کے باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی ترقیوں کے خواب دیکھتے ہیں، لیکن کسی وقت ذرا غور کر کے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان حضرات نے قربانیاں کتنی فرمائیں اور ہم نے دین کی خاطر، اسلام کی خاطر، مذہب کی خاطر کیا کیا؟ کامیابی ہمیشہ کوشش اور سعی کے مناسب ہوتی ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ عیش و آرام، بددینی اور دنیا طلبی میں کافروں کے دوش بدوش چلیں اور اسلامی ترقی ہمارے ساتھ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ترسم نرسی بلکعبہ اے اعرابی کیس راہ کہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ: مجھے خوف ہے اوبدوی! کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ یہ راستہ کعبہ کی دوسری جانب ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

دوسرا باب

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا خوف اور ڈر

دین کے ساتھ اس جانفشانی کے باوجود جس کے قصے ابھی گزرے اور دین کے لئے اپنی جان، مال، آبرو سب کچھ فنا کر دینے کے بعد جس کا نمونہ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں، اللہ جل جلالہ کا خوف اور ڈر جس قدر ان حضرات میں پایا جاتا تھا، اللہ کرے اس کا کچھ شمعہ ہم سے سیہ کاروں کو بھی نصیب ہو جائے۔ مثال کے طور پر اس کے بھی چند قصے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) آندھی کے وقت حضور ﷺ کا طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آبر، آندھی وغیرہ ہوتی تھی تو حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا اور چہرہ کا رنگ فٹ ہو جاتا تھا اور خوف کی وجہ سے کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر تشریف لاتے اور یہ دعا پڑھتے رہتے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِیْهَا وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہِ
وَ اَعُوْذُبُكَ مِنْ شَرِّهَا وَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْهَا وَ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہِ“

ترجمہ: ”یا اللہ اس ہوا کی بھلائی چاہتا ہوں اور جو اس ہوا میں ہو بارش وغیرہ اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض کے لئے یہ بھیجی گئی اس کی بھلائی چاہتا ہوں، یا اللہ! میں اس ہوا کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جو چیز اس میں ہے اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی اس کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں۔“

اور جب بارش شروع ہو جاتی تو چہرہ پر ایسا طشروع ہوتا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب لوگ جب آبر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش کے آثار معلوم ہوئے، مگر آپ پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! مجھے اس کا کیا اطمینان ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ قوم عاد کو ہوا کے ساتھ ہی عذاب دیا گیا اور وہ آبر کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے کہ اس آبر میں ہمارے لئے پانی برسایا جائے گا، حالانکہ اس میں عذاب تھا۔ اللہ جل جلالہ کا

ارشاد ہے: ”فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ“ (الاحقاف: ۲۴) ترجمہ: ”ان لوگوں نے (یعنی قومِ عاد نے) جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل تو ہم پر بارش برسانے والا ہے۔ (ارشادِ خداوندی ہوا کہ) نہیں! برسنے والا نہیں، بلکہ یہ وہی (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (اور نبی سے کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب لا)۔ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی۔ چنانچہ وہ لوگ اس آندھی کی وجہ سے ایسے تباہ ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے کچھ نہ دکھائی دیتا تھا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں“۔

ف: یہ اللہ کے خوف کا حال اسی پاک ذات کا ہے جس کا سیدُّ الْاَوَّلِینَ وَالْآخِرِینَ ہونا خود اسی کے ارشاد سے سب کو معلوم ہے۔ خود کلامِ پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ اُن میں آپ کے ہوتے ہوئے اُن کو عذاب دیں۔ اس وعدہ خداوندی کے باوجود پھر حضور اقدس ﷺ کے خوفِ الہی کا یہ حال تھا کہ ابراہیمؑ اور آندھی کو دیکھ کر پہلی قوموں کے عذاب یاد آ جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ ایک نگاہ اپنے حال پر بھی کرنا ہے کہ ہم لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور زلزلوں اور دوسری قسم کے عذابوں کو دیکھ کر بجائے اس سے متاثر ہونے کے، توبہ، استغفار، نماز وغیرہ میں مشغول ہونے کے دوسری قسم قسم کی لغو تحقیقات میں پڑ جاتے ہیں۔

(۲) اندھیرے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل

نضر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک مرتبہ دن میں اندھیرا چھا گیا۔ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: خدا کی پناہ! حضور ﷺ کے زمانہ میں تو ذرا سی ہوا تیز ہو جاتی تھی تو ہم لوگ قیامت کے آجانے کے خوف سے مسجدوں میں دوڑ جاتے تھے۔ ایک دوسرے صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب آندھی چلتی تو حضور ﷺ گھبرائے ہوئے مسجد میں

تشریف لے جاتے۔^۱

ف: آج کسی بڑے سے بڑے حادثہ، مصیبت، بلا میں بھی مسجد کسی کو یاد آتی ہے؟ عوام کو چھوڑ کر خواص میں بھی اس کا اہتمام کچھ پایا جاتا ہے؟ آپ خود ہی اس کا جواب اپنے دل میں سوچیں۔

(۳) سورج گرہن میں حضور ﷺ کا عمل

حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو فکر ہوئی کہ اس موقع پر حضور ﷺ کیا عمل فرمائیں گے کیا کریں گے اس کی تحقیق کی جائے۔ جو حضرات اپنے اپنے کام میں مشغول تھے چھوڑ کر دوڑے ہوئے آئے۔ نو عمر لڑکے جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے ان کو چھوڑ کر لپکے ہوئے آئے تاکہ یہ دیکھیں کہ حضور ﷺ اس وقت کیا کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعت کُسوف کی نماز پڑھی جو اتنی لمبی تھی کہ لوگ غش کھا کر گرنے لگے۔ نماز میں نبی اکرم ﷺ روتے تھے اور فرماتے تھے: اے رب! کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرما رکھا کہ آپ ان لوگوں کو میرے موجود ہوتے ہوئے عذاب نہ فرمائیں گے اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ فرمائیں گے کہ وہ لوگ استغفار کرتے رہیں (سورہ انفال میں اللہ جلّ جلالہ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“) (الانفال: ۳۳) پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب کبھی ایسا موقع ہو اور آفتاب یا چاند گرہن ہو جائے تو گھبرا کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔ میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو ہنسنا کم کر دو اور رونے کی کثرت کر دو۔ جب کبھی ایسی حالت پیش آئے نماز پڑھو، دعا مانگو، صدقہ کرو۔

(۴) حضور ﷺ کا تمام رات روتے رہنا

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے ”إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ط وَإِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (المائدة: ۱۸) ”اے اللہ! اگر آپ ان کو سزا دیں جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپ کے بندے

ہیں اور آپ ان کے مالک اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ زبردست قدرت والے ہیں، تو معافی پر بھی قدرت ہے، اور حکمت والے ہیں، تو معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی، اے امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک شب تمام رات ”وَأَمْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ“ (یس: ۵۹) پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم ہوگا کہ دنیا میں تو سب ملے جُلے رہے، مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جاوے تھوڑا ہے کہ نامعلوم اپنا شمار مجرموں میں ہوگا یا فرمانبرداروں میں۔

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باجماع اہل سنت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام دنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور ان کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی، بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتایا اور جنت کے سب دروازوں سے اُن کی پکار اور بلاوے کی خوشخبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے ابوبکر جنت میں داخل ہوں گے۔

اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش! میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کبھی فرماتے: کاش! میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے، کبھی فرماتے: کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ: تو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا ہے، پیتا ہے، درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں۔ کاش! ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔^۱ ربیعہ سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابوبکر میں کچھ بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھ سے کوئی سخت لفظ کہہ دیا جو مجھے ناگوار گذرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا، مجھ سے

فرمایا: تو بھی مجھے کہہ دے تا کہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو، ورنہ میں حضور ﷺ سے جا کر عرض کروں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا۔ وہ تو اٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی الٹی حضور ﷺ سے شکایت کریں۔ میں نے کہا: تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول ﷺ مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ اور اس کی خفگی سے اللہ تعالیٰ شانہ ناراض ہو جائیں گے تو ربیعہ کی ہلاکت میں کیا تردد ہے؟ اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہئے، البتہ اس کے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابو بکر! اللہ تمہیں معاف فرمادیں۔

ف: یہ ہے اللہ کا خوف کہ ایک معمولی سے کلمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا کہ اول خود درخواست کی اور پھر حضور ﷺ کے واسطے سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ بدلہ لے لیں۔ آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں۔ اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جائے گا یا حساب کتاب بھی ہوگا۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے: کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کبھی فرماتے: کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے، آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے ایک دُرّہ مار دیا کہ جب میں اس کام کے لئے بیٹھتا ہوں اس وقت تو آتے نہیں، جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آ کر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا دو، وہ شخص چلا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور دُرّہ اس کو دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو، اس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا۔ گھر تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا: ”اے عمر! تو کمینہ تھا، اللہ

نے تجھ کو اونچا کیا۔ تو گمراہ تھا، اللہ نے تجھ کو ہدایت کی۔ تو ذلیل تھا، اللہ نے تجھے عزت دی، پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا۔ اب ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوادے تو تو اس کو مارتا ہے۔ کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دیگا۔ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے۔^۱

آپ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حَرَّہؓ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک جگہ آگ جلتی ہوئی جنگل میں نظر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے جو رات ہو جانے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا، باہر ہی ٹھہر گیا، چلو اس کی خبر لیں۔ رات کو حفاظت کا انتظام کریں، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ چند بچے ہیں جو رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں، اور ایک دیگی چولہے پر رکھی ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لے کر اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اس دیگی میں کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر بہلانے کے واسطے آگ پر رکھ دی ہے کہ ذرا ان کو تسلی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المؤمنین عمر کا اور میرا اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہوگا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے، بھلا عمر کو تیرے حال کی کیا خبر ہے۔ کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے۔

اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیت المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لئے۔ غرض اس بوری کو خوب بھریا اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھ دے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں میری کمر پر رکھ دے۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا: کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تو ہی اٹھائے گا؟ اس کو میں ہی اٹھاؤں گا،

اس لئے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اس کا سوال ہوگا۔ میں نے مجبور ہو کر بوری کو آپ کی کمر پر رکھ دیا۔ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اس کے پاس تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر اس دیکھی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا اور چولہے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا۔ اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی گنجان ڈاڑھی سے دھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا حتیٰ کہ حریرہ سا تیار ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے نکال کر ان کو کھلایا۔ وہ سیر ہو کر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہو گئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے واسطے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، تم تھے اس کے مستحق کہ بجائے حضرت عمر کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤ گی تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اس لئے بیٹھا تھا کہ میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں۔

صبح کی نماز میں اکثر سورہ کہف، طہ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورہ یوسف پڑھ رہے تھے ”إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ“ (یوسف: ۸۶) پر پہنچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی، تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہو جاتے۔

ف: یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے۔ آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دبدبہ مانا ہوا ہے۔ آج کوئی بادشاہ نہیں، حاکم نہیں، کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت

وہب بن مُنَبِّہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ظاہری بینائی جانے کے بعد میں ان کو لئے جا رہا تھا، وہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ایک

مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آرہی تھی۔ فرمایا: مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو، میں اس طرف لے گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے سلام کیا، ان لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں جن کو اس کے خوف نے چپ کر رکھا ہے۔ حالانکہ نہ وہ عاجز ہیں نہ گونگے بلکہ فصیح لوگ ہیں، بولنے والے ہیں، سمجھ دار ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے اُن کی عقلوں کو اڑا رکھا ہے۔ اُن کے دل اس کی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں اور زبانیں چپ رہتی ہیں۔ اور جب اس حالت پر ان کو پختگی میسر ہو جاتی ہے تو اُس کی وجہ سے نیک کاموں میں وہ جلدی کرتے ہیں، تم لوگ ان سے کہاں ہٹ گئے؟ وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دونالیاں سی بن گئیں تھیں۔ اوپر کے قصہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نیک کاموں پر اہتمام کا یہ ایک سہل نسخہ بتلایا کہ اللہ کی عظمت اور اسکی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اس کے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہوا ہوگا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں تو کیا مشکل ہے؟

(۸) تبوک کے سفر میں قوم شمود کی بستی پر گذر

غزوہ تبوک مشہور غزوہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستے سے مدینہ کو آرہا ہے۔ اس خبر پر ۵ رجب ۹ھ پنجشنبہ کو نبی اکرم ﷺ اس کے مقابلہ کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مقابلہ بھی سخت تھا، اس لئے حضور ﷺ نے صاف اعلان فرمادیا تھا کہ روم کے بادشاہ سے مقابلہ کے لئے چلنا ہے، تیاری کر لی جائے اور حضور ﷺ نے خود اس کے لئے چندہ فرمانا شروع کیا۔

۱۔ غزوہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں حضور ﷺ خود شریک ہوئے ہوں۔

یہی لڑائی ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا، تو فرمایا: کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے جس کا قصہ نمبر ۴ باب نمبر ۶ میں آتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مہیا فرمایا اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا، اس کے باوجود چونکہ عام طور سے تنگی تھی اس لئے دس دس آدمی ایک اونٹ پر تھے کہ نوبت بنوبت اس پر سوار ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام ”جیش العسرة“ (تنگی کا لشکر) بھی تھا۔ یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دُور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زور پر تھا کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے اور کھجور ہی پر مدینہ طیبہ والوں کی زندگی کا زیادہ دار و مدار تھا کہ سال بھر کی روزی جمع کرنے کا گویا یہی زمانہ تھا۔

ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضور ﷺ کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی اور دوسری جانب یہ ساری دقتیں کہ ہر وقت مُستقل روک تھی۔ بالخصوص سال بھر کی محنت اور پکے پکائے درختوں کا یوں بے یار و مددگار چھوڑ جانا جتنا مشکل تھا وہ ظاہر ہے، مگر اس سب کے باوجود اللہ کا خوف ان حضرات پر غالب تھا۔ اس لئے بجز منافقین اور معذورین جن میں عورتیں اور بچے بھی داخل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیبہ میں چھوڑے گئے یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے روتے ہوئے رہ گئے تھے جنکے بارے میں آیت ”تَوَلَّوْا وَاَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ“ (التوبہ: ۹۲) نازل ہوئی اور سب ہی حضرات ہم رکاب تھے، البتہ تین حضرات بلا عذر کے شریک نہیں تھے جن کا قصہ آئندہ آ رہا ہے۔ راستہ میں قوم شمود کی بستی پر گذر ہوا تو حضور اقدس ﷺ نے دامن سے اپنے چہرہ انور کو ڈھانک لیا اور اونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو اور ظالموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گذرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گذرو کہ تم پر بھی خدا نخواستہ وہ عذاب کہیں نازل نہ ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔

ف: اللہ کا پیارا نبی اور لاڈلا رسول ﷺ عذاب والی جگہ سے ڈرتا ہوا خوف کرتا ہوا گذرتا ہے اور اپنے جانثار دوستوں کو جو اس سخت مجبوری کے وقت میں بھی جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہیں روتے ہوئے جانے کا حکم فرماتا ہے کہ خدا نخواستہ وہ عذاب اُن پر نہ نازل ہو جائے۔ ہم لوگ کسی بستی میں زلزلہ آجائے تو اس کو سیرگاہ بناتے ہیں۔ کھنڈروں کی تفریح کو جاتے ہیں اور رونا تو دُرِ کنارِ رونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔

(۹) تبوک میں حضرت کعب بن زحیفہؓ کی غیر حاضری اور توبہ

اسی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسیٰؓ سے زیادہ تو منافق انصار میں سے تھے اور اتنے ہی تقریباً بدوی لوگوں میں سے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی ”لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ“ (التوبہ: ۸۱) کہہ کر روکتے تھے (گرمی میں نہ نکلو)۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ ”جہنم کی آگ کی گرمی بہت سخت ہے“۔ ان کے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسی عذر قوی کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے: ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، دوسرے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ، تیسرے مُرارۃ ابن ربیع رضی اللہ عنہ، یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے بلکہ خوشحالی ہی رہ جانے کا سبب بن گئی۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنی سرگذشت جو اس موقع پر پیش آئی مفصل سناتے ہیں جو آئندہ آ رہی ہے۔

مرارۃ ابن ربیع رضی اللہ عنہ کا باغ خوب پھل رہا تھا، اُن کو خیال ہوا کہ اگر میں چلا گیا تو یہ سب ضائع ہو جائے گا، ہمیشہ میں لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں، اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ ہے؟ اس لئے ٹھہر گئے۔ مگر جب تنبہ ہوا تو چونکہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا اس لئے سب کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔

ہلال رضی اللہ عنہ کے اہل و اعزہ جو کہیں گئے ہوئے تھے اتفاق سے اس موقع پر سب جمع ہو گئے، ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں، اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے؟ اس لئے ٹھہر گئے، مگر تنبہ ہونے پر سب سے تعلقات منقطع کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے، وہ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا قوی و مال دار نہیں تھا جتنا کہ تبوک کے وقت تھا۔ اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دواؤں سنیاں تھیں۔ اس سے پہلے کبھی بھی دواؤں سنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی۔

حضور اکرم ﷺ کی ہمیشہ عادت شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا، بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے، مگر اس لڑائی میں چونکہ گرمی بھی شدید تھی اور سفر بھی دور کا تھا۔ ان کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی جماعت تھی اس لئے صاف اعلان فرما دیا تھا، تاکہ لوگ تیاری کر لیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئی کہ رجسٹر میں اُن کا نام بھی لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ جاؤں نہ پتہ چلے تو دشوار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے۔ میں بھی سامان سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا، مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی، لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا رہا کہ مجھے وسعت حاصل ہے، جب ارادہ پختہ کروں گا فوراً ہو جائے گا، حتیٰ کہ حضور اقدس ﷺ روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ۔ مگر میرا سامان سفر تیار نہ ہوا۔ پھر بھی یہی خیال رہا کہ ایک دو روز میں تیار کر کے جا ملوں گا۔ اسی طرح آج کل پر ٹلتا رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ کے وہاں پہنچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا۔ اس وقت میں نے کوشش بھی کی، مگر سامان نہ ہو سکا۔

اب میں جب مدینہ طیبہ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوں تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں جن کے اوپر نفاق کا بد نما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور تھے۔ اور حضور ﷺ نے بھی تبوک پہنچ کر دریافت فرمایا کہ کعب نظر نہیں پڑتے، کیا بات ہوئی؟ ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! اس کو اپنے مال و جمال کی اکڑ نے روکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط کہا۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے، مگر حضور اقدس ﷺ نے بالکل سکوت فرمایا اور کچھ نہیں بولے، حتیٰ کہ چند روز میں میں نے واپسی کی خبر سنی تو مجھے رنج و غم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا۔

دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عذر سے حضور ﷺ کے غصہ سے جان بچالوں، پھر کسی وقت مُعافی کی درخواست کر لوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھ دار سے مشورہ کرتا رہا، مگر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی اور میں نے سچ سچ عرض کرنے کی ٹھان لی۔

حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تحیّۃ المسجد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں۔ چنانچہ حسب معمول حضور ﷺ تشریف فرما رہے اور منافق لوگ آکر جھوٹے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن کو اللہ کے سپرد فرماتے رہے کہ اتنے میں میں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے ناراضگی کے انداز میں تبسم فرمایا اور اعراض فرمایا۔ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ ﷺ نے اعراض فرمایا۔ میں خدا کی قسم! نہ تو منافق ہوں نہ مجھے ایمان میں کچھ تردد ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ۔ میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں کسی دُنیا دار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصہ سے معقول عذر کے ساتھ خلاصی پالیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ لیکن آپ کے مُتعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپ کو راضی کر لوں تو قریب ہے کہ اللہ جل جلالہ مجھ سے ناراض ہو گئے اور آپ سے صاف صاف عرض کر دوں تو آپ کو غصہ آئے گا، لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپ کے عتاب کو زائل فرما دے گی۔ اس لئے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ! مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جیسا فارغ اور وسعت والا میں اس زمانہ میں تھا کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اٹھ جاؤ۔ تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے۔

میں وہاں سے اٹھا تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تو نے اس

سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر کوئی عذر کر کے حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کرتا تو حضور ﷺ کا استغفار تیرے لئے کافی تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو؟ لوگوں نے بتلایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی جو تو نے کی اور یہی جواب ان کو ملا جو تجھ کو ملا۔ ایک ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ، دوسرے مُرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہ۔ میں نے دیکھا کہ دو صالح شخص جو دونوں بدری ہیں وہ بھی میرے شریکِ حال ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرمادی کہ کوئی شخص ہم سے کلام نہ کرے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے جس سے تعلق ہوتا ہے اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس میں اس کی اہلیت بھی ہو۔ جس میں اصلاح و صلاح کی قابلیت ہی نہ ہو اس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب کرنے لگے اور گویا دنیا ہی بدل گئی، حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی۔ سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے۔ درود یوار اوپرے بن گئے۔ مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس حال میں مر گیا تو حضور ﷺ جنازے کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خدا نخواستہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہی رہوں گا، نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا، نہ میری نماز پڑھے گا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کون کر سکتا ہے۔ غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گزارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں سب میں قوی تھا، چلتا پھرتا، بازار میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا، مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا۔ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور ﷺ کے لب مبارک جواب کے لئے ہلے یا نہیں۔ نماز کے بعد حضور ﷺ کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پوری کرتا اور آنکھ چرا کر دیکھتا کہ حضور ﷺ مجھے دیکھتے بھی ہیں

۱۔ بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ان کی بزرگی اور بڑائی مُسلم ہے۔ احادیث میں بھی ان کی فضیلت آئی ہے۔ کتنی ہی حدیثوں میں ان کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے خوش ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔

یا نہیں، جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو حضور ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں ادھر مُتوجّہ ہوتا تو حضور ﷺ منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اعراض فرما لیتے۔

غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت ہی بھاری ہو گیا تو میں ابوقنادہ کی دیوار پر چڑھا۔ وہ میرے رشتہ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے۔ میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے اُن کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے؟ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا: وہ پھر بھی چپ ہی رہے، میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر پوچھا، انہوں نے کہا: اللہ جانے اور اس کا رسول۔ یہ کلمہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا۔

اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ ایک قبطی کو جو نصرانی تھا اور ”شام“ سے مدینہ منورہ اپنا غلّہ فروخت کرنے آیا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتا دو۔ لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا، وہ میرے پاس آیا اور غُصّان کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لا کر دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا: ہمیں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے، تمہیں اللہ ذلت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے تو ان کو بہکانے والے، اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور خیر خواہ بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتیعال دلایا ہی کرتے ہیں)۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر اِنَّا لِلّٰہ پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع کرنے لگے اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ یہ ایک اور مصیبت آئی اور اس خط کو لے جا کر میں نے ایک تنور میں پھونک دیا اور حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے اعراض کی وجہ سے میری یہ

حالت ہو گئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گزرے تھے کہ حضور ﷺ کا قاصد میرے پاس حضور کا یہ ارشاد لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا منشا ہے؟ اس کو طلاق دے دوں؟ کہا: نہیں، بلکہ علیحدگی اختیار کر لو۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت یہی حکم پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو اپنے میکے چلی جا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائیں وہیں رہنا۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں، کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی نہ ہو تو میں کچھ کام کاج اُن کا کر دیا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مضائقہ نہیں، لیکن صحبت نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس چیز کی طرف تو ان کو میلان بھی نہیں۔ جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا آج تک ان کا وقت روتے ہی گزر رہا ہے۔ کعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھ سے بھی کہا گیا کہ ہلال کی طرح تو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا: وہ بوڑھے ہیں، میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے، اس لئے میں جرأت نہیں کرتا۔

غرض اس حال میں دس روز اور گزرے کہ ہم سے بات چیت، میل جول چھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے۔ پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دو بھر ہو رہی تھی کہ سلح پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلانے والے نے آواز دی کہ کعب! خوشخبری ہو تم کو۔ میں اتنا ہی سن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہو گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہنچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے ہوئے آئے، میں جو کپڑے پہن رہا تھا وہ نکال کر بشارت دینے والے کی نذر کر دیئے۔ خدا کی قسم! ان دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا اس

۱۔ ممکن ہے بیوی نے کہا ہو کہ بیویوں سے علیحدگی کا حکم اب تک نہیں ہوا تھا کسی بچے یا منافق نے کہا ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو بولتے ہی نہ تھے ۱۲

۲۔ اگرچہ کپڑے کے سوا اور مال موجود تھا، مگر اس وقت کی عام زندگی یہی تھی کہ فضول چیزیں زیادہ نہ ہوتی تھیں، اس لئے کپڑے دو ہی تھے ۱۲

وقت میری ملک میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو وہ لوگ جو خدمت اقدس میں حاضر تھے مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے اور سب سے پہلے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر مبارک باد دی اور مصافحہ کیا جو ہمیشہ ہی یادگار رہے گا۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا کر سلام کیا تو چہرہ انور کھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح سے چمکنے لگتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میری جائیداد جو ہے وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہوگی۔ کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے خیر کا حصہ رہنے دیا جائے۔ مجھے سچ ہی نے نجات دی اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ ہی سچ بولوں گا۔

ف: یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور دین داری کا اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں یہ حضرات شریک رہے۔ ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا کیا عتاب ہوا اور اس کو کس فرمانبرداری سے برداشت کیا کہ پچاس دن رو کر گزار دیئے اور مال جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا وہ بھی صدقہ کر دیا اور کافروں نے طمع دلائی تو بجائے مشتعل ہونے کے اور زیادہ پشیمان ہوئے اور اس کو بھی اللہ کا عتاب اور حضور ﷺ کے اعراض کی وجہ سے سمجھا کہ میرے دین کا ضعف اس درجہ تک پہنچ گیا کہ کافروں کو اس کی طمع ہونے لگی کہ وہ مجھے بے دین بنادیں۔ ہم لوگ بھی مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے پاک رسول ﷺ کے ارشادات بھی سامنے ہیں۔ بڑے سے بڑا حکم نماز ہی کا لے لو کہ ایمان کے بعد اس کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ کتنے ہیں جو اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں؟ اور جو کرتے ہیں وہ بھی کیسی کرتے ہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ اور حج کا تو پوچھنا ہی کیا اس میں تو مال بھی خرچ ہوتا ہے۔

(۱۰) صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہنسنے پر حضور ﷺ کی تنبیہ اور قبر کی یاد

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز کے لئے تشریف لائے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھل کھلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو، لہذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بیگانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مومن قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے، بہت اچھا کیا، تُو آ گیا۔ جتنے آدمی زمین پر چلتے تھے، تُو اُن سب میں مجھے زیادہ پسند تھا۔ آج جب تُو میرے پاس آیا ہے تو میرے بہترین سلوک کو دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مُردے کی نظر پہنچ سکے وہاں تک وسیع ہو جاتی ہے اور ایک دروازہ اس میں جنت کا کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں اس کو آتی رہتی ہیں اور جب کوئی بدکردار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے، بُرا کیا جو تُو آیا۔ زمین پر جتنے آدمی چلتے تھے اُن سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی۔ آج جب تُو میرے حوالہ ہوا ہے تو میرے برتاؤ کو بھی دیکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اس طرح سے اس کو دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ستر اُڑ دھے اس پر ایسے مُسلط ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھونکا مارے تو اُس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے وہ اس کو قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا ہے۔

ف: اللہ کا خوف بڑی ضروری اور اہم چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر کسی گہری سوچ میں رہتے تھے اور موت کا یاد کرنا اس کے لئے مفید ہے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ نسخہ ارشاد فرمایا، کبھی کبھی موت کو یاد کرتے رہنا بہت ہی ضروری اور مفید ہے۔

(۱۱) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نفاق کا ڈر

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور ﷺ کی مجلس میں تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے وعظ فرمایا جس سے قلوب نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہمیں ظاہر ہو گئی۔ حضور ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر میں گھر آیا، بیوی بچے پاس آ گئے اور کچھ دنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی جو حضور ﷺ کی مجلس میں تھی۔ دفعۃً خیال آیا کہ میں پہلے کس حال میں تھا، اب کیا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تُو تو منافق ہو گیا کہ ظاہر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آ کر یہ حالت ہو گئی۔ میں اس پر افسوس اور رنج کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، سامنے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں۔ میں نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور ﷺ کے پاس سے آ جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لئے دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو منافق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہوئی؟ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن جب خدمت اقدس سے چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھربار کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں

میں مصافحہ کرنے لگیں، لیکن حظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے، گاہے گاہے۔

ف: یعنی آدمی کے ساتھ انسانی ضرورتیں بھی لگی ہوئی ہیں جن کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ کھانا پینا، بیوی بچے اور ان کی خیر خبر لینا، یہ بھی ضروری چیزیں ہیں۔ اس لئے اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں۔ نہ ہر وقت یہ حاصل ہوتے ہیں اور نہ اس کی اُمید رکھنی چاہئے۔ یہ فرشتوں کی شان ہے کہ ان کو کوئی دوسرا دھندا ہی نہیں، نہ بیوی بچے، نہ فکرِ معاش اور نہ دُنیوی قصے۔ اور انسان کے ساتھ چونکہ بشری ضروریات لگی ہوئی ہیں اس لئے وہ ہر وقت ایک سی حالت پر نہیں رہ سکتا، لیکن غور کی بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دین کی کتنی فکر تھی کہ ذرا سی بات سے کہ حضور ﷺ کے سامنے جو حالت ہماری ہوتی ہے وہ بعد میں نہیں رہتی، اس سے اپنے مُنافق ہونے کا ان کو فکر ہو گیا۔ ”عشق است و ہزار بدگمانی“۔ عشق جس سے ہوتا ہے اس کے متعلق ہزار طرح کی بدگمانی اور فکر ہو جاتا ہے۔ بیٹے سے محبت ہو اور وہ کہیں سفر میں چلا جائے، پھر دیکھیے ہر وقت خیریت کی خبر کا فکر رہتا ہے اور جو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہاں طاعون ہے یا فساد ہو گیا، پھر خدا جانے کتنے خطوط اور تار پہنچیں گے۔

تکمیل

اللہ کے خوف کے متفرق احوال

قرآن شریف کی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث اور بزرگوں کے واقعات میں اللہ جلّ جلالہ سے ڈرنے کے متعلق جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا احاطہ تو دشوار ہے، لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے ہر کمال کا زینہ اللہ کا خوف ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت رویا کرتے تھے، حتیٰ کہ روتے روتے آنکھیں بھی بیکار ہو گئی تھیں۔ کسی شخص نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمانے لگے کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو، اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی قصہ آیا تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے۔ ایک نو جوان صحابی پر حضور ﷺ کا گذر ہوا، وہ

پڑھ رہے تھے۔ جب ”فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ“ (رحمن: ۳۷) پر پہنچے تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے، روتے روتے دم گھٹنے لگا۔ اور کہہ رہے تھے ہاں جس دن آسمان پھٹ جاویں گے (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا، ہائے میری بربادی! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔ ایک انصاری نے تہجد پڑھی اور پھر بیٹھ کر بہت روئے۔ کہتے تھے کہ: اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں جہنم کی آگ کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رُلا دیا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، رو رہے تھے، بیوی بھی انکی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگیں۔ پوچھا کہ کیوں روتی ہو؟ کہنے لگیں کہ جس وجہ سے تم روتے ہو۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ جہنم پر تو گزرنا ہے ہی، نہ معلوم نجات ہو سکے گی یا وہیں رہ جاؤں گا۔ زرارۃ بن اوفیٰ ایک مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے، ”فَإِذَا انْقَرَفِيَ النَّافُورُ“ (المدثر: ۸۷) پر جب پہنچے تو فوراً گر گئے اور انتقال ہو گیا، لوگ اٹھا کر گھر تک لائے۔ حضرت خلید رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ (آل عمران: ۱۸۵) پر پہنچے تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اس کو پڑھو گے، تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چارجن مر چکے ہیں۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے جب ”وَرُدُّوْا اِلٰی اللّٰهِ مَوْلٰهُمْ الْحَقِّ“ (یونس: ۳۰) پر پہنچے تو ایک چیخ ماری اور ٹپ ٹپ کر مر گئے۔

اور بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے گزرے ہیں۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ مشہور بزرگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ کا خوف ہر خیر کی طرف رہبری کرتا ہے۔ حضرت شبلی رضی اللہ عنہ کے نام سے سب ہی واقف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں اس کی وجہ سے مجھ پر حکمت اور عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے نہیں کھلا۔ حدیث میں آیا ہے: اللہ جلّ جلالہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا اور دو بے فکریاں نہیں دیتا۔ اگر دنیا میں مجھ سے بے فکر رہے تو قیامت میں ڈراتا ہوں اور دنیا میں ڈرتا رہے تو

آخرت میں بے فکری عطا کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے اس کو ہر چیز ڈراتی ہے۔ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آدمی بے چارہ اگر جہنم سے اتنا ڈرنے لگے جتنا تنگ دستی سے ڈرتا ہے تو سیدھا جنت میں جائے۔ ابو سلیمان دارانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے وہ برباد ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف کی وجہ سے ذرا سا آنسو خواہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو نکل کر چہرہ پر گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔ میرے نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے جیسا دودھ کا تھنوں میں واپس جانا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روک رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ آپ کی امت میں کوئی ایسا بھی ہے جو بے حساب کتاب جنت میں داخل ہو؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا رہے۔ میرے آقا کا ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں: ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ جلّ جلالہ اپنا سایہ عطا فرما دیں گے۔ ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جو رو سکتا ہو وہ روئے اور جس کو رونانہ آئے وہ رونے کی صورت ہی بنا لے۔ محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ جب روتے تھے تو آنسوؤں کو اپنے منہ اور ڈاڑھی سے پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی جہاں آنسو پہنچے ہوں۔

ثابت بُنائی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کر لو، آنکھ اچھی ہو جاوے گی کہ رویا نہ کرو۔ کہنے لگے کہ آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں اگر وہ روئے نہیں۔ یزید بن میسر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رونا سات وجہ سے ہوتا ہے: خوشی سے، جنون سے، درد سے، گھبراہٹ سے، دکھلاوے سے، نشہ سے اور اللہ کے خوف سے۔ یہی ہے وہ رونا کہ اس کا ایک آنسو بھی آگ کے سمندر کو بجھا دیتا ہے۔

کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رخسار پر بہنے لگیں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کروں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں ارشادات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی یاد میں اور اپنے گناہوں کی فکر میں رونا کیمیا ہے اور بہت ہی ضروری اور مفید، اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے یہی حالت ہونی چاہئے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی اُمید میں بھی کمی نہ ہو، یقیناً اللہ کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جہنم میں داخل کرو تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جنت میں داخل کرو تو مجھے اپنے اعمال سے یہ خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں۔ اس لئے دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا اور رکھنا چاہئے۔ بالخصوص موت کے وقت میں اُمید کا معاملہ زیادہ ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہوا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ ایسی احادیث مجھے سناؤ جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُمید بڑھتی ہو۔

تیسرا باب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زہد و فقر کے بیان میں

اس بارے میں خود نبی اکرم ﷺ کا اپنا معمول اور اس کے واقعات جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ چیز حضور ﷺ کی خود اختیار فرمائی ہوئی اور پسند کی ہوئی تھی، اتنی کثرت سے حدیثوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا مثال کے طور پر بھی جمع کرنا مشکل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”فقر مومن کا تحفہ ہے“۔

(۱) حضور ﷺ کا پہاڑوں کو سونا بنادینے سے انکار

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے رب نے مجھ پر یہ پیش کیا کہ میرے لئے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جاوے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو دوسرے دن بھوکا رہوں تاکہ جب بھوکا ہوں تو تیری طرف زاری کروں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیرا شکر کروں، تیری تعریف کروں۔

فائدہ: یہ اس ذاتِ مقدس کا حال ہے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور اس کی امت میں ہونے پر فخر ہے، جس کی ہر بات ہمارے لئے قابلِ اتباع ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسعت طلب کرنے پر تنبیہ اور

حضور ﷺ کے گذر کی حالت

بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قسم کھالی تھی کہ ایک مہینہ تک اُن کے پاس نہ جاؤں گا تاکہ ان کو تنبیہ ہو، اور علیحدہ اوپر ایک حجرہ میں قیام فرمایا تھا۔ لوگوں میں یہ شہرت ہو گئی کہ حضور ﷺ نے سب کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر تھے، جب یہ خبر سنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے، مسجد میں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر بیٹھے ہوئے حضور ﷺ کے رنج اور غصہ کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں، اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف

لے گئے، وہ بھی مکان میں رو رہی تھیں۔ فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا کہ حضور ﷺ کی ناراضگی کی کوئی بات نہ کیا کر۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے، مگر شدتِ رنج سے بیٹھانہ گیا تو حضور ﷺ جس جگہ تشریف فرما تھے اس کے قریب تشریف لے گئے اور حضرت رباح رضی اللہ عنہ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دو باری کے زینہ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے، اندر حاضری کی اجازت چاہی۔ انہوں نے حاضر خدمت ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اجازت مانگی، مگر حضور ﷺ نے سکوت فرمایا، کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آکر یہی جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا، مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر منبر کے پاس آ بیٹھے، مگر بیٹھانہ گیا۔ تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباح رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اجازت چاہی۔ اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بیتابی سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کی مانگتے۔ ادھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہوتی۔ تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے تو حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ ایک بورے پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے، اس وجہ سے جسم اطہر پر بورے کے نشانات بھی ابھر آئے ہیں۔ خوبصورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے سلام کیا اور سب سے اول تو یہ پوچھا: کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد میں نے دل بستگی کے طور پر حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، مگر جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں، ان کو دیکھ کر قریش کی عورتیں بھی اس سے متاثر ہو گئیں۔ اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اور کی جس سے نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر تبسم کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا: تین چمڑے بغیر دباغت دیئے ہوئے اور ایک مٹھی جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے

سوا کچھ نہ ملا۔ میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ آپ کی اُمت پر بھی وسعت ہو۔ یہ روم و فارس بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے ان پر تو یہ وسعت، یہ قیصر و کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت۔ نبی اکرم ﷺ تکلیف لگائے ہوئے لیٹے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمر! کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو۔ سنو! آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے۔ ان کفار کو طبائت اور اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لئے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔

ف: یہ دین اور دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسول ﷺ کا طرزِ عمل ہے کہ بوریے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں، نشانات بدن پر پڑے ہوئے ہیں۔ گھر کے ساز و سامان کا حال بھی معلوم ہو گیا، اس پر ایک شخص نے دعا کی درخواست کی تو تنبیہ فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا؟ فرمایا کہ ایک چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بسترہ کیا تھا؟ فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دوں تو زیادہ نرم ہو جائے، چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضور ﷺ نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا؟ ہم نے عرض کیا کہ وہی ٹاٹ تھا، اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا: اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا۔ اس کی نرمی رات کو اٹھنے میں مانع بنتی تھی۔ اب ہم لوگ اپنے نرم نرم اور روئیں دار گدوں پر بھی نگاہ ڈالیں کہ اللہ نے کس قدر وسعت فرما رکھی ہے اور پھر بھی بجائے شکر کے ہر وقت تنگی کی شکایت ہی زبان پر رہتی ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک میں حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کتّان کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے: کیا کہنے ابو ہریرہ کے! آج کتّان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب حضور اقدس ﷺ کے منبر اور حجرہ کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا بلکہ بھوک تھی۔

ف: یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا، بے ہوشی ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانہ میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے صابر اور قانع لوگوں میں تھے، کئی کئی وقت فاقہ میں گزر جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے بعد اللہ نے فتوحات فرمائیں تو ان پر تو نگری آئی، اس کے ساتھ ہی بڑے عابد تھے، ان کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتیں، اس پر تسبیح پڑھا کرتے۔ جب وہ ساری تھیلی خالی ہو جاتی تو باندی اس کو پھر بھر کر پاس رکھ دیتی۔ ان کا یہ بھی معمول تھا کہ خود اور بیوی اور خادم تین آدمی رات کے تین حصے کر لیتے اور نمبر وار ایک شخص تینوں میں سے عبادت میں مشغول رہتا۔ میں نے اپنے والد صاحب رحمہ اللہ علیہ سے سنا کہ میرے دادا صاحب رحمہ اللہ علیہ کا بھی تقریباً یہی معمول تھا کہ رات کو ایک بجے تک والد صاحب رحمہ اللہ علیہ مطالعہ میں مشغول رہتے۔ ایک بجے دادا صاحب رحمہ اللہ علیہ تہجد کے لئے اٹھتے تو تقاضا فرما کر والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کو سلا دیتے اور خود تہجد میں مشغول ہو جاتے اور صبح سے تقریباً پون گھنٹہ قبل میرے تائے صاحب رحمہ اللہ علیہ کو تہجد کے لئے جگا دیتے اور خود اتباع سنت میں آرام فرماتے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَهُمْ۔

(۴) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اسی سے گذر اوقات تھا۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو حسب معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کے لئے تشریف لے چلے، راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھا: کہاں

چلے؟ فرمایا: بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول ہو گئے تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں۔ عرض کیا کہ ابو عبیدہ جن کو حضور ﷺ نے امین ہونے کا لقب دیا ہے اُن کے پاس چلیں، وہ آپ کے لئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات اُن کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک مہاجر جری کو جو اوسطاً ملتا تھا، نہ کم نہ زیادہ، وہ مقرر فرما دیا۔ ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جاوے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت فرما دی۔ اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کئے، آپ نے فرمایا کہ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لئے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع فرما دیا اور آئندہ کے لئے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ میں سے کم کر دیا۔

ف: اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی جیسا کہ اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشہ تجارت میرے اہل وعیال کو نا کافی نہیں تھا، لیکن اب خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغولی ہے، اس لئے بیت المال سے میرے اہل وعیال کا کھانا مقرر ہوگا۔ اس کے باوجود جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہونے لگا تو حضرت عائشہ کو وصیت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالہ کر دی جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا۔ بعض روایات میں ایک اوڑھنا، ایک پچھونا بھی آیا ہے۔ یہ اشیاء جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس نیابت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت میں ڈال گئے۔

(۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا، مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کرتا تھا۔ اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا۔ اس لئے اب گزارہ کی کیا صورت ہو؟ لوگوں نے مختلف مقادیر تجویز کیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو سٹ کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور متوسط مقدار تجویز ہو گئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شریک تھے یہ ذکر آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہئے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے، مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی وجہ سے اُم المؤمنین بھی تھیں ان کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام دریافت کئے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو ان کے چہرے بدل دیتا یعنی ایسی سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تو ہی بتا کہ حضور ﷺ کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی رنگ کے جن کو حضور ﷺ جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے۔ پھر فرمایا کہ کونسا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا؟ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی۔ ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ الٹ کر اس کو ایک مرتبہ چھڑ دیا تو حضور ﷺ خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ فرمایا: کونسا بسترہ عمدہ

ہوتا تھا جو تیرے یہاں بچھاتے تھے؟ عرض کیا: ایک موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔ فرمایا: حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ حضور ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے ایک اندازہ مقرر فرما دیا۔ اور اُمید (آخرت) پر کفایت فرمائی، میں بھی حضور ﷺ کا اتباع کروں گا۔ میری مثال اور میرے دوسا تھی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے۔ پہلا شخص ایک توشہ لے کر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا، وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا، اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلے گا تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔

ف: یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے، کہ کس زاہدانہ زندگی کے ساتھ عمر گزار دی۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک چمڑہ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لانے میں دیر ہوئی تو تشریف لا کر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ غلام نے آکر عرض کیا کہ عتبہ بن ابی فرقہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت فرمائی اور کھانے کی تواضع فرمائی، وہ شریک ہو گئے تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگانہ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا سب مسلمان میدہ کھا سکتے ہیں۔ عرض کیا کہ سب تو نہیں کھا سکتے۔ فرمایا کہ افسوس! تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذتیں دنیا ہی میں ختم کر دوں۔

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں واقعات ان حضرات کرام کے ہیں، ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے نہ ہر شخص کو کرنا چاہئے کہ قویٰ ضعیف ہیں جس کی وجہ سے تحمل بھی اُن کا اس زمانہ میں دشوار ہے۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں مشائخ تصوف ایسے مجاہدوں کی

اجازت نہیں دیتے جن سے ضعف پیدا ہو کہ قوتیں پہلے ہی سے ضعیف ہیں۔ ان حضرات کو اللہ جلّ شانہ نے قوتیں بھی عطا فرمائی تھیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ اتباع کی خواہش اور تمنا ضرور رکھنا چاہئے کہ اس کی وجہ سے آرام طلبی میں کچھ کمی واقع ہو اور نگاہ کچھ تو نیچی رہے اور اس زمانہ کے مناسب اعتدال پیدا ہو جائے کہ ہم لوگ ہر وقت لذات دنیا میں بڑھتے جاتے ہیں اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اس حسرت میں مرا جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ وسعت میں ہے۔

(۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کیلئے ایک مشرک سے قرض لینا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا۔ یہ خدمت میرے سپرد تھی جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور اقدس ﷺ مجھے ارشاد فرما دیتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا۔ کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا پہنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب ضرورت ہو کرے مجھ ہی سے قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا: اس سے بہتر کیا ہوگا؟ اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشادِ عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشادِ والا کی تعمیل کر دیتا۔

ایک مرتبہ وضو کر کے اذان کہنے کے لئے کھڑا ہی ہوا تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: اوجہشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا کہا، اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا، مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہئے تھا وہی گذرا۔ تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں۔ وہ ذلیل کرے گا اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو، میں کہیں روپوش ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ عرض کر کے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال اٹھائی، جوتا اٹھایا۔ یہی سامان سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب ہی کہیں چلا جاؤں گا۔ صبح قریب تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو۔ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا بیٹھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بے باقی کا انتظام فرمادیا۔ یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی۔ فذک کے رئیس نے یہ نذرانہ مجھے بھیجا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔

حضور ﷺ اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں کچھ باقی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے۔ میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے، ضرورت مند آئے نہیں تو حضور ﷺ نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جلّ ثنا نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے اللہ جلّ جلالہ کی حمد و ثنا فرمائی۔ حضور ﷺ کو یہ ڈر ہوا کہ خدا نخواستہ موت آ جائے اور کچھ حصہ مال کا آپ کی ملک میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔

ف: اللہ والوں کی یہ بھی خواہش رہتی ہے کہ ان کی ملک میں مال و متاع کچھ نہ رہے، پھر حضور اقدس ﷺ کا تو کیا پوچھنا جو سارے نبیوں کے سردار، سارے اولیاء کے سر تاج، حضور ﷺ کو اس کی خواہش کیوں نہ ہوتی کہ میں دنیا سے بالکل فارغ ہو جاؤں۔ میں نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب راپوری نور اللہ مرقدہ کا معمول یہ تھا کہ جب نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہو جاتی تو اہتمام سے منگوا کر سب تقسیم فرما دیتے اور وصال سے قبل تو اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ بھی اپنے خادم خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مدظلہ کو دے دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ بس اب تم سے مستعار لے کر پہن لیا کروں گا اور اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے بارہا دیکھا کہ مغرب کے بعد جو کوئی روپیہ پاس ہوتا وہ کسی قرض خواہ کو دے دیتے کہ کئی ہزار کے مقروض تھے اور یہ فرمایا کرتے کہ جھگڑے کی چیز میں رات کو اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس نوع کے بہت سے حالات اکابر کے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شیخ کا ایک ہی رنگ ہو۔ مشائخ کے ألوان مختلف ہوتے ہیں اور چمن کے پھولوں میں ہر پھول کی صورت سیرت ممتاز ہوتی ہے۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ میں بھوک کی وجہ سے جگر کوزمین سے چپٹا دیتا اور کبھی پیٹ کے بل پڑا رہتا تھا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ میں راستہ میں بیٹھ گیا جہاں کو ان حضرات کا راستہ تھا۔ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گذرے، میں نے ان سے کوئی بات پوچھنا شروع کر دی، خیال تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے گھر تک لے جائیں گے اور پھر عادت شریفہ کے موافق جو موجود ہوگا اس میں تواضع ہی فرمائیں گے، مگر انہوں نے ایسا نہ کیا (غالباً ذہن منتقل نہیں ہوا یا اپنے گھر کا حال معلوم ہوگا کہ وہاں بھی کچھ نہیں)۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ پھر نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے

۱۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ عنہ وفات پا گئے آپ کا وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو لاہور میں ہوا۔

۲۔ یعنی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دیکھ کر مُسکرائے اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے اور ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! میرے ساتھ آؤ، میں ساتھ ہولیا۔ حضور ﷺ گھر تشریف لے گئے۔ میں ساتھ اندر حاضری کی اجازت لے کر حاضر ہوا۔ گھر میں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا جو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے؟ عرض کیا فلاں جگہ سے حضور کے لئے ہدیہ میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! جاؤ، اہلِ صُفّہ کو بلا لاؤ۔ اہلِ صفہ اسلام کے مہمان شمار ہوتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے نہ گھر تھا، نہ در، نہ ٹھکانہ، نہ کھانے کا کوئی مستقل انتظام۔ ان حضرات کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی تھی، مگر اس قصہ کے وقت ستر تھی۔

حضور ﷺ کا معمول یہ بھی تھا کہ ان میں سے دو دو چار چار کو کسی کھاتے پیتے صحابی کا کبھی کبھی مہمان بھی بنا دیتے اور خود اپنا معمول یہ تھا کہ کہیں سے صدقہ آتا تو ان لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے اور کہیں سے ہدیہ آتا تو ان کے ساتھ حضور ﷺ خود بھی اس میں شرکت فرماتے۔ حضور ﷺ نے بُلا نے کا حکم دیا، مجھے گراں تو ہوا کہ اس دودھ کی مقدار ہی کیا ہے جس پر سب کو بلا لاؤں، سب کا کیا بھلا ہوگا؟ ایک آدمی کو بھی مشکل سے کافی ہوگا اور پھر بُلا نے کے بعد مجھ ہی کو پلانے کا حکم ہوگا، اس لئے نمبر بھی اخیر میں آئے گا جس میں بچے گا بھی نہیں، لیکن حضور ﷺ کی اطاعت کے بغیر چارہ ہی کیا تھا؟ میں گیا اور سب کو بُلا لایا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لے ان کو پلا۔ میں ایک شخص کے پیالہ حوالہ کرتا اور وہ خوب سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس دیتا۔ اسی طرح سب کو پلایا اور سب سیر ہو گئے۔ تو حضور ﷺ نے پیالہ دستِ مبارک میں لے کر مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا، پھر فرمایا کہ بس اب تو میں اور تو ہی باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بیشک۔ فرمایا کہ لے پی۔ میں نے پیا، ارشاد فرمایا: اور پی، میں نے اور پیا۔ بالآخر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب میں نہیں پی سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے سب کا بچا ہوا خود نوش فرمایا۔

(۸) حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو شخصوں کے بارے میں سوال

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے کہ ایک شخص سامنے سے گذرا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ عرض کیا:

یا رسول اللہ! شریف لوگوں میں ہے۔ واللہ! اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیام دے دے تو قبول کیا جائے، کسی کی سفارش کر دے تو مافی جائے۔ حضور ﷺ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گزرے، حضور ﷺ نے ان کے متعلق بھی سوال کیا، لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ایک مسلمان فقیر ہے۔ کہیں منگنی کرے تو بیاہا نہ جائے، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے یہاں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کوئی بھی وقعت نہ ہو اس کی بات کہیں بھی نہ سنی جاتی ہو، اللہ کے نزدیک سینکڑوں ان شرفاء سے بہتر ہے جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہو اور ہر شخص ان کی بات سننے اور ماننے کو تیار ہو، لیکن اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہ ہو۔ دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے۔ یہ تو حدیث میں خود موجود ہے کہ جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی اور دنیا کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اللہ کے پاک نام ہی کی یہ برکت ہے کہ یہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے۔

(۹) حضور ﷺ سے محبت کرنے والے پر فقر کی دوڑ

ایک صحابی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھ! کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ جب تین مرتبہ یہ سوال و جواب ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر کے اوڑھنے بچھانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لئے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے دوڑتا ہے جیسا کہ پانی کی روانچان کی طرف دوڑتی ہے۔

ف: یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اکثر فقر و فاقہ میں رہے ہی، اکابر محدثین، اکابر صوفیاء، اکابر فقہاء بھی تو نگری میں زیادہ نہیں رہے۔

(۱۰) سَرِیَّۃُ الْعَنْبَرِ میں فقر کی حالت

نبی اکرم ﷺ نے رجب ۸ھ میں سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امیر بنائے گئے تھے بھیجا۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ بھی ان کو دیا، پندرہ روز ان حضرات کا وہاں قیام رہا اور توشہ ختم ہو گیا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے جو اس قافلہ میں تھے مدینہ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کئے اور تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے، مگر تیسرے دن امیر قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہو گئیں تو واپسی بھی مشکل ہو جائے گی ذبح کی ممانعت کی اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کچھ کھجوریں موجود تھیں جمع کر کے ایک تھیلی میں رکھ لیں اور ایک ایک کھجور روزانہ تقسیم فرما دیا کرتے جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے اور رات تک کے لئے یہی کھانا تھا۔ کہنے کو مختصر سی بات ہے، مگر لڑائی کے موقع پر جب کہ قوت اور طاقت کی بھی ضرورت ہو، ایک کھجور پر دن بھر گزار دینا دل و جگر کی بات ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب یہ قصہ لوگوں کو حضور ﷺ کے بعد سنایا تو ایک شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت! ایک کھجور کیا کام دیتی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس کی قدر جب معلوم ہوئی جب وہ بھی نہ رہی کہ اب بجز فاقہ کے کچھ نہ تھا۔ درخت کے خشک پتے جھاڑتے اور پانی میں بھگو کر کھا لیتے۔ مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے اور ہر تنگی کے بعد اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَّتْ کے یہاں سے سہولت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان تکالیف اور مشقتوں کے بعد سمندر میں ایک مچھلی ان لوگوں کو پہنچائی جس کو عنبر کہتے ہیں۔ اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ روز تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ پہنچنے تک اس کا گوشت توشوں میں ساتھ تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے جب سفر کا مفصل قصہ سنایا گیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا ایک رزق تھا جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔

ف: مَشَقَّت اور تکالیف اس دنیا میں ضروری ہیں اور اللہ والوں کو خاص طور پر پیش آتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ مَشَقَّت میں رکھا جاتا ہے۔ پھر جو سب سے افضل ہوں، پھر ان کے بعد جو بقیہ میں افضل

ہوں۔ آدمی کی آزمائش اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتی ہے اور ہر مشقت کے بعد اللہ کی طرف سے اس کے لطف و فضل سے سہولت بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ بھی غور کیا کریں کہ ہمارے بڑوں پر کیا کیا گزر چکا اور یہ سب دین ہی کی خاطر تھا۔ اس دین کے پھیلانے میں جس کو آج ہم اپنے ہاتھوں سے کھورہے ہیں ان حضرات نے فاقے کئے، پتے چاہے، اپنے خون بہائے اور اس کو پھیلایا، جس کو ہم آج باقی بھی نہیں رکھ سکتے۔

چوتھا باب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر عادت، ہر خصلت اس قابل ہے کہ اس کو چُنا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ جلّ ثناؤ نے اپنے لاڈ لے اور محبوب رسول ﷺ کی مُصاحبت کے لئے اس جماعت کو چُنا اور چھاننا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں بنی آدم کے بہترین قرن اور زمانہ میں بھیجا گیا۔ اس لئے ہر اعتبار سے یہ زمانہ خیر کا تھا اور زمانہ کے بہترین آدمی حضور ﷺ کی صحبت میں رکھے گئے۔

(۱) حضور ﷺ کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت

حضور اقدس ﷺ ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک عورت کا پیام کھانے کی درخواست لے کر پہنچا۔ حضور ﷺ حُذّام سمیت تشریف لے گئے اور کھانا سامنے رکھا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ لقمہ چبا رہے ہیں، نگلا نہیں جاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کا گوشت مالک کی بغیر اجازت لے لیا گیا۔ اس عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ریوڑ میں بکری خریدنے آدمی بھیجا تھا، وہاں ملی نہیں۔ پڑوسی نے بکری خریدی تھی، میں نے اس کے پاس قیمت سے لینے کو بھیجا، وہ تو ملے نہیں، اُن کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیدیوں کو کھلا دو۔^۱

ف: حضور ﷺ کی علوّ شان کے مقابلہ میں ایک مُشتبہ چیز کا گلے میں اٹک جانا کوئی

ایسی اہم بات نہیں کہ حضور ﷺ کے ادنیٰ غلاموں کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آ جاتے ہیں۔

(۲) حضور ﷺ کا صدقہ کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ تمام رات جاگتے رہے اور کروٹیں بدلتے رہے، ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج نیند نہیں آتی؟ ارشاد فرمایا کہ ایک کھجور پڑی ہوئی تھی، میں نے اٹھا کر کھالی تھی کہ ضائع نہ ہو۔ اب مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

ف: اقرب یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اپنی ہی ہوگی، مگر چونکہ صدقہ کا مال بھی حضور ﷺ کے یہاں آتا تھا، اس شبہ کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو رات بھر نیند نہ آئی کہ خدا نخواستہ وہ صدقہ کی ہو اور اس صورت میں صدقہ کا مال کھایا گیا ہو۔ یہ تو آقا کا حال ہے کہ محض شبہ پر رات بھر کروٹیں بدلیں اور نیند نہیں آئی۔ اب غلاموں کا حال دیکھو کہ رشوت، سود، چوری، ڈاکہ، ہر قسم کا ناجائز مال کس سُرخروئی سے کھاتے ہیں اور ناز سے اپنے کو غلامانِ محمد شمار کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو غلہ^۱ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعہ سے کمایا، آج دریافت نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ! عرض کیا کہ میں زمانہ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا اور ان پر مُشر پڑھا، انہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آج میرا گذر ادھر کو ہوا تو اُن کے یہاں شادی ہو رہی تھی، انہوں نے یہ مجھے دیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش

۱۔ غلام پر کوئی تعداد مُعین کر دی جائے کہ اتنا روزانہ یا ماہوار ہمیں دے دیا کرو، باقی جو کماؤ وہ تمہارا، یہ ”غلہ“ کہلاتا ہے، یہ جائز ہے اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی غلاموں سے مقرر کر لیا جاتا تھا۔

کی، مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدت کی حالت میں کھایا گیا نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہو سکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اسکو نکالتا۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو بدن مالی حرام سے پرورش پائے آگ اس کے لئے بہتر ہے، مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پا جائے۔^۱

ف: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ احتیاط مزاج میں زیادہ تھی۔ تھوڑا سا بھی شبہ ہو جاتا تھا تو قے فرماتے۔ بخاری شریف میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانہ جاہلیت میں کوئی کہانت یعنی غیب کی بات نجومیوں کے طور پر کسی کو بتلائی تھی، وہ اتفاق سے صحیح ہو گئی۔ ان لوگوں نے اس غلام کو کچھ دیا جس کو انہوں نے اپنی مقررہ رقم میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لا کر دے دیا۔ حضرت نے نوش فرمایا اور پھر جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کیا۔ ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو، دونوں احتمال ہیں، مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط نے اس مشتبہ مال کو بھی گوارا نہ کیا۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا کہ اس کا مزہ کچھ عجیب سا نیا سا معلوم ہوا، جن صاحب نے پلایا تھا ان سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے کہ میں وہاں گیا تو ان لوگوں نے دودھ نکالا جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرما دیا۔^۲

ف: ان حضرات کو اس کا ہمیشہ فکر رہتا تھا کہ مُشتَبَہ مال بھی بدن کا جزو نہ بنے، چہ جائیکہ بالکل حرام جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہو گیا۔

(۵) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

ابن سیرین رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیٹ المال سے کچھ لوں، مگر عمر نے نہ مانا کہ دقت ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج ہوگا، اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا، اس لئے اب میرا فلاں باغ اس کے عوض میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جلّ ثناؤہ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں، انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ (کتاب الاموال)

ف: غور کرنے کی بات ہے کہ اول تو وہ مقدار ہی کیا تھی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لی، اس کے بعد لینا بھی اہل الرائے کے اصرار پر تھا اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے، اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہو سکتی تھی اس کا اندازہ قصہ ۴ باب ۳ سے معلوم ہو گیا کہ بیوی نے تنگی اٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام بیٹھے کے لئے جمع کئے تو ان کو بیٹ المال میں جمع فرما دیا اور اتنی مقدار مُستقل کم کر دی، اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا اس کا بھی معاوضہ داخل کر دیا۔

(۶) حضرت علی بن معبد رحمہ اللہ علیہ کا کرایہ کے مکان سے تحریر کو خشک کرنا

علی بن معبد رحمہ اللہ علیہ ایک مُحدّث ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کے لئے مٹی کی ضرورت ہوئی، کچی دیوار تھی، مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذرا سی کھرچ کے تحریر پر ڈال لوں۔ پھر خیال آیا کہ مکان کرایہ کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا، نہ مٹی لینے کے واسطے)، مگر ساتھ ہی یہ

خیال آیا کہ اتنی ذرا سی مٹی میں کیا مضائقہ ہے، معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی لے لی اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں جو یہ فرما رہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا یہ کہنا کہ ”معمولی مٹی کیا چیز ہے“۔

ف: ”کل معلوم ہوگا“ کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے درجات بہت زیادہ ہیں۔ کمال درجہ یہ یقیناً تھا کہ اس سے بھی احتراز کیا جاتا، اگرچہ عرفاً معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا۔ (احیاء)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر

گمنام ایک شخص ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایک مرتبہ جا رہا تھا، وہ جنگل میں پہنچے، پھر ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت اور تنہائی والو! کیا خبر ہے، کیا حال ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہو گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے، کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا: اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہو جاتی ہے۔

ف: یعنی آدمی جو کچھ اچھا یا بُرا کام کرتا ہے وہ اس کی قبر میں محفوظ رہتا ہے جیسا کہ صندوق میں متعہد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں جو میت کے جی بہلانے اور انس پیدا کرنے کے لئے رہتا ہے اور اس کی دلداری کرتا ہے، اور بُرے اعمال بُری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اذیت کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں: اس کا مال (جیسا کہ عرب میں دستور تھا) اس کے رشتہ دار، اور اعمال۔ دو چیزیں مال

اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آ جاتے ہیں، عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل و عیال اور مال و اعمال کی مثال کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دریافت فرمانے پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے، اس وقت ایک بھائی کو وہ بٹائے اور پوچھے کہ بھائی! تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ اس وقت تو میری کیا مدد کرے گا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ تیری تیمارداری کروں گا، علاج کروں گا، ہر قسم کی خدمت کروں گا، اور جب تو مر جائے گا تو نہلاؤں گا، کفن پہناؤں گا اور کندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا اور دفن کے بعد تیرا ذکر خیر کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بھائی تو اہل و عیال ہیں۔ پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سوال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا تیرا واسطہ زندگی کا ہے، جب تو مر جاوے گا تو میں دوسری جگہ چلا جاؤں گا، یہ بھائی مال ہے۔ پھر وہ تیسرے بھائی کو بٹلا کر پوچھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں، وحشت کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں۔ جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ کر اس کو جھکاؤں گا، یہ بھائی عمل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اب بتلاؤ! کون سا بھائی کا رآمد ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہی بھائی کا رآمد ہے، پہلے دونوں تو بے فائدہ ہی رہے۔^۱

(۸) حضور ﷺ کا ارشاد: جس کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جل ثنا خود پاک ہیں اور پاک مال ہی قبول فرماتے ہیں، مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ“ (المؤمنون: ۵۱) اے رسولو! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ“ (البقرة: ۱۷۲) اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا (اور مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے) اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غبار آلود کپڑوں والا (یعنی پریشان حال) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے، اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! لیکن کھانا بھی اس کا حرام ہے، پینا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام ہے، ہمیشہ حرام ہی کھایا تو اس کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے؟

ف: لوگوں کو ہمیشہ سوچ رہتا ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، لیکن حالات کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اللہ جلّ ثناؤ اپنے فضل سے کبھی کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں چہ جائیکہ فاسق کی، لیکن مستقی کی دعا اصل چیز ہے، اسی لئے مستقیوں سے دعا کی تمنا کی جاتی ہے، جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں ان کو بہت ضروری ہے کہ حرام مال سے احتراز کریں اور ایسا کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ میری دعا قبول نہ ہو۔

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو مُشک تولنے سے انکار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرتبہ بخَرین سے مُشک آیا، ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا؟ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت عائکہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں تول دوں گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سُن کر سُکوت فرمایا۔ تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تا کہ میں تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا، آپ نے سُکوت فرمایا، تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تُو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لے اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو۔

ف: یہ کمال احتیاط تھی اور اپنے آپ کو محلِ تہمت سے بچانا، ورنہ جو بھی تولے گا اس کے ہاتھ کو تو لگے ہی گا، اس لئے اس کے جواز میں کوئی تردد نہ تھا، لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے اپنی بیوی کے لئے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جن کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے، ان کے زمانہ میں ایک مرتبہ مُشک تو لا جا رہا تھا تو انہوں نے اپنی ناک بند فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مُشک کا نفع تو خوشبو ہی سونگھنا ہے۔^۱

ف: یہ ہے احتیاط اُن صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی اور ہمارے بڑوں کی، پیشواؤں کی۔

(۱۰) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا حجاج کے حاکم کو حاکم نہ بنانا
حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا۔ کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ صاحب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان حاکم کو معزول کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے تو حجاج بن یوسف کے یہاں تھوڑے ہی زمانہ کام کیا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بُرا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تُو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا۔^۲

ف: مطلب یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ جو شخص مُستقیوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر غیر معمولی اور غیر محسوس طریقے سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے اور جو فاسقوں کے پاس رہتا ہے اس کے اوپر فسق کا اثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بُری صحبت سے روکا جاتا ہے، آدمی تو درکنار جانوروں تک کے اثرات پاس رہنے سے آتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ فخر اور بڑائی اونٹ اور گھوڑے والوں میں ہوتی ہے اور مسکنت بکری والوں میں۔^۳ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مُشک والے کے پاس بیٹھا ہے کہ اگر مُشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو سے دماغ کو فرحت ہوگی اور بُرے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔^۴

پانچواں باب

نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع و خضوع

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہونا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے ارشادات اس بارے میں وارد ہیں جو میرے ایک دوسرے رسالہ میں مذکور ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔ اور کوئی شخص میرا قرب اس چیز کی بہ نسبت زیادہ حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہے، یعنی سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں۔^۱

ف: آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دیکھنا، سُننا، چلنا، پھرنا سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے اور کوئی بات بھی میری خلاف مرضی نہیں ہوتی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائیں۔

(۲) حضور ﷺ کا تمام رات نماز پڑھنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات

جو آپ نے دیکھی ہو، وہ سنا دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی کوئی بات عجیب نہ تھی، ہر بات عجیب ہی تھی۔ ایک دن رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے: لے چھوڑ، میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے۔ پھر رکوع فرمایا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ کیا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھے، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر صبح کی نماز کے لئے آواز دی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنے روئے، حالانکہ آپ معصوم ہیں، اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکر گزار نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)۔

یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پرورم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں، حالانکہ آپ بخشتے بخشتائے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

(۳) حضور ﷺ کا چار رکعت میں چھ پارے پڑھنا

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ہم رکاب تھا۔ حضور ﷺ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ حضور ﷺ نے سورہ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی اور جو آیت رحمت کی آتی حضور ﷺ اس جگہ دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے۔ سورہ کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی اور رکوع میں ”سُبْحَنَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْعُظْمَةِ“ پڑھتے جاتے تھے، پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں

اسی طرح سورہ آل عمران پڑھی اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورہ پڑھتے رہے۔ اس طرح چار رکعتوں میں سواچھ پارے ہوتے ہیں۔ یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی جس میں ہر آیت رحمت اور آیت عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا اور پھر اتنا ہی لمبارکوع اور سجدہ تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی اپنا ایک قصہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں، سورہ بقرہ سے لے کر سورہ مائدہ کے ختم تک پڑھیں۔

ف: ان چار سورتوں کے سواچھ پارے ہوتے ہیں جو حضور ﷺ نے چار رکعتوں میں پڑھے اور حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی جیسا اکثر احادیث میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آیت رحمت اور آیت عذاب پر ٹھہرنا اور دعا مانگنا، پھر اتنا ہی لمبارکوع سجدہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح چار رکعات میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہوگا۔ بعض مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ، تین سورتیں پڑھیں جو تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ اَتْبَاعَهُ۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما و

حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی نمازوں کے حالات

مجاہد رحمہ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا حال نقل کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے، یعنی بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انہوں نے حضور ﷺ سے، یعنی جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے اور اسی طرح عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آکر کمر پر بیٹھ جاتیں۔ بعض مرتبہ اتنا لمبارکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے۔ بعض اوقات سجدہ اتنا ہی لمبا ہوتا کہ پوری رات گزر جاتی۔ جب (حجاج کی) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا، جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اڑا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حلق اور داڑھی کے درمیان کو گذرا۔ مگر نہ ان کو کوئی انتشار ہوا، نہ رکوع سجدہ مختصر کیا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، بیٹا جس کا نام ہاشم تھا پاس سو رہا تھا۔ چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچہ پر لپٹ گیا، وہ چلا یا۔ گھر والے سب دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، اس سانپ کو مارا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر فرمانے لگے: کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، کیا تھا؟ بیوی نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے، بچہ کی تو جان بھی گئی تھی، تمہیں پتہ ہی نہ چلا۔ فرمانے لگے: تیرا ناس ہو، اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی۔ (ہدایہ وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں جب ان کے خنجر مارا گیا جس کی وجہ سے اُن کا انتقال ہوا تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہو جاتی تھی، لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کے لئے مُتَّحِد کئے جاتے تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آ جاتا تو بدن میں کپکپی آ جاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جلّ ثنا نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔ خلف بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کھیاں دق نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے صبر و تحمل پر اُکڑتے ہیں کہ اتنے کوڑے مارے،

میں ہلا تک نہیں۔ میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کر جاؤں۔

مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم باتیں کرتے رہو، مجھے تمہاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ ایک مرتبہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصہ گرا، لوگ اس کی وجہ سے دوڑے وہاں جمع ہوئے۔ شور و شغب ہوا مگر ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ حاتم اصم رضی اللہ عنہ سے کسی نے ان کی نماز کی کیفیت پوچھی تو کہنے لگے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہنچ کر جہاں نماز پڑھوں گا تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصہ میں سکون پیدا ہو جائے، پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اس طرح کہ بیٹ اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں اور پل صراط کو پاؤں کے نیچے، جنت کو دائیں طرف اور جہنم کو بائیں طرف اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے، اس کے بعد پورے خشوع و خضوع سے نماز پڑھتا ہوں اور اس کے بعد اُمید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ نامعلوم قبول ہوئی یا نہیں۔

(۵) ایک مہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا

نماز میں تیر کھانا

نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، شب کو ایک جگہ قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج شب کو حفاظت اور چوکیدارہ کون کرے گا؟ ایک مہاجر اور ایک انصاری حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم دونوں کریں گے۔ حضور ﷺ نے ایک پہاڑی جہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہو سکتا تھا بتادی کہ اس پر دونوں قیام کرو، دونوں حضرات وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر انصاری نے مہاجر سے کہا کہ رات کو دو حصوں میں منقسم کر کے ایک حصہ میں آپ سو رہیں، میں جاگتا رہوں، دوسرے حصہ میں آپ جاگیں اور میں سوتا رہوں کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہو جائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے۔

اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگالے۔ رات کا پہلا آدھا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجری سو گئے، انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی۔ دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دُور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی تو دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا اور ہر تیران کے بدن میں گھستار ہا اور یہ ہاتھ سے اس کو بدن سے نکال کر پھینکتے رہے۔ اس کے بعد اطمینان سے رُکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا۔ وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ کر بھاگ گیا کہ نامعلوم کتنے ہوں۔ مگر ساتھی نے جب اُٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا۔ مہاجری نے فرمایا: سبحان اللہ! تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگالیا۔ انصاری نے فرمایا کہ میں نے ایک سورۃ (سورۃ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رُکوع کروں۔ اب بھی مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بار بار تیر لگنے سے مرجاؤں اور حضور ﷺ نے جو حفاظت کی خدمت سپرد کر رکھی ہے وہ فوت ہو جائے۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مرجاتا، مگر سورۃ ختم کرنے سے پہلے رُکوع نہ کرتا۔

ف: یہ تھی ان حضرات کی نماز اور اس کا شوق کہ تیر پر تیر کھائے جائیں اور خون ہی خون ہو جائے، مگر نماز کے لطف میں فرق نہ پڑے۔ ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے، بھڑکے گا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ ممکن ہے کہ ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو، کیونکہ حضور اکرم ﷺ اس مجلس میں تشریف فرمانہ تھے یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

(۶) حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا نماز میں خیال آ جانے سے باغ وقف کرنا

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک پرندہ اڑا اور چونکہ باغ گنجان تھا اس لئے اس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا۔ کبھی اس طرف کبھی

اُس طرف اُڑتا رہا اور نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا رہا۔ ان کی نگاہ اس پر پڑی اور اس منظر کی وجہ سے ادھر خیال لگ گیا اور نگاہ اس پر بندے کے ساتھ پھرتی رہی۔ دفعۃً نماز کا خیال آیا تو سہو ہو گیا کہ کونسی رکعت ہے، نہایت قلق ہوا کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مُصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی، فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ عرض کر کے درخواست کی کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مُصیبت پیش آئی اس لئے میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ جہاں دل چاہے اس کو صرف فرما دیجئے۔ اسی طرح ایک اور قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیش آیا کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، کھجوریں پکنے کا زمانہ شباب پر تھا اور خوشے کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جھکے پڑے تھے، نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے۔ خیال ادھر لگ گیا جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ گئے (کتنی) رکعتیں ہوئیں۔ اس کے رنج اور صدمہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے یہ ٹھان لی کہ اس باغ ہی کو اب نہیں رکھنا جس کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، اس کو جو چاہے کیجئے۔ انہوں نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ فرمادی۔

ف: یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آ جانے سے پچاس ہزار درہم کا باغ ایک دم صدقہ کر دیا۔ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”قول جمیل“ میں صوفیہ کی نسبت کی قسمیں تحریر فرماتے ہوئے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسبت ہے اللہ کی اطاعت کو ماسویٰ پر مُقَدَّم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا، کہ ان حضرات کو اس پر غیرت آئی کہ اللہ کی اطاعت میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کیوں ہوئی۔

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا تو آنکھ بنانے والے

حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنادیں، لیکن پانچ دن تک آپ کو احتیاط کرنا پڑے گی کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا۔ انہوں نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، واللہ! ایک رکعت بھی مجھے اس طرح پڑھنا منظور نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے مجھے معلوم ہے کہ جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑے وہ حق تعالیٰ شانہ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سبحانہ و تقدّس اس پر ناراض ہوں گے۔

ف: اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل نہیں ہوتی، مگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز کے ساتھ جو شغف تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر عمل کرنے کی جس قدر اہمیت تھی اس کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا کہ ان حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی۔ آج ہم بے حیائی سے جو چاہے اُن مرٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں۔ جب کل ان کا سامنا ہوگا اور یہ فدائی میدانِ حشر کی سیر کے لطف اڑا رہے ہوں گے جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

(۸) صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ جماعت کا وقت ہو گیا، دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہی لوگوں کی شان میں آیت نازل ہوئی ”رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ“ (سورہ نور: ۳۷) ترجمہ پوری آیت شریفہ کا یہ ہے کہ ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے، نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا۔ وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، لیکن جب اذان کی آواز سنتے تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے

جاتے۔ ایک جگہ کہتے ہیں خدا کی قسم! یہ لوگ تاجر تھے، مگر ان کی تجارت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہو گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جل ثنا نے ”لَا تُلْهِیْہُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ“ (سورہ نور آیت: ۳۷) سے یاد فرمایا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ جل ثنا تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے تو ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والے تھے؟ تو ایک مختصر جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں میں اپنی خواب گاہ سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے تو ایک دوسری مختصر جماعت اٹھے گی اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت یا بیچنا اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا؟ تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوگی۔ اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔

(۹) حضرت حُنیب رضی اللہ عنہ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا

اور زید رضی اللہ عنہ و عاصم رضی اللہ عنہ کا قتل

اُحد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے ان کے عزیزوں میں انتقام کا جوش زور پر تھا۔ سلافہ نے جس کے دو بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے مَنّت مانی تھی کہ اگر عاصم کا (جنہوں نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا تھا) سر ہاتھ آ جائے تو اسکی کھوپڑی میں شراب پیوؤں گی، اس لئے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سر لائے گا اس کو سواونٹ انعام دوں گی۔ سفیان بن خالد کو اس لالچ نے آمادہ کیا کہ وہ ان کا سر لانے کی کوشش کرے، چنانچہ اس نے عضل وقارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ ان لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور اقدس ﷺ سے تعلیم و تبلیغ کے لئے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی

اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی کہ ان کا وعظ پسندیدہ بتلایا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دس آدمیوں کو اور بعض روایات میں چھ آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا جن میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستہ میں جا کر ان لے جانے والوں نے بد عہدی کی اور دشمنوں کو مقابلہ کے لئے بلایا جو دو سو آدمی تھے، ان میں سے سو آدمی بہت مشہور تیر انداز تھے اور بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات کو مکہ والوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ راستہ میں بٹو لٹیان کے دو سو آدمیوں سے مقابلہ ہوا۔ یہ مختصر جماعت (دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی) یہ حالت دیکھ کر ایک پہاڑی پر جس کا نام ”قَدْفُ“ تھا چڑھ گئی۔ کفار نے کہا کہ ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے، صرف اہل مکہ سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ آ جاؤ، ہم تم کو قتل نہ کریں گے، مگر انہوں نے کہا ہم کافر کے عہد میں آنا نہیں چاہتے اور ترگش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے جوش میں کہا کہ تم سے دھوکہ کیا گیا مگر گھبرانے کی بات نہیں، شہادت کو غنیمت سمجھو۔ تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہاری منتظر ہیں، یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار سے مقابلہ کیا۔ مقابلوں کا مجمع کثیر تھا۔ آخر شہید ہو گئے اور دعا کی کہ یا اللہ! اپنے رسول ﷺ کو ہمارے قصہ کی خبر کر دے چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت اس واقعہ کا علم حضور ﷺ کو ہو گیا اور چونکہ عاصم رضی اللہ عنہ یہ بھی سُن چکے تھے کہ سُلَافہ نے میرے سر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی مَنّت مانی ہے، اس لئے مرتے وقت دعا کی کہ یا اللہ! میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کا محافظ ہے، وہ دعا بھی قبول ہوئی اور شہادت کے بعد جب کافروں نے سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول بھیج دیا جنہوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اڑ جائیں گی، تو سر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رو آئی اور ان کی نعش کو بہا کر لے گئی۔ اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے۔

غرض تین باقی رہ گئے: حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ اور زید بن دُثینہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ۔ ان تینوں حضرات سے پھر انہوں نے عہد و پیمان کیا کہ تم نیچے آ جاؤ، ہم تم سے بد عہدی نہ کریں گے۔ یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے اور نیچے اترنے پر کفار نے ان کی کمانوں کی تانت اتار کر ان کی مُشکلیں باندھیں۔ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پہلی بد عہدی ہے، میں تمہارے ساتھ ہر گز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کا اقتدا ہی مجھے پسند ہے۔ انہوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے تو ان لوگوں نے ان کو بھی شہید کر دیا۔

صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے جن کو لے جا کر ان لوگوں نے مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایک حضرت زید بن دُثینہ رضی اللہ عنہ جن کو صفوان بن اُمیہ نے پچاس اونٹ کے بدلہ میں خرید لیا تاکہ اپنے باپ اُمیہ کے بدلہ میں قتل کرے۔ دوسرے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ جن کو ححیر بن ابی اِہاب نے سو اونٹ کے بدلہ میں خرید لیا تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کرے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انہوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا۔ صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فوراً ہی حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیئے جاویں، اس کا تماشا دیکھنے کے واسطے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ اس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شہادت کے وقت پوچھا کہ اے زید! تجھ کو خدا کی قسم، سچ کہنا ”کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن تیرے بدلہ میں مار دی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ہیں وہیں ان کے ایک کاٹا بھی چُھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں۔ یہ جواب سُن کر قریش حیران رہ گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبت دیکھی اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھی۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک قید میں رہے، ححیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہو گئیں

کہتی ہیں کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کی قید میں تھے تو ہم نے دیکھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں لئے ہوئے انگور کھا رہے ہیں اور مکہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا تو انہوں نے صفائی کے لئے اُسترا مانگا، وہ دے دیا گیا۔ اتفاق سے ایک کمسن بچہ اس وقت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ اُسترا ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے (حضرت) خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا؟ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ان کو حرم سے باہر لایا گیا اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جل ثنا کی ملاقات قریب ہے، چنانچہ مہلت دی گئی۔ انہوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا۔ اس کے بعد سولی پر لٹکا دیئے گئے تو انہوں نے دعا کی: یا اللہ! کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسول پاک ﷺ تک میرا آخری سلام پہنچا دے، چنانچہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اسی وقت سلام پہنچایا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: علیکم السلام یا خبیب! اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو قریش نے قتل کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو چالیس کافروں نے نیزے لے کر چاروں طرف سے اُن پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا۔ اس وقت کسی نے قسم دے کر یہ بھی پوچھا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ انہوں نے فرمایا: واللہ العظیم! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ میں ایک کاٹا بھی حضور ﷺ کو چھو لے۔

ف: ویسے تو ان قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے لیکن اس قصہ میں دو چیزیں خاص طور سے قابل قدر اور قابل عبرت ہیں: ان حضرات کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت و عشق کہ اپنی جان جائے اور اس کے بدلہ میں اتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہنچ جائے، اس لئے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے صرف زبان سے ہی

کہلانا چاہتے تھے اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا، ورنہ بدلہ میں حضور ﷺ کو تکلیف پہنچانے پر ان کفار کو بھی قدرت نہ تھی، بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہنچانے کی کوشش میں رہتے تھے جس میں بدلہ بے بدلہ سب برابر تھا۔ دوسری چیز نماز کی عظمت اور اس کا شغف کہ ایسے آخری وقت میں عام طور سے بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے۔ ان کی صورت دیکھنا چاہتا ہے۔ پیام و سلام کہتا ہے مگر ان حضرات کو پیام و سلام دینا ہے تو حضور ﷺ کو، اور آخری تمنا ہے تو دو رکعت نماز کی۔

(۱۰) حضور ﷺ کی جنت میں معیت کیلئے نماز کی مدد

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رات گزارتا تھا اور تہجد کے وقت وضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً مسواک، مصلیٰ وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا: مانگ، کیا مانگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنت میں آپ کی رفاقت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور کچھ، کہا: بس، یہی چیز مطلوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت سے۔

ف: اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہئے، بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے کہ جتنی اس کی کثرت ہوگی اتنے ہی سجدے زیادہ ہوں گے۔ جو لوگ اس سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر فلاں بزرگ سے دعا کرائیں گے سخت غلطی ہے۔ اللہ جلّ ثناؤ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ چلایا ہے، اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر قدرت ہے اور قدرت کے اظہار کے واسطے کبھی ایسا بھی کر دیتے ہیں، لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اسباب سے لگا رکھے ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر پر اور صرف دعا پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں بیٹھتے۔ پچاس طرح کی کوشش کرتے ہیں، مگر دین کے کاموں میں تقدیر اور دعا بیچ میں آ جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعا نہایت اہم ہے، مگر حضور ﷺ نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری دعا کی مدد کرنا۔

چھٹا باب

ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

ایثار کہتے ہیں اپنی ضرورت کے وقت دوسرے کو ترجیح دینا۔ اول تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر ادا، ہر عادت ایسی ہی ہے جس کی برابری تو درکنار اس کا کچھ حصہ بھی کسی خوش قسمت کو نصیب ہو جائے تو عین سعادت ہے، لیکن بعض عادتیں ان میں سے ایسی ممتاز ہیں کہ انہیں کا حصہ تھیں۔ ان کے منجملہ ایثار ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے کلام اللہ شریف میں اس کی تعریف فرمائی اور ”يُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ (الحشر: ۹) میں اس صفت کو ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گوان پر فاقہ ہی ہو۔

(۱) صحابی رضی اللہ عنہ کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا

ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی۔ حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا، کہیں کچھ نہ ملا تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو ان کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں مہمانی کروں گا۔ ان کو گھر لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے مہمان ہیں، جو اکرام کر سکے اس میں کسر نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا: خدا کی قسم! بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہے، اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ صحابی نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دیجو اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے اور تو چراغ کے درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا، چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گزاری جس پر آیت ”يُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ“ نازل ہوئی۔ ترجمہ: ”اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو“۔

ف: اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں پیش آئے، چنانچہ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا لکھا ہے۔

(۲) روزہ دار کے لئے چراغ بجا دینا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔ افطار کے لئے کوئی چیز کھانے کی میسر نہ آتی تھی۔ ایک انصاری صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا۔ بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا۔ جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلہ سے بجا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کھا رہے ہوں، صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہ کو بہت ہی پسند آیا۔

(۳) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے ان کے مال کی تفصیل معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا، میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا، نہ سواری کے کام کا۔ انہوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں، البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضور اقدس ﷺ سفر میں ہیں اور آج پڑاؤ فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے، حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر پیش کر دو۔ اگر منظور فرمایا تو مجھے انکار نہیں، ورنہ میں معذور ہوں۔ وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لئے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس آپ کے قاصد زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم! مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرف فرمایا ہو، اس لئے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ کا واجب ہے۔ حضور! ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ کا ہی نفع ہے نہ

سواری کا، اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی جس کو انہوں نے قبول نہیں فرمایا، اس لئے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتلائی، مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ عمدہ مال دو تو قبول ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے۔ حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور برکت کی دعا فرمائی۔

ف: یہ زکوٰۃ کے مال کا منظر ہے، آج بھی اسلام کے بہت سے دعویدار ہیں اور حضور ﷺ کی محبت کا دم بھی بھرتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے میں زیادتی کا تو کیا ذکر ہے پوری مقدار بھی ادا کرنا موت ہے۔ جو اونچے طبقے والے، زیادہ مال والے کہلاتے ہیں ان کے یہاں تو اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہی نہیں، لیکن جو متوسط حیثیت کے لوگ ہیں اور اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جو خرچ اپنے عزیز رشتہ داروں میں یا کسی دوسری جگہ مجبوری سے پیش آجائے اس میں زکوٰۃ ہی کی نیت کر لیں۔

(۴) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا صدقہ میں مقابلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا: آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ انہوں نے فرمایا: ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا، یعنی اللہ اور اس کے رسول پاک کے نام کی برکت اور ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

ف: خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا کہ دوسرے سے بڑھ جاؤں یہ مستحسن اور مندوب ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کی ترغیب آئی ہے۔ یہ قصہ غزوہ تبوک کا ہے، اس وقت میں حضور اکرم ﷺ نے چندہ کی خاص طور پر ترغیب فرمائی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں فرمائیں جن کا ذکر باب نمبر ۲ کے قصہ نمبر ۸ میں بھی مختصر طور پر گزرا ہے۔ (جَزَاهُمْ اللَّهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِينَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ)

(۵) صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا

حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں، میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پلاؤں، اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جان کنی شروع تھی۔ میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں؟ انہوں نے اشارے سے ہاں کی۔ اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی۔ میرے چچا زاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا۔ وہ ہشام بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے۔ انہوں نے آہ کی۔ ہشام رضی اللہ عنہ نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کر دیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشام کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ف: اس نوع کے متعدد واقعات کتب حدیث میں ذکر کئے گئے۔ کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ اپنا بھائی تو دم توڑ رہا ہو اور پیاسا ہو، ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا جائے اور ان مرنے

والوں کی روحوں کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و فضل سے نوازیں کہ مرنے کے وقت بھی جب ہوش و حواس سب ہی جواب دے دیتے ہیں، یہ لوگ ہمدردی میں جان دیتے ہیں۔

(۶) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن

حضور اقدس ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے اور بے درد کافروں نے آپ کے کان، ناک وغیرہ اعضاء کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ لڑائی کے ختم پر حضور اکرم ﷺ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم شہیدوں کی لاشیں تلاش فرما کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرما رہے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا، نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں۔ حضور ﷺ نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں دیکھنے کا تحمل مشکل ہوگا، ان کے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ انہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے دیکھنے کو منع فرما دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کے راستے میں یہ کونسی بڑی بات ہے، ہم اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور انشاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے جا کر اس کلام کو ذکر کیا تو حضور ﷺ نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرمادی۔ آکر دیکھا، اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور ان کے لئے استغفار اور دعا کی۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ احد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آرہی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھو، عورت کو روکو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں، میں جلدی سے روکنے کے لئے بڑھا، مگر وہ قوی تھیں، ایک گھونسا میرے مارا اور کہا: پرے ہٹ، میں نے کہا کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سن چکی تھی۔ ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا۔ ہم لوگ وہ

کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن کرنے لگے تو برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سہیل رضی اللہ عنہ تھا۔ ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تھا، ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو۔ اس لئے ہم نے دونوں کے لئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا، مگر ایک کپڑا اُن میں بڑا تھا، دوسرا چھوٹا، تو ہم نے قرعہ ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آئے گا وہ ان کے کفن میں لگایا جائے۔ قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ جو ان کے قد سے بھی کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جب دو کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر پہنچیں تو ان کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کپڑا بڑا تھا۔ یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصل ہے۔

ف: یہ دو جہاں کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے، وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لئے دو کپڑے دیتی ہیں، اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے۔ ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے اور پھر چھوٹا کپڑا اس شخص کے حصہ میں آتا ہے جو کئی وجہ سے ترجیح کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ غریب پروری اور مساوات کے دعویدار اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہیں تو ان پاک ہستیوں کا اتباع کریں جو کہہ کر نہیں، بلکہ کر کے دکھلا گئے۔ ہم لوگوں کو اپنے لئے ان کا پیرو کہنا بھی شرم کی بات ہے۔

(۷) بکرے کی سری کا چکر کاٹ کر واپس آنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ کے طور پر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند ہیں، کنبہ والے ہیں اور اُن کے گھروالے زیادہ محتاج ہیں، اس لئے اُن کے پاس بھیج دی۔ اُن کو ایک

تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا، اور ان کے پاس بھیج دی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر لوٹ آئی۔

ف: اس قصہ سے اُن حضرات کا عام طور سے محتاج اور ضرورت مند ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت اپنے سے مقدم معلوم ہوتی تھی۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو زچگی میں لے جانا

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات رات کو چوکیدارہ کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر ہوا، دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے جو پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ایک مسافر ہوں، جنگل کا رہنے والا ہوں۔ امیر المؤمنین کے سامنے کچھ اپنی ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے؟ ان صاحب نے کہا: میاں جاؤ! اپنا کام کرو۔ آپ نے اصرار فرمایا کہ نہیں بتا دو، کچھ تکلیف کی آواز ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ عورت کی ولادت کا وقت قریب ہے، درِ دِزہ ہو رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے؟ انہوں نے کہا کوئی نہیں، آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور اپنی بیوی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدر سے تمہارے لئے آئی ہے۔ انہوں نے پوچھا: کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک گاؤں کی رہنے والی بیچاری تنہا ہے، اس کو درِ دِزہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں تمہاری صلاح ہو تو میں تیار ہوں۔ اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولادت کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو، تیل، گودڑ وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو، وہ لے کر چلیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہوئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تو خیمہ

میں چلی گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے اُبالے، گھی ڈالا۔ اتنے میں ولادت سے فراغت ہو گئی۔ اندر سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دے کر عرض کیا: امیر المؤمنین! اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجئے۔ امیر المؤمنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گھبرانے کی بات نہیں، وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلا دیں، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس کو کھلایا، اس کے بعد ہانڈی باہر دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بدو سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ۔ رات بھر تمہاری جاگنے میں گزر گئی۔ اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرمایا کہ کل آنا تمہارے لئے انتظام کر دیا جائے گا۔

ف: ہمارے زمانے کا کوئی بادشاہ یا رئیس نہیں، کوئی معمولی حیثیت کا مال دار بھی ایسا ہے جو غریب کی ضرورت میں مسافر کی مدد کے واسطے اس طرح بیوی کو رات کو جنگل میں لے جائے اور خود اپنے آپ چولہا دھونک کر پکائے۔ مال دار کو چھوڑیے، کوئی دیندار بھی ایسا کرتا ہے؟ سوچنا چاہئے کہ جن کے ہم نام لیوا ہیں اور ان جیسی برکات کی ہر بات میں امید رکھتے ہیں، کوئی کام بھی ہم ان جیسا کر لیتے ہیں۔

(۹) ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا باغ وقف کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑے باغ والے تھے، ان کا ایک باغ تھا جس کا نام ”بیرحہ“ تھا۔ وہ ان کو بہت ہی زیادہ محبوب تھا، مسجد نبوی کے قریب تھا۔ پانی بھی اس میں نہایت شیریں اور افراط سے تھا۔ حضور ﷺ بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے۔ جب قرآن شریف کی آیت ”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (آل عمران: ۹۲) ترجمہ: تم نیکی (کے کامل درجہ) کو نہیں پہنچ سکتے جب تک ایسی چیزوں سے خرچ نہ کرو گے جو تم کو پسند ہیں) نازل ہوئی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ ”بیرحہ“ سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے

راستہ میں خرچ کرو، اس لئے وہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ ﷺ جیسا مناسب سمجھیں اس کے موافق اس کو خرچ فرمادیں۔ حضور ﷺ نے بہت زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اہل قرابت میں تقسیم کر دو۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔

ف: ہم بھی اپنا کوئی محبوب ترین مال جائیداد کوئی ایک آدھ وعظمن کر، قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر یا سن کر اس طرح بے دھڑک خیرات کر دیتے ہیں؟ اگر وقف وغیرہ کرنے کا خیال بھی آتا ہے تو زندگی سے مایوس ہو جانے کے بعد یا وارثوں سے خفا ہو کر ان کو محروم کرنے کی نیت سے، اور برس کے برس اس سوچ میں لگا دیتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ میری زندگی میں میرے ہی کام آوے، بعد میں جو ہو وہ ہوتا رہے۔ ہاں! نام و نمود کی کوئی چیز ہو، بیاہ شادی کی تقریب ہو تو سودی قرض سے بھی انکار نہیں۔

(۱۰) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اپنے خادم کو تنبیہ کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جن کے اسلام لانے کا قصہ باب نمبر ۵ کے نمبر ۵ پر گزر چکا۔ یہ بڑے زاہد لوگوں میں تھے، مال نہ اپنے پاس جمع رکھتے تھے نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا جمع رکھے۔ مالدار لوگوں سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ”ربذہ“ میں رہنے لگے تھے جو جنگل میں ایک معمولی سی آبادی تھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس چند اونٹ تھے اور ایک ناتواں ضعیف سا چرواہا تھا جو ان کی خبر گیری کرتا تھا، اسی پر گزرتھا۔ ایک شخص قبیلہ بنو سلیم کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنا ظاہر کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے فیوض سے استفادہ کروں، میں آپ کے چرواہے کی مدد کرتا رہوں گا اور آپ کی برکات سے فائدہ بھی حاصل کروں گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دوست وہ ہے جو میری اطاعت کرے، اگر تم بھی میری اطاعت کے لئے تیار ہو تو شوق سے رہو۔ کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں۔ سلیمی صاحب نے عرض کیا: کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ

جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں تو عمدہ سے عمدہ مال خرچ کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا۔ اتفاق سے ایک دن ان سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں جو ضرورت مند ہیں، کھانے کے محتاج ہیں۔ مجھ سے فرمایا: ایک اونٹ لے آؤ۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے جو نہایت قیمتی نہایت کارآمد اور سواری میں مطیع۔ میں نے حسب وعدہ اس کو لے جانے کا ارادہ کیا، مگر مجھے خیال ہوا کہ غرباء کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کارآمد ہے، حضرت کی اور متعلقین کی ضرورت کا ہے۔ اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی، لے کر حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا کہ تم نے خیانت کی، میں سمجھ گیا اور واپس آ کر وہی اونٹ لے گیا۔ پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں؟ دو آدمی اٹھے۔ انہوں نے اپنے کو پیش کیا۔ فرمایا کہ اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابو ذر کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کر دو۔ میرے گھر میں اتنا ہی جائے جتنا ان میں سے ہر گھر میں جائے، انہوں نے تعمیل ارشاد کی اور تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ تو نے میری وصیت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا؟ اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا، میں نے اول اسی اونٹ کو لیا تھا، مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کارآمد ہے، آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے، محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا کہ محض میری ضرورت سے چھوڑا تھا۔ عرض کیا کہ محض آپ کی ضرورت سے چھوڑا تھا، فرمایا: اپنی ضرورت کا دن بتاؤں؟ میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن میں قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤں گا۔ وہ دن میری ضرورت اور احتیاج کا ہے۔ مال کے اندر تین حصہ دار ہیں: ایک تقدیر جو مال لے جانے میں کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی، اچھا برا ہر قسم کا لے جاتی ہے۔ دوسرا وارث جو اس کے انتظار میں ہے، تو مرے تو وہ لے لے۔ اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے، اگر ہو سکتا ہو اور تیری طاقت میں ہو تو تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے ”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (آل عمران: ۹۲)۔ اس لئے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو میں اپنے لئے آگے چلتا کروں تاکہ وہ میرے لئے جمع رہے۔^۱

ف: ”تین حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن“ کا مطلب یہ ہے کہ جو ہو سکے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ جمع کر لے، ایسا نہ ہو کہ مقدر غالب آ جائے اور وہ مال تجھ سے ضائع ہو جائے یا تو مر جائے اور وہ دوسروں کے قبضہ میں آ جائے کہ بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ آل اولاد، بیوی، بچے، سب تھوڑے بہت دنوں رو کر چپ ہو جائیں گے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لئے بھی کچھ صدقہ خیرات کر دیں اور اس کو یاد رکھیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہے: آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور پرانا کر دیا یا اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا اور اپنے لئے خزانہ میں جمع کر دیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے، لوگوں کے لئے جمع کر رہا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تم میں سے ایسا کون شخص ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے سے اچھا لگے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کون ہوگا جس کو دوسرے کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنا مال صرف وہی ہے جو آگے بھیج دیا جائے اور جو چھوڑ دیا جائے وہ وارث کا مال ہے۔^۲

(۱۱) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا قصہ

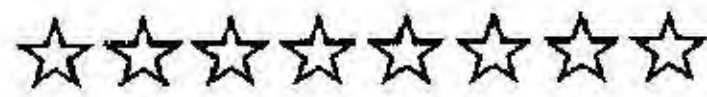
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اول تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان بلکہ آل اولاد سخاوت، کرم، شجاعت اور بہادری میں ممتاز رہے اور ہیں، لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مساکین کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غرباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔ کفار کی تکالیف سے تنگ ہو کر اول حبشہ کی ہجرت کی اور کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی جس کا قصہ پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گزرا۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوہ مؤتہ میں

شہید ہوئے جس کا قصہ اگلے باب کے ختم پر آ رہا ہے۔ ان کے انتقال کی خبر پر حضور ﷺ ان کے گھر تعزیت کے طور پر تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد رضی اللہ عنہم کو بلایا، وہ سب کم عمر تھے۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا، مگر عبداللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب قُطْبُ السَّخَاءِ، سخاوت کا قطب تھا۔ سات برس کی عمر میں حضور اقدس ﷺ سے بیعت ہوئی۔ انہی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں سفارش کرائی، ان کی سفارش پر اس کا کام ہو گیا، تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کیا کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے، اسی مجلس میں تقسیم فرما دیئے۔ ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا، مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی، اس کو فکر و رنج ہوا۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لٹا دو۔ رات کو قبیلہ میں جو مہمان آ جاتا تھا وہ ان کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا، تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا۔ یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید ہو گئے۔ صاحبزادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے، یہ فرما دیتے رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے۔ جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا۔ یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تمام قرضہ ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی دقت پیش آتی، میں کہتا! اے زبیر کے مولیٰ! فلاں کام نہیں ہوتا، وہ فوراً ہو جاتا۔

یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں، کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ گیا۔ میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا۔ کہنے لگے جب تمہیں سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا کہ اس کے بدلہ میں زمین لے لو۔ غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: اچھا۔ میں نے ایک زمین ان کو دے دی جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلیٰ بچھا دے، اس نے مصلیٰ بچھا دیا، دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے ابلنے لگا۔

ف: ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں جو اس باب میں لکھی گئیں کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔



ساتواں باب

بہادری، دلیری اور موت کا شوق

جس کا لازمی نتیجہ بہادری ہے کہ جب آدمی مرنے ہی کے سر ہو جائے تو پھر سب کچھ کر سکتا ہے۔ ساری بزدلی، سوچ فکر زندگی ہی کے واسطے ہے اور جب مرنے کا اشتیاق پیدا ہو جائے تو نہ مال کی محبت رہے نہ دشمن کا خوف، کاش! مجھے بھی ان بچوں کے طفیل یہ دولت نصیب ہو جاتی۔

(۱) ابن جحش رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوہ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سعد! آؤ مل کر دعا کریں۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے، دوسرا آمین کہے کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے، دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔ اول حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی: یا اللہ! جب کل کو لڑائی ہو تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما جو سخت حملہ والا ہو، وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو تیرے راستے میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا جو سخت حملہ والا ہو۔ میں اس پر شدت سے حملہ کروں، وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے، پھر میرے ناک، کان کاٹ لے۔ پھر قیامت میں جب تیرے حضور میں پیشی ہو تو تو کہے کہ عبداللہ! تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں: یا اللہ! تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے راستے میں کاٹے گئے، پھر تو کہے کہ سچ ہے، میرے ہی راستے میں کاٹے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں کی دعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھیں۔ اے سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک تاگے میں پروئے ہوئے

ہیں۔ اُحد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور ﷺ نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی جو ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دوسو دینار کی فروخت ہوئی۔ دینار سونے کے ایک سکہ کا نام ہے۔

ف: اس قصہ میں جہاں ایک جانب کمال بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنا ہے، وہاں دوسری جانب کمال عشق بھی کہ محبوب کے راستے میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنا کرے اور آخر میں جب وہ پوچھیں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ تو میں عرض کروں کہ تمہارے لئے۔

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سوزاروں میں

(۲) اُحد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری

غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی جس کا ذکر باب نمبر ۱۲ میں گذر چکا۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آ گئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی۔ نبی اکرم ﷺ بھی کفار کے ایک جھٹے کے بیچ میں آ گئے اور کفار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس خبر سے بہت پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بہت سے بھاگے بھی اور ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور اقدس ﷺ میری نظر سے اوجھل ہو گئے تو میں نے حضور ﷺ کو اوّل زندوں میں تلاش کیا، نہ پایا۔ پھر شہداء میں جا کر تلاش کیا، وہاں بھی نہ پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ حضور ﷺ لڑائی سے بھاگ جائیں۔ بظاہر حق تعالیٰ شانہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے، اس لئے اپنے پاک رسول ﷺ کو آسمان پر اٹھالیا، اس لئے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں کے جھٹے میں گھس جاؤں یہاں تک کہ مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے

کر حملہ کیا یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبی اکرم ﷺ پر پڑ گئی تو بے حد سُرّت ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ جلّ جلالہ نے ملائکہ کے ذریعے سے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کی۔ میں حضور ﷺ کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ ایک جماعت کی جماعت کفار کی حضور ﷺ پر حملہ کے لئے آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: علی! ان کو روکو۔ میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیئے اور بعضوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک اور جماعت حضور ﷺ پر حملہ کی نیت سے بڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ انہوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس جوانمردی اور مدد کی تعریف کی تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّهُ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ“ ”بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں“ یعنی کمال اتحاد کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: ”وَأَنَا مِنْكُمْ“ ”اور میں تم دونوں سے ہوں“۔

ف: ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بھڑ جانا اور نبی اکرم ﷺ کی مقدس ذات کو نہ پا کر مرجانے کی نیت سے کفار کے جھگڑے میں گھس جانا، جہاں ایک طرف حضور ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور عشق کا پتہ دیتا ہے وہاں دوسری جانب کمال بہادری اور دلیری، جرأت کا بھی نقشہ پیش کرتا ہے۔

(۳) حضرت خُظَلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

غزوہ اُحد میں حضرت خُظَلہ رضی اللہ عنہ اول سے شریک نہیں تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی نئی شادی ہوئی تھی۔ بیوی سے ہمبستر ہوئے تھے، اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے اور غسل کرنے کے لئے بیٹھ بھی گئے، سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی جس کی تاب نہ لا سکے۔ اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھے چلے گئے اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ چونکہ شہید کو اگر جیسی نہ ہو تو بغیر غسل دیئے دفن کیا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی اسی طرح کر دیا، مگر حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ملائکہ ان کو غسل دے رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم

سے ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا۔ ابو سعید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کا یہ ارشاد سن کر حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جا کر دیکھا تو ان کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر تحقیق فرمائی تو ان کے بغیر نہائے جانے کا قصہ معلوم ہوا۔^۱

ف: یہ بھی کمالِ بہادری ہے۔ بہادر آدمی کو اپنے ارادہ میں تاخیر کرنا دشوار ہوتا ہے، اس لئے اتنا انتظار بھی نہیں کیا کہ غسل پورا کر لیتے۔

(۴) عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی تمنائے شہادت

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے جو اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور لڑائیوں میں شرکت بھی کرتے تھے۔ غزوہٗ اُحد میں عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں بھی جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو، لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انہوں نے فرمایا: کیسی بری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی نے بھی ابھارنے کے لئے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آیا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ہتھیار لئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی: ”اللّٰهُمَّ لَا تُرَدِّنِيْ اِلٰی اَهْلِيْ“ (اے اللہ! مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹائیو) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے منع کرنے کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے، تو نہ جانے میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے پھر خواہش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم! میں جنت کا مُشتاق ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا۔ دونوں لڑتے رہے حتیٰ کہ دونوں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کے لئے مدینہ لانے لگیں تو وہ اونٹ بیٹھ گیا۔ بڑی وقت سے اس کو مار کر اٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اُحد ہی کی طرف منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے

حضور ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے۔ کیا عمرو چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا کی تھی: ”اللَّهُمَّ لَا تَرُدَّنِي إِلَى أَهْلِي“ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں جاتا۔^۱

ف: اسی کا نام ہے جنت کا شوق اور یہی ہے وہ سچا عشق اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے کہ ان کے جذبے مرنے کے بعد بھی ویسے ہی رہتے۔ بہتیری کوشش کی کہ اونٹ چلے، مگر یا تو وہ بیٹھ جاتا یا اُحد کی طرف چلتا تھا۔

(۵) حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے، ان کے باپ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے، نو عمر تھے، بہت زیادہ ناز و نعمت میں پرورش پاتے تھے۔ اسلام کے شروع ہی زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کر دی۔ انہوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا۔ کچھ روز اسی حالت میں گزرے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ حبشہ کی ہجرت کر رہے تھے ان کیساتھ ہجرت کر کے چلے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سامنے سے گزرے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضور ﷺ اُن کی اس حالت اور اُس پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔

غزوہ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ ایک کافران کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جاوے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے، انہوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا، اس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا۔ انہوں

نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرے نہیں۔ اس نے ان کے تیر مارا جس سے شہید ہو گئے، مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا۔ اس کے بعد جھنڈا گرا جس کو فوراً دوسرے شخص نے اٹھا لیا۔ جب ان کو دفن کرنے کی نوبت آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی، جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی، اگر سر کی طرف سے ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی تو سر کھل جاتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اڈا کر کے پتے ڈال دیئے جائیں۔^۱

ف: یہ آخری زندگی ہے اس نازک اور نازوں سے پلے ہوئے کی جو دو سو درہم کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اس کو کفن کی ایک چادر بھی پوری نہیں ملتی اور اس پر ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہ گرنے دیا۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے، مگر پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔ بڑے نازوں کے پلے ہوئے تھے، مگر ایمان ان لوگوں کے دلوں میں کچھ اس طرح سے جمنا تھا کہ پھر وہ اپنے سوا کسی چیز کا بھی نہ چھوڑتا تھا۔ روپیہ پیسہ، راحت آرام، ہر قسم کی چیز سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیتا تھا۔

(۶) قادسیہ کی لڑائی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خط

عراق کی لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ خود لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا۔ عوام اور خواص دونوں قسم کے مجموعوں سے کئی روز تک اس میں مشورہ ہوتا رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود شریک ہونا زیادہ مناسب ہے یا مدینہ میں رہ کر لشکروں کے روانہ کرتے رہنے کا انتظام زیادہ مناسب ہے۔ عوام کی رائے تھی کہ خود شرکت مناسب ہے اور خواص کی رائے تھی کہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ مشوروں کی گفتگو میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ آ گیا۔ ان کو سب نے پسند کر لیا کہ اگر ان کو بھیجا جاوے تو بہت مناسب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور عرب کے شیروں میں شمار ہوتے تھے۔ غرض یہ تجویز ہو گئی اور ان کو بھیج دیا گیا۔ جب قادسیہ پر حملہ کے لئے پہنچے تو شاہ کسریٰ نے ان کے مقابلہ کے لئے رستم کو جو مشہور پہلوان تھا تجویز کیا۔ رستم نے ہر چند کوشش کی اور بادشاہ سے بار بار اس کی درخواست کی کہ

مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ خوف کا غلبہ تھا، مگر اظہار اس کا کرتا تھا کہ میں یہاں سے لشکروں کے بھیجنے میں اور صلاح مشورہ میں مدد دوں گا۔ مگر بادشاہ نے جس کا نام ”یزدجرد“ تھا قبول نہ کیا اور اس کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا! حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وصیت فرمائی جس کے الفاظ کا مختصر ترجمہ یہ ہے: ”سعد! تمہیں یہ بات دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تم حضور ﷺ کے ماموں کہلاتے ہو اور حضور ﷺ کے صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں دھوتے، بلکہ برائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے، اس کے یہاں صرف اس کی بندگی مقبول ہے۔ اللہ کے یہاں شریف رذیل سب برابر ہیں، سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے، اس کے انعامات بندگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہر امر میں اس چیز کو دیکھنا جو حضور ﷺ کا طریقہ تھا، وہی عمل کی چیز ہے۔ میری اس نصیحت کو یاد رکھنا۔ تم ایک بہت بڑے کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو۔ اس سے چھٹکارا صرف حق کے اتباع سے ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو خوبی کا عادی بنانا۔ اللہ کے خوف کو اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو باتوں میں جمع ہوتا ہے: اس کی اطاعت میں، اور گناہ سے پرہیز کرنے میں، اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت بشاشت سے لشکر لے کر روانہ ہوئے جس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے رستم کو لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں: ”فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّونَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّونَ (الْأَعَاجِمُ) الْخَمْرَ“ بیشک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی ہے جیسا کہ تم لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو۔“

ف: شراب کے دل دادوں سے پوچھو کہ اس میں کیا مزہ ہے؟ جو لوگ موت کو ایسا محبوب رکھتے ہوں کامیابی کیوں نہ ان کے قدم چومے۔

(۷) حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی اُحد میں شہادت

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چراتے تھے۔ اپنے بھیجے کے ساتھ ایک رسی

میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، پوچھا کہ حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟ معلوم ہوا کہ اُحد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں۔ بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اتنے میں ایک جماعت کفار کی حملہ کرتی ہوئی آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جو ان کو منتشر کر دے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے۔ حضرت وَهَبُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْہُ نے زور سے تلوار چلائی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جگمگٹے میں گھس گئے اور شہید ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِيَ اللّٰهُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ میں نے وَهَبُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْہُ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی اور شہید ہونے کے بعد حضور ﷺ کو میں نے دیکھا کہ وَهَبُ کے سر ہانے کھڑے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا، باوجودیکہ اس لڑائی میں حضور اقدس ﷺ خود بھی زخمی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا وَهَبُ کے عمل پر آیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے کر پہنچوں۔

ف: ان پر رشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا، ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کے دوسرے کارنامے اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

(۸) بیر معونہ کی لڑائی

بیر معونہ کی لڑائی ایک مشہور لڑائی ہے جس میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی جن کو قراء کہتے ہیں، اس لئے کہ سب حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے۔ حضور ﷺ کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی، کیونکہ یہ حضرات رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گزارتے تھے اور دن کو حضور ﷺ کی بیسیوں کے گھروں کی ضروریات لکڑی، پانی وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو براء تھی اپنے

ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے گیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مَصْرَّت نہ پہنچے، مگر اس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا۔ آپ ﷺ نے ان ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ کر دیا اور ایک والا نامہ عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا تحریر فرمایا جس میں اسلام کی دعوت تھی۔ یہ حضرات مدینہ سے رخصت ہو کر بیر معونہ پہنچے تو ٹھہر گئے اور دوسا تھی ایک حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ دوسرے حضرت مُنْذِر بن عمرو رضی اللہ عنہ سب کے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت حرام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ دو حضرات کو ساتھیوں میں سے لے کر عامر بن طفیل کے پاس حضور ﷺ کا والا نامہ دینے کے لئے تشریف لے گئے، قریب پہنچ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہر جاؤ، میں آگے جاتا ہوں۔ اگر میرے ساتھ کوئی دغا نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا، ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے۔

عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لایا تھا، اس کو اسلام سے اور مسلمانوں سے خاص عداوت تھی۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے والا نامہ دیا تو اس نے غصہ میں پڑھا بھی نہیں، بلکہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو پار نکل گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ ”فُزْتُ وَ رَبِّ الْكُفَّةِ“ (رب کعبہ کی قسم! میں تو کامیاب ہو گیا) کہہ کر جاں بحق ہوئے۔ اس نے نہ اس کی پرواہ کی کہ قاصد کو مارنا کسی قوم کے نزدیک بھی جائز نہیں اور نہ اس کا لحاظ کیا کہ میرا چچا ان حضرات کو اپنی پناہ میں لایا ہے۔ ان کو شہید کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اس پر آمادہ کیا کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو، لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے تردید کیا تو اس نے آس پاس کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی جماعت کے ساتھ ان ستر صحابہ کا مقابلہ کیا، یہ حضرات آخر کہاں تک مقابلہ کرتے اور چاروں طرف سے کُفار میں گھرے ہوئے تھے، بجز ایک کعب بن زید رضی اللہ عنہ کے جن میں کچھ زندگی کی رَمَق باقی تھی اور کُفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے باقی سب شہید ہو گئے، حضرت مُنْذِر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ جو اونٹ چرانے گئے

ہوئے تھے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مردار خور جانور اڑ رہے تھے۔ دونوں حضرات یہ کہہ کر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا، یہاں آ کر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا اور سواروں کو خون کی بھری ہوئی تلواریں لئے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا۔ یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹھکے اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے؟ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضور ﷺ کو اطلاع دیں، مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جاوے گی۔ میرا تو دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں، آگے بڑھو اور ساتھیوں سے جا ملو، چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے، مگر چونکہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی مَنّت کے سلسلہ میں ایک غلام کا آزاد کرنا تھا اس لئے عامر نے ان کو اس کی مَنّت پر آزاد کر دیا۔ ان حضرات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے قاتل جبار بن سلمیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جب ان کو برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انہوں نے کہا ”فَزْتُ وَاللّٰهِ“ ”خدا کی قسم! میں کامیاب ہو گیا“ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کو اڑی چلی گئی۔ میں بہت متحیر ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا، وہ مرے، لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں: میں کامیاب ہو گیا، تو وہ کامیابی کیا تھی؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی؟ اس پر میں مسلمان ہو گیا۔^۱

ف: یہ ہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے، بیشک موت ان کے لئے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی جب دنیا میں کام ہی ایسے کئے تھے جن پر اللہ کے یہاں کی سرخروئی یقینی تھی، اس لئے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

(۹) حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل زندگی ہے

غزوہ بدر میں حضور اقدس ﷺ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے

صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین سے کہیں زیادہ ہے اور مُتَّقِیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عُمیر بن الحُمام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ بھی سن رہے تھے، کہنے لگے: واہ واہ! حضور ﷺ نے فرمایا: واہ واہ کس بات پر کہا؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو۔ اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہیں، بڑی لمبی زندگی ہے، کہاں تک انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کر مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔^۱

ف: حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدردان ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے۔ ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہو جائے تو ساری باتیں سہل ہو جائیں۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو ذکر ہی کیا ہے بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت کا معترف ہے۔ اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعیف کی حالت میں تھے، حضور ﷺ نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی۔ مگر جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی کمان ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لئے۔ اول مسجد میں گئے طواف اطمینان سے کیا پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی۔ اس کے بعد کفار کے مجموعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رائد ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکہ سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔^۲

(۱۱) غزوہ موتہ کا قصہ

حضور اقدس ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک خط حضرت حارث بن عمیر از دی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصری کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ جب یہ موتہ پہنچے تو شُرَحْبیل غسانی نے جو قیصر کے حکام میں سے ایک شخص تھا ان کو قتل کر دیا، قاصدوں کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور ﷺ کو یہ بات بہت گراں ہوئی اور آپ ﷺ نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں۔ ایک یہودی اس گفتگو کو سن رہا تھا، اس نے کہا یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے پہلے انبیاء علیہم السلام کی اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور خود مع ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر جب پہنچانے والے واپس آنے لگے تو ان مجاہدین کے لئے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو سلامتی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو جس سے میرے خون کے فوارے چھوٹنے لگیں یا ایسا برچھا ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گزریں تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشید اور کامیاب کرے، واقعی تو رشید اور کامیاب تھا۔ اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے۔ شُرَحْبیل کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا، وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ یہ حضرات کچھ آگے چلے تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل، روم کا بادشاہ بھی ایک لاکھ فوج ساتھ لئے ہوئے مقابلہ کے لئے آ رہا ہے۔

ان حضرات کو اس خبر سے ترؤد ہوا کہ اتنی بڑی جمعیت کا مقابلہ کیا جاوے یا حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دی جاوے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لکار کر فرمایا: اے لوگو! تم کس بات سے گھبرار رہے ہو، تم کس چیز کے ارادے سے نکلے ہو؟ تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے۔ ہم لوگ کبھی بھی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے زور پر نہیں لڑے۔ ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا ہے۔ آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے، یا شہادت یا غلبہ۔ یہ سن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ موت پر پہنچ کر لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہنچے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ شرجیل کا بھائی بھی مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ خود شرجیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا اور ہر قل کے پاس مدد کے لئے آدمی بھیجا، اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیئے تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: اے لوگو! کیا ہی اچھی چیز ہے جنت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا۔ کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آ گیا مجھ پر بھی لازم ہے کہ ان کو ماروں۔

یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے۔ امیر ہونے کی وجہ سے جھنڈا بھی انہی کے پاس تھا۔ اول جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا، کافروں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے۔ انہوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے وہ بھی کاٹا تو انہوں نے دونوں بازوؤں سے اس کو تھاما اور منہ سے مضبوط پکڑ لیا۔ ایک شخص نے پیچھے سے ان کے دو ٹکڑے کر دیئے جس سے یہ گر پڑے۔ اس وقت ان کی عمر تینتیس سال کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جب اٹھایا تو ان کے بدن کے اگلے حصہ پر نوے زخم تھے۔ جب یہ شہید ہو گئے تو لوگوں

نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ وہ لشکر کے ایک کونے میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا۔ وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہ جعفر تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے۔ آگے بڑھے اور جھنڈا لے کر قتال شروع کر دیا۔ انگلی میں زخم آیا، وہ لٹک گئی تو انہوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا وہ الگ ہو گئی، اس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے۔ اس گھمسان اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا ترڈ بھی پیش آیا کہ نہ ہمت نہ مقابلہ کی طاقت، لیکن اس ترڈ کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا: او دل! کس چیز کا اب اشتیاق باقی ہے جس کی وجہ سے ترڈ ہے؟ کیا بیوی کا ہے تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد یا باغ کا ہے تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: قسم ہے او دل! تجھے اُترنا ہوگا، خوشی سے اُتر یا ناگواری سے اُتر۔ تجھے اطمینان کی زندگی گزارتے ہوئے ایک زمانہ گزر چکا۔ سوچ تو آخر تو ایک قطرہ منی ہے۔ دیکھ کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے ہوئے آرہے ہیں۔ تجھے کیا ہوا کہ جنت کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے ہی گا۔ اس کے بعد گھوڑے سے اُترے، ان کے چچا زاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھالو، کمر سیدھی کر لو۔ کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے لے لیا۔ اتنے میں ایک جانب سے ہلے کی آواز آئی۔ اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جماعت میں گھس گئے اور شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے۔

ف: صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے۔ ان کا ہر ہر قصہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو پوچھنا ہی کیا تا بعین پر بھی یہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک قصہ پر اس باب کو ختم کرتا ہوں جو دوسرے رنگ کا ہے دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجئے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ“۔ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی گفتگو

حجاج کا ظلم و ستم دنیا میں مشہور ہے گو اُس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم و ستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے لیکن پھر بھی دین دار اور عادل بادشاہوں کے لحاظ سے وہ بدترین شمار ہوتے تھے اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا۔ حجاج عبدالملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو ان سے بغض و عداوت تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لئے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج اُن کو گرفتار نہ کر سکا۔ یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر کو ٹھکانہ دے اس کی خیر نہیں اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں بھی وہ ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو، نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دقت سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا اور پوچھا اور دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟

سعید: میرا نام سعید ہے۔

حجاج: کس کا بیٹا ہے؟

سعید: جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز)

اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے، لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا

ہونا پسند نہیں آیا، اس لئے کہا۔ نہیں تو شقی بن کسیر ہے۔ (شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور

کسیر ٹوٹی ہوئی چیز)

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھی۔

- حجاج: تو بھی بد بخت اور تیری ماں بھی بد بخت۔
- سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور ہے (یعنی علام الغیوب)۔
- حجاج: دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔
- سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔
- حجاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔
- سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنا لیتا۔
- حجاج: حضور اقدس ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟
- سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔
- حجاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟
- سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔
- حجاج: میں ان کو برا کہتا ہوں یا اچھا؟
- سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔
- حجاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟
- سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔
- حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟
- سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔
- حجاج: حضرت علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟
- سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں۔
- حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟
- سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔
- حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔
- سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟
سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہوا اور قیامت میں اس کو جانا ہوا اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج: میں تو ہنستا ہوں۔

سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔

حجاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔

سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔

حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کر لے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج: میں کیوں جرأت نہیں کر سکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج: ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لئے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟
سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا؟ حجاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔

حجاج: شرط کیا ہے؟

سعید: یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ اس دن ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج: ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں؟

سعید: تو نے جمع کیا، تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔

حجاج: تیرے لئے ہلاکت ہو۔

سعید: ہلاکت اس شخص کے لئے ہے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔ حجاج

(دق ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں؟

سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لئے پسند ہو۔

حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں؟

سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں۔ حجاج نے جلا د

کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔

سعید: باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی، پھر بلایا اور پوچھا۔

حجاج: تو کیوں ہنسا؟

سعید: تیری اللہ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے۔

حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی۔ پھر جلا د سے

خطاب کر کے کہا: میرے سامنے اس کی گردن اڑاؤ۔

سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھی پھر قبلہ رخ ہو کر ”إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي

فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ (الانعام: ۷۹) پڑھا یعنی

میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان زمین بنائے اور میں

سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین میں سے۔

حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انہوں نے بھی اپنے دین

میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔

سعید: ”فَاَيْنَمَا تُولُوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ، الْكَافِي بِالْسَّرَآئِرِ“ جدھر تم منہ پھیرو ادھر بھی خدا

ہے جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سعید: ”مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى“ (طہ: ۵۵)، ہم نے

زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے۔
حجاج: اس کو قتل کر دو۔

سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ،
وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ تو اس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے قیامت
کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ
رَاجِعُوْنَ۔ ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی
حیرت ہوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا ان کا دل نہایت مطمئن
تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا۔ اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر
قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔^۱

ف: اس قصہ کے سوال جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے، اور بھی بعض سوال
جواب نقل کئے گئے ہیں، ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا اس لئے اسی پر اکتفا کیا گیا۔ تابعین کے
اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ، امام مالک رحمہ اللہ علیہ، امام احمد بن
حنبل رحمہ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے،
لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب

علمی ولولہ اور اس کا انہماک

چونکہ اصل دین کلمہ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے۔ جب تک وہ نہ ہو
کوئی کارِ خیر بھی مقبول نہیں، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں
زیادہ تر کلمہ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی اور وہ علمی انہماک
کے لئے فارغ و یکسو نہ تھے، لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور
شوق و شغف جس کا ثمرہ آج چودہ سو برس تک علوم قرآن و حدیث کا بقاء ہے، ایک کھلی ہوئی
چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت

میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ ”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“ (التوبہ: ۱۲۲) نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے: مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ وہ قوم کو جب وہ ان کے پاس واپس آویں، ڈراویں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔“ لے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا“ (التوبہ: ۴۱) اور ”إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا“ (التوبہ: ۳۹) سے جو عموم معلوم ہوتا ہے اس کو ”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً“ (التوبہ: ۱۲۲) نے منسوخ کر دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حق تعالیٰ شانہ نے جامعیت عطا فرمائی تھی (اور اس وقت کے لئے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی) کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی، مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت ہو گئی، نیز صحابہ کرام جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی تو ہر شعبہ دین کے لئے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ محدثین کی مستقل جماعت بنی شروع ہو گئی جن کا کام احادیث کا ضبط اور ان کا پھیلانا تھا۔ فقہاء کی علیحدہ جماعت ہوئی۔ صوفیاء، قراء، مجاہدین غرض دین کے ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے۔ اس وقت کے لئے یہ ہی چیز مناسب اور ضروری تھی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دشوار تھی، اس لئے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کر لے، یہ بہت دشوار ہے۔ یہ صفت حق تعالیٰ شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی۔ اس لئے اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کئے جائیں گے۔

(۱) فتویٰ کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ

میں ہر وقت منہمک تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا اس کو پھیلانا، پہنچانا یہی اس کا مشغلہ تھا لیکن ایک جماعت فتویٰ کے ساتھ مخصوص تھی جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی فتویٰ کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات حسب ذیل ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، اُبی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، عمار بن یاسر، حذیفہ، سلمان فارسی، زید بن ثابت، ابوموسیٰ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ف: یہ ان حضرات کے کمالِ علم کی بات ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں یہ لوگ اہل فتویٰ شمار کئے جاتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں کروٹیں بدل رہے ہیں مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے، غرض تمام رات اسی بے چینی میں گزری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں اٹھالا۔ میں لے کر آئی، آپ نے ان کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور یہ میرے پاس ہوں، ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہوا اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو۔

ف: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ تو علمی کمال اور شغف تھا کہ انہوں نے پانچ سو احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو ممبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت

کے حاضر باش، سفر حضر کے ساتھی، ہجرت کے رفیق۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں نہ فرمادی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عبور تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں۔ مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

(۳) تبلیغ حضرت مُصْعَب بن عمیر رضی اللہ عنہ

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے نمبر ۵ پر بھی گذر چکا ہے، ان کو حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ جو سب سے پہلے منیٰ کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے۔ لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اُسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا قیام تھا اور مُقَرِّی (پڑھانے والا، مدرس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اُسید بن خضیر رضی اللہ عنہ یہ دونوں سرداروں میں تھے، ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد نے اُسید سے کہا کہ تم اُسعد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے، بہکاتا ہے۔ وہ اُسعد کے پاس گئے اور ان سے سختی سے یہ گفتگو کی۔ اُسعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم ان کی بات سن لو۔ اگر تمہیں پسند آئے قبول کر لو، اگر سننے کے بعد ناپسند ہو تو روکنے کا مضائقہ نہیں۔ اُسید نے کہا: یہ انصاف کی بات ہے، سننے لگے۔ حضرت مُصْعَب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے۔ جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو تو کس طرح داخل کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو اور کلمہ شہادت پڑھو۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سب کام کئے اور

مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی ہمراہ لائے۔ ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ سعد بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بَنُو الْأَشْهَل کے پاس گئے۔ ان سے جا کر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو۔ اس پر سعد نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور محمد ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلہ اشہل کے سب مرد و عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مُصْعَب رضی اللہ عنہ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا وہ مستقل ایک مُبْلِغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا اس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا جس میں نہ کھیتی باڑی تھی، نہ تجارت، نہ پیشہ، نہ ملازمت۔

(۴) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ عرب میں لکھنے کا عام دستور نہیں تھا۔ اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا، لیکن یہ پہلے سے واقف تھے، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے اور ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ تہجد میں آٹھ راتوں میں قرآن پاک ختم کرنے کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! تیرا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فرطِ خوشی سے رونے لگے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

جُنْدُب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا تو مسجد نبوی

میں حدیث پڑھانے والے متعدد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے مُتَمَرِّق طور پر علیحدہ علیحدہ ہر استاد کے پاس موجود تھے۔ میں ان حلقوں پر گزرتا ہوا ایک حلقہ پر پہنچا جس میں ایک صاحب مسافرانہ ہیئت کے ساتھ صرف دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں ان کے حلقہ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے، میں بھی پیچھے ہولیا۔ وہاں جا کر دیکھا، ایک پرانا سا گھر خستہ حالت، نہایت معمولی سامان، زاہدانہ زندگی! حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ سوال فرمایا: مجھے ادب مانع ہوا۔ میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا: میں نے عرض کیا: آیۃ الكرسي۔ حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، ایک آیت چھوٹ گئی۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے نماز میں لقمہ دیا۔ حضور ﷺ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا؟ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا بھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔^۱

ف: یہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ باوجود اس علمی شغف اور قرآن پاک کی مخصوص خدمات کے حضور ﷺ کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، حضور ﷺ کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

(۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اہتمامِ فتن

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں ہیں۔ صاحبُ السر (بھیدی) ان کا لقب ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں سب کو نمبر وار بتایا تھا۔ کوئی

ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضور ﷺ نے نہیں چھوڑا بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مقتدا کا حال مع اس کے نام کے، نیز اس کی ماں کا نام، اس کے باپ کا نام، اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتا دیا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں برائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا تا کہ اس سے بچا جائے۔ ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! یہ خیر و خوبی جس پر آج کل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں، اس کے بعد بھی کوئی برائی آنے والی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! برائی آنے والی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس برائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حذیفہ! اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر، اس کے احکام کی اتباع کر (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے جیسے پہلے تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر مسلمانوں کی کوئی متحدہ جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو تو اس کے ساتھ ہو جانا، ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چونکہ ان کو منافقوں کا حال حضور ﷺ نے سب کا بتلا دیا تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، لیکن میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا۔ غالباً اپنی فراست سے پہچان لیا ہوگا۔

جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں۔ اگر حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھتے، ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو نہایت گھبراہٹ اور

بے چینی میں رو رہے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا: فرمایا کہ دنیا کے چھوٹے پر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں یا خوشنودی پر۔ اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے۔ یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے حدیثیں ان سے نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ سب سے بڑے میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور اللہ میں حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اتنی قلیل مدت میں جو تقریباً چار برس ہوتی ہے اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں؟ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں۔ میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ تھے بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے اس کی مشغولی ان کو درپیش رہتی تھی اور ابو ہریرہ اصحاب صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا، جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا اس پر قناعت کئے پڑا رہتا تھا۔ ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور ﷺ سے حافظہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چادر بچھا۔ میں نے چادر بچھائی۔ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: اس چادر کو ملا لے۔ میں نے اپنے سینہ سے ملا لیا۔ اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا۔

ف: اصحاب صفہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضور اقدس ﷺ کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے، ان حضرات کے اخراجات کا کوئی خاص نظم نہیں تھا۔ گویا حضور ﷺ کے مہمان تھے، جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا، اس پر ان کا زیادہ تر گزر تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔ بسا اوقات کئی کئی وقت فاقے کے بھی ان پر گزر جاتے تھے۔ بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون کی سی حالت ہو جاتی تھی جیسا کہ تیسرے باب کے قصہ نمبر ۷ میں گذرا۔ لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ”تلیح“ میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آ جائے اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس حدیث میں کچھ تردد ہوا۔ انہوں نے فرمایا: ابو ہریرہ! سوچ کر کہو۔ ان کو غصہ آ گیا۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضور ﷺ سے سنی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! سنی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا، نہ بازار میں مال بیچنا تھا۔ میں تو حضور ﷺ کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک تم ہم لوگوں سے زیادہ حاضر باش تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے۔ اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھی، رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہیں کر لیتے تھے۔ (تذکرہ)

(۷) قتلِ مُسَیْمَہ و قرآن کا جمع کرنا

حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد مسیمہ گذاب کا جس نے حضور ﷺ کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اثر بڑھنے لگا اور چونکہ عرب میں ارتداد بھی زور و شور سے

شروع ہو گیا تھا، اس سے اس کو اور بھی تقویت پہنچی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی کی۔ حق تعالیٰ شانہ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسلمان قتل ہوا، لیکن اس لڑائی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے۔ اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے تو قرآن پاک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے کام کی کیسے جرأت کرتے ہو جس کو حضور اقدس ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے، بالآخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی موافق ہو گئی، تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جن کا قصہ باب نمبر ۱۱ قصہ نمبر ۱۸ پر آ رہا ہے، بلایا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اول اپنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساری گفتگو نقل فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانش مند، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور رہ چکے ہو، اس لئے اس کام کو تم کرو۔ لوگوں کے پاس سے قرآن پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کر دو۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر ادھر سے ادھر منتقل کر دو تو یہ حکم بھی میرے لئے قرآن پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا؟ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم عمر کی موافقت کرو تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طویل گفتگو کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے میرا بھی اسی جانب شرح صدر فرمادیا کہ قرآن پاک کو یکجا جمع کیا جائے، چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد

میں لوگوں کے پاس جو قرآن شریف متفرق طور پر لکھا ہوا تھا اور جو ان حضرات صحابہ کرام کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، سب کو تلاش کر کے جمع کیا۔

ف: اس قصہ میں اول تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کا منتقل کرنا ان کے لئے اس سے سہل تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ اس کے بعد کلام پاک کا جمع کرنا جو دین کی اصل ہے، اللہ نے ان حضرات کے اعمال نامہ میں رکھا تھا۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اتنا اہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے۔ جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں ان ہی سے جمع کرتے تھے اور حفاظ کے سینوں سے اس کا مقابلہ کرتے تھے اور چونکہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں لکھا ہوا تھا، اس لئے اس کی تلاش میں گو محنت ضرور کرنا پڑی مگر سب مل گیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کو خود حضور ﷺ نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا ان کی اعانت کرتے تھے۔ اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

(۸) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط روایت حدیث میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہیں جو فتویٰ کے مالک تھے۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت بھی کی تھی۔ تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہیں اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحب النعل، صاحب الوسادة، صاحب المطهرة (جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے) یہ القاب بھی ان کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی یہ خدمتیں اکثر ان کے سپرد رہتی تھیں۔ حضور ﷺ کا ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں تو عبداللہ بن مسعود کو بناؤں۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمہیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابن مسعود جو حدیث تم سے بیان کریں اس

کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے تو ایک زمانہ تک ابن مسعود کو اہل بیت میں سے سمجھتے رہے، اس لئے کہ اتنی کثرت سے ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت حضور ﷺ کے گھر میں تھی جیسے گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ میں نے کبھی ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کرتے نہیں سنا، لیکن کبھی اگر حضور ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے تو بدن پر کپکپی آ جاتی تھی۔ عمرو بن ميمون کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آتا رہا، میں نے کبھی حضور ﷺ کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو بدن کانپ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آ گیا، رگیں پھول گئیں اور فرمایا: ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔

ف: یہ تھی ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں، اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے، اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یکہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ خدا نخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں، ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔ فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

(۹) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کیلئے جانا

کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے سنی ہے۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی؟ کہا: نہیں، صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لئے چلتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کیلئے جنت کا راستہ سہل فرما دیتے ہیں اور فرشتے اپنے پر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھا دیتے ہیں اور طالب علم کے لئے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔^۱

ف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں ہیں۔ حکیم الامت کہلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نبوت کے وقت میں تجارت کیا کرتا تھا۔ میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں، مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی۔ اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کر دوں۔ کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفاء ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستے خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے؟ فرمایا: حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں، اور فقر سے محبت ہے تواضع کے واسطے، اور بیماری سے محبت ہے گناہ دھلنے کے واسطے۔^۲ اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے۔ ان حضرات کے ہاں حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا، ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لئے دور دور کا سفر طے کر لینا ان حضرات کو بہت سہل تھا۔ شعبی رحمہ اللہ علیہ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ

حدیث سنائی اور فرمایا کہ لے، گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لئے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتدا میں حدیث کا مخزن مدینہ طیبہ ہی تھا۔ علمی شغف رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ جو ایک مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاری رحمہ اللہ شوال ۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی سب تصانیف بچپن ہی میں حفظ کر لی تھیں۔ اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں ان کو حاصل کر لینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا۔ والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس وجہ سے یتیم تھے، والدہ سفر میں ساتھ تھیں۔ اس کے بعد بلخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق؛ ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کامل سکا حاصل فرمایا اور ایسی نو عمری میں استاد حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہ نکلا تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی جب میں نے صحابہ اور تابعین کے فیصلے تصنیف کئے۔ حاشد رحمہ اللہ اور ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاری ہم لوگوں کے ساتھ استاد کے پاس جایا کرتے۔ ہم لوگ لکھتے اور بخاری ویسے ہی واپس آ جاتے۔ ہم نے کئی روز گزر جانے پر ان سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو، وہ چپ ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دق ہی کر دیا۔ لاؤ، تم نے کیا لکھا؟ ہم نے اپنا مجموعہ احادیث نکالا جو پندرہ ہزار حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا۔ انہوں نے اس سب کو حفظ سنا دیا۔ ہم دنگ رہ گئے۔

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انصاری کے پاس جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور ﷺ کا تو وصال ہو گیا۔ ابھی تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موجود ہے۔ آؤ ان سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ ان انصاری نے کہا: کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ غرض ان صاحب نے تو ہمت

کی نہیں۔ میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انہوں نے حضور ﷺ سے سنی ہے، ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سورہے ہیں تو اپنی چادرو ہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا۔ گو ہوا سے منہ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی، مگر میں وہیں بیٹھا رہتا۔ جب وہ اٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی، مجھے بلا لیتے، مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں، اس لئے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو؟ میں کہتا: بہت دیر سے۔ وہ کہتے کہ تم نے برا کیا، مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا: میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ، حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ بھی نوبت آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے، تب ان انصاری صاحب کو بھی قلق ہوا، کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔

مختلف علمی کارنامے

ف: یہی چیز تھی جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے وقت میں حبر الامۃ اور بحر العلم کا لقب دلوا دیا۔ جب ان کا وصال ہوا تو طائف میں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیتوں کے شان نزول جاننے میں سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جانفشانی کا ثمرہ تھا۔ ورنہ اگر یہ صاحبزادگی کے زعم میں رہتے تو یہ مراتب کیسے حاصل ہوتے۔ خود آقائے نامدار نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جن سے علم حاصل کرو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ ”بخاری“ میں مجاہد رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے، وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں خواہ وہ مجھے آزاد

کردے یا بیچ دے۔ یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علم تن پروری کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغنا کے ساتھ حاصل کرے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو شخص خاکساری اور تنگ دستی کے ساتھ حاصل کرنا چاہے وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ مغیرہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیم رحمہ اللہ علیہ سے ایسے ڈرتے تھے جیسا کہ بادشاہ سے ڈرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس قصہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اساتذہ کے ساتھ تواضع اور انکساری معلوم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی علم کا شغف اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا، فوراً جاتے اس کو حاصل فرماتے خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اٹھانا پڑتی اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضرب المثل ہے ”مَنْ طَلَبَ الْعُلَى سَهَرَ اللَّيَالِي“ ”جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا راتوں کو جاگے گا۔“ حارث بن مغیرہ یزید، ابن شبرمہ، قعقاع، مغیرہ رحمہ اللہ علیہم؛ چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدانہ ہوتا۔

لیث بن سعد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ علیہ عشاء کے بعد با وضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے تو صبح کر دیتے۔^۱ درآوردی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن و تشنیع ہوتی، نہ تغلیظ اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے۔^۲ ابن فرات بغدادی رحمہ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ جب انتقال ہوا تو اٹھارہ صندوق کتابوں کے چھوڑے جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحت نقل اور عمدگی ضبط کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجت بھی ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں۔ تین سال کی عمر میں باپ نے

مفارقت کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا۔ چار جزو روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا۔ امراء، وزراء، سلاطین تک مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ علیہ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا۔ اس وجہ سے تکلیفیں بھی اٹھانا پڑیں۔ احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کے تراشے جمع کرتے رہتے تھے۔ مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف غسل میت کے پانی گرم کرنے ہی کے لئے کافی نہ تھا بلکہ گرم کرنے کے بعد بیچ بھی گیا تھا۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ علیہ حدیث کے مشہور استاذ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

ابن جریر طبری رحمہ اللہ علیہ مشہور مؤرخ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ علیہم کے احوال کے ماہر، چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ ان کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط نکلا۔ ان کی تاریخ مشہور ہے، عام طور سے ملتی ہے۔ جب اس کی تصنیف کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہو گے؟ لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی؟ کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی۔ لوگوں نے کہا: اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا ہو جائیں گی۔ کہنے لگے کہ انا للہ، ہمتیں پست ہو گئیں اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار ورق پر لکھی۔ اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصہ ہوا۔ وہ بھی مشہور ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔ دارقطنی رحمہ اللہ علیہ حدیث کے مشہور مصنف ہیں۔ حدیث حاصل کرنے کے لئے بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، مصر اور شام کا

سفر کیا۔ ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے۔ ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو۔ کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے، بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں، وہ سوچنے لگے۔ دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ شیخ نے اٹھارہ حدیثیں سنائی ہیں۔ پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی، اسی طرح ترتیب وار سب کی سب مع سند کے سنادیں۔ حافظ اثرم رحمہ اللہ ایک محدث ہیں۔ احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشاق تھے۔ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں خراسان کے دو بڑے استاذ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ درس دے رہے تھے۔ ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا۔ یہ دونوں کے درمیان بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ مشہور محدث ہیں۔ حدیث حاصل کرنے میں ان کی محنتیں مشہور ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار استاذوں سے حدیث حاصل کی ہے۔ علی بن الحسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی۔ میں اور ابن مبارک رحمہ اللہ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے۔ دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہو گئی۔ میں کچھ کہتا رہا، وہ بھی فرماتے رہے۔ وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہو گئی۔ حمیدی رحمہ اللہ ایک مشہور محدث ہیں جنہوں نے بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے۔ رات بھر لکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی تو ایک لگن میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ کر لکھتے۔ سب سے الگ رہتے تھے۔ شاعر بھی ہیں، ان کے شعر ہیں۔

لِقَاءِ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيدُ شَيْئًا سَوَى الْهَدْيَانِ مِنْ قِيلٍ وَقَالَ
فَاقْلُ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ إِلَّا لَا خُذِ الْعِلْمَ أَوْ اَصْلَاحِ حَالِ

ترجمہ: ”لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی، بجز قیل وقال کی بکواس کے، اس لئے لوگوں کی ملاقات کم کر بجز اس کے کہ علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاح نفس کے واسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو“

امام طبرانی رحمہ اللہ مشہور محدث ہیں، بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ کسی نے ان کی کثرت تصانیف کو دیکھ کر پوچھا کہ کس طرح لکھیں؟ کہنے لگے کہ تیس برس بورے پر گزار دیئے، یعنی رات دن بورے پر پڑے رہتے تھے۔ ابوالعباس شیرازی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانی رحمہ اللہ علیہ سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ بڑی شدت کے ساتھ نسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے۔ کوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا اس میں جتنے محدثین تھے سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا اور جب کوئی باہر سے محدث آتے تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو اپنے پاس نہ ہو تو اسکی تحقیق کرو۔ ایک علمی مجلس امام صاحب کے یہاں تھی جس میں محدث، فقیہ، اہل لغت کا مجمع تھا۔ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی۔ اس کے بعد جب کوئی بات طے ہوتی تو وہ مذہب قرار دی جاتی اور لکھ لی جاتی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا ان کی خصوصی شان تھی اور قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔ بعض محدثین نے ان کا امتحان لیا اور چالیس حدیثیں ایسی سنائیں جو غیر معروف تھیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے فوراً سنا دیں۔ خود امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک شیخ کی احادیث کے دو جزو نقل کئے تھے۔ اتفاق سے خود ان شیخ سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جزو، احادیث کے استاذ سے سن بھی لوں، انہوں نے قبول کر لیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جزو میرے پاس ہیں۔ مگر استاذ کی خدمت میں گیا تو بجائے ان کے دو سادے جزو ہاتھ میں تھے، استاذ نے سنا شروع کیا۔ اتفاقاً ان کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں سادے جزو تھے۔ ناراض ہو کر فرمایا۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ میں نے قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سناتے ہیں وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔ استاذ کو یقین نہ آیا۔ فرمایا: اچھا سناؤ۔ میں نے سب حدیثیں سنا دیں۔ فرمایا کہ یہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی، میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سنا دیجئے۔ انہوں نے چالیس حدیثیں اور سنا دیں۔ میں نے ان کو بھی فوراً سنا دیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔

محدثین نے جو مختص احادیث کے یاد کرنے میں، ان کو پھیلانے میں کی ہیں، ان کا اتباع تو درکنار ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ قرطمہ رحمہ اللہ علیہ ایک محدث ہیں، زیادہ مشہور بھی نہیں ہیں۔ ان کے ایک شاگرد داؤد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ ابو حاتم رحمہ اللہ علیہ وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قرطمہ رحمہ اللہ علیہ سے زیادہ حافظ نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا۔ کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جو کسی دل چاہے اٹھا لو، میں سنا دوں گا۔ میں نے کتاب الاثر بہ اٹھائی، وہ ہر باب کے اخیر سے اول کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سنا دی۔ ابو زرعہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ حدیثیں میں نے جمع کی ہیں اور تیس ہزار مجھے از بر یاد ہیں۔ خفاف رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسحاق رحمہ اللہ علیہ نے گیارہ ہزار حدیثیں اپنی یاد سے ہمیں لکھوائیں اور پھر ان کو نمبر وار سنایا، نہ کوئی حرف کم ہوا نہ زیادہ۔ ابو سعد اصفہانی بغدادی رحمہ اللہ علیہ سولہ سال کی عمر میں ابونصر رحمہ اللہ علیہ کی احادیث سننے کے لئے بغداد پہنچے۔ راستے میں ان کے انتقال کی خبر سن کر بے ساختہ رو پڑے۔ چچیں نکل گئیں کہ ان کی سند کہاں ملے گی۔ اتنا رنج کہ رونے میں چچیں نکل جائیں جب ہی ہو سکتا ہے جب کسی چیز کا عشق ہو جائے۔ ان کو مسلم شریف پوری حفظ یاد تھی اور حفظ ہی طلبہ کو لکھوایا کرتے تھے۔ گیارہ حج کئے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ ابو عمر ضریر رحمہ اللہ علیہ پیدائشی نابینا تھے، مگر حفاظ حدیث میں شمار ہیں۔ علم فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ابوالحسین اصفہانی رحمہ اللہ علیہ کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں، بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سند پڑھتا اس کا متن یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا، اس کی سند پڑھ دیتے تھے۔

شیخ تقی الدین بعلبکی رحمہ اللہ علیہ نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کر لی تھی اور جمع بین الصحیحین کے بھی حافظ تھے۔ صاحب کرامات بزرگ تھے۔ قرآن پاک کے بھی حافظ تھے کہتے ہیں کہ سورۃ انعام ساری ایک دن میں حفظ کر لی تھی۔ ابن السنی رحمہ اللہ علیہ، امام نسائی رحمہ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ حدیث لکھنے میں اخیر تک مشغول رہے۔ ان کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میرے والد نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا اور دونوں ہاتھ دعا

کے واسطے اٹھائے اور اسی حال میں انتقال ہو گیا۔ علامہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں فقہ حاصل کیا۔ اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا۔ ہرات میں دس برس قیام کیا جس میں چھ مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ سے غرائب شعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا۔ پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولہ علمی قابل قدر ہے کہ اخیر وقت تک پڑھاتے رہے۔ ابو عمرو خفاف رحمۃ اللہ علیہ کو ایک لاکھ حدیثیں از بر تھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ عاصم بن علی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار ہوئے۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ”حدثنا اللیث“ کو چودہ مرتبہ کہنا پڑا۔ ظاہر بات ہے کہ سو لاکھ آدمیوں کو آواز پہنچانے کے واسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا۔ ابو مسلم بصری رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس شروع ہوا، سات آدمی کھڑے ہو کر لکھواتے تھے جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور جو لوگ صرف سننے والے تھے وہ ان سے علیحدہ۔ فریابی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ تھے، اس سے مجمع کا اندازہ اپنے آپ ہو جاتا ہے۔ اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف لکھی ہے جس میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں اور ہر حدیث لکھتے وقت دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حدیث لکھی ہے۔ جب یہ بغداد پہنچے تو وہاں کے محدثین نے ان کا امتحان لیا، اس طرح کہ دس آدمی متعین ہوئے، ان میں سے ہر شخص نے دس دس حدیثیں چھانٹیں، ان کو بدل بدل کر ان سے پوچھا۔ یہ ہر سوال کے جواب میں ”مجھے معلوم نہیں“ کہتے رہے۔ جب دس کے دس پوچھ چکے تو انہوں نے سب سے پہلے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی، تم نے اس طرح بیان کی، یہ غلط ہے، اور صحیح اس طرح ہے۔ دوسری حدیث یہ پوچھی تھی، وہ اس طرح تم نے بیان کی، یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ غرض اسی طرح سو کی سو حدیثیں ترتیب وار بیان فرمادیں کہ ہر حدیث

کو اول اس طرح پڑھتے جس طرح امتحان لینے والے نے پڑھا تھا، پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ علیہ نے چودہ برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی، اسی میں اخیر تک مشغول رہے۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث میں سے چھانٹ کر مسلم شریف تصنیف کی ہے جس میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث سنی ہیں جن میں سے انتخاب کر کے سنن ابوداؤد شریف تصنیف کی ہے جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ یوسف مزنی مشہور محدث ہیں، اسماء رجال کے امام ہیں۔ اول اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حلب، حمات، بعلبک وغیرہ کا سفر کیا۔ بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔ تہذیب الکمال دو سو جلدوں میں تصنیف کی اور کتاب الاطراف اسی جلدوں سے زیادہ ہیں۔ ان کی عادت شریفہ تھی کہ اکثر چپ رہتے، بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے۔ اکثر اوقات کتاب کو دیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ حاسدوں کی عداوت کا شکار بھی بنے، مگر انتقام نہیں لیا۔ ان حضرات کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات اور جانفشانیوں کا احاطہ نہیں کر سکیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو چار واقعات کا ذکر اس لئے کیا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ علم حدیث جو آج ساڑھے تیرہ سو برس تک نہایت آب و تاب سے باقی ہے وہ کس محنت اور جانفشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہیں وہ کتنی محنت اور مشقت اس کے لئے گوارا کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ چاہیں کہ ہم اپنی عیش و عشرت، راحت و آرام، سیر و تفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل میں لگے رہیں اور حضور ﷺ کے پاک کلام کا یہ شیوع اسی طرح باقی رہے تو ”ایں خیال است و محال است و جنوں“ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

نواں باب

حضور ﷺ کی فرماں برداری اور امتثالِ حکم

اور یہ دیکھنا کہ حضور ﷺ کا منشاء مبارک کیا ہے۔ ویسے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فعل فرمانبرداری تھا اور گزشتہ قصوں سے بھی یہ بات خوب روشن ہے، لیکن خاص طور سے چند قصے

اس باب میں اس لئے ذکر کئے جاتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی حالتوں کا اس باب سے خاص طور پر مقابلہ کر کے دیکھیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری کہاں تک کرتے ہیں جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات و ترقیات اور ثمرات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوتے تھے ہمیں بھی حاصل ہوں، اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے مستحق ہیں تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہئے جو وہ حضرات کر کے دکھلا گئے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا چادر کو جلا دینا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے اوپر ایک چادر تھی جو کسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا اوڑھ رکھا ہے؟ مجھے اس سوال سے حضور ﷺ کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے۔ میں گھر والوں کے پاس واپس ہوا تو انہوں نے چولہا جلا رکھا تھا۔ میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ چادر کیا ہوئی؟ میں نے قصہ سنا دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی؟ عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ نہ تھا۔

ف: اگرچہ چادر کے جلانے کی ضرورت نہ تھی، مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضی کی چوٹ لگی ہوئی ہو، وہ اتنی سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں! مجھ جیسا نالائق ہوتا، تو نا معلوم کتنے احتمالات پیدا کر لیتا کہ یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کر لوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اور حضور ﷺ نے پوچھا ہی تو ہے، منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان کو ڈھا دینا

حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک قبۃ (گنبد دار حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا۔ ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا

ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قبۃ بنایا ہے۔ حضور ﷺ سن کر خاموش ہو رہے۔ کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے اعراض فرمایا، سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو، دوبارہ سلام کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے کیسے مستحتمل ہو سکتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو وہاں موجود تھے دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کی کہ میں آج حضور ﷺ کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے۔ راستہ میں تمہارا قبۃ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا اور پھر آ کر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور ﷺ ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبۃ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرت ﷺ کے اعراض کا کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا، ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قبۃ دیکھا ہے۔ انہوں نے آ کر اس کو بالکل توڑ دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے، مگر وہ تعمیر جو سخت ضرورت اور مجبوری کی ہو۔^۱

ف: یہ کمالِ عشق کی باتیں ہیں، ان حضرات کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ چہرہ انور ﷺ کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور ﷺ کی گرانی کو محسوس کرے۔ ان صحابی نے قبۃ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آ کر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرا دیا، بلکہ جب حضور ﷺ کا خود ہی اتفاق سے ادھر کو تشریف لے جانا ہوا تو ملاحظہ فرمایا۔ حضور ﷺ کو تعمیر میں روپے کا ضائع کرنا خاص طور سے ناگوار تھا۔ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ خود ازواجِ مطہرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے ٹٹے تھے جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے، تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جاسکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کہیں سفر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ ثروت حاصل تھی۔ انہوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں کے کچی اینٹیں لگالیں۔ واپسی پر جب حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا کہ یہ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس میں بے پردگی کا

۱۔ ابوداؤد، ۲: ۱۸۱؛ بانیس یا پر کندوں کا بنا ہوا چھرا جو دروازوں یا کھڑکیوں وغیرہ پر لگاتے ہیں۔

احتمال رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا روپیہ خرچ ہو تعمیر ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہو گئی تھی درست کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے۔^۱

(۳) صحابہ رضی اللہ عنہم کا سرخ چادروں کو اتارنا

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس ﷺ کے ہم رکاب تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایک دم ایسے گھبرا کے اٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اتار لیں۔^۲

ف: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہاں! ہماری زندگی کے اعتبار سے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ ان حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی۔ عروہ بن مسعود جب صلح حدیبیہ میں (جس کا قصہ باب نمبر ۳ کے عنوان نمبر ۳ پر گذرا) کفار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے تو مسلمانوں کی حالت کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا اور مکہ واپس جا کر کفار سے کہا تھا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں قاصد بن کر گیا ہوں۔ فارس، روم اور حبشہ کے بادشاہوں سے ملا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے۔ کبھی ان کا بلغم زمین پر گرنے نہیں دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پر ملنے اور لینے کے واسطے ایسے دوڑتے ہیں گویا آپس میں جنگ و جدل ہو جاوے گا اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چپ ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی طرف عظمت کی وجہ سے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔^۳

(۴) حضرت وائل رضی اللہ عنہ کا ذباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے۔ میں سامنے آیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ذَبَابٌ ذَبَابٌ“۔ میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا: میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، لیکن یہ اچھا کیا۔

ف: ذباب کے معنی منحوس کے بھی ہیں اور بری چیز کے بھی۔ یہ اشاروں پر مر مٹنے کی بات ہے کہ منشا سمجھنے کے بعد خواہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی۔ یہاں حضور ﷺ نے ارشاد ہی فرما دیا کہ تم کو نہیں کہا تھا، مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے اس لئے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔ ابتدائے اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے حسب معمول سلام کیا، چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو چکا تھا حضور ﷺ نے جواب نہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آ کر مختلف خیالات نے مجھے آگھیرا۔ کبھی سوچتا فلاں بات سے ناراضی ہوئی۔ کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیش آئی۔ آخر حضور ﷺ نے جب سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے، اس لئے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا، تب جان میں جان آئی۔

(۵) حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی عادت اور خریم رضی اللہ عنہ کا بال کٹوا دینا

دمشق میں سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی رہا کرتے تھے جو نہایت یکسو تھے۔ بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں، مسجد میں آتے جاتے۔ راستہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر جو مشہور صحابی ہیں گزر ہوتا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جاؤ، تمہیں کوئی نقصان نہیں، ہمیں نفع ہو جائے گا۔ تو وہ کوئی واقعہ حضور ﷺ کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح جارہے تھے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے معمول کے موافق درخواست کی کہ کوئی کلمہ خیر سناتے جائیں۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خرم اسدی اچھا آدمی ہے اگر دو باتیں نہ ہوں: ایک سر کے بال بہت بڑے رہتے ہیں، دوسرے لنگی ٹخنوں سے نیچی باندھتا ہے۔ ان کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا، فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیئے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کر دی۔^۱

ف: بعض روایات میں آیا ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ان سے ان دونوں باتوں کو ارشاد فرمایا اور انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب سے نہ ہوں گی۔ مگر دونوں روایتوں میں کچھ اشکال نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ خود ان سے بھی ارشاد فرمایا ہو اور غیبت میں بھی ارشاد فرمایا ہو جو سننے والے نے ان سے جا کر عرض کر دیا۔

(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنا لیں گی آزادی اور فساد و آوارگی کا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت ناراض ہوئے، برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضور ﷺ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد سے ہمیشہ کے لئے ان صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا۔^۲

ف: صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حیلہ بنا لیں گی، اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر تھا۔ اسی وجہ سے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضور ﷺ اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ حضور اقدس ﷺ کے کچھ زیادہ بعد کا نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا تحمل نہیں ہو سکا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کو سن کر اس میں کوئی تردید یا تاثر کیا جائے اور

صرف اس بات پر کہ حضور ﷺ کے ارشاد پر انہوں نے انکار کیا، عمر بھر نہیں بولے۔ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں دقتیں اٹھانا پڑیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی اہمیت کی وجہ سے جو ان کی جان تھی، مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا، اجازت بھی مشکل تھی، چنانچہ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا جن کے کئی نکاح ہوئے جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوا وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گراں ہوتا تھا۔ کسی نے ان کو کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو گراں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان کو گراں ہے تو منع کر دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ ان کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے یہ جہاں کو جاتی تھیں، راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس کو گذریں تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لئے ان کو تو جائز تھا ہی مگر ان کو خبر نہ ہوئی اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں۔ اس کے بعد سے انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا۔ کہنے لگیں کہ اب زمانہ نہیں رہا۔

(۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کہ نماز قصر قرآن میں نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مُقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ برادر زادہ! اللہ جل شانہ نے حضور اقدس ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا۔ ہم لوگ انجان تھے، کچھ نہیں جانتے تھے۔ بس جو ہم نے ان کو کرتے دیکھا وہ کریں گے۔

ف: مقصود یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا صراحۃً قرآن شریف میں ہونا ضروری نہیں، عمل کے واسطے حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہو جانا کافی ہے۔ خود حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن شریف عطا ہوا اور اس کے برابر اور احکام دیئے گئے۔ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ اپنے گدوں پر بیٹھ کر کہیں گے کہ بس قرآن شریف کو مضبوط پکڑ لو جو اس میں احکام ہیں ان پر عمل کرو۔ فائدہ: پیٹ بھرے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے فاسد

خیالِ دولت کے نشہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

(۸) حضرت ابنِ مُغَفَّل رضی اللہ عنہ کا خذف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ کا ایک نو عمر بھتیجا خذف سے کھیل رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادر زادہ! ایسا نہ کرو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں، نہ شکار ہو سکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے۔ بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا۔ انہوں نے دیکھ لیا، فرمایا کہ میں تجھے حضور ﷺ کا ارشاد سناتا ہوں۔ تو پھر اسی کام کو کرتا ہے۔ خدا کی قسم! تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ ایک دوسرے قصہ میں اس کے بعد ہے: خدا کی قسم! نہ تیرے جنازہ میں شریک ہوں گا، نہ تیری عیادت کروں گا۔

ف: خذف اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر اس کو انگلی سے پھینک دیا جائے۔ بچوں میں عام طور سے اس طرح کھیلنے کا مرض ہوتا ہے وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہو سکے۔ ہاں آنکھ میں کسی کے اتفاقاً لگ جائے تو اس کو زخمی کر ہی دے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو اس کا تحمل نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ کا ارشاد سنانے کے بعد بھی وہ بچہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضور ﷺ کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔

(۹) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا سوال نہ کرنے کا عہد

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کچھ طلب کیا۔ حضور ﷺ نے عطا فرمایا، پھر کسی موقع پر کچھ مانگا۔ حضور ﷺ نے پھر مرحمت فرمادیا۔ تیسری دفعہ پھر سوال کیا۔ حضور ﷺ نے عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حکیم! یہ مال سبز باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے، مگر اس کا دستور یہ ہے کہ اگر یہ دل کے استغنا سے ملے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی، ایسا

ہو جاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حکیم رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بار بار اصرار کیا، مگر انہوں نے انکار ہی فرما دیا۔^۱

ف: یہی وجہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں کے مالوں میں برکت نہیں ہوتی کہ لالچ اور طمع میں گھرے رہتے ہیں۔

(۱۰) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جاسوسی کے لئے جانا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق میں ہماری ایک طرف تو مکہ کے کفار اور ان کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لئے تیار تھے، اور دوسری طرف خود مدینہ منورہ میں بنو قریظہ کے یہود ہماری دشمنی پر تلے ہوئے تھے جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل و عیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضور اقدس ﷺ ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی اور نہ اس کے بعد۔ اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا تھا، اور ہوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہم تین سو کا مجمع اس جگہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ ایک ایک کا حال دریافت فرما رہے تھے اور اسی اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرما رہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس کو حضور ﷺ کا گذر ہوا۔ میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں

گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں، بیوی کی تھی۔ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حذیفہ۔ مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جھٹے میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ حال تھا، مگر تعمیلِ ارشاد میں اٹھ کر فوراً چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضور ﷺ نے دعادی۔ ”اَللّٰهُمَّ اَحْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ وَ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ وَ مِنْ فَوْقِهِ وَ مِنْ تَحْتِهِ“ ”یا اللہ! آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے۔“

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو۔ چپ چاپ دیکھ کر آ جاؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں۔ ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوکھ پر پھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے ”واپس چل دو، واپس چل دو“ کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھراں کے خیموں پر برس رہے تھے۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے۔ ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا آگ پر سینک رہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں۔ ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں بھی رکھ لیا۔ مگر حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا کہ کوئی حرکت نہ کیجیو، دیکھ کر چلے آنا۔ اس لئے میں نے تیر کو ترکش میں رکھ دیا۔ ان کو شبہ ہو گیا، کہنے لگے: تم میں سے کوئی جاسوس ہے، ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا، تو کون؟ وہ کہنے لگا: سبحان اللہ! تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں ہوں۔ میں وہاں سے واپس آیا۔ جب آدھے راستہ

پر تھا تو تقریباً بیس سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے۔ انہوں نے کہا: اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا، بے فکر رہیں۔ میں واپس پہنچا تو حضور ﷺ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو حضور ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا۔ جاسوس کا قصہ سن کر دندان مبارک چمکنے لگے۔ حضور ﷺ نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹالیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ میں نے اپنے سینے کو حضور ﷺ کے تلووں سے چمٹا لیا۔

ف: ان ہی حضرات کا یہ حصہ تھا اور ان ہی کو زیبا تھا کہ اس قدر سختیوں اور وقتوں کی حالت میں بھی تعمیل ارشاد تن من، جان مال، سب سے زیادہ عزیز تھی۔ اللہ جلّ ثناؤہ بلا استحقاق اور بلا اہلیت مجھنا پاک کو بھی ان کے اتباع کا کوئی حصہ نصیب فرمادیں تو زہے قسمت۔

دسواں باب

عورتوں کا دینی جذبہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اولاد پر اس کا اثر ضروری ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے زمانہ میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جس میں اس پر دین کے خلاف اثر پڑے یا کم از کم یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جائے۔ جب ایسے ماحول میں ابتدائی زندگی گزرے گی تو اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے وہ ظاہر ہیں۔

(۱) تسبیحات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور فاطمہ کا جو حضور ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں قصہ سناؤں؟ شاگرد نے کہا: ضرور۔ فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں جس کی وجہ سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے تھے اور خود پانی کی

مشک بھر کر لاتی تھیں جس کی وجہ سے سینہ پر مشک کی رسی کے نشان پڑ گئے تھے اور گھر کی جھاڑو وغیرہ بھی خود ہی دیتی تھیں جس کی وجہ سے تمام کپڑے میلے کچیلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں۔ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم بھی جا کر حضور ﷺ سے ایک خدمت گار مانگ لو تا کہ تم کو کچھ مدد مل جاوے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں مجمع تھا اور شرم مزاج میں بہت زیادہ تھی، اس لئے شرم کی وجہ سے سب کے سامنے باپ سے بھی مانگتے ہوئے شرم آئی۔ واپس آ گئیں۔ دوسرے دن حضور اقدس ﷺ خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! کل تم کس کام کے لئے گئی تھیں؟ وہ شرم کی وجہ سے چپ ہو گئیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی یہ حالت ہے کہ چٹکی کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور مشک کی وجہ سے سینہ پر رسی کے نشان ہو گئے، ہر وقت کے کاروبار کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں۔ میں نے ان سے کل کہا تھا کہ آپ کے پاس خادم آئے ہوئے ہیں، ایک یہ بھی مانگ لیں، اس لئے گئی تھیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہی بسترہ ہے اور وہ بھی مینڈھے کی ایک کھال ہے۔ رات کو اس کو بچھا کر سو جاتے ہیں، صبح کو اسی پر گھاس دانہ ڈال کر اونٹ کو کھلاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی صبر کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پاس دس برس تک ایک ہی بچھونا (بسترہ) تھا، وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چوغہ تھا، رات کو اسی کو بچھا کر سو جاتے تھے۔ تو تقویٰ حاصل کر اور اللہ سے ڈر اور اپنے پروردگار کا فریضہ ادا کرتی رہ اور گھر کے کاروبار کو انجام دیتی رہ اور جب سونے کے واسطے لیٹا کرے تو سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے زیادہ اچھی چیز ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول سے راضی ہوں۔

ف: یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی رضا میرے بارے میں ہو مجھے بخوشی منظور ہے۔ یہ تھی زندگی دو جہاں کے بادشاہ کی بیٹی کی۔ آج ہم لوگوں میں سے کسی کے پاس دو پیسہ ہو جائیں تو اس کے گھر والے گھر کا کام کاج تو درکنار اپنا کام بھی نہ کر سکیں۔ پاخانہ میں لوٹا بھی ماما ہی رکھ کر آئے۔ اس واقعہ میں جو اوپر ذکر کیا گیا صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے،

دوسری حدیثوں میں ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ یہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ بھی آیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو گونین^۱ درہموں کی بھر کر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طباق منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیئے، ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت باندی سے کہا کہ افطار کے لئے کچھ لے آؤ۔ وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لے آئیں اور عرض کرنے لگیں: کیا اچھا ہوتا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگالیتیں، آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے۔ فرمانے لگیں: اب طعن دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت یاد دلاتی تو میں منگالیتی۔^۲

ف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اس نوع کے نذرانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے، کیونکہ وہ زمانہ فتوحات کی کثرت کا تھا۔ مکانوں میں غلہ کی طرح سے اشرفیوں کے انبار پڑے رہتے تھے اور اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گذاری جاتی تھی، حتیٰ کہ افطار کے واسطے بھی مامائے کے یاد دلانے کی ضرورت تھی۔ پچیس ہزار روپے کے قریب تقسیم کر دیا اور یہ خیال بھی نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور گوشت بھی منگانا ہے۔ آج کل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ کے سچا ہونے میں تردید ہونے لگا، لیکن اس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے، ان کے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں۔ ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک فقیر نے آکر سوال کیا۔ خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی اس کو دیدو، اس نے عرض کیا کہ افطار کے لئے گھر میں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ وہ روٹی اس کو دے دو اس نے دیدی۔^۳ ایک مرتبہ ایک

۱۔ پانی یا غلہ رکھنے کے دو بڑے مٹی کے برتن، ۲۔ تذکرہ، ۳۔ خادمہ ۴۔ موطا

سانپ مار دیا۔ خواب میں دیکھا کوئی کہتا ہے کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا تو حضور ﷺ کی بیویوں کے یہاں نہ آتا۔ اس نے کہا: مگر پردے کی حالت میں آیا تھا۔ اس پر گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور بارہ ہزار درہم جو ایک آدمی کا خون بہا ہوتے ہیں صدقہ کئے۔ غزوہ فیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ستر ہزار درہم صدقہ کئے اور اپنے کرتہ میں پیوند لگ رہا تھا۔

(۳) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ سے روکنا

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبت فرماتی تھیں، انہوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فیاضی سے پریشان ہو کر کہ خود تکلیفیں اٹھائیں اور جو آئے وہ فوراً خرچ کر دیں، ایک دفعہ کہہ دیا کہ خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ فقرہ پہنچ گیا، اس پر ناراض ہو گئیں کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے اور ان سے نہ بولنے کی نذر کے طور پر قسم کھائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا۔ بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی، مگر انہوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا۔ آخر جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بہت ہی پریشان ہوئے تو حضور اقدس ﷺ کی انھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے، وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے، یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لئے۔ جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ کے اندر بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں، تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد کی۔ وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات یاد دلاتے رہے اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے وہ سناتے رہے جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان احادیث میں جو ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عتاب وارد ہوا، اس کی تاب نہ لاسکیں اور روئے لگیں۔ آخر معاف فرما دیا اور بولنے لگیں۔ لیکن اپنی اس قسم کے کفارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں، حتیٰ

کہ چالیس غلام آزاد کئے اور جب بھی اس قسم توڑنے کا خیال آ جاتا، اتنا رو تیں کہ دوپٹہ تک آنسوؤں سے بھیک جاتا۔

ف: ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی قسمیں ایک سانس میں کھا لیتے ہیں اور پھر اس کی کتنی پرواہ کرتے ہیں، اس کا جواب اپنے ہی سوچنے کا ہے۔ دوسرا شخص کون ہر وقت پاس رہتا ہے جو بتا دے، لیکن جن لوگوں کے ہاں اللہ کے نام کی وقعت ہے اور اللہ سے عہد کر لینے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے۔ ان سے پوچھو کہ عہد کے پورا نہ ہونے سے دل پر کیا گذرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ واقعہ یاد آتا تھا تو بہت زیادہ روتی تھیں۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت اللہ کے خوف سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کو جتنی محبت تھی وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ سے۔ اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی زیادہ واقف تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل کی تحقیق کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ان کو سلام کرتے تھے۔ جنت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ منافقوں نے آپ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو قرآن شریف میں آپ رضی اللہ عنہا کی براءۃ نازل ہوئی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دس خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی ان میں شریک نہیں۔ ابن سعد رحمہ اللہ علیہ نے ان کو مفصل نقل کیا ہے۔ صدقہ کی کیفیت پہلے قصوں سے معلوم ہو ہی چکی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا: فرمایا کرتیں کہ کاش! میں درخت ہی ہو جاتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا، کاش! میں پتھر ہوتی، کاش! میں مٹی کا ڈلا ہوتی، کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتی۔ کاش! میں درخت کا پتا ہوتی، کاش! میں کوئی گھاس ہوتی۔

ف: اللہ کے خوف کا یہ منظر دوسرے باب کے پانچویں چھٹے قصہ میں بھی گذر چکا

ہے۔ ان حضرات کی یہ عام حالت تھی۔ اللہ سے ڈرنا انہیں کا حصہ تھا۔

(۵) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی دعا اور ہجرت

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، حضور اقدس ﷺ سے پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی کے نکاح میں تھیں۔ دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔ اس لئے لاؤ ہم اور تم دونوں عہد کر لیں کہ ہم میں سے جو پہلے مر جائے تو دوسرا نکاح نہ کرے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لو گی۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کر رہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو میرے بعد تم نکاح کر لینا۔ پھر دعا کی کہ یا اللہ! میرے بعد اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اس کو رنج پہنچائے اور نہ تکلیف دے۔ ابتدائے اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت ساتھ ہی کی۔ اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ جس کا مفصل قصہ خود اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر سامان لاداد اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر چلے۔ میرے میکے کے لوگوں بنو مغیرہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ابو سلمہ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو، مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ کیوں جانے دیں؟ کہ یہ شہر در شہر پھرے۔ یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ابو سلمہ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔ میرے سسرال کے لوگ بنو عبد الاسد کو جو ابو سلمہ کے رشتہ دار تھے جب اس قصہ کی خبر ملی تو وہ میرے میکے والوں بنو مغیرہ سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا تو لے اگر عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر لے تو اس میں دو حدیشیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ دوسرے کو ملے گی اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کو اختیار دیدیا جاوے گا کہ جس خاوند کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار کر لے۔ یہ دوسری حدیث زیادہ مشہور ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن عورتوں کے دونوں خاوند برابر ہوں ان کے حق میں پہلی حدیث ہو۔ اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں کہ ہر شخص کو کتنی بیبیاں ملیں گی۔

اختیار ہے، مگر ہم اپنے لڑکے سلمہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑ دیں؟ جب کہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ اب میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جدا جدا ہو گئے، خاوند تو مدینہ چلے گئے۔ میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا دھیاں میں پہنچ گیا، میں روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی۔ اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گذر گیا۔ نہ میں خاوند کے پاس جاسکی، نہ بچہ مجھے مل سکا۔ ایک دن میرے چچا زاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا کہ اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ غرض میرے چچا زاد بھائی نے کہہ سن کر اس بات پر ان سب کو راضی کر لیا۔ انہوں نے مجھے اجازت دے دی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ یہ دیکھ کر بنو عبد اللہ اسد نے بھی لڑکا دے دیا، میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچہ گود میں لے کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی۔ تین چار میل چلی تھی کہ ”تنعیم“ میں عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ مجھے ملے۔ مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا: اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ انہوں نے کہا کوئی تمہارے ساتھ نہیں؟ میں نے کہا کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے میرے اونٹ کی ٹکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیئے۔ خدا پاک کی قسم! مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا۔ جب اترنے کا وقت ہوتا، وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے۔ میں اتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا، اونٹ کو سامان وغیرہ لا کر میرے قریب بٹھا دیتے، میں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آ کر اس کی ٹکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے۔ اسی طرح ہم مدینہ منورہ پہنچے۔ جب قبا میں پہنچے تو انہوں نے کہا: تمہارا خاوند یہیں ہے، اس وقت تک ابو سلمہ رضی اللہ عنہ قبا ہی میں مقیم تھے۔ عثمان مجھے وہاں پہنچا کر خود مکہ مکرّمہ واپس ہو گئے۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم! عثمان بن طلحہ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی، شاید ہی کسی نے کی ہو۔

ف: اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں۔ اللہ جل شانہ نے

اپنے فضل سے ان کی مدد کا سامان مہیا کر دیا۔ جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے، اللہ جل شانہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہجرت کا سفر اگر کوئی محرم نہ ہو تو تنہا بھی جائز ہے بشرطیکہ ہجرت فرض ہو، اس لئے ان کے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں۔

(۶) حضرت اُمّ زیاد رضی اللہ عنہا کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت

حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مردوں کو تو جہاد کی شرکت کا شوق تھا ہی جس کے واقعات کثرت سے نقل کئے جاتے ہیں۔ عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ہمیشہ مشتاق رہتی تھیں اور جہاں موقع مل جاتا پہنچ جاتیں۔ اُمّ زیاد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ عورتیں جہاد میں شرکت کے لئے چل دیں۔ حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا۔ حضور ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کے آثار تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تم کس کی اجازت سے آئیں اور کس کے ساتھ آئیں؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کو اون بننا آتا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ زخموں کی دوائیں بھی ہمارے پاس ہیں، اور کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑانے میں مدد دیں گی، اور جو بیمار ہوگا اس کی دوا دارو کی مدد ہو سکے گی۔ ستو وغیرہ گھولنے اور پلانے میں کام دے دیں گی۔ حضور ﷺ نے ٹھہر جانے کی اجازت دیدی۔

ف: حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت عورتوں میں بھی کچھ ایسا دلولہ اور جرأت پیدا فرمائی تھی جو آج کل مردوں میں بھی نہیں ہے۔ دیکھیے! یہ سب اپنے شوق سے خود ہی پہنچ گئیں اور کتنے کام اپنے کرنے کے تجویز کر لئے۔ ”حنین“ کی لڑائی میں اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا باوجودیکہ حاملہ تھیں، عبد اللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیٹ میں تھے، شریک ہوئیں اور ایک خنجر ساتھ لئے رہتی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کس لئے ہے؟ عرض کیا کہ اگر کوئی کافر میرے پاس آئے گا تو اس کے پیٹ میں بھونک دوں گی۔ اس سے پہلے اُحد وغیرہ کی لڑائی میں بھی یہ شریک ہوئی تھیں، زخموں کی دوا دارو اور بیماروں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ نہایت مستعدی سے مشک بھر کر

لائی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور جب خالی ہو جاتی تو پھر بھرتی تھیں۔

(۷) حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کی غزوہٗ البحر میں شرکت کی تمنا

حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ حضور اقدس ﷺ کثرت سے ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کبھی دو پہر وغیرہ کو وہیں آرام بھی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ان کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے اٹھے۔ اُم حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس بات پر آپ مسکرا رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ مجھے دکھلائے گئے جو سمندر پر لڑائی کے ارادہ سے اس طرح سوار ہوئے جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔ اُم حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے بھی ان میں شامل فرماویں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم بھی ان میں شامل ہوگی۔ اس کے بعد پھر حضور ﷺ نے آرام فرمایا اور پھر مسکراتے ہوئے اٹھے۔ اُم حرام رضی اللہ عنہا نے پھر مسکرانے کا سبب پوچھا؟ آپ ﷺ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا، اُم حرام رضی اللہ عنہا نے پھر وہی درخواست کی کہ یا رسول اللہ! آپ دعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہوگی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو شام کے حاکم تھے جزائر قبرس پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ فرمایا جس میں اُم حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئیں اور واپسی پر ایک خچر پر سوار ہو رہی تھیں کہ وہ بدکا اور یہ اس پر سے گر گئیں جس سے گردن ٹوٹ گئی اور انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن کی گئیں۔

ف: یہ ولولہ تھا جہاد میں شرکت کا کہ ہر لڑائی میں شرکت کی دعا کراتی تھیں، مگر چونکہ ان دونوں لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی میں انتقال فرمانا متعین تھا اس لئے دوسری لڑائی میں شرکت نہ ہو سکی اور اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس میں شرکت کی دعا بھی نہ فرمائی تھی۔

(۸) حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا لڑکے کے مرنے پر عمل

اُم سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں جو اپنے پہلے خاوند یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کی وفات کے بعد بیوہ ہو گئیں تھیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پرورش کے خیال سے کچھ دنوں تک نکاح نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا جن سے ایک صاحبزادہ ابو عمیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن سے حضور اقدس ﷺ جب ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ہنسی بھی فرمایا کرتے تھے۔ اتفاق سے ابو عمیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو نہلایا، دھلایا، کفن پہنایا اور ایک چار پائی پر لٹا دیا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا، اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا۔ خوشبو وغیرہ لگائی۔ رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا۔ بچہ کا حال پوچھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اب تو سکون معلوم ہوتا ہے، بالکل اچھا ہو گیا، وہ بے فکر ہو گئے۔ رات کو خاوند نے صحبت بھی کی۔ صبح کو جب وہ اٹھے تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنا تھی۔ اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دیدے، پھر وہ اسے واپس لینے لگے تو واپس کر دینا چاہئے یا اسے روک لے، واپس نہ کرے۔ وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہئے، روکنے کا کیا حق ہے؟ مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہے۔ یہ سن کر اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا وہ اللہ نے لے لیا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس پر رنج ہوا اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہ دی۔ صبح کو حضور ﷺ کی خدمت میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سارے قصہ کو عرض کیا حضور اقدس ﷺ نے دعادی اور فرمایا کہ شاید اللہ جل شانہ اس رات میں برکت عطا فرماویں۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی دعا کی برکت دیکھی کہ اس رات کے حمل سے عبد اللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن کے نو بچے ہوئے اور سب نے قرآن شریف پڑھا۔^۱

ف: بڑے صبر اور ہمت کی بات ہے کہ اپنا بچہ مرجائے اور ایسی طرح اس کو برداشت کرے کہ خاوند کو بھی محسوس نہ ہونے دے، چونکہ خاوند کا روزہ تھا اس لئے خیال ہوا کہ خبر ہونے پر کھانا بھی مشکل ہوگا۔

(۹) حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا

اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی۔ وہاں جا کر خاوند مرتد ہو گیا اور اسی حالتِ ارتداد میں انتقال کیا۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گزارا۔ حضور اقدس ﷺ نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا جیسا کہ باب کے ختم پر بیویوں کے بیان میں آئے گا۔ نکاح کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں ان کے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضور ﷺ سے صلح کی مضبوطی کے لئے گفتگو کرنا تھی۔ بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وہ بستر الٹ دیا۔ باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا۔ پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہیں تھا اس لئے لپیٹ دیا، یا میں بستر کے قابل نہیں تھا؟ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول ﷺ کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو، اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں؟ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہو گئیں، مگر اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور ﷺ کی جو عظمت تھی اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو گوارا کر سکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک، باپ ہو یا غیر ہو، حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ سے چاشت کی بارہ رکعتوں کی فضیلت سنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھا دیا۔ ان کے والد بھی جن کا قصہ ابھی گذرا ہے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت نہ رغبت، مگر میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ ہاں! خاوند کے لئے چار مہینہ دس دن ہیں، اس لئے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔ جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا تمہارا معاملہ سوکن کا

تھا اور سوکنوں میں آپس میں کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ مجھے بھی معاف فرما دیں اور تمہیں بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تمہیں سب معاف کرے اور درگزر فرمائیں، یہ سن کر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اس وقت بہت ہی خوشی پہنچائی، اللہ تمہیں بھی خوش و خرم رکھے۔ اس کے بعد اسی طرح اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آدمی بھیجا۔^۱

ف: سوکنوں کے جو تعلقات آپس میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں، مگر ان کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو وہ یہیں نمٹ جائے، آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضور ﷺ کی محبت اور عظمت کا اندازہ تو اس بسترہ کے معاملہ سے ہو ہی گیا۔

(۱۰) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا افک کے معاملہ میں صفائی پیش کرنا

اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، رشتہ میں حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، شروع ہی زمانہ میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ابتدا میں آپ کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوا جو حضور ﷺ کے آزاد کئے ہوئے غلام تھے اور حضور ﷺ کے متبنی بھی تھے جس کو ”لے پالک“ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے زید بن محمد کہلاتے تھے، مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نباہ نہ ہو سکا تو انہوں نے طلاق دے دی۔ حضور اقدس ﷺ نے اس خیال سے کہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے، وہ یہ کہ متبنی بالکل ہی بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نہ کرنا چاہئے، اس لئے اپنے نکاح کا پیام بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کر لوں۔ یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھی کہ اللہ سے مشورہ کئے بغیر میں کچھ جواب نہیں دیتی۔ جس کی برکت یہ ہوئی کہ اللہ جل شانہ نے خود حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کیا اور قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا“^۵ (الاحزاب: ۳۷) ”پس جب زید نے اپنی حاجت کو اس سے پورا کر لیا تو ہم نے اس

کو تمہارے نکاح میں دے دیا تاکہ نہ رہے مومنین پر تنگی اپنے لے پالکوں کی بیبیوں کے بارے میں جب کہ وہ اپنی حاجت ان سے پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر ہی رہا۔“

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس آیت کے نازل ہونے پر نکاح کی خوشخبری دی گئی تو جس نے بشارت دی تھی، اس کو وہ زیور نکال کر دیدیا جو وہ اس وقت پہن رہی تھیں اور خود سجدہ میں گر گئیں اور دو مہینے کے روزوں کی منت مانی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس بات پر بجا طور پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح ان کے عزیز رشتہ داروں نے کیا، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمان پر ہوا اور قرآن پاک میں نازل ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ان کو حضور اقدس ﷺ کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا، اور ان کو آسمان کے نکاح پر ناز تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے قصہ میں جب حضور اقدس ﷺ نے منجملہ اوروں کے ان سے بھی دریافت کیا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں عائشہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ یہ تھی سچی دین داری، ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا، بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی، مگر اسکے باوجود زور سے صفائی کی اور تعریف کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی بزرگ تھیں، روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں، اپنے ہاتھ سے محنت بھی کرتی تھیں اور جو حاصل ہوتا تھا اس کو صدقہ کر دیتی تھیں۔ حضور ﷺ کے وصال کے وقت ازواج مطہرات نے پوچھا کہ ہم میں سے سب سے پہلے آپ سے کون سی بیوی ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا ہاتھ لمبا ہو۔ وہ لکڑی لے کر ہاتھ ناپنے لگیں؟ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہاتھ کے لمبا ہونے سے بہت زیادہ خرچ کرنا مراد تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی کا وصال ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ازواج مطہرات کی تنخواہ مقرر فرمائی اور ان کے پاس ان کے حصے کا مال بارہ ہزار درہم بھیجے، تو یہ سمجھیں کہ یہ سب کا ہے، فرمانے لگیں کہ تقسیم کے لئے تو اور بیبیاں زیادہ مناسب تھیں۔ قاصد نے کہا کہ یہ سب آپ ہی کا حصہ ہے اور تمام سال کے لئے ہے تو تعجب سے کہنے لگیں: سبحان اللہ! اور منہ پر کپڑا ڈال لیا کہ اس مال کو دیکھیں

بھی نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ حجرہ کے کونہ میں ڈال دیا جائے اور اس پر ایک کپڑا ڈلوادیا۔ پھر برزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا (جو اس قصہ کو نقل کر رہے ہیں) کہ اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ اور ایک مٹھی فلاں کو، غرض رشتہ داروں اور غریبوں، بیواؤں کو ایک ایک مٹھی تقسیم فرما دیا۔ اس میں جب ذرا سا رہ گیا تو برزہ رضی اللہ عنہ نے بھی خواہش ظاہر کی۔ فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے رہ گیا وہ تم لے جاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جو رہ گیا تھا وہ لے لیا اور لے کر گنا تو چور اسی درہم تھے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ! آئندہ سال یہ مال مجھے نہ ملے کہ اس کے آنے میں بھی فتنہ ہے، چنانچہ دوسرے سال کی تنخواہ آنے سے پہلے ہی ان کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ وہ بارہ ہزار تو ختم کر دیئے گئے تو انہوں نے ایک ہزار اور بھیجے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں، انہوں نے وہ بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ باوجود کثرت فتوحات کے انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ مال، صرف وہ گھر ترکہ تھا جس میں رہتی تھی۔ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے ”مَأْوٰی الْمَسَاكِين“ (مساکین کا ٹھکانا) ان کا لقب تھا۔ ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی اور ہم گيروٹ سے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خیال پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز ناگوار ہوئی، سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھو ڈالا۔ دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے تو اندر تشریف لائے۔

ف: عورتوں کو بالخصوص مال سے جو محبت ہوتی ہے وہ بھی مخفی نہیں اور رنگ وغیرہ سے جو انس ہوتا ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں، لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولی سا اشارہ پا کر سارا رنگ دھو ڈالا۔

(۱۱) حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی اپنے چار بیٹوں سمیت جنگ میں شرکت

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ ہیں۔ اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آ کر مسلمان ہوئیں۔ ابن اثیر رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے

ان سے بہتر شعر نہیں کہا، نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۶ھ میں قادسیہ کی لڑائی ہوئی جس میں خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔ لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت ابھارا، کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی، نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت میں کوئی دھبہ لگایا، نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جلّ ثنا نے مسلمانوں کے لئے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے۔ تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہو جانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ جلّ ثنا کا پاک ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“ (آل عمران: ۲۰۰) (ترجمہ) ”اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لئے تیار رہو، تاکہ تم پورے کامیاب ہو“۔

لہذا کل صبح کو جب تم صحیح و سالم اٹھو تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آگئی اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا۔ ان شاء اللہ جنت میں اکرام کے ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے، چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبر وار آگے بڑھتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہو جاتا تھا تو اسی طرح دوسرا بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا۔ بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ان کی شہادت سے مجھے شرف بخشا۔ مجھے اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔

ف: ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گھس جانے کی ترغیب دیں اور جب چاروں شہید ہو جائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آجائیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

(۱۲) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہودی کو تنہا مارنا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں، اُحد کی لڑائی میں شریک ہوئیں اور جب مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی اور بھاگنے لگے تو وہ برچھا ان کے منہ پر مار مار کر واپس کرتی تھیں۔ غزوہ خندق میں حضور اقدس ﷺ نے سب مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرما دیا تھا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بطور محافظ کے چھوڑ دیا تھا۔ یہود کے لئے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ وہ تو اندرونی دشمن تھے ہی۔ یہودی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا اور ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ پر پہنچا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہیں سے دیکھ لیا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ یہودی موقع دیکھنے آیا ہے، تم قلعہ سے باہر نکلو اور اس کو مار دو۔ وہ ضعیف تھے، ضعف کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہوئی تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک خیمہ کا کھونٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور خود نکل کر اس کا سر کچل دیا۔ پھر قلعہ میں واپس آ کر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چونکہ وہ یہودی مرد تھا۔ نامحرم ہونے کی وجہ سے میں نے اس کا سامان اور کپڑے نہیں اتارے، تم اس کے سب کپڑے اتار لاؤ اور اس کا سر بھی کاٹ لاؤ۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ ضعیف تھے جس کی وجہ سے اس کی بھی ہمت نہ فرما سکے تو دوبارہ تشریف لے گئیں اور اس کا سر کاٹ لائیں اور دیوار پر کو یہود کے مجمع میں پھینک دیا۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ محمد عورتوں کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ ضرور ان کے محافظ مرد اندر موجود ہیں۔

ف: ۲۰ھ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، اس وقت ان کی عمر تہتر سال کی تھی۔ اس لحاظ سے خندق کی لڑائی میں جو ۵۵ھ میں ہوئی ان کی عمر اٹھاون سال کی ہوئی۔ آج کل اس عمر کی عورتوں کو گھر کا کام کاج بھی دو بھر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک مرد کا اس

طرح تنہا قتل کر دینا اور ایسی حالت میں کہ یہ تنہا عورتیں اور دوسری جانب یہود کا مجمع۔

(۱۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا انصاری صحابیہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بیشک آپ کو اللہ جلّ ثنا نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ اس لئے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی، لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے، پردوں میں بند رہتی ہے، مردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں، ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں، جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے لئے کپڑا بناتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں۔ کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں؟

حضور اقدس ﷺ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سنی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سن اور سمجھ اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے ان کو بتادے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہو گئیں۔

ف: عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے، مگر عورتیں اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹ آیا اور حضور ﷺ کو سجدہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ حضور ﷺ نے منع فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت خاوند سے ناراض ہو کر علیحدہ رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آدمیوں کی نماز قبولیت کے لئے آسمان کی طرف اتنی بھی نہیں جاتی کہ سر سے اوپر ہی ہو جائے: ایک وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہو، اور ایک وہ عورت جو کہ خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔

(۱۴) حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت

حضرت اُمّ عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا ان عورتوں میں ہیں جو اسلام کے شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور ”بیعت العقبہ“ میں شریک ہوئیں۔ عقبہ کے معنی گھاٹی کے ہیں۔ حضور ﷺ اول چھپ کر مسلمان کرتے تھے، کیونکہ مشرک و کافر لوگ نو مسلموں کو سخت تکلیف پہنچاتے تھے۔ مدینہ کے کچھ لوگ حج کے زمانہ میں آتے تھے اور منیٰ کے پہاڑ میں ایک گھاٹی میں چھپ کر مسلمان ہوتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو لوگ مدینہ سے آئے ہیں ان میں یہ بھی تھیں۔ ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں

شریک ہوئیں، بالخصوص اُحد، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضاء، حنین اور یمامہ کی لڑائی میں۔ اُحد کی لڑائی کا قصہ خود ہی سناتی ہیں کہ میں مشکیزہ پانی کا بھر کر اُحد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گزری اور کوئی پیاسا زخمی ملا تو پانی پلا دوں گی۔ اس وقت ان کی عمر تینتالیس برس کی تھی۔

ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے، مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا، مگر تھوڑی دیر میں جب کافروں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا تو میں حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر ادھر کا رخ کرتا تھا اس کو ہٹاتی تھی۔ ابتدا میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی، بعد میں ملی جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں۔ کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا جس کے اندر مختلف چیتھڑے بھرے ہوئے تھے۔ جب کوئی زخمی ہو جاتا تو ایک چیتھڑا نکال کر جلا کر اس زخم میں بھر دیتیں۔ خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں، بارہ تیرہ جگہ زخم آئے، جن میں ایک بہت سخت تھا۔ اُمّ سعید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا، میں نے پوچھا: یہ کس طرح پڑا تھا؟ کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ ادھر ادھر پریشان پھر رہے تھے، تو ابن قُمیئہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں، مجھے کوئی بتا دو کہ کدھر ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے تو میری نجات نہیں۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور چند آدمی اس کے سامنے آ گئے ان میں میں بھی تھی، اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا، میں نے بھی اس پر کئی وار کئے، مگر اس پر دوہری زہرہ تھی اس لئے زہرہ سے حملہ رک جاتا تھا۔ یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا مگر اچھا نہ ہوا۔ اسی دوران میں حضور ﷺ نے ”حَمْرَاءُ الْأَسَدِ“ کی لڑائی کا اعلان فرمادیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی کمر باندھ کر تیار ہو گئیں مگر چونکہ پہلا زخم بالکل ہرا تھا اس لئے شریک نہ ہو سکیں۔

حضور ﷺ جب حَمْرَاءُ الْأَسَدِ سے واپس ہوئے تو سب سے پہلے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت معلوم کی اور جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے تو بہت خوش ہوئے۔ اس زخم کے علاوہ اور بھی بہت سے زخم اُحد کی لڑائی میں آئے تھے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے سوار تھے اور ہم پیدل تھے، اگر وہ بھی ہماری طرح پیدل ہوتے جب بات تھی، اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا۔ جب گھوڑے پر کوئی آتا اور مجھے مارتا تو اس کے حملوں کو میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منہ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی

ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی جس سے وہ بھی گرتا اور سوار بھی گرتا اور جب وہ گرتا تو حضور ﷺ میرے لڑکے کو آواز دے کر میری مدد کو بھیجتے، میں اور وہ دونوں مل کر اس کو نمٹا دیتے۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو میں زخم آیا اور خون تھمتا نہ تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر پٹی باندھ لو۔ میری والدہ آئیں، اپنی کمر میں سے کچھ کپڑا نکالا، پٹی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جا، کافروں سے مقابلہ کر۔ حضور اقدس ﷺ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ فرمانے لگے: اُمّ عمارہ! اتنی ہمت کون رکھتا ہوگا جتنی تو رکھتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس دوران میں ان کو اور ان کے گھرانے کو کئی بار دعائیں بھی دیں اور تعریف بھی فرمائی۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسی وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہی ہے جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔ میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہوا اور ایک دم بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ بیٹے کا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کو نمٹا دیا۔ حضور ﷺ نے جب ہم لوگوں کو دعائیں دیں تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ شانہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب فرمائیں۔ جب حضور ﷺ نے اس کی دعا فرمادی تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گذری۔ اُحد کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیوں میں ان کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد ارتداد کا زور شور ہوا اور یمامہ میں زبردست لڑائی ہوئی، اس میں بھی ام عمارہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں۔ ان کا ایک ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا اور اسکے علاوہ گیارہ زخم بدن پر آئے تھے۔ انہیں زخموں کی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچیں۔^۱

ف: ایک عورت کے یہ کارنامے ہیں جن کی عمر اُحد کی لڑائی میں تینتالیس^۳ برس کی تھی جیسا کہ پہلے گذرا اور یمامہ کی لڑائی میں تقریباً باون^{۵۲} برس کی۔ اس عمر میں ایسے معرکوں کی اس طرح شرکت کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔

(۱۵) حضرت اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت

اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا بنت حارث جو عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں اور کفار کی طرف سے اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئیں تھیں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو مسلمان ہو گئیں۔ خاوند سے بہت زیادہ محبت تھی، مگر وہ اپنے باپ کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو یمن بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے اپنے خاوند کے لئے امن چاہا اور خود یمن پہنچیں۔ خاوند کو بڑی مشکل سے واپس آنے پر راضی کیا اور کہا کہ محمد ﷺ کی تلوار سے ان کے دامن ہی میں پناہ مل سکتی ہے، تم میرے ساتھ چلو۔ وہ مدینہ طیبہ واپس آ کر مسلمان ہوئے اور دونوں میاں بیوی خوش و خرم رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی تو اس میں عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس میں شہید ہو گئے تو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور اسی سفر میں ”مرج الصفر“ ایک جگہ کا نام ہے وہاں رخصتی کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا کہ ابھی دشمنوں کا جمگھٹا ہے اس کو نمٹنے دیجئے۔ خاوند نے کہا کہ مجھے اس معرکہ میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے، وہ بھی چپ ہو گئیں اور وہیں ایک منزل پر خیمہ میں رخصتی ہوئی۔ صبح کو ولیمہ کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ رومیوں کی فوج چڑھ آئی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اس خیمہ کو اکھاڑا جس میں رات گزری تھی اور اپنا سب سامان باندھا اور خیمہ کا کھونٹا لے کر خود بھی مقابلہ کیا اور سات آدمیوں کو تنہا قتل کیا۔

ف: ہمارے زمانہ کی کوئی عورت تو درکنار مرد بھی ایسے وقت میں نکاح کو تیار نہ ہوتا اور اگر نکاح ہو بھی جاتا تو اس اچانک شہادت پر روتے روتے نہ معلوم کتنے دن سوگ میں گذرتے۔ اس اللہ کی بندی نے خود بھی جہاد شروع کر دیا اور عورت ہو کر سات آدمیوں کو قتل کیا۔

(۱۶) حضرت سمیہ اُمّ عمار رضی اللہ عنہا کی شہادت

سمیہ بنت خیاط حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں جن کا قصہ پہلے باب کے ساتویں نمبر پر

گزر چکا ہے۔ یہ بھی اپنے لڑکے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اپنے خاوند حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام کی خاطر قسم قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتی تھیں، مگر اسلام کی سچی محبت جو دل میں گھر کر چکی تھی اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ ان کو گرمی کے سخت وقت دھوپ میں کنکریوں پر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جاتا تھا تا کہ دھوپ سے لوہا تپنے لگے اور اس کی گرمی سے تکلیف میں زیادتی ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا ادھر کو گزر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کا وعدہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کھڑی تھیں کہ ابو جہل کا ادھر کو گزر ہوا، برا بھلا کہا اور غصہ میں برچھا شرمگاہ پر مارا جس کے زخم سے انتقال فرما گئیں۔ اسلام کی خاطر سب سے پہلی شہادت انہیں کی ہوئی۔

ف: عورتوں کا اس قدر صبر، ہمت اور استقلال قابل رشک ہے، لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں کوئی چیز گھر کر جاتی ہے تو اس کو ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ اب بھی عشق کے بیسیوں قصے اس قسم کے سننے میں آتے ہیں کہ جان دے دی، مگر یہی جان دینا اگر اللہ کے راستہ میں ہو، دین کی خاطر ہو تو دوسری زندگی میں جو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے سرخروئی کا سبب ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض سے ہو تو دنیا تو گئی تھی ہی، آخرت بھی برباد ہوئی۔

(۱۷) حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی زندگی اور تنگی

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن مشہور صحابیات میں سے ہیں، شروع ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل و عیال کو لے آئیں، ان کیساتھ ہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی چلی آئیں۔ جب قبا میں پہنچیں تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔

اس زمانہ کی عام غربت، تنگ دستی، فقر و فاقہ مشہور و معروف ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت، جفاکشی، بہادری، جرأت ضرب المثل ہیں۔

بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا طرز زندگی خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائیداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لاد کر لانے والا اور ایک گھوڑا۔ میں ہی اونٹ کے لئے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی۔ مگر ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لئے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی، وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں، میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔

حضور اقدس ﷺ نے مدینہ پہنچنے پر زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی جو دو میل کے قریب تھی۔ میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لاد کر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھری میرے سر پر تھی۔ راستہ میں حضور اقدس ﷺ مل گئے، اونٹ پر تشریف لا رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھہرایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں، مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیر کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے، ان کو بھی یہ ناگوار ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے، میں گھر آئی اور زبیر کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضور ﷺ ملے اور یہ ارشاد فرمایا۔ مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا خیال بھی آیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! تمہارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لئے اس سے بہت زیادہ گراں ہے (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے امور میں مشغول رہتے تھے، اس لئے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے)۔ اس کے بعد میرے باپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک خادم جو حضور ﷺ نے ان کو دیا تھا

میرے پاس بھیج دیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی ملی، گویا بڑی قید سے میں آزاد ہو گئی۔^۱

ف: عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکی میں دل کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

(۱۸) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت درپیش ہو کہ حضور اقدس ﷺ بھی ساتھ تھے، اس لئے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا، جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوتیوں کے پاس تسلی کے لئے آئے۔ آ کر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: نہیں دادے ابا! وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا جس سے انہوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے: خیر! یہ اس نے اچھا کیا۔ تمہارے گزارہ کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، مگر میں نے دادے کی تسلی کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو۔^۲

ف: یہ دل گردہ کی بات ہے، ورنہ دادے سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہئے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری

سہارا ان پر ہی تھا۔ ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی، دوسرے گزارہ کی کوئی صورت ظاہر انہیں۔ پھر مکہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلق، مگر اللہ جل شانہ نے ایک ایک ادا ان سب حضرات کو، مرد ہوں یا عورت ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اول میں نہایت مالدار اور بہت بڑے تاجر تھے، لیکن اسلام کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوہ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا سب ہی کچھ لا دیا جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصے میں مفصل گزرا ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے۔ میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں، مگر ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

(۱۹) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں۔ اول جو کچھ خرچ کرتی تھیں اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ مگر جب حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کر اور حساب نہ لگایا کر، جتنا بھی قدرت میں ہو خرچ کر لیا کر، تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو، کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہو گی تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہو گی تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ رہو گی۔

ف: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری تھی اتنی ہی صدقہ و خیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی۔ آج کل مسلمانوں میں افلاس و تنگی کی عام شکایت ہے، مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گزر کرتی ہو یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو۔

(۲۰) حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور انتقال

دو جہان کے سردار حضور اقدس ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبوت سے دس برس پہلے جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا، ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ نہ جاسکیں۔ ان کے خاوند بدر کی لڑائی میں کفار کے ساتھ شریک ہوئے اور قید ہوئے۔ اہل مکہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیے ارسال کئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لئے مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کو دیکھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہو گئی۔ آبدیدہ ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ ابوالعاص کو بلا فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ حضور ﷺ نے دو آدمی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لینے کے لئے ساتھ کر دیئے کہ وہ مکہ سے باہر ٹھہر جائیں اور ان کے پاس تک ابوالعاص پہنچوا دیں، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے دیور کنانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ کفار کو جب اس کی خبر ہوئی تو آگ بگولہ ہو گئے اور ایک جماعت مزاحمت کے لئے پہنچ گئی جن میں حبار بن اسود جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی کا لڑکا تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا۔ وہ اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے حبار ہی کو لکھا ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چونکہ حاملہ تھیں اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہوا۔ کنانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا۔ ابوسفیان نے ان سے کہا کہ محمد کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان چلی جائے، یہ تو گوارا نہیں۔ اس وقت واپس چلو، پھر چپکے سے بھیج دینا۔ کنانہ نے اس کو قبول کر لیا اور واپس لے آئے، دو ایک روز بعد پھر روانہ کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸۷ھ میں انتقال فرمایا، رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔ دفن کے وقت نبی اکرم ﷺ خود قبر میں اترے اور

دن فرمایا۔ اترتے وقت بہت رنجیدہ تھے، جب باہر تشریف لائے تو چہرہ کھلا ہوا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا، تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینب کے ضعف کا خیال تھا۔ میں نے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی سختی اس سے ہٹا دی جائے، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔^۱

ف: حضور اقدس ﷺ کی تو صاحبزادی اور دین کی خاطر اتنی مشقت اٹھائی کہ جان بھی اسی میں دی۔ پھر بھی قبر کی تنگی کے لئے حضور ﷺ کی دعا کی ضرورت پیش آئی تو ہم جیسوں کا کیا پوچھنا، اس لئے آدمی کو اکثر اوقات قبر کے لئے دعا کرنا چاہئے۔ خود نبی اکرم ﷺ تعلیم کی وجہ سے اکثر اوقات عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ ”اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِمَنْكَ وَكَرَمِكَ وَفَضْلِكَ“۔

(۲۱) حضرت رُبیع بنتِ معوذہ رضی اللہ عنہا کی غیرتِ دینی

ربیع بنت معوذہ رضی اللہ عنہا ایک انصاری صحابیہ ہیں۔ اکثر لڑائیوں میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شریک ہوئی ہیں۔ زخمیوں کی دوا دارو فرمایا کرتی تھیں اور مقتولین اور شہداء کی نعشیں اٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں، ہجرت کے بعد شادی ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ بھی شادی کے دن ان کے گھر تشریف لے گئے تھے، وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور ان کے بڑوں کا ذکر تھا جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ بھی پڑھا: ”وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ“ (ہم میں ایک ایسے نبی ہیں جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کو منع فرمادیا، کیونکہ آئندہ کے حالات اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ ربیع کے والد حضرت معوذہ رضی اللہ عنہ ابو جہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں۔ ایک عورت جس کا نام اسماء رضی اللہ عنہا تھا عطر بیچا کرتی تھی، وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے گھر بھی گئی اور ان سے نام حال پتہ وغیرہ جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے دریافت کیا، انہوں نے بتا دیا۔ ان کے والد کا نام سن کر وہ کہنے لگی کہ تو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے۔ ابو جہل چونکہ عرب کا سردار شمار کیا جاتا تھا۔ اس لئے اپنے سردار کا قاتل کہا۔ یہ سن کر

ربیع فی الثمنہا کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگی کہ میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ ربیع رضی اللہ عنہ کو غیرت آئی کہ ابو جہل کو اپنے باپ کا سردار سننے، اس لئے انہوں نے اپنے غلام کے لفظ سے ذکر کیا۔ اسماء کو ابو جہل کے متعلق غلام کا لفظ سن کر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں۔ ربیع رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خریدوں، میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی۔^۱

ف: ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ اس کے جلانے کو کہا تھا، یہ حمیت اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سن سکیں۔ آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو وہ تنگ نظر بتا دیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہو گیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔^۲

معلومات

حضور ﷺ کی بیبیاں اور اولاد

اپنے آقا اور دو جہان کے سردار حضور اقدس ﷺ کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا بھی چاہئے، اس لئے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لئے تو بڑی ضخیم کتاب چاہئے۔ حضور اقدس ﷺ کا نکاح جن پر محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے، گیارہ عورتوں سے ہوا، اس سے زیادہ میں اختلاف ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان میں سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا^۳ سے ہوا جو بیوہ تھیں۔ حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ حضور ﷺ کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سب انہیں سے ہوئی جن کا بیان بعد میں آئے گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سب سے اول تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی، مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا، اہل تاریخ کا

اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عتیق بن عائد سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ”ہند“ تھا اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحبِ اولاد بھی، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبداللہ یا عبدمناف تھا، عتیق کے بعد پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوہالہ سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں۔ اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا ہے اور ہالہ لڑکی۔ ”ہند“ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔

ابوہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس ﷺ سے نکاح ہوا جس وقت کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کی تھی۔ نکاح کے بعد پچیس برس حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور رمضان ۱۰؎ نبوی میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے ”طاہرہ“ تھا، اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاندانوں سے ہے وہ بھی بنو الطاہرہ کہلاتی ہے۔ ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں، ان کے انتقال پر حضور اقدس ﷺ نے خود قبر مبارک میں اتر کر ان کو دفن فرمایا تھا۔ نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس کا نکاح ہوا۔ بعض مؤرخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں، ان کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے، پہلے سے اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکہ واپس آ کر انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد ۱۰؎ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

انتقال کے کچھ دنوں بعد ان سے نکاح ہوا اور رخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضور ﷺ کی عادت شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے انہوں نے عرض کیا کہ رات آپ نے اتنا لمبارکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر نکلنے کا ڈر ہو گیا (یہ بھی حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں، چونکہ بدن کی بھاری تھیں اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہوگی) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے خاوند کی خواہش نہیں، مگر یہ تمنا ہے کہ جنت میں حضور کی بیویوں میں داخل رہوں، اس لئے مجھے آپ طلاق نہ دیں میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں۔ اس کو حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا تھا۔ ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ ایک سودہ اور بھی ہیں جو قریش ہی کی ہیں، حضور ﷺ نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں، مگر میرے پانچ چھ بچے ہیں۔ مجھے یہ بات گراں ہے کہ وہ آپ کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا، تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی فرمادیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال ۱۰ھ نبوی میں ہوا جس وقت کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں صرف یہی ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب ان کی عمر کو نو برس تھا رخصتی ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال ہوا، اور چھیاٹھ سال کی عمر میں ۷ھ رمضان ۷ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا، خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئیں ہیں دفن کیا جائے، حضور ﷺ کے قریب

حجرہ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے۔ چنانچہ ”بقیع“ میں دفن کی گئیں۔

عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں کوئی مجھ سے زیادہ نصیبہ اور حضور ﷺ کی محبوبہ تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ رضی اللہ عنہا حکیم کی بیٹی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نکاح نہیں کرتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کس سے؟ عرض کیا: کنواری بھی ہے، بیوہ بھی ہے جو منظور ہو۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لڑکی عائشہ ہے اور بیوہ سودہ بنت زمعہ۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو۔ وہ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں۔ دریافت کرنے پر کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے عائشہ سے منگنی کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ تو ان کی بیٹی ہے، اس سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے؟ اچھا ابوبکر کو آنے دو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی یہی ذکر کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضور ﷺ کی بیٹی ہے، حضور سے کیسے نکاح ہو سکتا ہے؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے جا کر حضور ﷺ سے عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں، ان کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے، خولہ رضی اللہ عنہا واپس ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جواب سنایا۔ وہاں کیا دیر تھی۔ کہا: بلا لاؤ۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا۔ ہجرت کے بعد چند مہینے گزر جانے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہیں بلا لیتے؟ حضور اقدس ﷺ نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نذرانہ پیش کیا جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱؎ ہ یا ۲؎ ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے دولت کدہ پر بنالعی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے ہوئے۔ اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے

وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبوت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکہ ہی میں خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، یہ بھی پرانے مسلمان ہیں جنہوں نے حبشہ کی ہجرت کی، پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا اُحد کی لڑائی میں ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ ہی آ گئیں تھیں۔ جب بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ میں حفصہ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے سکوت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے فرمادیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ حضور ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہ کے لئے عثمان سے بہتر خاوند اور عثمان کے لئے حفصہ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۲ھ یا ۳ھ میں خود نکاح کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مورخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا اُحد کے۔ بدر ۲ھ میں ہے اور اُحد ۳ھ میں، اسی وجہ سے ان کے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہ کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا، تمہیں اس وقت ناگواری ہوئی ہوگی، مگر چونکہ حضور اقدس ﷺ مجھ سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے، اس لئے نہ تو میں قبول کر سکتا تھا اور نہ حضور ﷺ کے راز کو ظاہر کر سکتا تھا اس لئے سکوت کیا تھا۔ اگر حضور ﷺ ارادہ ملتوی فرما دیتے تو میں ضرور کر لیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکر کے سکوت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے انکار سے بھی زیادہ رنج تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ جل ثنا کا ارشاد ہے کہ حفصہ سے رجوع کر لو، یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمر کی خاطر بھی منظور ہے، اس لئے حضور ﷺ نے رجوع فرمایا۔ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں جب کہ ان کی عمر تقریباً تریسٹھ برس کی تھی مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ برس کی لکھی ہے۔ ان کے بعد حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت زینب رضی اللہ عنہا خزیمہ کی بیٹی جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا۔ جب وہ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے جن کا قصہ باب نمبر ۷ کی پہلی حدیث میں گذرا، تو حضور ﷺ نے نکاح کیا اور بعض نے لکھا کہ ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا، ان کے طلاق دینے کے بعد ان کے بھائی عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے ہوا جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے ہجرت کے اکتیس مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوا، باقی نو حضور ﷺ کے وصال کے وقت زندہ تھیں جن کا بعد میں انتقال ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں، اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی امّ المساکین (مسکینوں کی ماں) تھا۔ ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ابوامیہ کی بیٹی تھیں جن کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمہ

سے ہوا تھا جن کا نام عبداللہ بن عبدالأسد تھا۔ دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں، کفار کے ہاتھ سے تنگ آ کر اول دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں جا کر ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام سلمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت کی جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۵ پر مفصل گزر چکا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک لڑکا عمر اور دو لڑکیاں دُرّہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے، بدر اور احد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے۔ احد کی لڑائی میں ایک زخم آ گیا تھا جس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ اس کے بعد صفر ۲ھ میں ایک سریہ میں تشریف لے گئے تو واپسی پر وہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور اسی میں آٹھ جمادی الاخری ۲ھ میں انتقال کیا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاملہ تھیں اور زینب پیٹ میں تھیں، جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش فرمائی تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی یہاں ہے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی ان شاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے سلمہ سے کہا کہ حضور ﷺ سے میرا نکاح کر دو۔

اخیر سوال ۲۔ ھ میں حضور ﷺ سے نکاح ہوا۔ بعض نے ۳۔ ھ میں اور بعض نے ۲۔ ھ میں لکھا ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا کرے: ”اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلِفْنِیْ خَیْرًا مِّنْهَا“ (اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما) تو اس کو اللہ جل شانہ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابو سلمہ کے مرنے پر میں یہ دعا تو پڑھ لیتی، مگر یہ سوچتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے، اللہ جل شانہ نے حضور ﷺ سے نکاح کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے حسن کی بہت شہرت تھی۔ جب نکاح ہو گیا تو میں نے چھپ کر حیلہ سے جا کر دیکھا تو جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہ سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: نہیں ایسی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ اُمہات المؤمنین میں سب

سے اخیر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت چوراسی^{۸۴} سال کی عمر تھی، اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً نو برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مکے میں جو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی۔ انہوں نے جو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا اور پہلے ہی دن حضور ﷺ کو وہ ملیدہ کھلایا جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے پکایا تھا۔ ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حالات

یہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں، ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ نے اپنے متنبی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہ نے خود ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا جس کا قصہ سورہ احزاب میں بھی ہے، اس وقت ان کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵۷ھ میں نکاح ہوا۔ بعض نے ۳۷ھ میں لکھا، مگر صحیح ۵۷ھ ہے اور اس حساب سے نبوت سے گویا سترہ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس بات پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل شانہ نے کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب ان کو طلاق دی اور عدت پوری ہو گئی تو حضور ﷺ نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کر لوں اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دعا کی کہ یا اللہ! تیرے رسول مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرما دے۔ ادھر حضور ﷺ پر قرآن شریف کی آیت ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا“ (الاحزاب: ۳۷) نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے خوشخبری بھیجی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں، حضور اقدس ﷺ نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا۔ بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک جماعت

کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہو جاتی تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی تھی، حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں اور بڑی محنتی، اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کر دیتیں۔ ان ہی کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں، اس لئے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ دیکھنے میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لمبا ملا۔ مگر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال سب سے پہلے ہوا جب سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں، ۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پچاس برس کی عمر تھی۔ ان کا قصہ اسی باب کے نمبر ۱۰ پر بھی گذرا ہے۔ ان کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار کے حالات

یہ غزوہ مُرسِیع میں قید ہو کر آئیں تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو نو اوقیہ سونے پر مکاتب کر دیا۔ مکاتب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس سے یہ مقرر کر لیا جاوے کہ اتنے دام تم اگر دے دو تو تم آزاد۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا۔ اس حساب سے نو اوقیہ کی قیمت ۷۸ روپے ۱۲ آنے ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو تو ۹۰ روپے ہوئی۔ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں، جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی آپ کو معلوم ہے۔ اب اتنی مقدار پر میں مکاتب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے۔ آپ کی امید پر آئی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کر کے آزاد کرادوں اور تجھ سے نکاح کر لوں۔ ان کے لئے اس سے بہتر کیا تھا؟ بخوشی منظور کر لیا اور ۵۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶۷ھ میں اس

۱۔ کتاب ہذا کی تصنیف کے وقت یہ قیمت تھی، دراصل درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کے ایک قدیم سکہ کا نام ہے۔

قصہ کو بتایا ہے، نکاح ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب سنا کہ بنوالمصطلق حضور ﷺ کے سرال بن گئے تو انہوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہ کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور ﷺ کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں، چہرے پر ملاحت تھی۔ کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی اٹھتی نہ تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی امید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا، ابوسفیان کی صاحبزادی، ان کے نام میں اختلاف ہے، اکثروں نے ”مرملہ“ اور بعضوں نے ”ہند“ بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔ کفار کی تکالیف کی بدولت وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی، وہاں جا کر خاوند نصرانی ہو گیا۔ یہ اسلام پر باقی رہیں۔ انہوں نے اسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بُری شکل میں دیکھا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے۔ اس تنہائی میں اس حالت میں ان پر کیا گزری ہوگی، اللہ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ نے اس کا نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ حضور ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔ حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کر دو، چنانچہ نجاشی نے ایک عورت ابرہہ کو ان کے پاس اس کی خبر کے لئے بھیجا، انہوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں اس کو عطا کر دیئے اور پاؤں کے چھلے، کڑے وغیرہ متعدد چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس

سے چار سو دینار مہر کے ادا کئے اور بہت کچھ سامان دیا۔ جو لوگ مجلس نکاح میں موجود تھے ان کو بھی دینار دیئے اور کھانا کھلایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷۷ھ میں ہوا جیسا کہ اکثر کا قول ہے یا ۷۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے، صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ ان کا نکاح ۷۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷۷ھ میں جب یہ مدینہ طیبہ پہنچیں۔ نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامان جہیز وغیرہ دے کر ان کو نکاح کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا، مگر یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک قصہ اسی باب کے نمبر ۹ پر گزر چکا ہے۔ ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے۔ اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حبیبی کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ اول سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہو گئی تھی اور ان کا خاوند قتل ہو گیا تھا۔ خیبر کی لڑائی کے بعد دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، انہوں نے حضور ﷺ سے ایک باندی مانگی۔ حضور ﷺ نے انکو مرحمت فرمادی۔ چونکہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قریظہ اور نضیر آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں اس لئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہوگی۔ صفیہ کو اگر حضور اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دل داری ہے، اس لئے حضور ﷺ نے دحیہ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رخصتی ہوئی۔ صبح کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس جو کھانے کی چیز ہو وہ لے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس متفرق چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا وہ لے آئے، ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہو کر کھا لیا۔ یہی ولیمہ تھا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو، چلی جاؤ اور میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں شرک کی حالت میں حضور کی تمنا کرتی تھی، اب مسلمان ہو کر کیسے جاسکتی ہوں؟ اس سے مراد غالباً ان کا وہ خواب ہے جو انہوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے۔ اس خواب کو انہوں نے اپنے خاوند کنانہ سے کہا، اس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ سے نکاح کی تمنا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر ہے، خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا۔ اس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ انہوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا، اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی۔ خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور ﷺ کے نکاح میں آئی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حارث بن حزن کی بیٹی ہیں، ان کا اصل نام برہ تھا۔ حضور ﷺ نے بدل کر میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا، پہلے سے ابورحم بن عبد العزی کے نکاح میں تھیں۔ اکثر مؤرخین کا یہی قول ہے اور بہت سے اقوال ان کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے بھی دو نکاح ہوئے تھے۔ بیوہ ہو جانے کے بعد ذی عقدہ کے ۷ھ میں جب حضور اقدس ﷺ عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے موضع سرف میں نکاح ہوا۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ رخصتی ہو جائے، مگر مکہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی، اس لئے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق

انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے۔ اس وقت ان کی عمر اکیاشی برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی۔ یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجیبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میمونہ ہم سب میں زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام، اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے ان میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے ان نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا، ان گیارہ بیویوں میں سے دو کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحیمہ رضی اللہ عنہا کا۔ باقی نو بیبیاں حضور ﷺ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض نکاح بعض محدثین و مؤرخین نے لکھے ہیں جن کے ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

معلومات

حضور ﷺ کی اولاد

مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، پھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے جاں نثار بھی اس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہوئے، بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیب رضی اللہ عنہ اور پانچویں حضرت طاہر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح پانچ ہوئے

اور بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادے کے نام ہیں، اس طرح چار ہوئے اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا۔ اس طرح تین ہی لڑکے ہوئے اور بعضوں نے دو لڑکے اور بھی بتائے: مُطِیْبُ رَضِیُّ اللہُ عَنْہُ اور مُطْہَرُ رَضِیُّ اللہُ عَنْہُ، اور لکھا ہے کہ طیب رضی اللہ عنہ اور مطیب رضی اللہ عنہ ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہر رضی اللہ عنہ اور مطہر رضی اللہ عنہ ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ اس طرح سات لڑکے ہوئے، لیکن اکثر کی تحقیق تین لڑکوں کی ہے اور حضور ﷺ کی ساری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے پیدا ہوئی۔

لڑکوں میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے بڑی تھیں یا چھوٹی۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا، دو سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔

دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طیب اور طاہر بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے انتقال پر، بعضوں نے لکھا ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کفار بہت خوش ہوئے کہ آپ ﷺ کی نسل منقطع ہوگئی جس پر سورہ اِنَّا اَعْطٰیْنَا نَازِلٌ ہوئی اور کفار کے اس کہنے کا کہ جب نسل ختم ہو گئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا۔ یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد تک بھی حضور ﷺ کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں۔

تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کی باندی حضرت مارِیہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ حضور ﷺ نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو مینڈھے ذبح کئے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا۔ ابو ہند بیاضی رضی اللہ عنہ نے سر کے بال اتارے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر نام رکھا ہے اور سولہ مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ میں انتقال فرمایا، بعضوں نے اٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی تجویز ہوگئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حالات

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور جن مورخین نے اس کے خلاف لکھا ہے غلط ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے نکاح سے پانچ برس بعد جب کہ آپ ﷺ کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے آغوش میں جوان ہوئیں، مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا۔ غزوہ بدر کے بعد ہجرت کی جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں جس کا قصہ اس باب کے نمبر ۲۰ پر گزر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا یہاں تک کہ ۸ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور انہی کے نکاح میں رہیں۔ ان سے دو بچے ہوئے، ایک لڑکا، ایک لڑکی، لڑکے کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھا جنہوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضور ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتح مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے وہ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لڑکی کا نام حضرت امامہ رضی اللہ عنہا تھا جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب حضور ﷺ نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہو جاتیں۔ یہ حضور ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد جوان کی خالہ تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی البتہ مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح بھانجی سے کر دیا جائے، ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تین برس بعد پیدا ہوئیں جب کہ حضور ﷺ کی عمر تینتیس برس کی تھی اور بعضوں نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بڑا بتایا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

سے چھوٹی تھیں۔ حضور ﷺ کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا۔ جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے ان سے اور ان کے دوسرے بھائی عتبہ سے (جس کے نکاح میں حضور ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں) یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو، اس پر دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے، رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد فتح مکہ پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند عتبہ مسلمان ہو گئے تھے، مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرصہ ہوا ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی جس کا بیان پہلے باب کے نمبر ۱۰ پر گذر چکا۔ اس کے بعد جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ کی ہجرت شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں حضور ﷺ سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے تھے۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد جب حضور ﷺ بدر کی لڑائی میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ اسی لئے حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے۔ بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچی جب یہ حضرات حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے آرہے تھے۔ اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ ان کے دفن میں شرکت نہ فرما سکے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہو سکی تو اولاد کا کیا ذکر، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، حبشہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے اور چھ سال کی عمر میں ۳۷ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حالات

حضور اقدس ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے کونسی بڑی تھیں۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بڑی تھیں، اول عتبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ

سورۃ تبت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی جیسا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا، لیکن اُن کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ گذر چکا، اور ان کے خاوند عتیبہ نے طلاق دی اور حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آکر نہایت گستاخی، بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے۔ حضور ﷺ نے بددعا دی کہ یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما۔ ابوطالب اس وقت موجود تھے۔ باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم گئے اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی نہیں، چنانچہ عتیبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جارہا تھا، اس کا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا کہ مجھے محمد ﷺ کی بددعا کی فکر ہے۔ قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ ایک منزل پر پہنچے، وہاں شیر زیادہ تھے۔ رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عتیبہ کو سلا یا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے۔ رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے، اس کے بعد ایک زقند لگائی اور اس ٹیلے پر پہنچ کر عتیبہ کا سر بدن سے جدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز دی، مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا اور یہ قصہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے، دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا۔ اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے۔ خود اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ”مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنَتْهُ بِالْحَرْبِ“ (جو میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳۷ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ بعض روایات میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا۔ پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اولاد کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں ہوئی اور شعبان ۹۷ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میری سولڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد سب کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضور ﷺ کی چوتھی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو عمر میں اکثر مورخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں۔ نبوت کے ایک سال بعد جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور بعض نے نبوت سے پانچ سال پہلے پینتیس سال کی عمر میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا الہام یا وحی سے رکھا گیا۔ فطم کے معنی روکنے کے ہیں یعنی یہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں۔ ۲۰ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح ہوا اور نکاح سے سات ماہ اور پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی۔ یہ نکاح بھی اللہ جل شانہ کے حکم سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی۔ اس سے بھی اکتالیسویں سال میں پیدائش یعنی پہلے قول کی تصدیق ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ یا چوبیس سال ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور ﷺ کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبت تھی۔ جب حضور ﷺ سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابو جہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو ان کو رنج ہوا، حضور ﷺ سے شکایت کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو رنج پہنچایا اس نے مجھے رنج پہنچایا، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جس کا ذکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا، نبی اکرم ﷺ کے وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی، پانی رکھ دو۔ غسل فرمایا، نئے کپڑے پہنے، پھر فرمایا کہ میرا بسترہ گھر کے بیچ میں کر دو۔ اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور فرمایا کہ بس اب میں مرنی ہوں۔ یہ فرما کر وصال فرمایا، حضور اکرم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ انہیں سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ ان کی چھ اولاد، تین لڑکے تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے اول

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تیسرے سال میں یعنی ۳ھ میں، پھر حضرت محسن رضی اللہ عنہ (یہ س کی تشدید کے ساتھ ہے) پیدا ہوئے جن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا۔ صاحبزادیوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں۔ دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے زید رضی اللہ عنہ اور ایک صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عون بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں انتقال کر گئیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہی کے نکاح میں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور اسی دن ان کے صاحبزادے زید رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہوا۔ دونوں جنازے ساتھ ہی اٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا۔ یہ تینوں بھائی وہی عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ اور محمد رضی اللہ عنہ ہیں جن کا قصہ چھٹے باب کے نمبر ۱ پر گزرا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیسری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا اور دو صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور انہیں کے نکاح میں انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا نکاح ان کی ہمشیرہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ یہ اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے، ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ہوئیں اور بھی اولاد ہے۔ مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد بتیس لکھی ہے جن میں سولہ لڑکے اور سولہ لڑکیاں اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پندرہ لڑکے، آٹھ لڑکیاں، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھ لڑکے تین لڑکیاں۔ ”رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِينَ وَجَعَلْنَا بِهِدْيِهِمْ مُتَّبِعِينَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمُّ. مُلَخَّصٌ مِنَ الْخَمِيسِ وَالزُّرْقَانِي عَلَى الْمَوَاهِبِ وَالتَّلَقِيحِ وَالْإِصَابَةِ وَاسْدِ الْغَابَةِ.

گیارہواں باب

بچوں کا دینی جذبہ

کم سن اور نو عمر بچوں میں جو دین کا جذبہ تھا وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ تھا۔ اگر ماں باپ اور دوسرے اولیاء اولاد کو شفقت میں کھودینے اور ضائع کر دینے کے بجائے شروع ہی سے ان کی دینی حالت کی خبر گیری اور اس پر تنبیہ رکھیں تو دین کے امور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں اور بڑی عمر میں جا کر وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلہ عادت کے ہو جائیں، لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچے کی ہر بری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں، بلکہ زیادہ محبت کا جوش ہوتا ہے تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور دین میں جتنی کوتاہی دیکھتے ہیں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر سب درست ہو جاوے گا، حالانکہ بڑے ہو کر وہی عادات پکتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جا چکا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو، یہ مشکل ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے میں اچھی عادتیں پیدا ہوں، دین کا اہتمام ہو، دین پر عمل کرنے والا ہو تو بچپن ہی سے اس کو دین کے اہتمام کا عادی بنائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچپن سے ہی اپنی اولاد کی نگہداشت فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی رکھی تھی اور روزہ سے نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ناس ہو، ہمارے تو بچے بھی روزہ دار ہیں۔^۱

ف: یعنی تو اتنا بڑا ہو کر بھی روزہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد اس کے انٹی کوڑے شراب کی سزا میں مارے اور مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم فرما کر ملک شام کو چلتا کر دیا۔

(۱) بچوں کو روزہ رکھوانا

ربیع بنت مَعُوذ جن کا قصہ پہلے باب کے اخیر میں گزرا ہے کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے

ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشورہ کا دن ہے، سب کے سب روزہ رکھیں۔ ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے۔ جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلایا کرتے تھے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے تھے۔^۱

ف: بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں اگرچہ اس وقت قوی نہایت قوی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے متحمل تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے۔ تحمل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے، مگر اب جس کا تحمل ہو اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث اور آیت کا نزول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں حضور اقدس ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ مکہ مکرمہ نکاح ہوا اور نویں سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں رخصتی ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات اور افعال ان سے نقل کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کے متعلق تحقیق ملتی تھی۔ دو ہزار دوسو دس حدیثیں کتب حدیث میں ان کی ملتی ہیں۔ خود فرماتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی اس وقت حضور اقدس ﷺ پر سورہ قمر کی آیت ”بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمْرٌ ط“ (القمر: ۴۶) نازل ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رہی ہیں۔ اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا دین کے ساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہو سکتا ہے، ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔

(۳) حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا جہاد کی شرکت کا شوق

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ آبی اللحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے۔ جہاد میں شرکت کا شوق اس وقت ہر چھوٹے بڑے کی جان تھا۔ خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی، ان کے سرداروں نے بھی حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت فرمادی جائے، چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی جو گلے میں لٹکالی، مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا، اس لئے وہ زمین پر گھسٹی جاتی تھی۔ اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی، چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی، اس لئے غنیمت کا پورا حصہ تو ملا نہیں، البتہ بطور عطا کے کچھ سامان حصہ میں آیا۔

ف: ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصہ بھی نہیں، اس کے باوجود پھر یہ شوق کہ دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

(۴) حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا بدر کی لڑائی میں چھپنا

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک نو عمر صحابی ہیں۔ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی کے بھائی ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر رضی اللہ عنہ کو بدر کی لڑائی کے وقت دیکھا کہ لشکر کی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی اور وہ ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے کہ کوئی دیکھے نہیں۔ مجھے یہ بات دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ چھپتے کیوں پھر رہے ہو؟ کہنے لگے مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حضور اقدس ﷺ مجھے نہ دیکھ لیں اور بچہ سمجھ کر جانے کی ممانعت کر دیں کہ پھر نہ جاسکوں گا اور مجھے تمنا ہے کہ لڑائی میں ضرور شریک ہوں؟ کیا بعید ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی کسی طرح شہادت نصیب فرمائیں، آخر جب لشکر پیش ہوا تو جو خطرہ تھا وہ پیش آیا اور حضور اقدس ﷺ نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے انکار فرمادیا، مگر شوق کا غلبہ تھا، تحمل نہ کر سکے اور رونے لگے۔ حضور اقدس ﷺ کو شوق کا اور رونے کا حال معلوم ہوا تو اجازت عطا فرمادی۔ لڑائی میں

شریک ہوئے اور دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ان کے بھائی سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا کہ اونچی ہو جائے۔^۱

(۵) دوانصاری بچوں کا ابو جہل کو قتل کرنا

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے۔ میرے دونوں جانب بچے ہیں، یہ کیا مدد کر سکیں گے۔ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: چچا جان! تم ابو جہل کو بھی پہنچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! پہنچانتا ہوں۔ تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں۔ مجھے اس کے اس سوال اور جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا وہی اس نے بھی کہا۔ اتفاقاً میدان میں ابو جہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارہ میں تم مجھ سے سوال کر رہے تھے وہ جا رہا ہے۔ دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جا کر اس پر تلوار چلائی شروع کر دی یہاں تک کہ اس کو گرا دیا۔^۲

ف: یہ دونوں صاحبزادے معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابو جہل کو کوئی نہیں مار سکتا، وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے۔ مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ میں اس کو ماروں گا۔ یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابو جہل گھوڑے پر سوار تھا۔ صفوں کو درست کر رہا تھا جس وقت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے۔ تو گھوڑے سوار پر براہِ راست حملہ مشکل تھا اس لئے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابو جہل کی ٹانگ پر حملہ کیا جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابو جہل بھی گرا اور اٹھ نہ سکا۔ یہ دونوں حضرات تو اس کو ایسا کر کے چھوڑ آئے تھے کہ اٹھ نہ سکے اور وہیں پڑا لڑ پتا رہے، مگر معوذ بن عفراء ان کے بھائی نے اور ذرا ٹھنڈا کر دیا کہ مبادا اٹھ کر چلا جائے لیکن بالکل انہوں نے بھی نہ نمٹایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سر جُدا کر دیا۔ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اس کا لڑکا عکرمہ ساتھ تھا۔ اس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لڑکا ہوا رہ گیا۔^۱ میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے دقت ہوئی تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی جس سے وہ اٹک رہا تھا اور میں نے اس کو پھینک دیا۔^۲

(۶) حضرت رافع اور ابنِ جُندب رضی اللہ عنہما کا مقابلہ

نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لئے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ فرماتے۔ ان کے حوال کو، ان کی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے، کم عمر بچوں کو واپس فرما دیتے۔ یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے، چنانچہ اُحد کی لڑائی کے لئے جب تشریف لے جانا ہوا تو ایک موقع پر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور نو عمروں کو لڑکپن کی وجہ سے واپس فرما دیا جن میں حضرات ذیل بھی تھے:-
عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اُسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، عمرو بن حزم، اُسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس، ابوسعید خدری، سمرۃ بن جُندب، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم اجمعین کہ ان کی عمریں تقریباً تیرہ، چودہ برس کی تھیں، جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خدیج رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے اور خود رافع بھی اجازت کے اشتیاق میں ابھرا بھر کر کھڑے ہوتے تھے کہ قد لمبا معلوم ہو،

حضور ﷺ نے اجازت عطا فرمادی تو سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اپنے سوتیلے باپ مَرَّة بن سنان سے کہا کہ حضور ﷺ نے رافع کو تو اجازت مَرَحْمَت فرمادی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی حالانکہ میں رافع سے قوی ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لوں گا۔ حضور ﷺ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو واقعی پچھاڑ لیا۔ اس لئے حضور ﷺ نے سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت عطا فرمادی۔ اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی اور بعضوں کو اور بھی اجازت مل گئی۔ اسی سلسلے میں رات ہو گئی، حضور ﷺ نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور پچاس آدمیوں کو پورے لشکر کی حفاظت کے واسطے مُتَعَيِّن فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اٹھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ذکوان۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا: ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اٹھے حضور ﷺ نے نام دریافت کیا۔ عرض کیا ابو سبغ: (سبغ کا باپ)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد ہوا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے نام دریافت کیا: انہوں نے عرض کیا: ابن عبد القیس (عبد قیس کا بیٹا)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آ جاؤ تو ایک صاحب حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں گئے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے دعادی اور حفاظت کا حکم فرمایا۔ رات بھر یہ حضور ﷺ کے خیمہ کی حفاظت فرماتے رہے۔

ف: یہ شوق اور ولولے تھے ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا ہر شخص کچھ ایسا مست تھا کہ جان دینا مستقل مقصود تھا۔ اسی وجہ سے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بدر کی لڑائی میں بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا، مگر اس وقت اجازت نہ مل سکی تھی، پھر اُحد میں پیش کیا جس کا قصہ ابھی گذرا۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ اُحد کی لڑائی میں سینے میں ایک تیر لگا جب اس کو کھینچا گیا تو سارا نکل آیا، مگر بھال کا حصہ اندر بدن میں رہ گیا جس نے زخم کی صورت اختیار کی اور اخیر زمانہ میں بڑھاپے کے قریب یہی زخم ہرا ہو کر

موت کا سبب بنا۔^۱

(۷) حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کی وجہ سے تقدّم

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ سال کی تھی اور چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی۔ پھر احد کی لڑائی میں نکلے مگر واپس کر دیئے گئے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ سمرہ رضی اللہ عنہ اور رافع رضی اللہ عنہ دونوں کو اجازت ہو چکی تھی جیسا کہ ابھی اس سے پہلے قصہ میں گذرا، اس لئے ان کو بھی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور ﷺ نے عمارہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ عمارہ رضی اللہ عنہ کو فکر ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہ ناراضی پیش آئی۔ دریافت کیا: یا رسول اللہ! میری کوئی شکایت حضور تک پہنچی ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ بات نہیں بلکہ زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ قرآن نے اس کو جھنڈا اٹھانے میں مقدم کر دیا۔^۲

ف: حضور اقدس ﷺ کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح فرماتے تھے۔ یہاں اگرچہ لڑائی کا موقع تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اٹھانے میں ان کو مقدم فرمایا۔ اکثر چیزوں میں حضور اقدس ﷺ اس کا لحاظ فرماتے تھے، حتیٰ کہ اگر کئی آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا، اس کو مقدم فرماتے تھے جیسا کہ غزوہ اُحد میں کیا۔

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے باپ کا انتقال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں احد کی لڑائی میں پیش کیا گیا۔ تیرہ سال کی میری عمر تھی، حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس کے قویٰ اچھے ہیں، ہڈیاں بھی موٹی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نگاہ میری طرف اوپر کو اٹھاتے تھے پھر نیچے کر لیتے تھے، بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے، کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا۔ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو صبر مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کو پاکباز بنا دیتے ہیں اور جو غنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غنا عطا فرماتے ہیں، میں نے یہ مضمون حضور ﷺ سے سنا، پھر کچھ نہ مانگا، چپکے ہی واپس آ گیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ان کو وہ رتبہ عطا فرمایا کہ نو عمر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بڑے درجہ کا عالم دوسرا مشکل سے ملے گا۔

ف: بچپن کی عمر اور باپ کے صدمہ کے علاوہ ضرورت کا وقت لیکن نبی اکرم ﷺ کی ایک عام نصیحت کو سن کر چپ چاپ چلے آنا اور اپنی پریشانی کا اظہار تک نہ کرنا، کیا آج کل کوئی بڑی عمر والا بھی کر سکتا ہے؟ سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول ﷺ کی مصاحبت کے لئے ایسے ہی لوگ چنے تھے جو اس کے اہل تھے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو خاتمہ میں آتا ہے کہ اللہ نے سارے آدمیوں میں سے میرے صحابہ کو چنا ہے۔

(۹) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کی غابہ پر دوڑ

غابہ مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی تھی۔ وہاں حضور اقدس ﷺ کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے۔ کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمن فزاری نے ان کو لوٹ لیا۔ جو صاحب چراتے تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر چل دیئے۔ یہ لٹیرے لوگ گھوڑوں

پرسوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صبح کے وقت پیدل تیرکمان لئے ہوئے غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نگاہ پڑی، بچے تھے دوڑتے بہت تھے، کہتے ہیں کہ ان کی دوڑ ضرب المثل اور مشہور تھی۔ یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیراندازی میں بھی مشہور تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لوٹ کا اعلان کیا اور خود تیرکمان ساتھ تھی ہی، ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے، حتیٰ کہ ان کے پاس تک پہنچ گئے اور تیر مارنے شروع کئے اور اس پھرتی سے دام تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا مجمع سمجھے اور چونکہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے۔ اس لئے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا اگر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ جتنے اونٹ انہوں نے حضور ﷺ کے لوٹے تھے وہ میرے پیچھے ہو گئے اور اس کے علاوہ تیس برچھے اور تیس چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے۔

اتنے میں عیینہ بن حصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر ان کے پاس پہنچ گئی اور ان لٹیروں کو قوت حاصل ہو گئی۔ یہ بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ میں اکیلا ہوں۔ انہوں نے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا، میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، وہ بھی چڑھ گئے۔ جب میرے قریب ہو گئے تو میں نے زور سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، پہلے میری ایک بات سنو۔ تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا کہ بتا کون ہے۔ میں نے کہا: میں ابن الاکوع ہوں۔ اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی، تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور تم میں سے جس کو میں پکڑنا چاہوں وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ ان کے متعلق چونکہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان سے بات چیت کرتا رہا اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہنچ گئی ہے، مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا۔

غرض ان سے اسی طرح میں بات کرتا رہا اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا رہا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی، ان میں سے سب سے آگے انحرم اسدی رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے آتے ہی عبدالرحمن فزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمن بھی ان پر متوجہ ہوا۔ انہوں نے عبدالرحمن کے گھوڑے پر حملہ کیا اور پاؤں کاٹ دیئے۔ جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبدالرحمن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا جس سے وہ شہید ہو گئے اور عبدالرحمن فوراً ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ان کے پیچھے ابوققادہ رضی اللہ عنہ تھے، فوراً انہوں نے حملہ شروع کر دیا۔ عبدالرحمن نے ابوققادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انہوں نے عبدالرحمن پر حملہ کیا جس سے وہ قتل ہو گیا اور ابوققادہ رضی اللہ عنہ فوراً اس گھوڑے پر جو انحرم اسدی رضی اللہ عنہ کا تھا اور اب اس پر عبدالرحمن سوار ہو رہا تھا سوار ہو گئے۔

ف: بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے انحرم اسدی رضی اللہ عنہ کو حملہ سے روکا بھی تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ، اپنا مجمع اور آنے دو، مگر انہوں نے فرمایا کہ مجھے شہید ہونے دو۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صرف یہی شہید ہوئے اور کفار کے بہت سے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ اس کے بعد بڑا مجمع مسلمانوں کا پہنچ گیا اور وہ لوگ بھاگ گئے تو حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ میرے ساتھ سو آدمی کر دیں میں ان کا پیچھا کروں گا، مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی جماعتوں میں پہنچ گئے۔ اکثر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بارہ یا تیرہ برس کی تھی۔ بارہ تیرہ برس کا لڑکا گھوڑے سواروں کی ایک بڑی جماعت کو اس طرح بھگا دے کہ ہوش و حواس گم ہو جائیں، جو لوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیں اور اپنا بھی سامان چھوڑ جائیں، یہ اسی اخلاص کی برکت تھی جو اللہ جل شانہ نے اس جماعت کو نصیب فرمایا تھا۔

(۱۰) بدر کا مقابلہ اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کا شوق

بدر کی لڑائی سب سے افضل اور سب سے زیادہ مہتمم بالشان لڑائی ہے اس لئے کہ اس

میں مقابلہ نہایت سخت تھا۔ مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل، کل تین سو پندرہ آدمی تھے۔ جن کے پاس صرف تین گھوڑے چھ یا نو ز رہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اور کفار کی جماعت ایک ہزار کے قریب تھی جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور لڑائی کا کافی سامان تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ باجوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ ادھر نبی اکرم ﷺ نہایت متفکر کہ مسلمان نہایت کمزوری کی حالت میں تھے۔ جب حضور ﷺ نے دونوں جماعتوں کا اندازہ فرمایا تو دعا مانگی: یا اللہ! یہ مسلمان ننگے پاؤں ہیں، تو ہی ان کو سواری دینے والا ہے۔ یہ ننگے بدن ہیں تو ہی ان کو کپڑا پہنانے والا ہے، یہ بھوکے ہیں، تو ہی ان کا پیٹ بھرنے والا ہے۔ یہ فقیر ہیں تو ہی ان کو غنی کرنے والا ہے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ دونوں حضرات لڑائی میں شرکت کے شوق میں گھر سے چل دیئے۔ نبی اکرم ﷺ نے بچہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں لوٹا دیا۔ یہ دونوں حضرات احد کی لڑائی میں سے بھی واپس کئے گئے تھے جیسا کہ پہلے قصہ میں گذر چکا ہے۔ اُحد کی لڑائی بدر کی لڑائی سے ایک سال بعد ہوئی۔ جب اس میں بھی یہ بچوں میں شمار کئے گئے تو بدر میں بطریق اولیٰ بچے تھے، مگر ان حضرات کا شوق تھا کہ بچپن ہی سے یہ ولولہ اور شوق دل میں جوش مارتا تھا اور ہر لڑائی میں شریک ہونے اور اجازت ملنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۱) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن اُبی کا اپنے باپ سے معاملہ

ہ۔ میں بنو المصطلق کی مشہور جنگ ہوئی۔ اس میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کی باہم لڑائی ہو گئی، معمولی بات تھی، مگر بڑھ گئی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہو گئیں اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ گرم ہو جائے کہ درمیان میں بعض لوگوں نے پڑ کر صلح کرادی۔ عبداللہ بن اُبی

منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا، مگر چونکہ اسلام ظاہر کرتا تھا اس لئے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا۔ اس کو جب اس قصے کی خبر ہوئی تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے، تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا۔ اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا۔ اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو تو اب بھی سب چلے جاویں اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ اگر مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نو عمر بچے تھے، وہاں موجود تھے یہ سن کر تاب نہ لاسکے۔ کہنے لگے کہ خدا کی قسم! تو ذلیل ہے، تو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، تیرا کوئی حمایتی نہیں ہے اور محمد ﷺ عزت والے ہیں، رحمن کی طرف سے بھی عزت دیئے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں۔ عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ اچھا چپکارہ۔ میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا، مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جا کر حضور اقدس ﷺ سے نقل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اڑا دی جائے، مگر حضور ﷺ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ عبد اللہ بن ابی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضور ﷺ تک یہ قصہ پہنچ گیا ہے تو حاضر خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کوئی لفظ ایسا نہیں کہا، زید نے جھوٹ نقل کر دیا۔ انصار کے بھی کچھ لوگ حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے بھی سفارش کی کہ یا رسول اللہ! عبد اللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے۔ ایک بچہ کی بات اس کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں، ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضور ﷺ نے اس کا عذر قبول فرمالیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو سچا ثابت کر دیا اور زید رضی اللہ عنہ کو جھٹلادیا تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ کی مجلس میں بھی ندامت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے، بالآخر سورۃ منافقون نازل ہوئی جس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سچائی اور عبد اللہ بن ابی کی جھوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا،

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی وقعت موافق، مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن ابی کا قصہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا۔ جب مدینہ منورہ قریب آیا تو عبداللہ بن ابی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا اور بڑے پکے مسلمانوں میں تھے۔ مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے کہ اس وقت تک مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور محمد ﷺ عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے، مگر حضور ﷺ کے مقابلہ میں ٹھل نہ کر سکے۔ آخر اس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ! میں ذلیل ہوں اور محمد ﷺ عزیز ہیں۔ اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا۔

(۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خمراء الاسد میں شرکت

احد کی لڑائی سے فراغت پر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے۔ سفر اور لڑائی کی تکان خوب تھی۔ مگر مدینہ منورہ پہنچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان نے لڑائی سے واپسی پر خمراء الاسد (ایک جگہ کا نام ہے) پہنچ کر ساتھیوں سے مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ احد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے، ایسے موقع کو غنیمت سمجھنا چاہئے تھا کہ نہ معلوم پھر ایسا وقت آسکے یا نہ آسکے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر کے لوٹنا چاہئے تھا۔ اس ارادہ سے اس نے واپسی کا مشورہ کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ جو لوگ احد میں ساتھ تھے وہی صرف ساتھ ہوں اور دوبارہ حملہ کے لئے چلنا چاہئے۔ اگرچہ مسلمان اس وقت تھکے ہوئے تھے، مگر اس کے باوجود سب کے سب تیار ہو گئے۔ چونکہ حضور ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو احد میں ساتھ تھے اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری تمنا احد میں بھی شرکت کی تھی مگر والد نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ میری سات بہنیں ہیں، کوئی مرد اور ہے نہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور وہ خود جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اس لئے مجھے اجازت نہ دی تھی۔ احد کی لڑائی میں ان کی شہادت ہو گئی۔ اب حضور مجھے اجازت مرحمت

فرمادیں کہ میں بھی ہمرکاب چلوں۔ حضور ﷺ نے اجازت عطا فرمادی۔ ان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں گیا جو احد میں شریک نہ ہو۔

ف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس شوق و تمنا سے اجازت مانگنا کس قدر قابل رشک ہے کہ والد کا ابھی انتقال ہوا ہے۔ قرضہ بھی باپ کے ذمہ بہت سا ہے، وہ بھی یہود کا جو سختی کا برتاؤ کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ خاص طور سے سختی کا معاملہ کر رہے تھے۔ اس سب کے علاوہ بہنوں کے گزران کا فکر کہ سات بہنیں بھی باپ نے چھوڑی ہیں جن کی وجہ سے ان کو احد کی لڑائی میں شرکت کی باپ نے اجازت بھی نہ دی تھی لیکن جہاد کا شوق ان سب پر غالب ہے۔

(۱۳) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بہادری روم کی لڑائی میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۲۶ھ میں مصر کے پہلے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بجائے جب عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ حاکم بنائے گئے تو وہ روم کی لڑائی کے واسطے بیس ہزار کے مجمع کے ساتھ نکلے، رومیوں کا لشکر دو لاکھ کے قریب تھا، بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رومیوں کے امیر جر جیر نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سرح کو قتل کر دے گا اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں گا اور ایک لاکھ دینار انعام بھی دوں گا۔ اس اعلان سے بعض مسلمانوں کو فکر ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو علم ہوا۔ انہوں نے کہا: یہ فکر کی بات نہیں، ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو جر جیر کو قتل کرے گا اس کی بیٹی سے اس کا نکاح کیا جائے گا اور ایک لاکھ دینار انعام اور مزید یہ کہ اسی کو ان شہروں کا امیر بھی بنادیا جائے گا۔ الغرض دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ جر جیر سارے لشکر کے پیچھے ہے اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ دو باندیاں مور کے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں، انہوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جا کر حملہ کیا اور وہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا اس طرح بڑھے آ رہے ہیں، کوئی پیغام صلح لے کر آئے ہیں، مگر انہوں نے سیدھے پہنچ کر اس پر حملہ کر دیا، اور تلوار سے سر کاٹ کر برچھے پر اٹھا کر

لے آئے اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

ف: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نو عمر ہی تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش مہاجرین میں ان ہی کی ہے۔ مسلمانوں کو ان کی پیدائش سے بہت خوشی ہوئی تھی اس لئے کہ ایک سال تک کسی مہاجری کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا تو یہود نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر رکھا ہے، ان کے لڑکا نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کا معمول بچوں کو بیعت فرمانے کا نہیں تھا لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو سات برس کی عمر میں بیعت فرمایا تھا۔ اس لڑائی کے وقت ان کی عمر چوبیس^{۲۴} پچیس^{۲۵} سال کی تھی۔ اس عمر میں دو لاکھ کے مجمع کو پھلانگ کر اس طرح سے بادشاہ کا سر کاٹ لانا معمولی چیز نہیں۔

(۱۴) حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا کفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کرنا

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ کے راستے میں ایک جگہ رہا کرتے تھے۔ وہاں کے آنے جانے والے ہمارے پاس سے گذرتے تھے۔ جو لوگ مدینہ منورہ سے واپس آتے ہم ان سے حالات پوچھا کرتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال چال ہے؟ جو صاحب نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی کیا خبر ہے؟ وہ لوگ حالات بیان کرتے کہ وہ کہتے ہیں: مجھ پر وحی آتی ہے، یہ یہ آیتیں نازل ہوئیں، میں کم عمر بچہ تھا۔ وہ جو بیان کرتے میں اس کو یاد کر لیا کرتا۔ اسی طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف یاد ہو گیا تھا۔ عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کے لئے مکہ والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کے لئے حاضر خدمت ہوئی۔ میرے باپ بھی اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بن کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی۔ جماعت کا طریقہ بتایا اور ارشاد فرمایا کہ جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ امامت کے لئے افضل ہے۔ میں چونکہ آنے والوں سے آیتیں سن کر ہمیشہ یاد کر لیا کرتا تھا اس لئے سب سے زیادہ حافظ قرآن میں ہی تھا۔ سب نے تلاش کیا، مجھ سے زیادہ حافظ قرآن کوئی بھی قوم میں نہ نکلا

تو مجھ ہی کو انہوں نے امام بنایا۔ میری عمر اس وقت چھ سات برس کی تھی۔ جب کوئی مجمع ہوتا یا جنازہ کی نماز کی نوبت آتی تو مجھ ہی کو امام بنایا جاتا۔^۱

ف: یہ دین کی طرف طبعی میلان اور رجحان کا اثر تھا کہ اس عمر میں بغیر مسلمان ہوئے قرآن شریف کا بہت سا حصہ یاد کر لیا۔ رہا بچہ کی امامت کا قصہ یہ مسئلہ کی بحث ہے، جن کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک تو اشکال نہیں اور جن کے نزدیک جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان ہی لوگوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، بچے اس سے مراد نہیں تھے۔

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مشہور علماء میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کے لئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ کہیں آؤں جاؤں نہیں۔ وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے۔^۲

ف: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ جو لوگ پڑھنے کے زمانہ میں سیروسفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں وہ بیکار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن گئے کہ ”بحر الأُمّة“ اور ”حبر الأُمّة“ کے القاب سے یاد کئے جانے لگے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تمام تابعین میں زیادہ عالم چار ہیں، جن میں سے ایک عکرمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن میں حفظ قرآن

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو، میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس برس کی عمر میں اخیر کی منزل پڑھ لی تھی۔^۳

ف: اس زمانہ کا پڑھنا ایسا نہیں تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان والوں کا، بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع تفسیر کے پڑھتے تھے۔ اسی واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہیں، بہت کم دوسرے حضرات سے اتنی نقل ہوں گی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کے بہترین مفسر ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ابو عبد الرحمن رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے وہ کہتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے، اس کے بعد دوسری دس آیتیں اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے، جب تک پہلی دس آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہو جاتا تھا۔ تیرہ سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا۔ اس عمر میں جو درجہ تفسیر و حدیث میں حاصل کیا وہ کھلی کرامت اور قابل رشک ہے کہ امام تفسیر ہیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تفسیر ان سے دریافت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ حضور ﷺ ہی کی دعا کا ثمرہ تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ استنجے کے لئے تشریف لے گئے، باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔ حضور اقدس ﷺ کو یہ خدمت پسند آئی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نوافل پڑھ رہے تھے، یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ہاتھ سے کھینچ کر برابر کھڑا کر لیا کہ ایک مقتدی اگر ہو تو اس کو برابر کھڑا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد حضور ﷺ تو نماز میں مشغول ہو گئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے۔ حضور ﷺ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا: عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں۔ حضور ﷺ نے علم و فہم کے زیادہ ہونے کی دعا دی۔^۱

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا حفظ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان عابد اور زاہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے کہ

روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کثیر محنت پر تنبیہ بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہو جائے گا، آنکھیں رات بھر جاگنے سے پتھرا جائیں گی، بدن کا بھی حق ہے، اہل و عیال کا بھی حق ہے، آنے جانے والوں کا بھی حق ہے۔ کہتے ہیں میرا معمول تھا کہ روزانہ ایک ختم کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینے میں ایک قرآن پڑھا کرو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اپنی قوت اور جوانی سے مستفیع ہونے کی اجازت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا بیس روز میں ایک ختم کر لیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہت کم ہے۔ مجھے اپنی جوانی اور قوت سے مستفیع ہونے کی اجازت دیجئے۔ غرض اسی طرح عرض کرتا رہا۔ اخیر میں تین دن میں ایک ختم کی اجازت ہوئی۔ ان کا معمول تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو تحریر کیا کرتے تھے تاکہ یاد رہیں، چنانچہ ان کے پاس ایک مجموعہ حضور ﷺ کی احادیث کا لکھا ہوا تھا جس کا نام انہوں نے ”صادقہ“ رکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ سے جو سنتا اس کو لکھ لیا کرتا تاکہ یاد رہے۔ مجھے لوگوں نے منع کیا کہ حضور ﷺ بہر حال آدمی ہیں، کبھی غصہ اور ناراضی میں کسی کو کچھ فرماتے ہیں، کبھی خوشی اور مزاح میں کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہر بات نہ لکھا کرو۔ میں نے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے میں نے اس کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔

ف: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ باوجود اس قدر زاہد عابد ہونے کے کہ کثرت عبادت میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں۔ بجز عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کہ وہ لکھتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت زیادہ ہیں، اگرچہ ہمارے زمانے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات ان سے کہیں زیادہ ملتی ہیں جس کی بہت سی وجوہ ہیں، لیکن اس زمانہ میں اتنی عبادت پر بھی کثرت سے ان کی احادیث موجود تھیں۔

(۱۸) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حفظ قرآن

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں جو اپنے زمانے میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے، بالخصوص فرائض کے ماہر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ، قضا، فرائض، قرأت میں ان کا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت کم عمر بچے تھے۔ گیارہ برس کی عمر تھی، اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں، یعنی بدروغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی۔ ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ جب ہجرت کے لئے مدینہ منورہ پہنچے تو جیسے اور لوگ حاضر خدمت ہو رہے تھے اور حصول برکت کے واسطے بچوں کو بھی ساتھ لارہے تھے، زید رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر کئے گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلہ نجار کا ایک لڑکا ہے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی اس نے سترہ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کر لیں۔ حضور ﷺ نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے سورہ ق حضور ﷺ کو سنائی۔ حضور ﷺ کو میرا پڑھنا پسند آیا۔ حضور اقدس ﷺ کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے وہ یہود ہی لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط و کتابت ہوتی ہے اس پر مجھ کو اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کر دیتے ہوں۔ تو یہود کی زبان سیکھ لے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صرف پندرہ دن میں ان کی زبان عبرانی میں کامل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو تحریر ان کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سریانی زبان میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں اس لئے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔^۱

۱۔ ملک شام کی ایک قدیم زبان، ۲۔ فتح، اصابہ

(۱۹) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سید السادات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳۰ھ میں ہے، اس اعتبار سے حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی۔ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جاسکتا ہو، لیکن اس کے باوجود حدیث کی کئی روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں۔ ابوالخوراء رحمہ اللہ علیہ ایک شخص ہیں، انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں حضور ﷺ کی کوئی بات یاد ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ حضور اقدس ﷺ نے کچ (کچ) فرمایا اور میرے منہ سے نکال دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضور ﷺ سے سمجھی ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کے لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعائیں بتائی تھیں:

”اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَدُلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا! وَتَعَالَيْتَ“

ترجمہ: اے اللہ! تو مجھے ہدایت فرما منجملہ ان کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرما ان لوگوں کے ذیل میں جن کو تو نے عافیت بخشی اور تو میرے کاموں کا مُتَوَلّی بن جا، جہاں اور بہت سے لوگوں کا مُتَوَلّی ہے اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ تو نے مقدّر فرمایا ہے اس کی برائی سے مجھے بچا کہ تو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہے۔ تیرے خلاف کوئی شخص کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور جس کا تو والی ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا۔ تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے وہ جہنم کی آگ سے نجات پائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کئی حج پیدل کئے اور ارشاد فرماتے تھے کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں۔ نہایت حلیم مزاج تھے اور پرہیزگار۔ مسند احمد میں متعدد روایات ان سے نقل کی گئی ہیں اور صاحب تلیقح نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا ذکر کیا ہے جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ اس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے۔

(۲۰) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سید السادات حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے، اس لئے ان کی عمر حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی۔ چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے، لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت اس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو پھر وہ عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھے تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہنچے گا جتنا کہ مصیبت کے وقت پہنچا تھا۔ یہ بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت ”بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِمَهَا وَ مَرُسَهَا إِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“ ۵ (ہود: ۴۱) پڑھے تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پیدل کئے ہیں، نماز اور روزہ کی بھی بہت کثرت فرماتے تھے اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کی کوئی بات آپ کو یاد ہے؟ انہوں

نے فرمایا: ہاں! میں ایک کھڑکی پر چڑھا جس میں کھجوریں رکھی تھیں۔ اس میں سے ایک کھجور میں نے منہ میں رکھ لی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو، ہم کو صدقہ جائز نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔

ف: اس قسم کے واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضور ﷺ سے نقل کئے اور یاد رکھے۔ محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جن کی عمر حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں بھولوں گا کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے یہاں ایک کنواں تھا، اس کے پانی سے ایک کلی میرے منہ پر کی۔ ہم لوگ بچوں کو واہی تباہی فضول باتوں میں لگاتے ہیں، جھوٹے جھوٹے قصے ان کو سنا کر لغویات میں دماغ کو پریشان کرتے ہیں۔ اگر اللہ والوں کے قصے تلاش کر کے ان کو سنائے جائیں اور بجائے جن بھوت سے ڈرانے کے اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ کی ناراضی کی اہمیت اور ہیبت دل میں پیدا کریں تو دنیا میں بھی ان کے کارآمد ہو اور آخرت میں تو مفید ہے ہی، بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا۔ ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرادیا جائے تو نہ کوئی دقت ہو، نہ وقت خرچ ہو۔

میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے بھی بارہا سنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کا جب دودھ چھڑایا گیا ہے تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادا صاحب سے مخفی فارسی کا بھی معتد بہ حصہ بوستان، سکندر نامہ وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میرے والد صاحب نے قرآن شریف ختم ہونے کے بعد یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ ایک قرآن شریف روزانہ پڑھ لیا کرو، باقی تمام دن چھٹی۔ میں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز کے بعد مکان کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا اور چھ سات گھنٹہ میں قرآن شریف پورا کر کے

دو پہر کو روٹی کھاتا تھا اور شام کو اپنی خوشی سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔ چھ ماہ تک مسلسل یہی معمول رہا، چھ ماہ تک روزانہ ایک کلام مجید پڑھنا، پھر اس کے ساتھ ہی دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں۔ اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ قرآن شریف میں متشابہ لگنا یا بھولنا جانتے ہی نہ تھے۔ چونکہ ظاہری معاش کتابوں کی تجارت پر تھی اور کتب خانہ کا اکثر کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، اس لئے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہاتھ سے کام کرتے وقت زبان سے تلاوت نہ فرماتے رہتے ہوں اور کبھی کبھی اسی کے ساتھ ہم لوگوں کو جو مدرسہ سے الگ پڑھتے تھے اسباق بھی پڑھا دیا کرتے تھے، اس طرح تین کام ایک وقت میں کر لیا کرتے تھے۔ مگر ان کا طریقہ تعلیم ہم لوگوں کے ساتھ وہ نہیں تھا جو مدرسہ کے اسباق کا تھا اور عام مدارس کا مروجہ طریقہ ہے کہ سارا بوجھ استاد ہی کے ذمہ رہے، بلکہ مخصوص طلبہ کے ساتھ یہ طریقہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھے، ترجمہ کرے، مطلب بیان کرے۔ اگر وہ مطلب صحیح ہوتا ہے، تو آگے چلو فرما دیتے اور غلط ہوتا تو اگر غلطی قابل تنبیہ ہوتی تو تنبیہ فرماتے اور بتانے کے قابل ہوتی تو بتا دیتے۔ یہ پرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے۔ اسی صدی کا واقعہ ہے، لہذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے قومی اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں۔

بارھواں باب

حضور اقدس ﷺ کیساتھ محبت کے واقعات

اگرچہ جتنے قصے اب تک نقل کئے گئے ہیں وہ سب ہی محبت کے کرشمے تھے کہ محبت ہی ان حضرات کی والہانہ زندگی کا سبب تھی جس کی وجہ سے نہ جان کی پرواہ تھی نہ زندگی کی تمنا، نہ مال کا خیال تھا نہ تکلیف کا خوف نہ موت سے ڈر۔ اس کے علاوہ محبت حکایت کی چیز بھی نہیں، وہ ایک کیفیت ہے جو الفاظ و عبارات سے بالاتر ہے۔ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ و ناموس کوئی چیز ہے نہ عزت و شرافت کوئی شے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے اور اپنے محبوب ﷺ کے وسیلہ سے اپنی اور اپنے پاک رسول ﷺ کی محبت عطا فرمائیں تو ہر

عبادت میں لذت ہے اور دین کی ہر تکلیف میں راحت۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اعلان اسلام اور تکلیف

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتیٰ الوسع مخفی رکھتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے، اخفاء کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس^{۳۹} تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے اول انکار فرمایا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجد کعبہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضور اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی دن اسلام لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عام طور سے عظمت و شرافت مسلم تھی اس قدر مارا کہ تمام چہرہ مبارک خون سے بھر گیا۔ ناک، کان سب لہولہان ہو گئے تھے، پیچانے نہ جاتے تھے، جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روند اور جونہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے۔ بنو تیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی، وہ وہاں سے اٹھا کر لائے، کسی کو بھی اس میں تردد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وحشیانہ حملے سے زندہ نہ بچ سکیں گے۔ بنو تیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہوگئی تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے۔ عتبہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار کیا تھا۔ شام تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بیہوشی رہی۔ باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلے لفظ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے اس پر

بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور ﷺ ہی کا جذبہ اور ان ہی کی لے۔ لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ کی والدہ اُمّ خیر سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لئے کسی چیز کا انتظام کر دیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے، حضور ﷺ پر کیا گزری۔ ان کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہیں کہ کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُمّ جمیل (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن) کے پاس جا کر دریافت کر لو کہ کیا حال ہے۔ وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بے تابانہ درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُمّ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور محمد ﷺ کا حال دریافت کیا۔ وہ بھی عام دستور کے موافق اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ فرمانے لگیں میں کیا جانوں کون محمد ﷺ اور کون ابوبکر، تیرے بیٹے کی حالت سن کر رنج ہوا اگر تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں۔ ام خیر نے قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کر سکیں، بے تحاشا رونا شروع کر دیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کئے کی سزا دے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ اُمّ جمیل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو، تو ام جمیل رضی اللہ عنہ نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا جب تک حضور ﷺ کی زیارت نہ کر لوں۔ ان کی والدہ کو تو بے قراری تھی کہ وہ کچھ کھالیں اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کر لوں کچھ نہ کھاؤں گا، اس لئے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے۔ مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گزر گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر

حضور ﷺ کی خدمت میں از قم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ سے لپٹ گئے۔ حضور اقدس ﷺ بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں۔ آپ ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اول دعا فرمائی۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی، وہ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

ف: عیش و عشرت، نشاط و فرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں۔ محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے وصال پر رنج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی اس ضرب المثل قوت، شجاعت، دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شہرہ آفاق ہے اور باوجودیکہ اسلام کا ظہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اخفا گوارا نہ ہوا۔ حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہے کہ اپنی اس بہادری کے باوجود حضور اقدس ﷺ کے وصال کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے۔ سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو گیا ہے تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور اقدس ﷺ تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے۔ عنقریب حضور ﷺ واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضور ﷺ کے انتقال کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل گم سم تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں نکلی، چلتے پھرتے تھے مگر بولا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی۔ صرف ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دم تھا کہ اس وقت کے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا اور اپنی اس محبت کے باوجود جو پہلے

قصہ میں گزری۔ اس وقت نہایت سکون سے تشریف لا کر اول حضور اقدس ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس کے بعد خطبہ پڑھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد کی پرستش کرتا ہو وہ جان لے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا، لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد کلام پاک کی آیت ”وَمَا مَحْمُودٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط“ (آل عمران: ۱۴۴) اخیر تک تلاوت فرمائی۔ ترجمہ: محمد (ﷺ) نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھو دے گا) اور خدا تعالیٰ شانہ جلد ہی جزا دے گا حق شناس لوگوں کو۔

ف: چونکہ اللہ جل شانہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خلافت کا اہم کام لینا تھا اس لئے ان کی شایان شان اس وقت یہی حالت تھی۔ اسی وجہ سے اس وقت جس قدر استقلال اور تحمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھا کسی میں بھی نہ تھا اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دین و میراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے مجموعی طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے دین میں اختلاف ہوا کہ مکہ مکرمہ میں دین کیا جائے یا مدینہ منورہ میں یا بیت المقدس میں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہو۔ لہذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اسی جگہ قبر کھودی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مٹولی بنے اور وہ لا پرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قریش اس امر یعنی سلطنت کے مٹولی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۳) ایک عورت کا حضور ﷺ کی خبر کیلئے بے قرار ہونا

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی بہت پہنچی اور شہید بھی بہت ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں یہ وحشت اثر خبر پہنچی تو عورتیں پریشان ہو کر تحقیقِ حال کے لئے گھر سے نکل پڑیں۔ ایک انصاری عورت نے مجمع کو دیکھا تو بے تابانہ پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہو گیا، انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور پھر بے قراری سے حضور ﷺ کی خیریت دریافت کی۔ اتنے میں کسی نے خاوند کے انتقال کی خبر سنائی اور کسی نے بیٹے کی اور کسی نے بھائی کی کہ یہ سب ہی شہید ہو گئے تھے۔ مگر انہوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں، تشریف لارہے ہیں۔ اس سے اطمینان نہ ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے بتادو، کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ کر کے بتایا کہ اس مجمع میں ہیں۔ یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں کو حضور ﷺ کی زیارت سے ٹھنڈا کر کے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی زیارت ہو جانے کے بعد ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ زندہ و سلامت ہیں تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں ہے!

ف: اس قسم کے متعدد قصے اس موقع پر پیش آئے ہیں، اسی وجہ سے مؤرخین میں ناموں میں اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نوع کا واقعہ کئی عورتوں کو پیش آیا ہے۔

(۴) حَدِیبِیہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کا

فعل اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

حَدِیبِیہ کی مشہور لڑائی ذیقعدہ ۶ھ میں ہوئی جب کہ حضور اقدس ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لارہے تھے۔ کفارِ مکہ کو جب اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ آنے سے روکا

جائے۔ اس کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کی اور مکہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی اور بڑے مجمع کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی۔ ذوالحلیفہ سے حضور اقدس ﷺ نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجا جو مکہ سے حالات کی تحقیق کر کے ”عُصفان“ پر حضور ﷺ سے ملے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مکہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کر رکھی ہے اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے، جب وہ خبر سنیں گے تو مکہ سے واپس آ جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں، لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں، اس لئے آگے بڑھے چلیں اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے، ورنہ نہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے۔ حدیبیہ میں پہنچ کر بدیل بن ورقا خزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ کفار آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، وہ تو لڑائی پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اور قریش کو روزمرہ کی لڑائی نے بہت نقصان پہنچا رکھا ہے، بالکل ہلاک کر دیا ہے، اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مصالحت کرنے کو تیار ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے کہ مجھ سے تعرض نہ کریں، میں ان سے تعرض نہ کروں، مجھے اوروں سے نمٹنے دیں۔ اور اگر وہ کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک ان سے لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جدا ہو جائے۔ بدیل نے عرض کیا: اچھا! میں آپ کا پیام ان تک پہنچائے دیتا ہوں۔ وہ لوٹے اور جا کر پیام پہنچایا مگر کفار راضی نہ ہوئے۔ اسی طرح طرفین سے آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا جن میں ایک مرتبہ عروہ بن مسعود ثقفی

کفار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بدیل سے کی تھی۔ عروہ نے عرض کیا: اے محمد! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا۔ یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس کھڑے ہوئے تھے، یہ جملہ سن کر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا کہ تو اپنے معبود ”لات“ کی پیشاب گاہ کو چاٹ۔ کیا ہم حضور ﷺ سے بھاگ جائیں گے اور آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور ﷺ سے بات میں مشغول ہو گئے اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی۔ عروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو۔ عروہ نے پوچھا: کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مغیرہ۔ عروہ نے کہا: اوفدار! تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں اور تیرا یہ برتاؤ؟ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض وہ طویل گفتگو حضور ﷺ سے کرتے رہے اور نظریں بچا بچا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے، چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا: اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے کسی

بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پر پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمد کے منہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ان کے وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں، زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے۔ ان کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے، ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے۔ اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرگاً اٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں۔ غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

اسی دوران میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ نہ تھا، اس لئے ان کو تجویز فرمایا تھا۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشک ہوا کہ عثمان تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا: جہاں دل چاہے چلو پھرو، تم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور ﷺ کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو، تم طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں۔ قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فوراً چھوڑ دیا۔

ف: اس قصہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا مارنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار، ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے۔ یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے ”بیعت الشجرة“ کہلاتی ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح کی آیت ”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ“ (الفتح: ۱۸) میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ پوری آیت مع ترجمہ کے عنقریب خاتمہ میں آرہی ہے۔

(۵) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا خون پینا

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں، وہ گئے اور آ کر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کہاں؟ عرض کیا: میں نے پی لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی، مگر تیرے لئے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔

ف: حضور ﷺ کے فضلات پاخانہ، پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کہ ”ہلاکت ہے“۔ علماء نے لکھا ہے کہ سلطنت اور امارت کی طرف اشارہ ہے کہ امارت ہوگی اور لوگ اس میں مزاحم ہوں گے، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب پیدا ہوئے تھے اس وقت بھی حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہا ایک مینڈھا ہے بھڑیوں کے درمیان، ایسے بھڑیے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے، چنانچہ یزید اور عبدالملک دونوں کے ساتھ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مشہور لڑائی ہوئی اور آخر شہید ہوئے۔

(۶) حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا خون پینا

اُحد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے

گھس گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی۔ دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

(۷) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو انکار

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے، بنو قیس نے قافلہ کو لوٹا جس میں زید رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کو مکہ کے بازار میں لا کر بیچا۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے ان کو خرید لیا۔ جب حضور ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے والد کو ان کے فراق کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہئے تھا کہ اولاد کی محبت فطری چیز ہے۔ وہ زید رضی اللہ عنہ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں زید کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے تاکہ اس کی امید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید! نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا۔ کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں۔ ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اس کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے! میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا۔ میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام

میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اکتاؤں گا۔ اونٹ چلنے سے اکتا جائیں تو اکتا جائیں لیکن میں کبھی بھی نہیں اکتاؤں گا، اپنی ساری زندگی اسی میں گزار دوں گا۔ ہاں! میری موت ہی آگئی تو خیر کہ موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے۔ آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگا دیں، مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈتے رہیں۔

غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو پہچانا، باپ کا حال سنایا، شعر سنائے، ان کی یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکہ میں ہوں، خیریت سے ہوں، تم غم اور صدمہ نہ کرو۔ میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔ ان لوگوں نے جا کر زید رضی اللہ عنہ کی خیر و خبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زید رضی اللہ عنہ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچے، تحقیق کی، پتہ چلایا، حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے، عرض کیا: اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی۔ تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو۔ ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں، ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو، بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: زید کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بس اتنی سی بات ہے۔ عرض کیا کہ حضور! بس یہی غرض ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بلا لو اور اس سے پوچھ لو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کہ وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کر سکتا جو خود نہ جانا چاہے۔ انہوں نے عرض کیا: آپ نے استحقاق سے بھی زیادہ احسان فرمایا۔ یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! پہچانتا ہوں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں۔ آپ میرے لئے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو؟ زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! میں نے ان میں (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے، بچپن کی حالت میں سارے گھر کو، عزیز واقارب کو غلامی پر قربان کر دینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

(۸) حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا عمل اُحد کی لڑائی میں

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اڑادی کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے، اس وحشت ناک خبر سے جو اثر صحابہ پر ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے، اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ چلے جا رہے تھے کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آ رہے ہیں؟ ان حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر حضور ﷺ کے بعد تم ہی زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مرجاؤ، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جھگڑے میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہوئے۔

ف: ان کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لئے جینا تھا جب وہ ہی نہیں

رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے، چنانچہ اسی میں اپنی جان نثار کر دی۔

(۹) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا پیام اُحد میں

اسی اُحد کی لڑائی میں حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سعد بن ربیع کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گذری۔ ایک صحابی کو تلاش کے لئے بھیجا۔ وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید زندہ ہوں۔ پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیع کی خبر لاؤں تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی۔ یہ اس طرف بڑھے، جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے۔ جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کو میرا سلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور ﷺ تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جان بحق ہو گئے۔

ف: ”فَجَزَاهُ اللَّهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَاجَزَى صَحَابِيًّا عَنْ أُمَّةٍ نَبِيٍّ“ درحقیقت ان جان نثاروں نے (اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جان نثاری کا پورا ثبوت دے دیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں، دم توڑ رہے ہیں مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شکوہ، کوئی گھبراہٹ، کوئی پریشانی لاحق ہو جائے۔ ولولہ ہے تو حضور ﷺ کی حفاظت کا، حضور ﷺ پر جاں نثاری کا، حضور ﷺ پر قربانی کا۔ کاش! مجھ سے نا اہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہو جاتا۔

(۱۰) حضور ﷺ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت

حضرت عائشہ صدیقہ فخریہؓ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرا دو۔ حضرت عائشہؓ نے حجرہ

شریفہ کھولا۔ انہوں نے زیارت کی اور زیارت کر کے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرما گئیں رضی اللہ عنہا وارضاہا۔^۱

ف: کیا اس عشق کی نظیر بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب نہ لاسکیں اور وہیں جان دے دی۔

(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کے متفرق قصے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور اقدس ﷺ سے کتنی محبت تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم! حضور ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔^۲

ف: سچ فرمایا درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ وہ حضرات کامل الایمان تھے اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

”قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ“ (التوبہ: ۲۴)

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب چیزیں تم کو اللہ سے اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علماء کا ارشاد ہے کہ ان احادیث میں محبت سے محبت اختیاری مراد ہے، غیر اختیاری یعنی طبعی اضطراری مراد نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر محبت طبعی مراد ہو تو پھر ایمان سے مراد کمال درجہ کا ایمان ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے: ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ان کے ماسوا سب سے زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس کسی سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے۔ تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اس کو ایسا ہی گراں اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مؤمن اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلَا نَیَا عُمَرُو (اس وقت اے عمر!) علماء نے اس ارشاد کے دو مطلب بتائے ہیں: ایک یہ کہ اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ تنبیہ ہے کہ اس وقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمہیں اپنے نفس سے زیادہ محبوب ہوں، حالانکہ یہ بات اول ہی سے ہونا چاہئے تھی۔ شہیل سُتُری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں حضور ﷺ کو اپنا والی نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی ملک میں سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے انتظار ہے؟ انہوں نے عرض

کیا: یا رسول اللہ! میں نے بہت سی نمازیں اور روزے اور صدقے تو تیار کر نہیں رکھے ہیں، البتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے کئی صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں عبداللہ بن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، صفوان، ابوذر رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ حضرات ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس قدر خوشی اس ارشاد مبارک سے ہوئی ہے کسی چیز سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی اور ظاہر بات ہے ہونا بھی چاہئے تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو ان کے رگ و پے میں تھی، پھر ان کو کیوں نہ خوشی ہوتی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا دور تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا، تمہارا مکان تو قریب ہی ہو جاتا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حارثہ رضی اللہ عنہ کا مکان آپ کے قریب ہے، ان سے فرماویں کہ میرے مکان سے بدل لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تبادلہ ہو چکا ہے، اب تو شرم آتی ہے۔ حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی، فوراً حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ فاطمہ کا مکان اپنے قریب چاہتے ہیں۔ یہ میرے مکانات موجود ہیں، ان سے زیادہ قریب کوئی مکان بھی نہیں، جو نسا پسند ہو بدل لیں۔ یا رسول اللہ! میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم! جو مال آپ لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس مال سے جو میرے پاس رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ کہتے ہو اور برکت کی دعادی اور مکان بدل لیا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کی محبت مجھے میری جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ ہے، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کا خیال آ جاتا ہے تو صبر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آ کر زیارت نہ کر لوں۔ مجھے یہ فکر ہے کہ موت تو آپ کو بھی اور مجھے بھی ضرور آنی ہی ہے، اس کے بعد آپ تو انبیاء علیہم السلام کے درجہ پر چلے جائیں گے تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ پھر میں آپ کو نہیں دیکھ

سکوں گا۔ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت سنائی:

”وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝“ (النساء: ۶۹)

ترجمہ: ”جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی جنت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رفاقت محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ہر ایک کے عمل کو۔“

اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئے اور آنا ضروری تھے۔ عشق است و ہزار بدگمانی۔ حضور ﷺ نے جواب میں یہی آیت سنائی، چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آپ سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آ جاتا ہے اگر اس وقت میں آ کر زیارت نہ کر لوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے، مگر مجھے یہ خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہو گیا تب بھی آپ سے تو نیچے درجہ میں ہوں گا، مجھے تو جنت میں بھی آپ کی زیارت کے بغیر بڑی مشقت ہوگی، آپ ﷺ نے یہی آیت سنائی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور نہایت غمگین تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک سوچ میں ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا سوچ ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم صبح و شام حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ آپ کی زیارت سے محظوظ ہوتے ہیں آپ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں۔ کل کو آپ تو انبیاء علیہم السلام کے درجے پر پہنچ جائیں گے۔ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ نے سکوت فرمایا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ان انصاری کو بھی بلایا اور ان کو اس کی بشارت دی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے صحابہ نے یہ اشکال

کیا۔ حضور ﷺ نے یہ آیت ان کو سنائی۔ ایک حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنت میں اس کے درجہ اونچے ہوں گے تو پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجہ والے نیچے کے درجہ والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے بات چیت کریں گے!

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے بہت محبت کرنے والے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش! اپنے اہل و عیال اور مال کے بدلے میں وہ مجھے دیکھ لیتے۔ خالد رضی اللہ عنہ کی بیٹی عبدہ کہتی ہیں کہ میرے والد جب بھی سونے لیٹتے تو اتنے آنکھ نہ لگتی اور جاگتے رہتے، حضور ﷺ کی یاد اور شوق و اشتیاق میں لگے رہتے اور مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لے کر یاد کرتے رہتے اور یہ کہتے کہ یہی میرے اصول و فروع ہیں (یعنی بڑے اور چھوٹے) اور ان کی طرف میرا دل کھنچا جا رہا ہے، یا اللہ! مجھے جلد ہی موت دیدے کہ ان لوگوں سے جا کر ملوں اور یہی کہتے کہتے سو جاتے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بہ نسبت آپ کے چچا ابوطالب کے مسلمان ہو جانے کی زیادہ تمنا ہے، اس لئے کہ اس سے آپ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ کے اسلام لانے کی مجھے زیادہ خوشی ہے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے، اس لئے کہ آپ کا اسلام حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو حفاظتی گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر میں سے چراغ کی روشنی محسوس ہوئی اور ایک بڑھیا کی آواز کان میں پڑی جو اون کو دھنکتی ہوئی اشعار پڑھ رہی تھی جن کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد ﷺ پر نیکیوں کا درود پہنچے اور پاک صاف لوگوں کی طرف سے جو برگزیدہ ہوں ان کا درود پہنچے۔ بیشک یا رسول اللہ! آپ راتوں کو عبادت کرنے والے تھے اور اخیر راتوں کو رونے والے تھے۔ کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں اور میرا محبوب کبھی اکٹھے ہو سکتے ہیں یا نہیں، اس لئے کہ موت مختلف حالتوں میں آتی ہے، نہ معلوم

میری موت کس حالت میں آئے اور حضور ﷺ سے مرنے کے بعد ملنا ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان اشعار کو سن کر رونے بیٹھ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے ہی کہ جب ان کے انتقال کا وقت ہوا تو ان کی بیوی جدائی پر رنجیدہ ہو کر کہنے لگی کہ ہائے افسوس! وہ کہنے لگے: سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے کہ کل کو محمد ﷺ کی زیارت کریں گے اور ان کے صحابہ سے ملیں گے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصہ باب ۵ کے قصہ نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ جب ان کو سولی دی جانے لگی تو ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیرے بجائے خدا نخواستہ حضور کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ اپنے دولت کدہ پر تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے کاٹنا چھ جائے اور میں اپنے گھر آرام سے رہ سکوں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد کی جماعت کو ان سے ہے۔

تنبیہ: علماء نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسویٰ پر ترجیح دیتا ہے، یہی معنی محبت کے ہیں، ورنہ محبت نہیں محض دعویٰ محبت ہے۔ پس حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اقتدا کرے، آپ ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرے اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی کرے، آپ ﷺ کے احکامات کی بجا آوری کرے اور آپ ﷺ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے پرہیز کرے۔ خوشی میں، رنج میں، تنگی میں، وسعت میں؛ ہر حال میں آپ ﷺ کے طریقے پر چلے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ط“ (آل عمران: ۳۱) ترجمہ: آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

خاتمہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برتاؤ اور ان کے اجمالی فضائل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ چند قصے نمونہ کے طور پر لکھے گئے ہیں، ورنہ ان کے حالات بڑی ضخیم کتابوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اردو میں بھی متعدد کتابیں اور رسالے اس مضمون کے ملتے ہیں، کئی مہینے ہوئے یہ رسالہ شروع کیا تھا، پھر مدرسہ کے مشاغل اور وقتی عوارض کی وجہ سے تعویق میں پڑ گیا۔ اس وقت ان اوراق پر خاتمہ کرتا ہوں کہ جتنے لکھے جا چکے ہیں وہ قابل انتفاع ہو جائیں۔ اخیر میں ایک ضروری امر پر تنبیہ بھی اشد ضروری ہے وہ یہ کہ اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے وہاں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حق شناسی اور ان کے ادب و احترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کی بنیاد ہیں۔ دین کے اول پھیلانے والے ہیں۔ ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآء نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا، اس لئے اس خاتمہ میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ”شفا“ کی ایک فصل کا مختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے درج کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کے حق کو پہچاننا اور ان کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلاف میں لب کشائی نہ کرنا اور مؤرخین اور شیعہ اور بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرنا جو ان حضرات کی شان میں نقص پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل کرے اور کوئی اچھا محمل تجویز کرے کہ وہ

اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے، بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کیا کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر (یعنی برا ذکر) ہو تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ط وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ س وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ س كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا“ (الف: ۲۹)

ترجمہ: ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں، کبھی سجدہ کرنے والے ہیں، اور اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی عبدیت کے آثار بوجہ تاثیر ان کے سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں۔ اور انجیل میں ان کی یہ مثال ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اول اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوئی)، پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اول ضعف تھا، پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس لئے یہ نشوونما دیا) تاکہ ان سے کافروں کو حسد میں جلاوے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔“

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ تورات پر آیت ہو اور آیت کے فرق سے ترجمہ میں بھی

فرق ہو جائے گا جو تفاسیر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی سورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝“ (الفتح: ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: ”تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپ ﷺ کے ہم سفر ہیں) خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عزم) تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی (مراد اس سے فتح خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔“

یہ ہی وہ بیعت ہے جس کو بیعت الشجرہ کہا جاتا ہے۔ اخیر باب کے قصہ نمبر ۴ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝ (الاحزاب: ۲۳)

ترجمہ: ”ان مومنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے، پھر ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (یعنی شہید ہو چکے) اور بعض ان میں اس کے مشتاق و منتظر ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔“

ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (التوبة: ۱۰۰)

ترجمہ: ”اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔“

ان آیات میں اللہ جلّ جلالہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف اور ان سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے، اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتدا کیا کرو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ پر اس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے، مگر ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو۔ (کیونکہ فضائل میں معمولی ضعف کی روایتیں ذکر کردی جاتی ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے، جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مُد یا آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت، نہ

اس کا فرض قبول ہے نہ نفل۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے: ابو بکر، عمر، عثمان، علی؛ ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق، سنت کا مخالف ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو۔ یہاں تک کہ اُن سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابو بکر سے خوش ہوں، تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو۔ میں عمر سے، عثمان سے، علی سے، طلحہ سے، زبیر سے، سعد سے، سعید سے، عبدالرحمن بن عوف سے، ابو عبیدہ سے، خوش ہوں، تم لوگ ان کا مرتبہ پہچانو۔ اے لوگو! اللہ جل شانہ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حدیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرمادی۔ تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو، جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ تعالیٰ شانہ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت میں آجائے۔ حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا محافظ ہوں گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری

رعایت رکھے گا وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوض تک نہیں پہنچ سکے گا اور مجھے دور ہی سے دیکھے گا۔ سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور ﷺ کے صحابہ کی تعظیم نہ کرے وہ حضور ﷺ ہی پر ایمان نہیں لایا۔ اللہ جلّ ثناؤ، اپنے لطف و فضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامذہ کو اور سب مومنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔

اٰمِيْنُ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِلَّا تَمَانٍ اِلَّا كَمَلَانٍ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلٰى اَتْبَاعِهِ وَاَتْبَاعِهِمْ حَمَلَةً
الدِّيْنِ الْمَتِيْنِ . تَمَّتْ

زکریا عفی عنہ کا ندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
۱۲ شوال ۱۳۵۷ھ دوشنبہ

فضائل قرآن مجید

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ الرشیدیہ
کراچی - پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَأَنْزَلَ لَهُ الْقُرْآنَ وَجَعَلَهُ مَوْعِظَةً وَشِفَاءً وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّذَوِي الْإِيمَانِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا وَأَنْزَلَهُ قَيِّمًا حُجَّةً نُّورًا لِّذَوِي الْإِيقَانِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِلَّا تَمَّانِ الْاَكْمَلَانِ عَلَى خَيْرِ الْخَلَائِقِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجَانِ الَّذِي نَوَّرَ الْقُلُوبَ وَالْقُبُورَ نُورَهُ، وَرَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ظُهُورُهُ، وَعَلَى إِلِهِ وَصَحْبِهِ الَّذِينَ هُمْ نُجُومُ الْهُدَايَةِ وَنَاشِرُوا الْفُرْقَانِ، وَعَلَى مَنْ تَبِعَهُمْ بِالْإِيمَانِ، وَبَعْدُ فَيَقُولُ الْمُفْتَقِرُ إِلَى رَحْمَةِ رَبِّهِ الْجَلِيلِ، عَبْدُهُ الْمَدْعُوُّ بِزَكَرِيَّا بْنِ يَحْيَى بْنِ إِسْمَاعِيلَ: هَذِهِ الْعُجَالَةُ أَرْبَعُونَ فِي فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، أَلْفَتْهَا مُمْتَلًا لِأَمْرِ مَنْ إِشَارَتُهُ حُكْمٌ وَطَاعَتُهُ غَنَمٌ.

تمام تعریف اس پاک ذات کے لئے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو وضاحت سکھائی اور اس کے لئے وہ قرآن پاک نازل فرمایا جس کو نصیحت اور شفا اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے بنایا جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کسی قسم کی کجی، بلکہ وہ بالکل مستقیم ہے اور حجت و نور ہے یقین والوں کے لئے، اور کامل و مکمل درود و سلام اس بہترین خلایق پر ہو جو، جس کے نور نے زندگی میں دلوں کو اور مرنے کے بعد قبروں کو منور فرما دیا اور جس کا ظہور تمام عالم کیلئے رحمت ہے اور آپ ﷺ کی اولاد اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور کلام پاک کے پھیلانے والے، نیز ان مومنین پر بھی جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے لگنے والے ہیں۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ کی رحمت کا محتاج بندہ زکریا بن یحییٰ بن اسمعیل عرض کرتا ہے کہ یہ جلدی میں لکھے ہوئے چند اوراق ”فضائل قرآن“ میں ایک چہل حدیث ہے جس کو میں نے ایسے حضرات کے امتثال حکم میں جمع کیا ہے جن کا اشارہ بھی حکم ہے اور ان کی اطاعت ہر طرح مغتسم ہے۔

حق سبحانہ و تقدس کے ان انعاماتِ خاصہ میں سے جو (مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور) کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہے۔ مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہے جو ہر سال مدرسہ کے اجمالی حالات سننے کے لئے منعقد ہوتا ہے۔ مدرسے کے اس جلسہ میں مقررین، واعظین اور مشاہیر اہل ہند کے جمع کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا کہ اللہ والے، قلوب والے، گمنامی میں رہنے والے مشائخ کے اجتماع کی سعی کی جاتی ہے۔ وہ زمانہ اگرچہ کچھ دور ہو گیا ہے جب کہ حُجَّۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور قُطُب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری حاضرین جلسہ کے قلوب کو منور فرمایا کرتی تھی، مگر وہ منظر ابھی آنکھوں سے زیادہ دور نہیں ہوا جب کہ ان مجددین اسلام اور شمسِ ہدایت کے جانشین حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مجتمع ہو کر مردہ قلوب کے لئے زندگی و نورانیت کے لئے چشمے جاری فرمایا کرتے تھے اور عشق کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے۔ دورِ حاضر میں مدرسے کا جلسہ اُن بدورِ ہدایت سے بھی گو محروم ہو گیا، مگر ان کے سچے جانشین حُضَرِ جلسہ کو اب بھی اپنے فیوض و برکات سے مالا مال فرماتے ہیں۔ جو لوگ اِمسال جلسے میں شریک رہے ہیں وہ اس کے لئے شاہدِ عدل ہیں، آنکھوں والے برکات دیکھتے ہیں، لیکن ہم سے بے بصر بھی اتنا ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کوئی بات ضرور ہے۔

مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں اگر کوئی شخص شستہ تقاریر، زوردار لیکچروں کا طالب بن کر آئے تو شاید وہ اتنا مسرور نہ جائے جس قدر کہ دوائے دل کا طالب کا مگار و فیض یاب جائے گا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔

اسی سلسلہ میں سالِ رواں ۱۴۲۷ھ ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ کے جلسہ میں حضرت الشاہ حافظ محمد یسین صاحب نگینوی رحمہ اللہ علیہ نے قدم رنجہ فرما کر اس سیہ کار پر جس قدر شفقت و لطف کا مینہ برسایا، یہ ناکارہ اس کے تشکر سے بھی قاصر ہے۔ ممدوح کے متعلق یہ معلوم ہو جانے کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں پھر آپ کے اوصافِ جلیلہ: یک سوئی،

تقدس، مظہر انوار و برکات وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ جلسہ سے فراغت کے بعد ممدوح جب مکان واپس تشریف لے گئے تو گرامی نامہ، مکرمت نامہ، عزت نامہ سے مجھے اس کا حکم فرمایا کہ فضائل قرآن میں ایک چہل حدیث جمع کر کے اس کا ترجمہ خدمت میں پیش کروں اور نیز یہ کہ اگر ممدوح کے حکم سے میں نے انحراف کیا تو وہ میرے جانشین شیخ اور مثیل والد چچا جان مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے اس حکم کو مؤکد کرائیں گے اور بہر حال یہ خدمت ممدوح کو مجھ جیسے ناکارہ ہی سے لینا ہے۔ یہ افتخار نامہ اتفاقاً ایسی حالت میں پہنچا کہ میں سفر میں تھا اور میرے چچا جان یہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے میری واپسی پر یہ گرامی نامہ اپنے تاکید حکم کے ساتھ میرے حوالے فرمایا کہ جس کے بعد نہ مجھے کسی معذرت کی گنجائش رہی اور نہ اپنی عدم اہلیت کے پیش کرنے کا موقع رہا۔ میرے لئے شرح مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشغولیت بھی ایک قوی عذر تھا، مگر ارشادات عالیہ کی اہمیت کی وجہ سے اس کو چند روز کے لئے ملتوی کر کے ماحضر خدمات عالیہ میں پیش کرتا ہوں اور ان لغزشوں سے جن کا وجود میری نااہلیت کے لئے لازم ہے معافی کا خواستگار ہوں۔

رَجَاءَ الْحَشْرِ فِي سِلْكَ مَنْ قَالَ فِيهِمْ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ حَفِظَ
عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا فِي أَمْرِ دِينِهَا
بَعَثَهُ اللَّهُ فَقِيهًا وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
شَافِعًا وَشَهِيدًا". قَالَ الْعَلْقَمِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ:
الْحِفْظُ ضَبْطُ الشَّيْءِ وَمَنْعُهُ مِنَ الضَّيَاعِ،
فَتَارَةٌ يَكُونُ حِفْظُ الْعِلْمِ بِالْقَلْبِ وَإِنْ
لَمْ يَكُتُبْ، وَتَارَةٌ فِي الْكِتَابِ وَإِنْ لَمْ
يَحْفَظْهُ بِقَلْبِهِ، فَلَوْ حَفِظَ فِي كِتَابٍ
ثُمَّ نَقَلَ إِلَى النَّاسِ دَخَلَ فِي وَعْدِ
الْحَدِيثِ. وَقَالَ الْمُنَاوِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: قَوْلُهُ مَنْ
حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَيْ نَقَلَ إِلَيْهِمْ

اس جماعت کے ساتھ حشر ہونے کی امید
میں جن کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد
ہے کہ جو شخص میری امت کے لئے ان کے
دینی امور میں چالیس حدیثیں محفوظ کرے
گا حق تعالیٰ شانہ اس کو قیامت میں عالم
اٹھائے گا اور میں اس کے لئے سفارشی اور
گواہ بنوں گا۔ علقمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ
محفوظ کرنا شے کے منضبط کرنے اور ضائع
ہونے سے حفاظت کا نام ہے، چاہے
بغیر لکھے بر زبان یاد کر لے یا لکھ کر محفوظ
کر لے اگرچہ یاد نہ ہو، پس اگر کوئی شخص
کتاب میں لکھ کر دوسروں تک پہنچا دے

بَطْرِيقِ التَّخْرِيجِ وَالْإِسْنَادِ، وَقِيلَ: مَعْنَى "حَفِظَهَا" أَنْ يَنْقُلَهَا إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ لَمْ يَحْفَظْهَا وَلَا عَرَفَ مَعْنَاهَا، وَقَوْلُهُ: أَرْبَعِينَ حَدِيثًا، صَحَاحًا أَوْ حَسَنًا، قِيلَ: أَوْ ضِعَافًا يُعْمَلُ بِهَا فِي الْفَضَائِلِ، فَلِلَّهِ دَرُ الْإِسْلَامِ مَا أَيْسَرُهُ، وَلِلَّهِ دَرُ أَهْلِهِ مَا أَجْوَدُ مَا اسْتَنْبَطُوا، رَزَقَنِي اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكُمْ كَمَالَ الْإِسْلَامِ، وَمِمَّا لَا بُدَّ مِنَ التَّنْبِيهِ عَلَيْهِ أَنِّي اعْتَمَدْتُ فِي التَّخْرِيجِ عَلَى الْمَشْكُوتِ وَتَخْرِيجِهِ وَشَرْحِهِ الْمَرْقَاةَ، وَشَرْحِ الْأَحْيَاءِ لِلْسَّيِّدِ مُحَمَّدٍ الْمُرْتَضَى، وَالتَّرْغِيبِ لِلْمُنْذِرِيِّ وَمَا عَزَوْتُ إِلَيْهَا لِكثْرَةِ الْأَخْذِ عَنْهَا، وَمَا أَخَذْتُ عَنْ غَيْرِهَا عَزْوَتُهُ إِلَى مَا أَخَذَهُ، وَيَنْبَغِي لِلْقَارِي مُرَاعَاةَ آدَابِ التَّلَاوَةِ عِنْدَ الْقِرَاءَةِ.

وہ بھی حدیث کی بشارت میں داخل ہوگا۔ مُنَاوِی رَحْمَتُہِ عَلَیْہِہ کہتے ہیں میری امت پر محفوظ کر لینے سے مراد ان کی طرف نقل کرنا ہے سَنَد کے حوالے کے ساتھ اور بعض نے کہا ہے کہ مسلمانوں تک پہنچانا ہے اگرچہ وہ برزبان یاد نہ ہوں، نہ ان کے معنی معلوم ہوں۔ اسی طرح چالیس حدیثیں بھی عام ہیں کہ سب صحیح ہوں یا حسن یا معمولی درجہ کی ضعیف جن پر فضائل میں عمل جائز ہو۔ اللہ اکبر! اسلام میں بھی کیا کیا سہولتیں ہیں اور تعجب کی بات ہے کہ علماء نے بھی کس قدر باریکیاں نکالی ہیں، حق تعالیٰ شانہ کمال اسلام مجھے بھی نصیب فرماویں اور تمہیں بھی۔ اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لَایْذِی ہے، وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوٰۃ، تنقیح الرواۃ، مرقاۃ اور احیاء العلوم کی شرح اور مُنْذِرِی رَحْمَتُہِ عَلَیْہِہ کی ترغیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے لیا ہے، اس لئے ان کے حوالے کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ ان کے علاوہ کہیں سے لیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا، نیز قاری کے لئے تلاوت کے وقت اس کے آداب کی رعایت بھی ضروری ہے۔

مقصود سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید پڑھنے کے کچھ آداب بھی لکھ دیئے

جائیں کہ

ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب

مختصر طور پر آداب کا خلاصہ یہ ہے، کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے، محبوب و مطلوب کے فرمودہ الفاظ ہیں۔

جن لوگوں کو محبت سے کچھ واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ معشوق کے خط کی، محبوب کی تقریر و تحریر کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وقعت ہوتی ہے، اس کے ساتھ جو شیفتگی و فریفتگی کا معاملہ ہوتا ہے اور ہونا چاہئے وہ قواعد و ضوابط سے بالاتر ہے

ع

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

اس وقت اگر جمال حقیقی اور انعامات غیر متناہی کا تصور ہو تو محبت موج زن ہوگی، اس کے ساتھ ہی وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے، سلطان السلاطین کا فرمان ہے، اس سطوت و جبروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسری نہ کسی بڑے سے بڑے سے ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کو سلاطین کے دربار سے کچھ واسطہ پڑ چکا ہے وہ تجربے سے اور جن کو سابقہ نہیں پڑا وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطانی فرمان کی ہیبت قلوب پر کیا ہو سکتی ہے۔ کلام الہی محبوب و حاکم کا کلام ہے، اس لئے دونوں آداب کا مجموعہ اس کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ علیہ جب کلام پاک پڑھنے کے لئے کھولا کرتے تھے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا ”هَذَا كَلَامُ رَبِّي، هَذَا كَلَامُ رَبِّي“ (یہ میرے رب کا کلام ہے یہ میرے رب کا کلام ہے) یہ ان آداب کا اجمال ہے اور ان تفصیلات کا اختصار ہے جو مشائخ رحمہم اللہ نے آداب تلاوت میں لکھے ہیں جن کی کسی قدر توضیح بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ بندہ نوکر بن کر نہیں، چاکر بن کر نہیں، بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک، محسن و مُنعم کا کلام پڑھے، صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے کو قراءت کے آداب سے قاصر سمجھتا رہے گا وہ قرب کے مراتب میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا و عجب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ ترقی سے دور ہوگا۔

آداب

مسواک اور وضو کے بعد کسی یک سوئی کی جگہ میں نہایت وقار و تواضع کے ساتھ روبہ قبلہ بیٹھے اور نہایت ہی حضورِ قلب اور خشوع کے ساتھ اس لطف سے جو اس وقت کے مناسب ہے اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق سبحانہ و عزّاسمہ کو کلامِ پاک سنا رہا ہے۔ اگر وہ معنی سمجھتا ہے تو تدبر و تفکر کے ساتھ آیاتِ وعدہ رحمت پر دعائے مغفرت و رحمت مانگے اور آیاتِ عذاب و وعید پر اللہ سے پناہ چاہے کہ اس کے سوا کوئی بھی چارہ ساز نہیں۔ آیاتِ تنزیہ و تقدیس پر سُبْحَانَ اللہ کہے اور از خود تلاوت میں رونانہ آوے تو بتکلف روئے کی سعی کرے۔

وَالَّذِ حَالَاتِ الْغَرَامِ لِمُغْرِمٍ شِكْوَى الْهُوَى بِالْمُدْمَعِ الْمُهْرَاقِ

ترجمہ: کسی عاشق کے لئے سب سے زیادہ لذت کی حالت یہ ہے کہ محبوب سے اس کا گلہ ہو رہا ہو اس طرح کہ آنکھوں سے بارش ہو۔

پس اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے، کلامِ پاک کو رَحْل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے، تلاوت کے درمیان میں کسی سے کلام نہ کرے، اگر کوئی ضرورت پیش ہی آ جاوے تو کلامِ پاک بند کر کے بات کرے اور پھر اس کے بعد ”اَعُوْذُ“ پڑھ کر دوبارہ شروع کرے، اگر مجمع میں لوگ اپنے اپنے کاروباروں میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے، ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ مشائخ نے تلاوت کے چھ آداب ظاہری اور چھ باطنی ارشاد فرمائے ہیں۔

ظاہری آداب: اول: غایتِ احترام سے با وضو، روبہ قبلہ بیٹھے۔ دوم: پڑھنے میں جلدی نہ کرے، ترتیل و تجوید سے پڑھے۔ سوم: رونے کی سعی کرے، چاہے بتکلف ہی کیوں نہ ہو۔ چہارم: آیاتِ رحمت و آیاتِ عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ پنجم: اگر ریا کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی تکلیف و حرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے۔ ششم: خوش الحانی سے پڑھے کہ خوش الحانی سے کلامِ پاک پڑھنے کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

باطنی آداب: اول: کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔ دوم: حق سبحانہ و تقدس کی علو شان اور رفعت و کبریائی کو دل میں رکھے جس کا کلام ہے۔ سوم: دل کو وساوس و خطرات سے پاک رکھے۔ چہارم: معافی کا تدبر کرے اور لذت کیساتھ پڑھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک شب تمام رات اس آیت کو پڑھ کر گزار دی:

إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرما دے تو تو عزت و حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۶۴)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی:

وَأَمْتَاؤُا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ او مجرمو! آج قیامت کے دن فرماں برداروں سے الگ ہو جاؤ۔ (یس: ۵۹)

پنجم: جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کے تابع بناوے مثلاً اگر آیت رحمت زبان پر ہے، دل سرور محض بن جائے اور آیت عذاب اگر آگئی ہے تو دل لرز جائے۔ ششم: کانوں کو اس درجہ متوجہ بنادے کہ گویا خود حق سبحانہ و تقدس کلام فرما رہے ہیں اور یہ سن رہا ہے حق تعالیٰ شانہ، محض اپنے لطف و کرم سے مجھے بھی ان آداب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیے اور تمہیں بھی۔

مسئلہ: اتنے قرآن شریف کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہو جائے ہر شخص پر فرض ہے اور تمام کلام پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے، اگر کوئی بھی اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گناہ گار ہیں بلکہ زُرْکَشی رضی اللہ عنہ سے ملا علی قاری رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پاک پڑھنے والا نہ ہو تو سب گناہ گار ہیں۔ اس زمانہ ضلالت و جہالت میں جہاں ہم مسلمانوں میں اور بہت سے دینی امور میں گمراہی پھیل رہی ہے وہاں ایک عام آوازہ یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کے حفظ کرنے کو فضول سمجھا جا رہا ہے، اس کے الفاظ رٹنے کو حماقت بتلایا جاتا ہے، اس کے الفاظ یاد کرنے کو دماغ سوزی اور تَضْمِیْعِ اوقات کہا جاتا ہے، اگر ہماری بددینی کی یہی ایک دبا ہوتی تو اس پر کچھ تفصیل سے لکھا جاتا، مگر یہاں

ہر ادا مرض ہے اور ہر خیال باطل ہی کی طرف کھینچتا ہے۔ اس لئے کس کس چیز کو روئیے اور کس کس کا شکوہ کیجئے۔ **فَالِی اللّٰهِ الْمُشْتٰکِی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔**

(۱) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: **حَضَرْتُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ** سے حضور اقدس ﷺ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ (رواہ البخاری و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن

ماجہ، هذا فی الترغیب و عزاء الی مسلم ایضاً، اور سکھائے۔

لکن حکى الحافظ فى الفتح عن ابى العلاء ان مسلماً سکت عنه)

اکثر کتب میں یہ روایت ”واو“ کے ساتھ ہے جس کا ترجمہ لکھا گیا، اس صورت میں فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو کلام پاک سیکھے اور اس کے بعد دوسروں کو سکھائے، لیکن بعض کتب میں یہ روایت ”او“ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، اس صورت میں بہتری اور فضیلت عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے، دونوں کے لئے مستقل خیر و بہتری ہے۔

کلام پاک چونکہ اصل دین ہے اس کی بقا و اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے، اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے، کسی تو ضیح کا محتاج نہیں، البتہ اس کی انواع مختلف ہیں، کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب و مقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔ نبی کریم ﷺ کا دوسرا ارشاد حدیث مذکور کی تائید کرتا ہے جو سعید بن سلیم رحمہ اللہ علیہ سے مُرْسَلًا منقول ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو حاصل کر لے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جو کوئی اور چیز عطا کیا گیا ہو اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے اس انعام کی جو اپنے کلام پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے تحقیر کی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کلام الہی سب کلاموں سے افضل ہے جیسا کہ مستقل احادیث میں آنے والا ہے تو اس کا پڑھنا پڑھانا یقیناً سب چیزوں سے افضل ہونا ہی چاہئے۔ ایک دوسری حدیث میں ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام پاک کو حاصل کر لیا اس نے علوم نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کر لیا۔ سہل تستری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلام پاک کی محبت قلب میں ہو۔ شرح احیاء میں ان لوگوں کی

فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں، نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي، أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ - (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی فی الشعب)

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حق سبحانہ و تقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔

یعنی جس شخص کو قرآن پاک کے یاد کرنے یا جاننے اور سمجھنے میں اس درجہ مشغولی ہے کہ کسی دوسری دعا وغیرہ کے مانگنے کا وقت نہیں ملتا، میں دعا مانگنے والوں کے مانگنے سے بھی افضل چیز اس کو عطا کروں گا۔ دنیا کا مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص شیرینی وغیرہ تقسیم کر رہا ہو اور کوئی مٹھائی لینے والا اس کے ہی کام میں مشغول ہو اور اس کی وجہ سے نہ آسکتا ہو تو یقیناً اس کا حصہ پہلے ہی نکال لیا جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی موقع پر مذکور ہے کہ میں اس کو شکر گزار بندوں کے ثواب سے افضل ثواب عطا کروں گا۔

(۳) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُو كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بَطْحَانَ أَوِ الْعَقِيقِ، فَيَأْتِي عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم لوگ صفہ میں بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ علی الصبح بازار

بِسَاقَتَيْنِ كَوْمًا وَيْنِ، فِي غَيْرِائِمِ
وَلَا قَطِيعَةَ رَحِمٍ؟ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ!
كُلُّنَا نَحِبُّ ذَلِكَ، قَالَ: أَفَلَا
يَعْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَيَعْلَمُ
أَوْ يَقْرَأُ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لَهُ
مِنْ نَاقَتَيْنِ، وَثَلَاثُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثِ
وَأَرْبَعُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ
أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ. (رواه مسلم و أبو داود)

”بطحان“ یا ”عقیق“ میں جاوے اور دو
اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ
اور قطع رحمی کے پکڑ لائے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے
عرض کیا کہ اس کو تو ہم میں سے ہر شخص
پسند کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد
میں جا کر دو آیتوں کا پڑھنا یا پڑھا دینا دو
اونٹنیوں سے اور تین آیات کا تین اونٹنیوں
سے، اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے
اور ان کے برابر اونٹوں سے افضل ہے۔

”صَفَّہ“ مسجد نبوی میں ایک خاص مُعین چبوترہ کا نام ہے جو فقراءِ مہاجرین کی نشست
گاہ تھی، اصحابِ صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ
نے ایک سو ایک نام گنوائے ہیں اور مستقل رسالہ ان کے اسماء گرامی میں تصنیف کیا ہے۔
بطحان اور عقیق مدینہ طیبہ کے پاس دو جگہ ہیں جہاں اونٹوں کا بازار لگتا تھا۔ عرب کے نزدیک
اونٹ نہایت پسندیدہ چیز تھی، بالخصوص وہ اونٹنی جس کا کوہان فربہ ہو۔ بغیر گناہ کا مطلب یہ ہے
کہ بے محنت چیز اکثر یا چھین کر کسی سے لی جاتی ہے یا یہ کہ میراث وغیرہ میں کسی رشتہ دار کے
مال پر قبضہ کر لے یا کسی کا مال چرالے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان سب کی نفی فرمادی
کہ بالکل بلا مشقت اور بدون کسی گناہ کے حاصل کر لینا جس قدر پسندیدہ ہے اس سے
زیادہ بہتر و افضل ہے چند آیات کا حاصل کر لینا اور یہ یقینی امر ہے کہ ایک دو اونٹ درکنار
ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اگر کسی کو مل جاوے تو کیا، آج نہیں تو کل موت اس سے جبراً جدا کر
دے گی، لیکن ایک آیت کا اجر ہمیشہ کے لئے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجئے
کہ آپ کسی شخص کو ایک روپیہ عطا فرمادیجئے، اس کی اس کو مسرت ہوگی بمقابلہ اس کے کہ
ایک ہزار روپیہ اس کے حوالے کر دیں کہ اس کو اپنے پاس رکھ لے، میں ابھی واپس آ کر لے
لوں گا کہ اس صورت میں بجز اس پر بارِ امانت کے اور کوئی فائدہ اس کو حاصل نہیں ہوگا۔

درحقیقت اس حدیث شریف میں فانی و باقی کے تقابل پر تنبیہ بھی مقصود ہے کہ آدمی اپنی حرکت و سکون پر غور کرے کہ کسی فانی چیز پر اس کو ضائع کر رہا ہوں یا باقی رہنے والی چیز پر، اور پھر حسرت ہے ان اوقات پر جو باقی رہنے والا وبال کماتے ہوں۔

حدیث کا اخیر جملہ ”اور ان کے برابر اونٹوں سے افضل ہے“۔ تین مطالب کا محتمل ہے: اول یہ کہ چار کے عدد تک بالتحصیل ارشاد فرمایا اور اس کے مافوق (زیادہ) کو اجمالاً فرمادیا کہ جس قدر آیات کوئی شخص حاصل کرے گا اس کے بقدر اونٹوں سے افضل ہے۔ اس صورت میں اونٹوں سے جنس مراد ہے خواہ اونٹ ہوں یا اونٹنیاں اور بیان ہے چار سے زیادہ کا، اس لئے کہ چار تک کا ذکر خود تصریحاً مذکور ہو چکا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہیں اعداد کا ذکر ہے جو پہلے مذکور ہو چکے، اور مطلب یہ ہے کہ رغبات مختلف ہوا کرتی ہیں: کسی کو اونٹنی پسند ہے تو کوئی اونٹ کا گرویدہ ہے، اس لئے حضور ﷺ نے اس لفظ سے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر آیت ایک اونٹنی سے بھی افضل ہے اور اگر کوئی شخص اونٹ سے محبت رکھتا ہو تو ایک آیت ایک اونٹ سے بھی افضل ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ بیان انہی اعداد کا ہے جو پہلے ذکر کئے گئے، چار سے زائد کا نہیں ہے، مگر دوسرے مطلب میں جو تقریر گزری کہ ایک اونٹنی یا ایک اونٹ سے افضل ہے، یہ نہیں بلکہ مجموعہ مراد ہے کہ ایک آیت ایک اونٹ اور ایک اونٹنی دونوں کے مجموعہ سے افضل ہے۔ اسی طرح ہر آیت اپنے موافق عدد اونٹنی اور اونٹ دونوں کے مجموعے سے افضل ہے تو گویا فی آیت کا مقابلہ ایک جوڑا سے ہوا۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اسی مطلب کو پسند فرمایا ہے کہ اس میں فضیلت کی زیادتی ہے، اگرچہ یہ مراد نہیں کہ ایک آیت کا اجر ایک اونٹ یا دو اونٹ کا مقابلہ کر سکتا ہے، یہ صرف تنبیہ اور تمثیل ہے، میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ایک آیت جس کا ثواب دائمی اور ہمیشہ رہنے والا ہے، ہفت اقلیم کی بادشاہت سے جو فنا ہو جانے والی ہے افضل اور بہتر ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے بعض تجارت پیشہ احباب نے ان سے درخواست کی کہ جہاز سے اترنے کے وقت حضرت جدہ تشریف فرما ہوں تاکہ جناب کی برکت سے ہمارے مال میں نفع ہو اور مقصود یہ تھا کہ تجارت کے منافع سے حضرت کے بعض خدام کو کچھ نفع حاصل ہو۔ اول تو حضرت نے عذر فرمایا، مگر جب انہوں نے اصرار کیا

تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ تمہیں زائد سے زائد جو نفع مال تجارت میں ہوتا ہے وہ کیا مقدار ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مختلف ہوتا ہے، زائد سے زائد ایک کے دو ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ”اس قلیل نفع کے لئے اس قدر مشقت اٹھاتے ہو؟ اتنی سی بات کے لئے ہم حرم محترم کی نماز کیسے چھوڑ دیں جہاں ایک کے لاکھ ملتے ہیں۔“ درحقیقت مسلمانوں کے غور کرنے کی جگہ ہے کہ وہ ذرا سی دنیوی متاع کی خاطر کس قدر دینی منافع کو قربان کر دیتے ہیں۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ
الْبُرْدَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعُ
فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ. (رواه
البخاری ومسلم و ابوداود والترمذی والنسائی و
ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن کا ماہر اُن ملائکہ کے ساتھ ہے جو میرٹھی ہیں اور نیک کار ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں وقت اٹھاتا ہے اس کو دو ہر اجر ہے۔

قرآن شریف کا ماہر وہ کہلاتا ہے جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو اور اگر معانی و مراد پر بھی قادر ہو تو پھر کیا کہنا۔ ملائکہ کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے لوح محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس کا نقل کرنے والا اور پہنچانے والا ہے تو گویا دونوں ایک ہی مسلک پر ہیں یا یہ کہ حشر میں ان کے ساتھ اجتماع ہو گا۔ اٹکنے والے کو دو ہر اجر، ایک اس کی قراءت کا، دوسرا اس کی اس مشقت کا جو اس بار بار کے اٹکنے کی وجہ سے برداشت کرتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اس ماہر سے بڑھ جاوے، ماہر کے لئے جو فضیلت ارشاد فرمائی گئی ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ مخصوص ملائکہ کے ساتھ اس کا اجتماع فرمایا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کے اٹکنے کی وجہ سے اس مشقت کا اجر مستقل ملے گا، لہذا اس عذر کی وجہ سے کسی کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے ”طبرانی“ اور ”بیہقی“ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے اور وہ یاد نہیں ہوتا تو اس کے لئے دو ہر اجر ہے اور جو اس کو یاد

کرنے کی تمنا کرتا رہے لیکن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، مگر وہ پڑھنا بھی نہیں چھوڑتا تو حق تعالیٰ شانہ اس کا حفاظ ہی کے ساتھ حشر فرمائیں گے۔

(۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ: ارشاد منقول ہے کہ حسد دو شخصوں کے سوا کسی رَجُلٌ اتَّاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ اَنَاءَ اللَّيْلِ وَ اَنَاءَ النَّهَارِ، وَ رَجُلٌ اتَّاهُ اللَّهُ مَا لَا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اَنَاءَ اللَّيْلِ وَ اَنَاءَ النَّهَارِ. (رواہ البخاری و الترمذی و النسائی) پر جائز نہیں، ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن شریف کی تلاوت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے، دوسرے وہ جس کو حق سبحانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

قرآن شریف کی آیات اور احادیث کثیرہ کے عموم سے حسد کی برائی اور ناجائز ہونا مطلقاً معلوم ہوتا ہے، اس حدیث شریف سے دو آدمیوں کے بارے میں جواز معلوم ہوتا ہے، چونکہ وہ روایات زیادہ مشہور و کثیر ہیں اس لئے علماء نے اس حدیث کے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں: اول یہ کہ حسد اس حدیث شریف میں رشک کے معنی میں ہے جس کو عربی میں غِبْطَہ کہتے ہیں۔ حسد اور غبٹہ میں یہ فرق ہے کہ حسد میں کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے، خواہ اپنے پاس حاصل ہو یا نہ ہو اور رشک میں اپنے پاس اس کے حصول کی تمنا و آرزو ہوتی ہے، عام ہے کہ دوسرے سے زائل ہو یا نہ ہو۔ چونکہ حسد بالاجماع حرام ہے اس لئے علماء نے اس لفظ حسد کو مجازاً غبٹہ کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے جو دنیوی امور میں مباح ہے اور دینی امور میں مستحب۔ دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ بسا اوقات کلام علی سبیل الفرض و التقدير مستعمل ہوتا ہے یعنی اگر حسد جائز ہوتا تو یہ دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں جائز ہوتا۔

(۶) عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو مؤمن قرآن شریف

يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلُ الْأُتْرُجَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمِثْلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلُ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمِثْلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمِثْلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمِثْلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلَ الرِّيحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ. (رواه البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجه)

پڑھتا ہے اس کی مثال تُرُنْج کی سی ہے اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ، اور جو مؤمن قرآن شریف نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے، اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا، اس کی مثال حَنْظَل کے پھل کی سی ہے کہ مزہ کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں، اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔

مقصود اس حدیث سے غیر محسوس شے کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے تاکہ ذہن میں فرق کلام پاک کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سہولت سے آ جاوے، ورنہ ظاہر ہے کہ کلام پاک کی تلاوت و مہک سے کیا نسبت تُرُنْج و کھجور کو، اگرچہ ان اشیاء کے ساتھ تشبیہ میں خاص نکات بھی ہیں جو علوم نبویہ سے تعلق رکھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں، مثلاً تُرُنْج ہی کو لے لیجئے، منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے، معدہ کو صاف کرتا ہے، ہضم میں قوت دیتا ہے وغیرہ وغیرہ؛ یہ منافع ایسے ہیں کہ قراءت قرآن شریف کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں مثلاً منہ کا خوشبودار ہونا، باطن کا صاف کرنا، روحانیت میں قوت پیدا کرنا؛ یہ منافع تلاوت میں ہیں جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں۔ ایک خاص اثر تُرُنْج میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں تُرُنْج ہو وہاں جن نہیں رہ سکتا، اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلام پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے، بعض اطباء سے میں نے سنا ہے کہ تُرُنْج سے حافظہ بھی قوی ہوتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے احیاء میں نقل کیا ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں:-

(۳) تلاوت کلام اللہ شریف

(۱) مسواک (۲) روزہ

۱۔ تُرُنْج:- چکوترا

ابوداؤد کی روایت میں اس حدیث کے ختم پر ایک مضمون نہایت ہی مفید ہے کہ بہتر ہم نشیں کی مثال مشک والے آدمی کی سی ہے، اگر تجھے مشک نہ مل سکا تو اس کی خوشبو تو کہیں گئی نہیں، اور بدتر ہم نشیں کی مثال آگ کی بھٹی والے کی طرح سے ہے کہ اگر سیاہی نہ پہنچے تب بھی دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں، نہایت ہی اہم بات ہے۔ آدمی کو اپنے ہم نشینوں پر بھی نظر کرنا چاہئے کہ کس قسم کے لوگوں میں ہر وقت نشست و برخاست ہے۔

(۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ. (رواہ مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔

یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، عمل کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ ان کو دنیا و آخرت میں رفعت و عزت عطا فرماتے ہیں اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے حق سبحانہ و تقدس ان کو ذلیل کرتے ہیں، کلام اللہ شریف کی آیات سے بھی یہ مضمون ثابت ہوتا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ”يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا“ (البقرة: ۲۶) حق تعالیٰ شانہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا“ (بنی اسرائیل: ۸۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اس امت کے بہت سے منافق قاری ہوں گے۔ بعض مشائخ سے احیاء میں نقل کیا ہے کہ بندہ ایک سورت کلام پاک کی شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ فارغ ہو، اور دوسرا شخص ایک سورت شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے ختم تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض علماء سے منقول ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ قرآن شریف میں پڑھتا ہے ”إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ“ (ہود: ۱۸) اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس وعید میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح

پڑھتا ہے ”لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ“ (آل عمران: ۶۱) اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔

عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن عبد الحارث رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا۔ ان سے ایک دفعہ دریافت فرمایا کہ جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ابن ابی کوفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابن ابی کوفہ کون شخص ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراضاً فرمایا کہ غلام کو امیر کیوں بنادیا؟ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کلام کی بدولت بہت سے لوگوں کے رفع درجات فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پست کرتے ہیں۔

(۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حُضُورِ اِقْدَسِ ﷺ
عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
ثَلَاثٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ:
الْقُرْآنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ، لَهُ ظَهْرٌ وَ
بَطْنٌ، وَالْأَمَانَةُ، وَالرَّحِمُ تُنَادِي:
أَلَا مَنْ وَصَّلَنِي وَصَلَهُ اللَّهُ،
وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللَّهُ (رواہ
فی شرح السنۃ)

رحمت سے ملاوے اور جس نے مجھ کو

توڑا، اللہ اپنی رحمت سے اس کو جدا کرے۔

ان چیزوں کے عرش کے نیچے ہونے سے مقصود ان کا کمالِ قرب ہے، یعنی حق سبحانہ و تقدس کے عالی دربار میں بہت ہی قریب ہوں گی۔ کلام اللہ شریف کے جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی رعایت کی، اس کا حق ادا کیا، اس پر عمل کیا، ان کی طرف سے دربار حق سبحانہ میں جھگڑے گا اور شفاعت کرے گا، ان کے درجے بلند کرائے گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ قرآن شریف بارگاہِ الہی میں عرض

کرے گا کہ اس کو جوڑا مرحمت فرمائیں تو حق تعالیٰ شانہ کرامت کا تاج مرحمت فرماویں گے۔ پھر وہ زیادتی کی درخواست کرے گا تو حق تعالیٰ شانہ اکرام کا پورا جوڑا مرحمت فرماویں گے، پھر وہ درخواست کرے گا کہ یا اللہ آپ اس شخص سے راضی ہو جائیں، تو حق سبحانہ و تقدس اس سے رضا کا اظہار فرماویں گے اور جب کہ دنیا میں محبوب کی رضا سے بڑھ کر کوئی بھی بڑی سے بڑی نعمت نہیں ہوتی تو آخرت میں محبوب کی رضا کا مقابلہ کون سی نعمت کر سکتی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حق تلفی کی ہے ان سے اس بارے میں مطالبہ کرے گا کہ میری کیا رعایت کی، میرا کیا حق ادا کیا۔

شرح احياء میں امام صاحب رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے۔ اب وہ حضرات جو کبھی بھول کر بھی تلاوت نہیں کرتے ذرا غور فرمائیں کہ اس قوی مقابل کے سامنے کیا جواب دہی کریں گے؟ موت بہر حال آنے والی چیز ہے، اس سے کسی طرح مفر نہیں۔ قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا جس کی طرف حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد نے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس شخص نے خطا کی۔ بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اس کے الفاظ فرمائے ہیں کہ جن کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اس کے معنی اور مطالب ہیں جو حسب استعداد مختلف ہوتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآن پاک کے معانی میں غور و فکر کرو کہ اس میں اولین و آخرین کا علم ہے، مگر کلام پاک کے معنی کے لئے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ہمارے زمانے کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اردو ترجمے دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں داخل کر دے۔ اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم پر مہارت ضروری بتلائی ہے، وقتی ضرورت کی وجہ سے مختصراً عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ بطن کلام پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

اول: لغت جس سے کلام پاک کے مفرد الفاظ کے معنی معلوم ہو جاویں۔ مجاہد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ بدون معرفت لغات عرب کے کلام پاک میں کچھ لب کشائی کرے اور چند لغات کا معلوم ہو جانا کافی نہیں، اس لئے کہ بسا اوقات لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔

دوسرے: نحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

تیسرے: صرف کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بنا اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ابن فارس رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔ علامہ زحشری رحمہ اللہ علیہ عجوبات تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلام پاک کی آیت ”يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ“ (بنی اسرائیل: ۷۱) ترجمہ (جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اس کے مقتدا اور پیش رو کے ساتھ) اس کی تفسیر ”صُرْف“ کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو ان کی ماؤں کے ساتھ، امام کا لفظ جو مفرد تھا اس کو اُم کی جمع سمجھ گیا۔ اگر وہ ”صُرْف“ سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع اِمَام نہیں ہوتی۔

چوتھے: اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ لفظ جب کہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کی معنی مختلف ہوں گے جیسا کہ مسیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مساحت سے بھی ہیں جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔ پانچویں: علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

چھٹے: علم بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔ ساتویں: علم بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں۔ مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں، اس لئے کہ کلام پاک جو سراسر اعجاز

ہے اس سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔

آٹھویں: علمِ قراءت کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہو جاتی ہے۔

نویں: علمِ عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ کلامِ پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق سبحانہ و تقدس پر صحیح نہیں، اس لئے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی جیسے کہ ”يَذُ اللّٰهُ فَوْقَ اَيِّدِيْهِمْ“ (الفتح: ۱۰)۔

دسویں: اصولِ فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہ استدلال و استنباط معلوم ہو سکیں۔ گیارھویں: اسبابِ نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔ بارھویں: نسخ و منسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام ”معمول بہا“ سے ممتاز ہو سکیں۔

تیرھویں: علمِ فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

چودھویں: ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآنِ پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔ ان سب کے بعد پندرھواں: وہ علم وہی ہے جو حق سبحانہ و تقدس کا عطیہ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے: مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَئَهُ اللّٰهُ عَلِمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا)۔

اسی کی طرف حضرت علیؓ نے اشارہ فرمایا جب کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی، اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ شانہ اپنے کلامِ پاک کے سمجھنے کے لئے کسی کو عطا فرمادیں۔ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ

علوم قرآن اور جو اس سے حاصل ہو وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں۔ یہ علوم جو بیان کئے گئے مفسر کے لئے بطور آلہ کے ہیں، اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت کے بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے علوم عربیہ طبعاً حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد تھے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شاید تجھے یہ خیال ہو کہ علم وہی کا حاصل کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے لیکن حقیقت ایسی نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ان اسباب کا حاصل کرنا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہ اس کو مرتب فرماتے ہیں، مثلاً علم پر عمل اور دنیا سے بے رغبتی وغیرہ وغیرہ۔

کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی: اول: وہ جو علوم عربیہ سے واقف نہ ہو۔ دوسرے: وہ شخص جو کسی کبیرہ پر مضر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے معرفت قرآن سے قاصر رہتا ہے۔ تیسرے: وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو اور کلام اللہ کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے طبیعت اچھلتی ہو، اس شخص کو بھی فہم قرآن سے حصہ نہیں ملتا۔
اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ۔

(۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ الْخَيْرِ آيَةً تَقْرَأُهَا (رواه أحمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجہ ، وابن حبان فی صحیحہ)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے (کہ قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، پس تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔

صاحب القرآن سے بظاہر حافظ مراد ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے کہ یہ فضیلت حافظ ہی کے لئے ہے، ناظرہ خواں اس میں داخل نہیں۔

اول اس وجہ سے کہ صاحب قرآن کا لفظ بھی اسی طرف مُشیر ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مُسنَد احمد کی روایت میں ہے ”حَتَّى يَقْرَأَ شَيْئًا مَّعَهُ“ (یہاں تک کہ پڑھے جو کچھ قرآن شریف اس کے ساتھ ہے) یہ لفظ اس امر میں زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے حافظ مراد ہے، اگرچہ محتمل وہ ناظرہ خواں بھی ہے جو کہ قرآن شریف بہت کثرت کے ساتھ پڑھتا ہو۔ مرقاة میں لکھا ہے: وہ پڑھنے والا مراد نہیں جس کو قرآن لعنت کرتا ہو۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کرتا ہے، اس لئے اگر کسی شخص کے عقائد وغیرہ درست نہ ہوں تو قرآن شریف کے پڑھنے سے اس کی مقبولیت پر استدلال نہیں ہو سکتا، خوارج کے بارے میں بکثرت اس قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرع شریف میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اول حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی اپنے مخرج سے پڑھنا تاکہ ”طا“ کی جگہ ”تا“ اور ”ضاد“ کی جگہ ”ظا“ نہ نکلے۔ دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام کا بے محل نہ ہو جاوے۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر، زبر و پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کرنا۔ چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں آواز کو ایسی طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جاوے اور دل پر جلدی اثر کرے کہ درد والی آواز دل پر جلدی اثر کرتی ہے اور اس سے روح کو قوت اور تاثر زیادہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اطباء نے کہا ہے کہ جس دوا کا اثر دل پر پہنچانا ہو اس کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے اور جس دوا کا اثر جگر میں پہنچانا ہو اس کو شیرینی میں ملایا جائے کہ جگر مٹھائی کا جاذب ہے، اسی وجہ سے بندہ کے نزدیک اگر تلاوت کے وقت خوشبو کا خاص استعمال کیا جاوے تو دل پر تاثیر میں زیادہ تقویت ہوگی۔ چھٹے تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جاوے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے

اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔ ساتویں آیات رحمت و عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ تمہید میں گذر چکا۔ یہ سات چیزیں ہیں کہ جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے اور مقصود ان سب سے صرف ایک ہی ہے یعنی کلام پاک کا فہم و تدبر۔ حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کلام اللہ شریف کس طرح پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ سب حرکتوں کو بڑھاتے تھے یعنی زیر، زبر، وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا، ترتیل سے تلاوت مستحب ہے اگرچہ معنی نہ سمجھتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ترتیل سے الْقَارِعَةُ اور اِذَا زُلْزِلَتْ پڑھوں یہ بہتر ہے اس سے کہ بلا ترتیل سورۃ بقرہ اور ال عمران پڑھوں۔

شراح اور مشائخ کے نزدیک حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی ایک ایک آیت پڑھتا جا اور ایک ایک درجہ اوپر چڑھتا جا، اس لئے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے درجات کلام اللہ شریف کی آیات کے برابر ہیں، لہذا جو شخص جتنی آیات کا ماہر ہوگا اتنے ہی درجے اوپر اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص تمام کلام پاک کا ماہر ہوگا وہ سب سے اوپر کے درجے میں ہوگا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے حدیث میں وارد ہے کہ قرآن پڑھنے والے سے اوپر کوئی درجہ نہیں، پس قراء آیات کی بقدر ترقی کریں گے اور علامہ دانی رحمہ اللہ علیہ سے اہل فن کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی آیات چھ ہزار (۶۰۰۰) ہیں، لیکن اس کے بعد کی مقدار میں (یعنی تعداد میں) اختلاف ہے اور اتنے اقوال نقل کئے ہیں: ۲۰۴۔ ۱۲۔ ۱۹۔ ۲۵۔ ۳۶۔

شرح احیاء میں لکھا ہے کہ ہر آیت ایک درجہ ہے جنت میں، پس قاری سے کہا جاوے گا کہ جنت کے درجات پر اپنی تلاوت کے بقدر چڑھتے جاؤ۔ جو شخص قرآن پاک تمام پورا کر لے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجے پر پہنچے گا اور جو شخص کچھ حصہ پڑھا ہوا ہوگا وہ اس کی بقدر درجات پر پہنچے گا۔ بالجملہ منتہائے ترقی منتہائے قراءت ہوگی۔ بندہ کے نزدیک حدیث بالا کا مطلب کچھ اور معلوم ہوتا ہے، فَإِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ خَطَاً

حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف۔

حسن صحیح غریب اسناداً و الدارمی

مقصود یہ ہے کہ جیسے اور جملہ اعمال میں پورا عمل ایک شمار کیا جاتا ہے، کلام پاک میں ایسے نہیں بلکہ اجزاء عمل بھی پورے عمل شمار کیے جاتے ہیں اور اس لئے تلاوت کلام پاک میں ہر حرف ایک ایک نیکی شمار کی جاتی ہے اور ہر نیکی پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ”مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا“ (الانعام: ۱۶۰) (جو شخص ایک نیکی لاوے اس کو دس نیکی کے بقدر اجر ملتا ہے) دس حصہ اجر کا وعدہ ہے اور یہ اقل درجہ ہے۔ ”وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ“ (البقرہ: ۲۶۱) (حق تعالیٰ شانہ جس کے لئے چاہتے ہیں اجر زیادہ فرما دیتے ہیں) ہر حرف کو مستقل نیکی شمار کرنے کی مثال حضور ﷺ نے ارشاد فرمادی کہ اَلَمْ پورا ایک حرف شمار نہیں ہوگا بلکہ الف، لام، میم علیحدہ علیحدہ حرف شمار کئے جائیں گے اور اس طرح پر اَلَمْ کے مجموعہ پر تیس نیکیاں ہو گئیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ اَلَمْ سے سورہ بقرہ کا شروع مراد ہے یا ”اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ“ (الفیل: ۱) مراد ہے۔ اگر سورہ بقرہ کا شروع مراد ہے تو بظاہر مطلب یہ ہے کہ لکھے ہوئے حروف کا اعتبار ہے اور لکھنے میں چونکہ وہ بھی تین ہی حروف لکھے جاتے ہیں اس لئے تیس نیکیاں ہوئیں اور اگر اس سے سورہ فیل کا شروع مراد ہے تو پھر سورہ بقرہ کے شروع میں جو اَلَمْ ہے وہ نو حروف ہیں، اس لئے اس کا اجر نوئے نیکیاں ہو گئیں۔ بیہقی رحمہ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ ب، س، م، یعنی علیحدہ علیحدہ حروف مراد ہیں۔

(۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جُهَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيهِ الْبَسَ وَالِدَاهُ تَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ضَوْءٌ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيكُمْ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهِذَا.

معاذ جہنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص

(رواہ أحمد و ابو داود و صححہ الحاکم)

کے متعلق جو خود عامل ہے۔

یعنی قرآن پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ اس پڑھنے والے کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جاوے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہو، اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، یعنی آفتاب اتنی دور سے اس قدر روشنی پھیلاتا ہے، اگر وہ گھر کے اندر آجائے تو یقیناً بہت زیادہ روشنی اور چمک کا سبب ہوگا تو پڑھنے والے کے والدین کو جو تاج پہنایا جاوے گا، اس کی روشنی اس روشنی سے زیادہ ہوگی جس کو گھر میں طلوع ہونے والا آفتاب پھیلا رہا ہے اور جب کہ والدین کے لئے یہ ذخیرہ ہے تو خود پڑھنے والے کے اجر کا خود اندازہ کر لیا جاوے کہ کس قدر ہوگا کہ جب اس کے طفیلیوں کا یہ حال ہے تو خود اصل کا حال بدرجہا زیادہ ہوگا کہ والدین کو یہ اجر صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ وہ اس کے وجود یا تعلیم کا سبب ہوئے ہیں۔ آفتاب کے گھر میں ہونے سے جو تشبیہ دی گئی ہے اس میں، علاوہ ازیں کہ قرب میں روشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے، ایک اور لطیف امر کی طرف بھی اشارہ ہے، وہ یہ کہ جو چیز ہر وقت پاس رہتی ہے اُس سے اُنس و اُلقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے آفتاب کی دُوری کی وجہ سے جو اس سے بیگانگی ہے وہ ہر وقت کے قرب کی وجہ سے مُبدل بہ اُنس ہو جاوے گی تو اس صورت میں روشنی کے علاوہ اس کے ساتھ موانست کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ وہ اپنی ہوگی کہ آفتاب سے اگرچہ ہر شخص نفع اٹھاتا ہے لیکن اگر وہ کسی کو ہبہ کر دیا جائے تو اس کے لئے کس قدر افتخار کی چیز ہو۔

حاکم رحمہ اللہ علیہ نے بُریدہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جاویں گے کہ تمام دنیا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ! یہ جوڑے کس صلہ میں ہیں تو ارشاد ہوگا کہ تمہارے بچے کے قرآن شریف پڑھنے کے عوض میں۔

جمع الفوائد میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ

ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھلاوے اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مُشابہ اُٹھایا جاوے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جاوے گا کہ پڑھنا شروع کر، جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جاوے گا حتیٰ کہ اسی طرح تمام قرآن شریف پورا ہو۔

بچے کے قرآن شریف پڑھنے پر باپ کے لئے یہ فضائل ہیں اور اسی پر بس نہیں، دوسری بات بھی سن لیجئے کہ اگر خدا نخواستہ آپ نے اپنے بچے کو چار پیسے کے لالچ میں دین سے محروم رکھا تو یہ ہی نہیں کہ آپ اس لایزال ثواب سے محروم رہیں گے، بلکہ اللہ کے یہاں آپ کو جواب دہی بھی کرنی پڑے گی۔ آپ اس ڈر سے کہ یہ مولوی و حافظ پڑھنے کے بعد صرف مسجد کے مُلا نے اور ٹکڑے کے محتاج بن جاتے ہیں اس وجہ سے اپنے لاڈلے بچے کو اس سے بچاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اس سے آپ اس کو تو دائمی مصیبت میں گرفتار کر ہی رہے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے اوپر بھی بڑی سخت جواب دہی لے رہے ہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے: **كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ دَعِيَّتِهِ** الحدیث، ہر شخص سے اس کے ماتحتوں اور دست نگروں کا بھی سوال ہوگا کہ ان کو کس قدر دین سکھلایا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ ان عُیوب سے آپ بچنے اور بچانے کی کوشش کیجئے، مگر جُویوں کے ڈر سے کپڑا نہ پہننا کوئی عقل کی بات نہیں، البتہ اس کے صاف رکھنے کی ضرورت کوشش چاہئے۔ پانچواں اگر آپ اپنے بچے کو دینداری کی صلاحیت سکھلائیں گے، اپنی جواب دہی سے شُبک دوش ہوں گے اور اس وقت تک وہ زندہ رہے جس قدر نیک اعمال کرے گا، دعا و استغفار آپ کے لئے کرے گا، آپ کے لئے رفع درجات کا سبب بنے گا۔ لیکن دنیا کی خاطر چار پیسے کے لالچ سے آپ نے اس کو دین سے بے بہرہ رکھا تو یہی نہیں کہ خود آپ کو اپنی حرکت کا وبال بھگتنا پڑے گا، جس قدر بد اطواریاں، فسق و فجور اس سے سرزد ہوں گے آپ کے نامہ اعمال بھی اس ذخیرہ سے خالی نہ رہیں گے، خدا را! اپنے حال پر رحم کھائیں، دنیا بہر حال گزر جانے والی چیز ہے اور موت ہر بڑی سے بڑی تکلیف کا خاتمہ ہے، لیکن جس تکلیف کے بعد موت بھی نہیں اس کا کوئی مُنتہا نہیں۔

(۱۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: حَضُورِ اقْدَسَ صَلَّيْهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوْيَهْ فَرَمَاتِي هُوَ سَنَا كَهْ لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا اخْتَرَقَ. (رواه الدارمي)

عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر رکھ دیا جائے قرآن شریف کو کسی چمڑے میں، پھر وہ آگ میں ڈال دیا جاوے تو نہ جلے۔

مشائخ حدیث اس روایت کے مطلب میں دو طرف گئے ہیں: بعض کے نزدیک چمڑے سے عام مراد ہے جس جانور کا ہو اور آگ سے دنیوی آگ مراد ہے، اس صورت میں یہ مخصوص معجزہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کے زمانے کے ساتھ خاص ہوئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ چمڑے سے مراد آدمی کا چمڑا ہے اور آگ سے جہنم۔ اس صورت میں یہ حکم عام ہوگا، کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا، یعنی جو شخص کہ حافظ قرآن ہو اگر وہ کسی جرم میں جہنم میں ڈالا بھی جاوے گا تو آگ اس پر اثر نہ کرے گی۔ ایک روایت میں ”مَا مَسَّتْهُ النَّارُ“ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی آگ اس کو چھوئے گی بھی نہیں۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو شَرَحُ السُّنَّةِ سے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس دوسرے معنی کی تائید کرتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قرآن شریف کو حفظ کیا کرو، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ اس قلب کو عذاب نہیں فرماتے جس میں کلام پاک محفوظ ہو۔ یہ حدیث اپنے مضمون میں صاف اور نص ہے، جو لوگ حفظ قرآن شریف کو فضول بتلاتے ہیں وہ خدا را! ذرا ان فضائل پر بھی غور کریں کہ یہی ایک فضیلت ایسی ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو حفظ قرآن پر جان دے دینا چاہئے، اس لئے کہ کون شخص ایسا ہوگا جس نے گناہ نہ کئے ہوں جس کی وجہ سے آگ کا مستحق نہ ہو۔

شرح اَحیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک اور وحشت اثر دن میں اللہ کے عرش کے سائے کے نیچے رہیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بروایت وِیلَمی رحمہ اللہ نقل کیا ہے کہ حاملین قرآن یعنی حفاظ اللہ کے سائے کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور برگزیدہ لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

(۱۳) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ، فَاحْلَ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، أَذْ خَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشْرَةِ مَنْ أَهْلَ بَيْتِهِ، كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (رواه أحمد والترمذی وقال: هذا حديث غریب و حفص بن سلیمان الراوی لیس هو بالقوی یضعف فی الحدیث و رواه ابن ماجه والدارمی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا، پھر اسکو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اسکے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرما دیں گے جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو۔

دُخُولِ جَنَّتِ ویسے تو ہر مومن کے لئے انشاء اللہ ہے ہی، اگرچہ بد اعمالیوں کی سزا بھگت کر ہی کیوں نہ ہو، لیکن حفاظ کے لئے یہ فضیلت ابتدائے دُخُولِ جَنَّتِ کے اعتبار سے ہے۔ وہ دس شخص جن کے بارے میں شفاعت قبول فرمائی گئی وہ فُسَّاق و فُجَّار ہیں جو مرتکب کبائر کے ہیں، اس لئے کہ کفار کے بارے میں تو شفاعت ہے ہی نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ“ (المائدہ: ۷۲) (مشرکین پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ“ (التوبہ: ۱۱۳) (نبی اور مسلمانوں کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں) وغیرہ وغیرہ نصوص اس مضمون میں صاف ہیں کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہے، اس لئے حفاظ کی شفاعت سے اُن مسلمانوں کی شفاعت مراد ہے جن کے معاصی کی وجہ سے ان کا جہنم میں داخل ہونا ضروری بن گیا تھا۔ جو لوگ جہنم سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ حافظ نہیں اور خود حفظ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے کسی قریبی رشتہ دار ہی کو حافظ بنادیں کہ اس کے طفیل یہ بھی اپنی بد اعمالیوں کی سزا سے محفوظ رہ سکیں، اللہ کا کس قدر

انعام ہے اس شخص پر جس کے باپ، چچا، تائے، دادا، نانا، ماموں سب ہی حافظ ہیں۔
اللَّهُمَّ زِدْ فِرْدُ.

(۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَأَقْرَأُوهُ، فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكَاً تَفُوحُ رِيحُهُ كُلِّ مَكَانٍ، وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَرَقَدَ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أَوْكِيَ عَلَى مِسْكِ. (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کو سیکھو، پھر اس کو پڑھو، اس لئے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تہجد میں اس کو پڑھتا رہتا ہے، اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور

پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔

یعنی جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس کی خبر گیری کی، راتوں کو نماز میں تلاوت کی، اس کی مثال اس مشک دان کی سی ہے کہ جو کھلا ہوا ہو کہ اس کی خوشبو سے تمام مکان مہکتا ہے، اسی طرح اس حافظ کی تلاوت سے تمام مکان انوار و برکات سے معمور رہتا ہے اور اگر وہ حافظ سو جاوے یا غفلت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تب بھی اس کے قلب میں جو کلام پاک ہے وہ تو بہر حال مشک ہی ہے، اس غفلت سے اتنا نقصان ہوا کہ دوسرے لوگ اس کی برکات سے محروم رہے، لیکن اس کا قلب تو بہر حال اس مشک کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

(۱۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ، كَأَلْبَيْتِ الْخَوْرِبِ. (رواه الترمذی وقال: هذا حديث

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔

صحیح و رواہ الدارمی و الحاکم و صححه

ویران گھر کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک خاص لطیفہ بھی ہے وہ یہ کہ ”خانہ خالی رادیو مے گیر“ اسی طرح جو قلب کلام پاک سے خالی ہوتا ہے شیاطین کا اس پر تسلط زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حفظ کی کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس دل کو ویران گھر ارشاد ہوا ہے جس میں کلام پاک محفوظ نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں کلام مجید پڑھا جاتا ہے اس کے اہل و عیال کثیر ہو جاتے ہیں، اس میں خیر و برکت بڑھ جاتی ہے، ملائکہ اس میں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی اس میں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے، ملائکہ اس گھر سے چلے جاتے ہیں، شیاطین اس میں گھس جاتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور بعض لوگ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ خالی گھر وہی ہے جس میں تلاوت قرآن شریف نہ ہوتی ہو۔

(۱۶) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ، وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ، وَالتَّسْبِيحُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ، وَالصَّدَقَةُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے۔

تلاوت کا اذکار سے افضل ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ یہ کلام الہی ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اوروں کے کلام پر وہی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ کو فضیلت ہے مخلوق پر، ذکر اللہ کا افضل ہونا صدقہ سے اور روایات میں بھی وارد ہے اور صدقہ کا روزہ سے افضل ہونا جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے دوسری روایات کے خلاف ہے۔

۱۔ یعنی خالی اور غیر آباد گھر پر دیوار جنات قبضہ کر لیتے ہیں۔

جن سے روزہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ احوال کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض حالتوں میں روزہ افضل ہے اور بعض میں صدقہ۔ اسی طرح لوگوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہے، بعض لوگوں کے لئے روزہ افضل ہے اور جب کہ روزہ آگ سے بچاؤ ہے جس کا درجہ اس روایت میں سب سے اخیر میں ہے تو پھر تلاوت کلام اللہ کا کیا کہنا جو سب سے اول ہے۔ صاحب احیاء نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھا اس کو ہر حرف پر سونئیں مائیں گیں اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کے لئے پچاس نئیں اور جس نے بغیر نماز کے وضو کے ساتھ پڑھا اس کے لئے پچیس نئیں اور جس نے بلا وضو پڑھا اس کے لئے دس نئیں اور جو شخص پڑھے نہیں بلکہ صرف پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سنے اس کے لئے بھی ہر حرف کے بدلے ایک نیکی۔

(۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ أَنْ يَجِدَ فِيهِ ثَلَاثَ خَلْفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثِ خَلْفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ جب گھر واپس آئے تو تین اونٹنیاں حاملہ بڑی اور موٹی اس کو مل جاویں؟ ہم نے عرض کیا کہ بے شک (ضرور پسند کرتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آیتیں جن کو تم میں سے کوئی نماز میں

پڑھ لے وہ تین حاملہ بڑی اور موٹی اونٹیوں سے افضل ہیں۔

اس سے ملتا جلتا مضمون حدیث نمبر ۳ میں گذر چکا ہے، اس حدیث شریف میں چونکہ نماز میں پڑھنے کا ذکر ہے اور وہ بغیر نماز کے پڑھنے سے افضل ہے اس لئے تشبیہ حاملہ اونٹیوں سے دی گئی اس لئے کہ وہاں بھی دو عبادتیں ہیں، نماز اور تلاوت، ایسے ہی یہاں بھی دو چیزیں ہیں، اونٹنی اور اس کا حمل۔ میں حدیث نمبر ۳ کے فائدے میں لکھ چکا ہوں کہ اس قسم کی احادیث سے صرف تشبیہ مراد ہوتی ہے، ورنہ ایک آیت کا باقی اجر ہزار

فانی اونٹنیوں سے افضل ہے۔

(۱۸) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْسٍ الشَّقْفِيِّ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِي غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ تَضَعُفُ عَلَى ذَلِكَ إِلَى أَلْفِي دَرَجَةٍ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

اوس ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآن پاک میں دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک بڑھ جاتا ہے۔

حافظ قرآن کے متعدد فضائل پہلے گزر چکے ہیں، اس حدیث شریف میں جو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ قرآن پاک کے دیکھ کر پڑھنے میں تدبر اور فکر کے زیادہ ہونے کے علاوہ وہ کئی عبادتوں کو متضمن ہے، قرآن پاک کو دیکھنا، اس کو چھونا وغیرہ وغیرہ، اسی وجہ سے یہ افضل ہوا، چونکہ روایات کا مفہوم مختلف ہے اسی وجہ سے علماء نے اس میں اختلاف فرمایا ہے کہ کلام پاک کا حفظ پڑھنا افضل ہے یا دیکھ کر۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ حدیث بالا کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اس میں غلط پڑھنے سے امن رہتا ہے، قرآن پاک پر نظر رہتی ہے، قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ دوسری جماعت دوسری روایت کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ حفظ پڑھنا زیادتی خشوع کا سبب ہوتا ہے، ریا سے دور ہوتا ہے اور نیز نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ حفظ پڑھنے کی تھی، حفظ کو ترجیح دیتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے اس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہے، بعض کے لئے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے جس کو اس میں تدبر و فکر زیادہ حاصل ہوتا ہو اور جس کو حفظ میں تدبر زیادہ حاصل ہوتا ہو اس کے لئے حفظ پڑھنا افضل ہے۔

حافظ رحمہ اللہ علیہ نے بھی ”فتح الباری“ میں اسی تفصیل کو پسند کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کثرت تلاوت کی وجہ سے دوم کلام مجید پھٹے تھے۔ عمرو بن میمون رحمہ اللہ علیہ نے شرح احیاء میں نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر قرآن مجید کھولے اور بقدر سو آیت کے پڑھ لے، تمام دنیا کی بقدر اس کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ قرآن شریف کا

دیکھ کر پڑھنا نگاہ کے لئے مفید بتلایا جاتا ہے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ نے حدیث مسلسل نقل کی ہے جس میں ہر راوی نے کہا ہے کہ مجھے آنکھوں کی شکایت تھی تو اُستاد نے قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کو بتلایا۔ حضرت امام شافعی صاحب رحمہ اللہ علیہ بسا اوقات عشاء کے بعد قرآن شریف کھولتے تھے، اور صبح کی نماز کے وقت بند کرتے تھے۔

(۱۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا جِلَافُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے، پوچھا گیا کہ حضور! ان کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

یعنی گناہوں کی کثرت اور اللہ جل ثنا کی یاد سے غفلت کی وجہ سے دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگ جانے سے زنگ لگ جاتا ہے اور کلام پاک کی تلاوت اور موت کی یاد ان کے لئے صیقل کا کام دیتا ہے۔ دل کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے جس قدر وہ دھندلا ہوگا معرفت کا انعکاس اس میں کم ہوگا اور جس قدر صاف اور شفاف ہوگا اسی قدر اس میں معرفت کا انعکاس واضح ہوگا۔ اسی لئے آدمی جس قدر معاصی شہوانیہ یا شیطانیہ میں مبتلا ہوگا اسی قدر معرفت سے دور ہوگا اور اسی آئینہ کے صاف کرنے کے لئے مشائخ سلوک ریاضات و مجاہدات، اذکار و اشغال تلقین فرماتے ہیں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب میں پڑ جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ نقطہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر دوسرا گناہ کر لیتا ہے تو دوسرا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر گناہوں میں بڑھتا رہتا ہے تو شدہ شدہ ان نقطوں کی کثرت سے دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر اس قلب میں خیر کی رغبت ہی نہیں رہتی بلکہ شر ہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

اسی کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے ”كَأَلَّا بِلْسَانٍ رَّانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ (التطیف: ۱۳) (بیشک ان کے قلوب پر زنگ جمادیا ان کی بد اعمالیوں نے) ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو واعظ چھوڑتا ہوں، ایک بولنے والا، دوسرا خاموش، بولنے والا قرآن شریف ہے اور خاموش موت کی یاد۔ حضور ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر، مگر واعظ تو اس کے لئے ہو جو نصیحت قبول کرے، نصیحت کی ضرورت سمجھے، جہاں سرے سے دین ہی بیکار ہو، ترقی کی راہ میں مانع ہو، وہاں نصیحت کی ضرورت کسے، اور نصیحت کرے گی کیا؟ حسن بصری کہتے ہیں کہ پہلے لوگ قرآن شریف کو اللہ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور و تدبر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے اور تم لوگ اس کے حروف اور زبر و زیر تو بہت درست کرتے ہو مگر اس کو فرمانِ شاہی نہیں سمجھتے، اس میں غور و تدبر نہیں کرتے۔

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شَرَفًا يَتَبَاهَوْنَ بِهِ، وَإِنَّ بَهَاءَ أُمَّتِي وَشَرَفَهَا الْقُرْآنُ. (رواه في الحلیة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ہر چیز کے لئے کوئی شرافت و افتخار ہوا کرتا ہے جس سے وہ تفاخر کیا کرتا ہے، میری امت کی رونق و افتخار قرآن شریف ہے۔

یعنی لوگ اپنے آباء و اجداد سے، خاندان سے اور اسی طرح بہت سی چیزوں سے اپنی شرافت و بڑائی ظاہر کیا کرتے ہیں۔ میری امت کے لئے ذریعہ افتخار کلام اللہ شریف ہے کہ اس کے پڑھنے سے، اس کے یاد کرنے سے، اس کے پڑھانے سے، اس پر عمل کرنے سے؛ غرض اس کی ہر چیز قابل افتخار ہے اور کیوں نہ ہو کہ محبوب کا کلام ہے، آقا کا فرمان ہے، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا شرف بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ نیز دنیا کے جس قدر کمالات ہیں وہ آج نہیں توکل زائل ہونے والے ہیں، لیکن کلام پاک کا شرف و کمال دائمی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ قرآن شریف کے چھوٹے چھوٹے اوصاف بھی ایسے ہیں کہ افتخار کے لئے ان میں کا ہر ایک کافی ہے، چہ جائیکہ اس میں وہ سب اوصاف کامل طور پر پائے

جاتے ہیں، مثلاً اس کی حُسنِ تالیف، حُسنِ سیاق، الفاظ کا تناسب، کلام کا ارتباط، گذشتہ اور آئندہ واقعات کی اطلاع، لوگوں کے متعلق ایسے طعن کہ وہ اگر اسکی تکذیب بھی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں جیسے کہ یہود کا باوجود ادعائے محبت کے موت کی تمنا نہ کر سکتا، نیز سننے والے کا اس سے متاثر ہونا، پڑھنے والے کا کبھی نہ اکتانا حالانکہ ہر کلام خواہ وہ کتنا ہی دل کو پیارا معلوم ہوتا ہو، مجنون بنا دینے والے محبوب کا خط ہی کیوں نہ ہو، دن میں دس دفعہ پڑھنے سے دل نہ اکتائے تو بیس دفعہ سے اکتا جائے گا، بیس سے نہ سہی چالیس سے اکتا وے گا، بہر حال اکتا وے گا، پھر اکتا وے گا، مگر کلام پاک کا رکوع یاد کیجئے، دو سو مرتبہ پڑھئے، چار سو مرتبہ پڑھئے، عمر بھر پڑھتے رہئے، کبھی نہ اکتا وے گا۔ اگر کوئی عارض پیش آ جاوے تو وہ خود عارضی ہوگا اور جلد زائل ہو جانے والا، جتنی کثرت کیجئے اتنی ہی طراوت اور لذت میں اضافہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں ان میں سے ایک بھی پایا جاوے، خواہ پورے طور سے نہ ہو تو اس پر کتنا افتخار کیا جاتا ہے، پھر جب کہ کسی کلام میں یہ سب کے سب امور علی وجہ الکمال پائے جاتے ہوں تو اس سے کتنا افتخار ہوگا۔ اس کے بعد ایک لمحہ ہمیں اپنی حالت پر بھی غور کرنا ہے، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کو اپنے حافظ قرآن ہونے پر فخر ہے یا ہماری نگاہ میں کسی کا حافظ قرآن ہونا باعثِ شرف ہے، ہماری شرافت، ہمارا افتخار، اونچی اونچی ڈگریوں سے، بڑے بڑے القاب سے، دنیوی جاہ و جلال اور مرنے کے بعد چھوٹ جانے والے مال و متاع سے ہے۔ فَاِلٰی اللّٰهِ الْمُشْتٰکٰی۔

(۲۱) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَوْصِنِي، قَالَ: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللَّهِ، فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! زِدْنِي، قَالَ: عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ نُورٌ لَّكَ فِي الْأَرْضِ، وَذَخْرٌ لَّكَ فِي السَّمَاءِ. (رواہ ابن حبان فی صحیحہ فی حدیث طویل)

ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقویٰ کا اہتمام کرو کہ تمام امور کی جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ارشاد فرمادیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کا اہتمام کرو کہ دنیا میں

یہ نور ہے اور آخرت میں ذخیرہ۔

تقویٰ حقیقتاً تمام امور کی جڑ ہے، جس دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جاوے اس سے پھر کوئی بھی معصیت نہیں ہوتی اور نہ پھر اس کو کسی قسم کی تنگی پیش آتی ہے۔ ”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“ (الطلاق: ۳) (جو شخص تقویٰ حاصل کرے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے ہر ضیق میں کوئی راستہ نکال دیتے ہیں اور اس طرح اس کو روزی پہنچاتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا)۔

تلاوت کا نور ہونا پہلی روایات سے بھی معلوم ہو چکا، شرح احیاء میں معرفۃ ابو نعیم رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت باسط رحمہ اللہ علیہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ذکر کیا کہ جن گھروں میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لئے آسمان پر ستارے، یہ حدیث ترغیب وغیرہ میں اتنی ہی نقل کی گئی، یہ مختصر ہے اصل روایت بہت طویل ہے جس کو ابن حبان رحمہ اللہ علیہ وغیرہ سے ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے مفصل اور سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے کچھ مختصر نقل کیا ہے اگرچہ ہمارے رسالہ کے مناسب اتنا ہی جزو ہے جو اوپر گزر چکا، مگر چونکہ پوری حدیث بہت سے ضروری اور مفید مضامین پر مشتمل ہے اس لئے تمام حدیث کا مطلب ذکر کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے کل کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سو صحائف اور چار کتابیں، پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر اور تیس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے اور ان کے علاوہ چار کتابیں توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن شریف نازل فرمائی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا کہ وہ سب ضرب المثلیں تھیں مثلاً: اَوْ مُتَّسِلٌ وَمَغْرُورٌ بِادِشَاهِ! میں نے تجھ کو اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو پیسہ پر پیسہ جمع کرتا رہے، میں نے تجھے اس لئے بھیجا تھا کہ مجھ تک مظلوم کی فریاد نہ پہنچنے دے، تو

پہلے ہی اس کا انتظام کر دے، اس لئے کہ میں مظلوم کی فریاد کو رد نہیں کرتا اگرچہ فریادی کا فرہی کیوں نہ ہو۔ بندہ ناچیز کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امیر اور حاکم بنا کر بھیجا کرتے تھے تو منجملہ اور نصائح کے اس کو بھی اہتمام سے فرمایا کرتے تھے: ”وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ“ کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا اس لئے کہ اس کے اور اللہ جل ثنا کے درمیان میں حجاب اور واسطہ نہیں۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

نیز ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ عاقل کے لئے ضروری ہے جب تک کہ وہ مغلوب العقل نہ ہو جائے اپنے تمام اوقات کو تین حصوں پر منقسم کرے: ایک حصہ میں اپنے رب کی عبادت کرے اور ایک حصہ میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور سوچے کہ کتنے کام اچھے کئے اور کتنے برے اور ایک حصہ کو کسبِ حلال میں خرچ کرے، عاقل پر یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اوقات کی نگہبانی کرے، اپنے حالات کی درستگی کے فکر میں رہے، اپنی زبان کی فضول گوئی اور بے نفع گفتگو سے حفاظت کرے۔ جو شخص اپنے کلام کا محاسبہ کرتا رہے گا اس کی زبان بے فائدہ کلام میں کم چلے گی۔ عاقل کے لئے ضروری ہے کہ تین چیزوں کے علاوہ سفر نہ کرے: یا آخرت کے لئے توشہ مقصود ہو، یا کچھ فکرِ معاش ہو، یا تفریح بشرطیکہ مباح ہو۔

میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا کہ سب کی سب عبرت کی باتیں تھیں، مثلاً میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو موت کا یقین ہو پھر کسی بات پر خوش ہو (اس لئے کہ جب کسی شخص کو مثلاً یہ یقین ہو جاوے کہ مجھے پھانسی کا حکم ہو چکا، عنقریب سولی پر چڑھنا ہے، پھر وہ کسی چیز سے خوش نہیں ہو سکتا)۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ اس کو موت کا یقین ہے پھر وہ ہنستا ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جو دنیا کے حوادث، تغیرات، انقلابات ہر وقت دیکھتا ہے پھر دنیا پر اطمینان کر لیتا ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو تقدیر کا یقین ہے پھر رنج و مشقت میں مبتلا ہوتا ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جس کو عنقریب حساب کا یقین ہے پھر نیک اعمال نہیں

کرتا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے سب سے اول تقویٰ کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام امور کی بنیاد اور جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور بھی اضافہ فرمادیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کا اہتمام کر کہ یہ دنیا میں نور ہے اور آسمان میں ذخیرہ ہے۔ میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ زیادہ ہنسی سے احتراز کر کہ اس سے دل مرجاتا ہے، چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔ (یعنی ظاہر و باطن دونوں کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے) میں نے اور اضافہ کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ جہاد کا اہتمام کر کہ میری امت کے لئے یہی رہبانیت ہے (راہب پہلی امتوں میں وہ لوگ کہلاتے تھے کہ جو دنیا کے سب تعلقات منقطع کر کے اللہ والے بن جاویں) میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد فرمایا کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ میل جول رکھ، ان کو دوست بنا، ان کے پاس بیٹھا کر، میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ اپنے سے کم درجے والے پر نگاہ رکھا کر (تاکہ شکر کی عادت ہو) اپنے سے اوپر کے درجہ والوں کو مت دیکھ، مبادا! اللہ کی نعمتوں کی جو تجھ پر ہیں تحقیر کرنے لگے۔ میں نے اور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ تجھے اپنے عیوب لوگوں پر حرف گیری سے روک دیں اور ان کے عیوب پر اطلاع کی کوشش مت کر کہ تو ان میں خود مبتلا ہے۔ تجھے عیب لگانے کے لئے کافی ہے کہ تو لوگوں میں ایسے عیب پہچانے جو تجھ میں خود موجود ہیں اور تو ان سے بے خبر ہے اور ایسی باتیں ان میں پکڑے جن کو تو خود کرتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے اپنا دست شفقت میرے سینے پر مار کر ارشاد فرمایا کہ ابو ذر! تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنے کے برابر تقویٰ نہیں اور خوش خلقی سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں۔ اس میں خلاصہ اور مطلب کا زیادہ لحاظ کیا گیا، تمام الفاظ کے ترجمہ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

(۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارِسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر تلاوت کلام پاک اور اس کا دور نہیں کرتی

السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمْ
 الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ
 عِنْدَهُ. (رواہ مسلم و ابو داؤد)

مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت
 ان کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو
 گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ ان کا ذکر
 ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔

اس حدیث شریف میں مکاتیب اور مدرسوں کی خاص فضیلت ذکر فرمائی گئی جو بہت سی
 انواع اکرام کو شامل ہے، ان میں سے ہر ہر اکرام ایسا ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں
 اگر کوئی شخص اپنی تمام عمر خرچ کر دے تب بھی ارزاں ہے، پھر چہ جائیکہ ایسے ایسے متعدد
 انعامات فرمائے جائیں، بالخصوص آخری فضیلت، آقا کے دربار میں ذکر، محبوب کی مجلس
 میں یاد، ایک ایسی نعمت ہے جس کا مقابلہ کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی۔

سکینہ کا نازل ہونا متعدد روایات میں وارد ہوا ہے، اس کے مصداق میں مشلح حدیث کے
 چند اقوال ہیں، لیکن ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے آپس میں کچھ تعارض ہو،
 بلکہ سب کا مجموعہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سکینہ کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ وہ
 ایک خاص ہوا ہے جس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا ہوتا ہے۔ علامہ سدی رحمہ اللہ سے نقل کیا
 گیا کہ وہ جنت کے ایک طشت کا نام ہے جو سونے کا ہوتا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب
 کو غسل دیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خاص رحمت ہے۔ طبری رحمہ اللہ نے اس کو پسند
 کیا ہے کہ اس سے سکون قلب مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طمانیت مراد ہے۔ بعض نے
 اس کی تفسیر وقار سے کی ہے تو کسی نے ملائکہ سے۔ بعض نے اور بھی اقوال کہے ہیں۔
 حافظ رحمہ اللہ کی رائے فتح الباری میں یہ ہے کہ سکینہ کا اطلاق سب پر آتا ہے، نووی رحمہ اللہ علیہ
 کی رائے ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو جامع ہے طمانیت، رحمت وغیرہ کو اور ملائکہ کے ساتھ
 نازل ہوتی ہے۔ کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے: "فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (التوبہ: ۴۰)"
 دوسری جگہ ارشاد ہے: "هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ" (الفتح: ۴)۔
 ایک جگہ ارشاد ہے "فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ" (البقرہ: ۲۳۸) غرض متعدد آیات میں اس کا ذکر
 ہے اور احادیث میں متعدد روایات میں اس کی بشارت فرمائی گئی ہے۔ احیاء میں نقل کیا گیا

ہے کہ ابن ثوبان نے اپنے کسی عزیز سے اس کے ساتھ افطار کا وعدہ کیا مگر دوسرے روز صبح کے وقت پہنچے۔ انہوں نے شکایت کی تو کہا کہ اگر میرا تم سے وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا کہ کیا مانع پیش آیا۔ مجھے اتفاقاً دیر ہو گئی تھی حتیٰ کہ عشاء کی نماز کا وقت آ گیا، خیال ہوا کہ وتر بھی ساتھ ہی پڑھ لوں کہ موت کا اطمینان نہیں، کبھی رات میں مرجاؤں اور وہ ذمہ پر باقی رہ جائیں، میں دعائے قنوت پڑھ رہا تھا کہ مجھے جنت کا ایک سبز باغ نظر آیا جس میں ہر نوع کے پھول وغیرہ تھے، اس کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ صبح ہو گئی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات میں درج ہیں، لیکن ان کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب ماسوا سے انقطاع ہو جاوے اور اسی جانب توجہ کامل ہو جاوے۔

ملائکہ کا ڈھانکنا بھی متعدّد روایات میں وارد ہوا ہے۔ اُسید بن خضیر رضی اللہ عنہ کا مفصل قصہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ انہوں نے تلاوت کرتے ہوئے اپنے اوپر ایک ابرسا چھایا ہوا محسوس کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ملائکہ تھے جو قرآن شریف سننے کے لئے آئے تھے، ملائکہ اثر دہام کی وجہ سے ابرسا معلوم ہوتے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ابرسا محسوس ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سیکینہ تھا یعنی رحمت جو قرآن شریف کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ مسلم شریف میں یہ حدیث زیادہ مفصل آئی جس میں اور بھی مضامین ہیں۔ اخیر میں ایک جملہ یہ بھی زیادہ ہے ”مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ“ (جس شخص کو اسکے برے اعمال رحمت سے دور کر دیں اس کا عالی نسب ہونا، اونچے خاندان کا ہونا، رحمت سے قریب نہیں کر سکتا) ایک شخص جو پشتانی شریف النسب ہے، مگر فسق و فجور میں مبتلا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس رذیل اور کم ذات مسلمان کی برابری کسی طرح بھی نہیں کر سکتا جو متقی پرہیز گار ہے۔ اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتَّقَاكُمْ۔

(۲۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَضْرًا اَقْدَسَ حَضْرًا ﷺ سے نقل

اَنْكُمْ لَا تَرْجِعُونَ اِلَى اللّٰهِ بِشَيْءٍ اَفْضَلَ مِنْ خَرَجَ مِنْهُ الْقُرْآنُ. (رواہ

الحاکم، وصححه أبو داود فی مراسیله عن اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے

جابر بن نفیر و الترمذی عن ابی امامۃ بمعناہ) حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔

متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے دربار میں کلام پاک سے بڑھ کر تقرب کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرب ہو کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ احمد! میرا کلام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے، دونوں طرح موجب تقرب ہے۔ اس حدیث شریف کی توضیح اور تلاوت کلام پاک کا سب سے بہتر طریقہ تقرب ہونے کی تشریح حضرت اقدس بقیۃ السلف حمۃ الخلف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ کی تفسیر سے مستنبط ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سلوک الی اللہ یعنی مرتبہ احسان حق سبحانہ تقدس کی حضوری کا نام ہے جو تین طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے: اول تصور جس کو عرف شرع میں تفکر و تدبیر سے تعبیر کرتے ہیں اور صوفیہ کے یہاں مراقبہ سے۔ دوسرا ذکر لسانی اور تیسرا تلاوت کلام پاک۔

سب سے اول طریقہ بھی چونکہ ذکر قلبی ہے اس لئے دراصل طریقے دو ہی ہیں: اول ذکر، عام ہے کہ زبانی ہو یا قلبی، دوسرے تلاوت۔ سو جس لفظ کا اطلاق حق سبحانہ و تقدس پر ہو گا اور اس کو بار بار دہرایا جاوے گا جو ذکر کا حاصل ہے تو مژدہ کے اس ذات کی طرف توجہ اور التفات کا سبب ہو گا اور گویا وہ ذات مستحضر ہوگی اور استحضار کے دوام کا نام معیت ہے جس کو اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے: ”لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أَحْبَبْتُهُ، فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا“۔ الحديث (حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے کہ بندہ نفل عبادتوں کے ساتھ میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس کو محبوب بنا لیتا ہوں حتیٰ کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے) یعنی جب کہ بندہ

کثرتِ عبادت سے حق تعالیٰ شانہ کا مقرب بن جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اعضاء کے محافظ بن جاتے ہیں اور آنکھ کان وغیرہ سب مرضی آقا کے تابع ہو جاتے ہیں اور نفل عبادات کی کثرت اس لئے ارشاد فرمائی کہ فرائض متعین ہیں جن میں کثرت نہیں ہوتی اور اس کے لئے ضرورت ہے دوامِ استحضار کی جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا، لیکن تقرب کا یہ طریقہ صرف اسی محبوب کی پاک ذات کے لئے ہے، اگر کوئی چاہے کہ کسی دوسرے کے نام کی تسبیح پڑھ کر اس سے تقرب حاصل کر لے تو یہ ممکن نہیں، اس وجہ سے کہ اس قسم کے تقرب میں جس کی طرف تقرب ہو اس میں دو بات کا پایا جانا ضروری ہے: اول یہ کہ اس کا علم محیط ہو ذاکرین کے قلبی اور زبانی اذکار کو، اگرچہ وہ مختلف زمانوں اور مختلف اوقات میں ذکر کریں۔ دوسرے یہ کہ ذکر کرنے والے کے مدد کہ میں تجلی اور اس کے پرکردینے کی قدرت ہو جس کو عرف میں ”ذُنُوْا اور تَدَلُّی“ نزول اور قرب سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں چونکہ اسی مطلوب میں پائی جاتی ہیں اس لئے طریقِ بالا سے تقرب بھی اسی پاک ذات سے حاصل ہو سکتا ہے اور اسی کی طرف اس حدیث قدسی میں اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے ”مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شَبْرًا، تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا“ الحدیث (جو شخص میری طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو شخص میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی طرف ایک باغ آتا ہوں یعنی دونوں ہاتھوں کی لمبائی کے بقدر اور جو شخص میری طرف معمولی رفتار سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں)۔

یہ سب تشبیہات سمجھانے کے لئے ہیں، ورنہ حق سبحانہ و تقدس چلنا پھرنا وغیرہ سب سے مُبرّا ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ و تقدس اپنے یاد کرنے اور ڈھونڈنے والوں کی طرف ان کی طلب اور سعی سے زیادہ توجہ اور نزول فرماتے ہیں اور کیوں نہ فرماویں کہ کریم کے کرم کا مقتضا یہی ہے، پس جب کہ یاد کرنے والوں کی طرف یاد کرنے میں دوام ہوتا ہے تو پاک آقا کی طرف سے توجہ اور نزول میں دوام ہوتا ہے۔ کلام الہی چونکہ سراسر ذکر ہے اور اسکی کوئی آیت ذکر و توجہ الی اللہ سے خالی نہیں اس لئے یہی بات اس میں بھی پائی جاتی ہے، مگر اس میں ایک خصوصیت زیادہ ہے جو زیادتی تقرب کا سبب ہے، وہ یہ کہ ہر کلام متکلم کی

صفات و اثرات اپنے اندر لئے ہوئے ہوا کرتا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ فُتاق و فُجَار کے اشعار کا وِرد رکھنے سے اس کے اثرات پائے جاتے ہیں اور اتقیاء کے اشعار سے ان کے ثمرات پیدا ہوتے ہیں، اسی وجہ سے مَنطِقِ فلسفہ میں غُلُو سے نَخْو لے، تکبر پیدا ہوتا ہے اور حدیث کی کثرتِ مُزاوَلت سے تواضع پیدا ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فارسی اور انگریزی نفسِ زبان ہونے میں دونوں برابر ہیں، لیکن مصنفین جن کی کتب پڑھائی جاتی ہیں، ان کے اختلافِ اثرات سے ثمرات میں بھی اختلاف ہوتا ہے، بالجملہ چونکہ کلام میں ہمیشہ متکلم کے تاثرات پائے جاتے ہیں اس لئے کلامِ الہی کے تکرار وِرد سے اس کے متکلم کے اثرات کا پیدا ہونا اور ان سے طبعاً مناسبت پیدا ہو جانا یقینی ہے، نیز ہر مصنف کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کی تالیف کا اہتمام کیا کرتا ہے تو فطرۃً اس کی طرف التفات اور توجہ ہوا کرتی ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہ کے کلام کا وِرد رکھنے والے کی طرف حق سبحانہ و تقدس کی زیادتی توجہ بھی بدیہی اور یقینی ہے جو زیادتی قرب کا سبب ہوتی ہے۔ آقائے کریم اپنے کرم سے مجھے بھی اس لطف سے نوازیں اور تمہیں بھی۔

(۲۴) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
إِنَّ لِلَّهِ أَهْلِينَ مِنَ النَّاسِ، قَالُوا: مَنْ
هُمْ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: أَهْلُ
الْقُرْآنِ، هُمْ أَهْلُ اللَّهِ وَخَاصَّتُهُ. (رواه
النسائي وابن ماجه والحاكم وأحمد)

قرآن والے وہ لوگ ہیں جو ہر وقت کلامِ پاک میں مشغول رہتے ہوں، اس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں، ان کا اللہ کے اہل اور خواص ہونا ظاہر ہے اور گزشتہ مضمون سے واضح ہو گیا کہ جب یہ ہر وقت کلامِ پاک میں مشغول رہتے ہیں تو الطافِ باری بھی ہر وقت ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جو لوگ ہر وقت کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں وہ اہل اور خواص ہوتے ہیں۔ کس قدر بڑی فضیلت ہے کہ ذرا سی محنت و مشقت سے اللہ

والے بنتے ہیں، اللہ کے اہل شمار کئے جاتے ہیں اور اس کے خواص ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ دنیوی دربار میں صرف داخلہ کی اجازت کے لئے، ممبروں میں صرف شمول کے لئے کس قدر جانی اور مالی قربانی کی جاتی ہے، ووٹروں کے سامنے خوشامد کرنی پڑتی ہے، ویتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اس سب کو کام سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن شریف کی محنت کو بے کار سمجھا جاتا ہے۔

بہیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

(۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا أَذِنَ اللَّهُ لشيءٍ مَّا أَذِنَ لِنَبِيِّ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ. (رواه البخاری ومسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حق سبحانہ اتنا کسی کی طرف توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں جو کلام الہی خوش الحانی سے پڑھتا ہو۔

پہلے معلوم ہو چکا کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے کلام کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے ہیں۔ پڑھنے والوں میں انبیاء علیہم السلام چونکہ آداب تلاوت کو یکمالہ ادا کرتے ہیں، اس لئے ان کی طرف اور زیادہ توجہ ہونا بھی ظاہر ہے، پھر جب کہ حسن آواز اس کے ساتھ مل جاوے تو سونے پر سہاگہ ہے، جتنی بھی توجہ ہو ظاہر ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد اَلْأَفْضَلُ فَالْأَفْضَلُ حسب حیثیت پڑھنے والے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

(۲۶) عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اللَّهُ أَشَدُّ أَذْنَا إِلَى قَارِئِ الْقُرْآنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ إِلَى قَيْنَتِهِ. (رواه ابن ماجه وابن حبان والحاكم، كذا في شرح الإحياء، قلت: وقال الحاكم: صحيح على شرطهما، وقال الذهبي: منقطع.)

فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قاری کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سن رہا ہو۔

گانے کی آواز کی طرف فطرۃ اور طبعاً توجہ ہوتی ہے، مگر شرعی روک کی وجہ سے دیندار

لوگ ادھر متوجہ نہیں ہوتے، لیکن گانے والی اپنی مملوکہ ہو تو اس کا گانا سننے میں کوئی شرعی نقص بھی نہیں، اس لئے اس طرف کامل توجہ ہوتی ہے، البتہ کلام پاک میں یہ ضروری ہے کہ گانے کی آواز میں نہ پڑھا جائے، احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: ”إِيَّاكُمْ وَلُحُونُ أَهْلِ الْعِشْقِ“ (الحديث) یعنی اس سے بچو کہ جس طرح عاشق غزلوں کو آواز بنا بنا کر موسیقی قوانین پر پڑھتے ہیں، اس طرح مت پڑھو۔ مشائخ نے لکھا کہ اس طرح کا پڑھنے والا فاسق اور سننے والا گناہ گار ہے، مگر گانے کے قواعد کی رعایت کیے بغیر خوش آوازی مطلوب ہے، حدیث میں مُتَعَدِّد جگہ اس کی ترغیب آئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے قرآن شریف کو مزین کرو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے کلام اللہ شریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”غنیہ“ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کوفہ کے نواح میں جا رہے تھے کہ ایک جگہ فساق کا مجمع ایک گھر میں جمع تھا، ایک گویا جس کا نام زاذان تھا گارہا تھا اور سارنگی بجا رہا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی آواز سن کر ارشاد فرمایا: کیا ہی اچھی آواز تھی اگر قرآن شریف کی تلاوت میں ہوتی اور اپنے سر پر کپڑا ڈال کر گزرے ہوئے چلے گئے، زاذان نے ان کو بولتے ہوئے دیکھا، لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یہ ارشاد فرما گئے۔ اس پر اس مقولہ کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ حد نہیں اور قصہ مختصر کہ وہ اپنے سب آلات توڑ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے لگ لئے اور علامہ وقت ہوئے۔ غرض مُتَعَدِّد روایات میں اچھی آواز سے تلاوت کی مدح آئی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی گانے کی آواز میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف کو عرب کی آواز میں پڑھو، عشق بازوں اور یہود و نصاریٰ کی آواز میں مت پڑھو، عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو گانے اور نوحہ کرنے والوں کی طرح سے قرآن شریف کو بنا بنا کر پڑھے گی، وہ تلاوت ذرا بھی ان کے لئے نافع نہ ہوگی، خود بھی وہ لوگ فتنے میں پڑیں گے اور جن کو وہ پڑھنا اچھا معلوم ہو گا ان کو بھی فتنہ میں ڈالیں گے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی نے

حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ اچھی آواز سے پڑھنے والا کون شخص ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کہ جب تو اس کو تلاوت کرتے دیکھے تو محسوس کرے کہ اس پر اللہ کا خوف ہے، یعنی اس کی آواز سے مرعوب ہونا محسوس ہوتا ہو۔ اس سب کے ساتھ اللہ جلّ و علا کا بڑا انعام یہ ہے کہ آدمی اپنی حیثیت و طاقت کے موافق اس کا مکلف ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ و تقدس کی طرف سے فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ جو شخص کلام پاک پڑھے اور کما حقہ اس کو درست نہ پڑھ سکے تو وہ فرشتہ اس کو درست کرنے کے بعد اوپر لے جاتا ہے۔

اللَّهُمَّ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ۔

(۲۷) عَنْ عُبَيْدَةَ الْمَلِيكِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ! لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ، وَاتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ مِنْ أَنْاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَأَفْشُوهُ، وَتَغْنُوهُ وَتَدَبَّرُوا مَا فِيهِ، لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ، وَلَا تُعَجِّلُوا ثَوَابَهُ، فَإِنَّ لَهُ ثَوَابًا. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

حضرت عبیدہ مملکی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے قرآن والو! قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ اور اس کی تلاوت شب و روز ایسی کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، کلام پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معانی میں تدبّر کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا بدلہ (دنیا میں) میں طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کے لئے بڑا اجر و بدلہ ہے۔

حدیث بالا میں چند امور ارشاد فرمائے ہیں:

(۱) قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ، قرآن شریف سے تکیہ نہ لگانے کے دو مفہوم ہیں: اول یہ کہ اس پر تکیہ نہ لگاؤ کہ یہ خلافِ ادب ہے، ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک پر تکیہ لگانا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس کی طرف پشت کرنا، اس کو روندنا وغیرہ حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ کنایہ ہے غفلت سے کہ کلام پاک برکت کے واسطے تکیہ ہی پر رکھا رہے، جیسا کہ بعض مزارات پر دیکھا گیا کہ قبر کے سرہانے برکت کے واسطے رُحل پر رکھا رہتا ہے، یہ کلام پاک کی حق تلفی ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے۔

(۲) اور اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے یعنی کثرت سے آداب کی رعایت رکھتے

ہوئے۔ خود کلامِ پاک میں بھی اس کی طرف متوجہ فرمایا گیا۔ ارشاد ہے ”الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ“ (البقرة: ۱۲۱) (جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے) یعنی جس عزت سے بادشاہ کا فرمان اور جس شوق سے محبوب کا کلام پڑھا جاتا ہے اسی طرح پڑھنا چاہئے۔

(۳) اور اس کی اشاعت کرو یعنی تقریر سے تحریر سے ترغیب سے عملی شرکت سے جس طرح ہو سکے اس کی اشاعت جتنی ہو سکے کرو۔ نبی اکرم ﷺ کلامِ پاک کی اشاعت اور اس کے پھیلانے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن ہمارے روشن دماغ اس کے پڑھنے کو فضول بتلاتے ہیں اور ساتھ ہی حبِ رسول ﷺ اور حبِ اسلام کے لمبے چوڑے دعوے بھی ہاتھ سے نہیں جاتے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی! کیسے رہ کہ تو می روی بترکستان است

آقا کا حکم ہے کہ قرآنِ پاک کو پھیلاؤ، مگر ہمارا عمل ہے کہ جو کوشش اس کی رکاوٹ میں ہو سکے دریغ نہ کریں گے۔ جبریہ تعلیم کے قوانین بنوائیں گے تاکہ بچے بجائے قرآنِ پاک کے پرائمری پڑھیں، ہمیں اس پر غصہ ہے کہ مکتب کے میاں جی بچوں کی عمر ضائع کر دیتے ہیں، اس لئے ہم وہاں نہیں پڑھانا چاہتے۔ مسلم وہ یقیناً کوتاہی کرتے ہیں، مگر ان کی کوتاہی سے آپ سبک دوش ہو جاتے ہیں یا آپ پر سے قرآنِ پاک کی اشاعت کا فریضہ ہٹ جاتا ہے، اس صورت میں تو یہ فریضہ آپ پر عائد ہوتا ہے، وہ اپنی کوتاہیوں کے جواب دہ ہیں، مگر ان کی کوتاہی سے آپ بچوں کو جبراً قرآنِ پاک کے مکاتب سے ہٹا دیں اور ان کے والدین پر نوٹس جاری کرائیں کہ وہ قرآنِ پاک حفظ یا ناظرہ پڑھانے سے مجبور ہوں اور اس کا وبال آپ کی گردن پر رہے، یہ حمی وق کا علاج سنکھیا سے نہیں تو اور کیا ہے۔ عدالتِ عالیہ میں اپنے اس جواب کو ”اس لئے جبراً تعلیم قرآن سے ہٹا دیا کہ مکتب کے میاں جی بہت بری طرح سے پڑھاتے تھے“ آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ کتنا وزن رکھتا ہے؟ بننے کی دکان پر جانے کے واسطے یا انگریزوں کی چاکری کے واسطے ۳/۴ کی تعلیم اہمیت رکھتی ہو، مگر اللہ کے یہاں تعلیم قرآن سب سے اہم ہے۔

(۴) خوش آوازی سے پڑھو جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا۔

(۵) اور اس کے معنی میں غور کرو۔ تورات سے ”احیاء“ میں نقل کیا ہے، حق سبحانہ و تقدس ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندے! تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی، تیرے پاس راستے میں کسی دوست کا خط آ جاتا ہے تو چلتے چلتے راستے میں ٹھہر جاتا ہے، الگ کو بیٹھ کر غور سے پڑھتا ہے، ایک ایک لفظ پر غور کرتا ہے۔ میری کتاب تجھ پر گزرتی ہے، میں نے اس میں سب کچھ واضح کر دیا ہے۔ بعض اہم امور کا بار بار تکرار کیا ہے تاکہ تو اس پر غور کرے اور توبے پر واہی سے اڑا دیتا ہے۔ کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی ذلیل ہوں؟ اے میرے بندے! تیرے بعض دوست تیرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جاتا ہے، کان لگاتا ہے، غور کرتا ہے، کوئی بیچ میں تجھ سے بات کرنے لگتا ہے تو اشارے سے اس کو روکتا ہے، منع کرتا ہے۔ میں تجھ سے اپنے کلام کے ذریعے سے باتیں کرتا ہوں اور تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں؟ تدبیر اور غور کرنے کے متعلق کچھ مقدمہ میں اور کچھ حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں مذکور ہو چکا ہے۔

(۶) اور اس کا بدلہ دنیا میں نہ چاہو یعنی تلاوت پر کوئی معاوضہ نہ لو کہ آخرت میں اس کا بہت بڑا معاوضہ ملنے والا ہے۔ دنیا میں اگر اس کا معاوضہ لے لیا جاوے گا تو ایسا ہے جیسا کہ روپیوں کے بدلے کوئی شخص کوڑیوں پر راضی ہو جاوے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی اسلام کی ہیبت اس سے جاتی رہے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو برکت وحی سے یعنی فہم قرآن سے محروم ہو جائے گی۔ كَذَا فِي الْاِحْيَاءِ، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

(۲۸) عَنْ وَاثِلَةَ رَفَعَهُ: اُعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَةِ السَّبْعَ، وَ اُعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُورِ الْمِائِينَ، وَ اُعْطِيتُ مَكَانَ الْاِنْجِيلِ الْمِائِينَ، وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ. (لاحد والكبير، كذا في جمع الفوائد)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ مجھے تورات کے بدلہ میں سبع طُول ملی ہیں اور زبور کے بدلہ میں مِائین اور انجیل کے بدلہ میں مِائینی، اور مُفَصَّل مخصوص ہیں میرے ساتھ۔

کلام پاک کی اول سات سورتیں طُول کہلاتی ہیں، اس کے بعد کی گیارہ سورتیں مِائین

کہلاتی ہیں، اسکے بعد کی بیس سورتیں مثانی۔ اس کے بعد ختم قرآن تک مفصل، یہ مشہور قول ہے۔ بعض بعض سورتوں میں اختلاف بھی ہے کہ یہ طویل میں داخل ہیں یا مئین میں، اسی طرح مثانی میں داخل ہیں یا مفصل میں، مگر حدیث شریف کے مطلب و مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں آتا۔ مقصد یہ ہے کہ جس قدر کتب مشہورہ سماویہ پہلے نازل ہوئی ہیں ان سب کی نظیر قرآن شریف میں موجود ہے اور ان کے علاوہ مفصل اس کلام پاک میں مخصوص ہے جس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔

(۲۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَلَسْتُ فِي عَصَابَةٍ مِّنْ ضَعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ، وَإِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرَى، وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَقَامَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قُلْنَا: نَسْتَمِعُ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ مِن أُمَّتِي مَنْ أَمَرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ، قَالَ: فَجَلَسَ وَسُطْنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهِ فِينَا، ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ هَكَذَا، فَتَحَلَّقُوا وَبَرَزَتْ وَجُوهُهُمْ لَهُ، فَقَالَ: أَبْشَرُوا يَا مَعْشَرَ صَعَالِكِ الْمُهَاجِرِينَ، بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَذَلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ. (رواه ابوداود)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ضعیف مہاجرین کی جماعت میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا، ان لوگوں کے پاس کپڑا بھی اتنا نہ تھا کہ جس سے پورا بدن ڈھانپ لیں۔ بعض لوگ بعض کی اوٹ کرتے تھے اور ایک شخص قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہوئے اور بالکل ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ کے آنے پر قاری چپ ہو گیا تو حضور ﷺ نے سلام کیا اور پھر دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ کلام اللہ سن رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان میں ٹھہرنے کا حکم کیا گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ ہمارے

بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ سب کے برابر ہیں، کسی کے قریب کسی سے دور نہ ہوں، اس کے بعد سب کو حلقہ کر کے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ سب حضور ﷺ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فقراء مہاجرین! تمہیں مُژدہ ہو قیامت کے دن نور کامل کا اور اس بات کا کہ تم اغنیاء سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔

نگے بدن سے بظاہر محل ستر کے علاوہ مراد ہے، مجمع میں ستر کے علاوہ اور بدن کے کھلنے سے بھی حجاب معلوم ہوا کرتا ہے اس لئے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ گئے تھے کہ بدن نظر نہ آوے۔ حضور ﷺ کے تشریف لانے کی اول تو ان لوگوں کو اپنی مشغولی کی وجہ سے خبر نہ ہوئی، لیکن جب حضور ﷺ بالکل سر پر تشریف لے آئے تو معلوم ہوا اور قاری ادب کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔

حضور ﷺ کا دریافت فرمانا بظاہر اظہار مسرت کے لئے تھا، ورنہ حضور ﷺ قاری کو پڑھتے ہوئے دیکھ ہی چکے تھے۔ آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے ”وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ“ (الحج: ۴۷) اور اسی وجہ سے بظاہر جہاں قیامت کا ذکر آتا ہے غدا کے ساتھ آتا ہے جس کے معنی کل آئندہ کے ہیں، لیکن یہ سب باعتبار اُغلب اور عام مؤمنین کے ہے، ورنہ کافرین کے لئے وارد ہوا ہے: ”فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ“ (المعارج: ۴) ایسا دن جو پچاس ہزار برس کا ہوگا اور خواص مؤمنین کے لئے حسب حیثیت کم معلوم ہوگا، چنانچہ وارد ہوا ہے کہ بعض مؤمنین کے لئے بمنزلہ دور کعبۃ فجر کے ہوگا۔ قرآن شریف کے پڑھنے کے فضائل جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں بے حد ہیں، اس کے سننے کے فضائل بھی مُتَعَدِّد روایات میں آئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ سید المرسلین ﷺ کو ایسی مجلس میں شرکت کا حکم ہوا ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ قرآن پاک کا سننا پڑھنے سے بھی زیادہ افضل ہے، اس لئے کہ قرآن پاک کا پڑھنا نفل ہے اور سننا فرض، اور فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے جس میں

علماء کا اختلاف ہے کہ وہ نادار جو صبر کرنے والا ہوا اپنے فقر و فاقہ کو کسی پر ظاہر نہ کرتا ہو، وہ افضل ہے یا وہ مالدار جو شکر کرنے والا ہو، حقوق ادا کرنے والا ہو۔ اس حدیث سے صابر حاجت مند کی افضلیت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ اسْتَمَعَ إِلَى آيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللَّهِ، كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ مُّضَاعَفَةٌ، وَمَنْ تَلَاهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه أحمد عن عبادة بن ميسرة، واختلف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کے لئے دو چندی کی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔“

فی توثيقه عن الحسن عن أبي هريرة، والجمهور على ان الحسن لم يسمع عن أبي هريرة)

محدثین نے سند کے اعتبار سے اگرچہ اس میں کلام کیا ہے، مگر مضمون بہت سی روایات سے مؤید ہے کہ کلام پاک کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کو پڑھنے سے بھی افضل بتلایا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن شریف سنا، میں نے عرض کیا کہ حضور پر تو خود نازل ہی ہوا، حضور کو کیا سناؤں۔ ارشاد ہوا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سنوں۔ اس کے بعد انہوں نے سنایا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مرتبہ سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ کلام مجید پڑھ رہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ دیر تک کھڑے ہوئے سنتے رہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن شریف سنا تو تعریف فرمائی۔

(۳۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی والحاکم وقال: علی شرط البخاری)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ کا آواز سے پڑھنے والا علانیہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

صدقہ بعض اوقات علانیہ افضل ہوتا ہے جس وقت دوسروں کی ترغیب کا سبب

ہو یا اور کوئی مصلحت ہو اور بعض اوقات مخفی افضل ہوتا ہے جہاں ریا کا شبہ ہو یا دوسرے کی تذلیل ہوتی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کلام اللہ شریف کا بعض اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہے جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب ہو اور اس میں دوسرے کے سننے کا ثواب بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات آہستہ پڑھنا افضل ہوتا ہے جہاں دوسروں کو تکلیف ہو یا ریا کا احتمال ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے زور سے اور آہستہ دونوں طرح پڑھنے کی مستقل فضیلتیں بھی آئی ہیں کہ بعض اوقات یہ مناسب تھا اور بعض اوقات وہ افضل تھا۔ آہستہ پڑھنے کی فضیلت پر بہت سے لوگوں نے خود اس صدقہ والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ علیہ نے کتاب الشعب میں (مگر یہ روایت بقواعد محدثین ضعیف ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آہستہ کا عمل اعلانیہ کے عمل سے ستر حصہ زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ پکار کر اس طرح مت پڑھو کہ ایک کی آواز دوسرے کے ساتھ خلط ہو جائے۔ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ علیہ نے مسجد نبوی میں ایک شخص کو آواز سے تلاوت کرتے سنا تو اس کو منع کر دیا، پڑھنے والے نے کچھ حجت کی تو عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے واسطے پڑھتا ہے تو آہستہ پڑھ اور لوگوں کی خاطر پڑھتا ہے تو پڑھنا بیکار ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے پکار کر پڑھنے کا ارشاد بھی نقل کیا گیا، شرح احیاء میں دونوں طرح کی روایات و آثار ذکر کئے گئے۔

(۳۲) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ : عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم :
الْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ، وَمَا حِلُّ مُصَدِّقٍ،
مَنْ جَعَلَهُ أَمَامَهُ، قَادَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ
جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، سَاقَطَهُ إِلَى النَّارِ .
(رواہ ابن حبان والحاکم مطولا وصححه)

یعنی جس کی یہ شفاعت کرتا ہے اس کی شفاعت حق تعالیٰ شانہ کے یہاں مقبول ہے اور جس کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور جھگڑے کی تفصیل حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں گذر

چکی ہے کہ اپنی رعایت رکھنے والوں کے لئے درجات کے بڑھانے میں اللہ کے دربار میں جھگڑتا ہے اور اپنی حق تلفی کرنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق کیوں نہیں ادا کیا۔ جو شخص اس کو اپنے پاس رکھ لے یعنی اس کا اتباع اور اس کی پیروی اپنا دستور العمل بنالے اس کو جنت میں پہنچا دیتا ہے اور جو اس کو پشت کے پیچھے ڈال دے یعنی اس کا اتباع نہ کرے اس کا جہنم میں گرنا ظاہر ہے۔ بندہ کے نزدیک کلام پاک کے ساتھ لا پرواہی برتنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہو سکتا ہے۔ متعدد احادیث میں کلام اللہ شریف کے ساتھ بے پروائی پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ بخاری شریف کی اس طویل حدیث میں جس میں نبی کریم ﷺ کو بعض سزاؤں کی سیر کرائی گئی، ایک شخص کا حال دکھلایا گیا جس کے سر پر ایک پتھر اس زور سے مارا جاتا تھا کہ اس کا سر کچل جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر بتلایا گیا کہ اس شخص کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنا کلام پاک سکھلایا تھا، مگر اس نے نہ شب کو اس کی تلاوت کی نہ دن میں اس پر عمل کیا، لہذا قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ رہے گا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف کے ساتھ اپنے عذاب سے محفوظ رکھیں کہ درحقیقت کلام اللہ شریف اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے ساتھ بے توجہی پر جو سزا دی جاوے مناسب ہے۔

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: رَبِّ! إِنِّي مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ فِي النَّهَارِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ. وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: رَبِّ! مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفِّعْنِي فِيهِ، فَيُشَفَّعَانِ. (رواه أحمد وابن أبي الدنيا والطبرانی في الكبير، والحاكم وقال: صحيح على ما شرط مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ روزہ اور قرآن شریف دونوں بندہ کے لئے شفاعت کرتے ہیں، روزہ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے روک رکھا، میری شفاعت قبول کیجئے اور قرآن شریف کہتا ہے کہ یا اللہ! میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا، میری شفاعت قبول کیجئے، پس دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

ترغیب میں ”الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ“ کا لفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا۔ حاکم میں شراب کی جگہ شہوات کا لفظ ہے یعنی میں نے روزہ دار کو دن میں کھانے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے روکا، اس میں اشارہ ہے کہ روزہ دار کو خواہشاتِ نفسانیہ سے جدا رہنا چاہئے اگرچہ وہ جائز ہوں جیسا کہ پیار کرنا، لپٹنا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ قرآن مجید جو انمرد کی شکل میں آئے گا اور کہے گا کہ میں ہی ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور دن میں پیاسا رکھا، نیز اس حدیث شریف میں اشارہ ہے اس طرف کہ کلام اللہ شریف کے حفظ کا مقتضی یہ ہے کہ رات کو نوافل میں اس کی تلاوت بھی کرے۔ حدیث نمبر ۲۷ میں اس کی تصریح بھی گزر چکی۔ خود کلام پاک میں متعدد جگہ اس کی ترغیب نازل ہوئی۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ”وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ“ (بنی اسرائیل: ۷۹) دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا“ (الدھر: ۲۶)۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ”يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ“ (آل عمران: ۱۱۳) ایک جگہ ارشاد ہے: ”وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا“ (الفرقان: ۶۴) چنانچہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض مرتبہ تلاوت کرتے ہوئے تمام تمام رات گزر جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض مرتبہ وتر کی ایک رکعت میں وہ تمام قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرمایا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے دو رکعت میں کعبہ کے اندر تمام قرآن شریف پڑھا۔ ثابت بنانی رضی اللہ عنہ دن رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے اور اسی طرح ابوخرزہ رضی اللہ عنہ بھی۔ ابوشیخ ہنائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات میں دو قرآن مجید پورے اور تیسرے میں سے دس پارے پڑھے، اگر چاہتا تو تیسرا بھی پورا کر لیتا۔ صالح بن کیسان رضی اللہ عنہ جب حج کو گئے تو راستے میں اکثر ایک رات میں دو کلام مجید پورے کرتے تھے۔

منصور بن زاذان رضی اللہ عنہ صلوٰۃ الضحیٰ میں ایک کلام مجید اور دوسرا ظہر سے عصر تک پورا کرتے تھے اور تمام رات نوافل میں گزارتے تھے اور اتنا روتے تھے کہ عمامہ کا شملہ تر ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اور حضرات بھی جیسا کہ محمد بن نصر رضی اللہ عنہ نے قیام اللیل میں تخریج کیا

ہے۔ شرح احیاء میں لکھا ہے کہ سلف کی عادات ختم قرآن مجید میں مختلف رہی ہیں: بعض حضرات ایک ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ غیر رمضان المبارک میں، اور بعض دو ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ خود امام شافعی صاحب کا معمول رمضان المبارک میں تھا اور یہی معمول اسود رحمہ اللہ علیہ اور صالح بن کیسان رحمہ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا تھا۔ بعض کا معمول تین ختم روزانہ کا تھا، چنانچہ سلیم بن عمر رحمہ اللہ علیہ جو بڑے تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح مصر میں شریک تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ”قصص“ کا امیران کو بنایا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر شب میں تین ختم قرآن شریف کے کرتے تھے۔ نووی رحمہ اللہ علیہ کتاب الاذکار میں نقل کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مقدار جو تلاوت کے باب میں ہم کو پہنچی ہے وہ ابن الکاتب کا معمول تھا کہ دن رات میں آٹھ قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ علیہ نے امام احمد رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں، پڑھنے والے کے نشاط پر موقوف ہے۔ اہل تاریخ نے امام اعظم رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رمضان شریف میں اکٹھ قرآن شریف پڑھتے تھے، ایک دن کا اور ایک رات کا اور ایک تمام رمضان شریف میں تراویح کا، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین دن سے کم میں ختم کرنے والا تدبیر نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے ابن حزم رحمہ اللہ علیہ وغیرہ نے تین دن سے کم میں ختم کو حرام بتلایا ہے۔ بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اس سے کم میں پڑھنا بھی ثابت ہے، اسی طرح زیادتی میں بھی جمہور کے نزدیک تحدید نہیں، جتنے ایام میں بسہولت ہو سکے کلام مجید ختم کرے، مگر بعض علماء کا مذہب ہے کہ چالیس دن سے زائد ایک قرآن شریف میں خرچ نہ ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ کم از کم تین پاؤں روزانہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی وجہ سے کسی دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن اس کی قضا کر لے۔ غرض چالیس دن کے اندر اندر ایک مرتبہ کلام مجید پورا ہو جاوے۔

جمہور کے نزدیک اگرچہ یہ ضروری نہیں مگر جب بعض علماء کا مذہب ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ اس سے کم نہ ہو، نیز بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے،

صاحبِ مجمع نے ایک حدیث نقل کی ہے ”مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ عَزَبَ“ جس شخص نے قرآن شریف چالیس رات میں ختم کیا اس نے بہت دیر کی۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ ہر مہینہ میں ایک ختم کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ سات روز میں ایک کلام مجید ختم کر لے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول عامۃً یہی نقل کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے روز شروع کرے اور سات روز میں ایک منزل روزانہ کر کے پنج شنبہ کے روز ختم کر لے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ پہلے گزر چکا کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے، لہذا اس سے کم کسی طرح نہ ہونا چاہئے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ کلام پاک کا ختم اگر دن کے شروع میں ہو تو تمام دن، اور رات کے شروع میں ہو تو تمام رات ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس سے بعض مشائخ نے استنباط فرمایا ہے کہ گرمی کے ایام میں دن کے ابتدا میں ختم کرے اور موسم سرما میں ابتدائی شب میں تاکہ بہت سا وقت ملائکہ کی دعا کا میسر ہو۔

(۳۴) عَنْ سَعِيدِ بْنِ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مُرْسَلًا
قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ شَفِيعٍ
أَفْضَلَ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ
الْقُرْآنِ، لَا نَبِيٍّ وَلَا مَلَكٍ
وَلَا غَيْرُهُ. (قال العراقي: رواه عبد الملك بن
سعيد بن سليم بن سُلَيْمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حضورِ اقدس ﷺ کا
ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن
اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر
کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا، نہ کوئی
نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔)

(حبیب، کذا فی شرح الاحیاء)

کلام اللہ شریف کا شفیع اور اس درجہ کا شفیع ہونا جس کی شفاعت مقبول ہے اور بھی مُتَعَدِّد روایات سے معلوم ہو چکا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے میرے اور تمہارے لئے اس کو شفیع بنادے نہ کہ فریق مخالف اور مُدَّعی۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا مَصْنُوعُهُ“ میں بڑا رکی روایت سے نقل کیا ہے اور وضع کا حکم بھی اس پر نہیں لگایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے گھر کے لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کے سرہانے نہایت حسین و جمیل صورت میں ایک شخص ہوتا ہے، جب کفن دیا جاتا ہے تو وہ شخص کفن کے اور سینہ کے درمیان ہوتا ہے، جب دفن کرنے کے بعد لوگ لوٹتے ہیں اور مُنکر نکیر آتے ہیں تو وہ اس شخص کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ سوال یکسوئی میں

کریں، مگر یہ کہتا ہے کہ یہ میرا ساتھی ہے، میرا دوست ہے، میں کسی حال میں اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا، تم سوالات کے اگر مامور ہو تو اپنا کام کرو، میں اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہو سکتا کہ جنت میں داخل کراؤں۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ میں ہی وہ قرآن ہوں جس کو تو کبھی بلند پڑھتا تھا اور کبھی آہستہ، تو بے فکر رہ، منکر نکیر کے سوالات کے بعد تجھے کوئی غم نہیں ہے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے سوالات سے فارغ ہو جاتے ہیں تو یہ ملاً اعلیٰ سے بستر وغیرہ کا انتظام کرتا ہے جو ریشم کا ہوتا ہے اور اس کے درمیان مُشک بھرا ہوا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے بھی نصیب فرماویں اور تمہیں بھی۔ یہ حدیث بڑے فضائل پر شامل ہے جس کو تطویل کے خوف سے مختصر کر دیا ہے۔

(۳۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَقَدْ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُوحَى إِلَيْهِ، لَا يَنْبَغِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ أَنْ يَجِدَ مَعَ مَنْ وَجَدَ، وَلَا يَجْهَلَ مَعَ مَنْ جَهِلَ وَفِي جَوْفِهِ كَلَامُ اللَّهِ. (رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام اللہ شریف پڑھا اس نے علوم نبوت کو اپنی پسلیوں کے درمیان لے لیا، گو اس کی طرف وحی نہیں بھیجی جاتی۔ حامل قرآن کے لئے مناسب نہیں کہ غصہ والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے

ساتھ جہالت کرے، حالانکہ اس کے پیٹ میں اللہ کا کلام ہے۔

چونکہ وحی کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو گیا، اس لئے وحی تو اب آ نہیں سکتی لیکن چونکہ یہ حق سبحانہ و تقدس کا پاک کلام ہے اس لئے علم نبوت ہونے میں کیا تاثر ملے ہے اور جب کوئی شخص علوم نبوت سے نوازا جاوے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے مناسب بہترین اخلاق پیدا کرے اور بُرے اخلاق سے احتراز کرے۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حافظ قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھانے والا ہے، اس کے لئے مناسب نہیں کہ لہو و لعب میں لگنے والوں میں لگ جاوے یا غافلین میں شریک ہو جاوے یا بے کار لوگوں میں داخل ہو جاوے۔

(۳۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ثَلَاثَةٌ لَا يَهْوُلُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَلَا يَنَالُهُمُ الْحِسَابُ، هُمْ عَلَى كَثِيبٍ مِّنْ مَّسْكِ حَتَّى يُفْرَغَ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ: رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَآمَ بِهِ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ، وَدَاعٍ يَدْعُو إِلَى الصَّلَوَاتِ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ أَحْسَنَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ، وَفِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَوَالِيهِ. (رواه الطبرانی فی المعجم الثلاثة)

ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو قیامت کا خوف و امن گیر نہ ہوگا، نہ ان کو حساب کتاب دینا پڑیگا اتنے مخلوق اپنے حساب کتاب سے فارغ ہو، وہ مُشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے، ایک وہ شخص جس نے اللہ کے واسطے قرآن شریف پڑھا اور امامت کی اس طرح پر کہ مقتدی اس سے راضی رہے، دوسرا وہ شخص جو لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہو صرف اللہ کے واسطے۔

تیسرا وہ شخص جو اپنے مالک سے بھی اچھا معاملہ رکھے اور اپنے ماتحتوں سے بھی۔

قیامت کی سختی، اس کی دہشت، اس کا خوف، اس کی مصیبتیں اور تکالیف ایسی نہیں کہ کسی مسلمان کا دل اس سے خالی ہو یا بے خبر ہو۔ اس دن میں کسی بات کی وجہ سے بے فکری نصیب ہو جاوے یہ بھی لاکھوں نعمتوں سے بڑھ کر اور کروڑوں راحتوں سے مُنغتنم ہے، پھر اس کے ساتھ اگر تفریح و تنعم بھی نصیب ہو جاوے تو خوشا نصیب اس شخص کے جس کو یہ میسر ہو اور بربادی و خسران ہے ان بے حسوں کے لئے جو اس کو لغو بیکار اور اضاعت وقت سمجھتے ہیں۔ معجم کبیر میں اس حدیث شریف کے شروع میں روایت کرنے والے صحابی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر میں نے اس حدیث کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ، غرض سات دفعہ یہ لفظ کہا یعنی اگر سات مرتبہ نہ سنا ہوتا کبھی نقل نہ کرتا۔

(۳۷) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا أَبَا ذَرٍّ! لَأَنْ تَعْدُو فَتَعْلَمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، خَيْرٌ لَّكَ مِنْ

ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابو ذر! اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ

أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ، وَلَآنُ تَغْدُو فَتَعْلَمَ أَبَا مَنْ الْعِلْمِ عَمِلَ بِهِ أَوْلَمَ يُعْمَلُ بِهِ، خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رَكْعَةٍ. (رواه ابن ماجه بإسناد حسن)

لے تو نوافل کی ستوا رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس وقت وہ معمول بہ ہو یا نہ ہو تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

بہت سی احادیث اس مضمون میں وارد ہیں کہ علم کا سیکھنا عبادت سے افضل ہے۔ فضائل علم میں جس قدر روایات وارد ہوئی ہیں ان کا احاطہ بالخصوص اس مختصر رسالہ میں دشوار ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شیطان پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

(۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ فِي لَيْلَةٍ، لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِينَ. (رواه الحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص دس آیتوں کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ اس رات میں غافلین سے شمار نہیں ہوگا۔

دس آیات کی تلاوت سے جس کے پڑھنے میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں تمام رات کی غفلت سے نکل جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔

(۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ حَافَظَ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوباتِ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِينَ، وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِائَةَ آيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِينَ. (رواه ابن خزيمة في صحيحه والحاكم وقال: صحيح على شرطهما)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں فرض نمازوں پر مداومت کرے وہ غافلین سے نہیں لکھا جاوے گا، جو شخص سو آیات کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ اس رات میں قانتین سے لکھا جاوے گا۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص سو آیتیں رات کو

پڑھے کلام اللہ شریف کے مطالبے سے بچ جاوے گا، جو دو سو پڑھ لے تو اس کو رات بھر کی عبادت کا ثواب ملے گا اور جو پانچ سو سے ہزار تک پڑھ لے اس کے لئے ایک قنطار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ قنطار کیا ہوتا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بارہ ہزار کے برابر (درہم مراد ہوں یا دینار)۔

(۴۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَزَلَ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَتَكُونُ فِتْنٌ، قَالَ: فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا، يَا جِبْرِئِيلُ! قَالَ: كِتَابُ اللَّهِ. (رواہ رزین، کذا فی الرحمة المہداة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

کتاب اللہ پر عمل بھی فتنوں سے بچنے کا کفیل ہے اور اس کی تلاوت کی برکت بھی فتنوں سے خلاصی کا سبب ہے۔ حدیث نمبر ۲۲ میں گذر چکا کہ جس گھر میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے سیکنہ اور رحمت اس گھر میں نازل ہوتی ہے اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں۔ فتنوں سے مراد خروج و جال، فتنہ تاتار وغیرہ علماء نے بتلائے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایک طویل روایت میں حدیث بالا کا مضمون وارد ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو اپنے کلام کے پڑھنے کا حکم فرماتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قوم اپنے قلعہ میں محفوظ ہو اور اس کی طرف کوئی دشمن متوجہ ہو کہ جس جانب سے بھی وہ حملہ کرنا چاہے اسی جانب میں اللہ کے کلام کو اس کا محافظ پاوے گا اور وہ اس دشمن کو دفع کر دے گا۔

خاتمہ

(۱) عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَضْرًا كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ
مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي كِتَابِ الشِّفَاءِ مَنْ كَلَّ هَرَبِيَّ سَلَّمَ

ذَاء. (رواه الدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

خاتمہ میں بعض ایسی سورتوں کے فضائل ہیں جو پڑھنے میں بہت مختصر لیکن فضائل میں بہت بڑھی ہوئی ہیں اور اسی طرح دو ایک ایسے خاص امر ہیں جن پر تنبیہ قرآن پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے۔

سورہ فاتحہ کے فضائل بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں: ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے، حضور ﷺ نے ان کو بلایا، وہ نماز کی وجہ سے جواب نہ دے سکے۔ جب فارغ ہو کر حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر جواب کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے نماز کا عذر کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن شریف کی آیت میں نہیں پڑھا: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ“ (الانفال: ۶۴) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب بھی وہ تم کو بلاویں) پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے قرآن شریف کی سب سے بڑی سورت یعنی سب سے افضل تلاؤں؟ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ الحمد کی سات آیتیں ہیں، یہ سبع مثانی ہیں اور قرآن عظیم۔ بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں تھا وہ سب کلام پاک میں آگیا اور جو کلام پاک میں ہے وہ سب سورہ فاتحہ میں آگیا اور جو کچھ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں آگیا اور جو بسم اللہ میں ہے وہ اس کی ”ب“ میں آگیا۔ اس کی شرح بتلاتے ہیں کہ ”ب“ کے معنی اس جگہ ملانے کے ہیں اور مقصود سب چیز سے بندہ کا اللہ جلّ جلالہ کے ساتھ ملا دینا ہے۔ بعض نے اس کے آگے اضافہ کیا ہے کہ ”ب“ میں جو کچھ ہے وہ اس کے نقطہ میں آگیا یعنی وحدانیت، کہ نقطہ اصطلاح میں کہتے ہیں اس چیز کو جس کی تقسیم نہ

ہو سکتی ہو۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ (الفاتحہ: ۴) میں تمام مقاصد دینی و دنیوی آگئے۔

ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس جیسی سورت نازل نہیں ہوئی، نہ تورات میں، نہ انجیل میں، نہ زبور میں، نہ بقیہ قرآن پاک میں۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر سورۃ فاتحہ کو ایمان و یقین کے ساتھ پڑھے تو ہر بیماری سے شفا ہوتی ہے، دینی ہو یا دنیوی، ظاہری ہو یا باطنی، لکھ کر لڑکانا اور چاٹنا بھی امراض کے لئے نافع ہے۔ صحاح کی کتابوں میں وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سانپ بچھو کے کاٹے ہوؤں پر اور مرگی والوں پر اور دیوانوں پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور حضور ﷺ نے اس کو جائز بھی رکھا۔ نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ نے اس سورت کو دم فرمایا اور یہ سورت پڑھ کر لعابِ دہن درد کی جگہ لگایا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سونے کے ارادہ سے لیٹے اور سورۃ فاتحہ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے، موت کے سوا ہر بلا سے امن پاوے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سورۃ فاتحہ ثواب میں دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عرش کے خاص خزانہ سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں کہ اور کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی: (۱) سورۃ فاتحہ (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورۃ بقرہ کی آخری آیات (۴) اور سورۃ کوثر۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا اس نے گویا تورات، انجیل، زبور اور قرآن شریف کو پڑھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ اور زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی: اول جب کہ اس پر لعنت ہوئی، دوسرے جب کہ اس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا۔ تیسرے جب کہ حضور اکرم ﷺ کو نبوت ملی، چوتھے جب کہ سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

شععی رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور درگرددہ کی شکایت کی، شععی رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اَسَاسُ الْقُرْآنِ پڑھ کر درد کی جگہ دم کر۔ اس نے پوچھا کہ اَسَاسُ الْقُرْآنِ کیا ہے؟ شععی رحمہ اللہ علیہ نے کہا: سورۃ فاتحہ۔ مشائخ کے اعمالِ مجرب میں لکھا ہے کہ

سورہ فاتحہ اسم اعظم ہے، ہر مطلب کے لئے پڑھنی چاہئے اور اس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے میم کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا لام ملا کر اکتالیس بار چالیس دن تک پڑھے، جو مطلب ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ حاصل ہوگا اور اگر کسی مریض یا جادو کئے ہوئے کے لئے ضرورت ہو تو پانی پر دم کر کے اس کو پلاوے۔ دوسرے یہ کہ نوچندی اتوار کو صبح کی سنت اور فرض کے درمیان بلا قید میم ملانے کے ستر بار پڑھے اور اس کے بعد ہر روز اسی وقت پڑھے اور دس دس بار کم کرتا جاوے، یہاں تک کہ ہفتہ ختم ہو جاوے۔ اول مہینے میں اگر مطلب پورا ہو جاوے فَبِہَا، ورنہ دوسرے تیسرے مہینے میں اسی طرح کرے، نیز اس سورت کا چینی کے برتن پر گلاب اور مشک و زعفران سے لکھ کر اور دھو کر پلانا چالیس روز تک، امراضِ مُزْمِنَہ (یعنی پرانے امراض) کے لئے مجرب ہے، نیز دانتوں کے درد اور سر کے درد، پیٹ کے درد کے لئے سات بار پڑھ کر دم کرنا مجرب ہے (یہ سب مضمون ”مظاہر حق“ سے مختصر طور سے نقل کیا گیا)۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھلا ہے جو آج سے قبل کبھی نہیں کھلا تھا، پھر اس میں سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ نازل ہوا جو آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا تھا، پھر اس فرشتہ نے عرض کیا کہ دو نوروں کی بشارت لیجئے جو آپ سے قبل کسی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورہ فاتحہ، دوسرا خاتمہ سورہ بقرہ یعنی سورہ بقرہ کا اخیر رکوع۔ ان کو نور اس لئے فرمایا کہ قیامت کے دن اپنے بیڑھنے والے کے آگے آگے چلیں گے۔

(۲) عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَرَأَ يَسَ فِي صَدْرِ النَّهَارِ، قُضِيَتْ حَوَائِجُهُ
(رواہ الدارمی)

عطاء بن ابی رباح رضی اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص سورہ یس کو شروع دن میں پڑھے اس کی تمام دن کی حوائج پوری ہو جائیں۔

احادیث میں سورہ لیس کے بھی بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں

وارد ہوا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک دل ہوا کرتا ہے، قرآن شریف کا دل سورہ یٰس ہے۔ جو شخص سورہ یٰس پڑھتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے دس قرآنوں کا ثواب لکھتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے سورہ طہ اور سورہ یٰس کو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے پڑھا۔ جب فرشتوں نے سنا تو کہنے لگے کہ خوشحالی ہو اس امت کے لئے جن پر یہ قرآن اتارا جائے گا اور خوشحالی ہے ان دلوں کے لئے جو اس کو اٹھائیں گے یعنی یاد کریں گے اور خوشحالی ہے ان زبانوں کے لئے جو اس کو تلاوت کریں گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سورہ یٰس کو صرف اللہ کی رضا کے واسطے پڑھے اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پس اس سورہ کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سورہ یٰس کا نام توراۃ میں منعمہ ہے کہ اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے اور یہ دنیا و آخرت کی مصیبت کو دور کرتی ہے اور آخرت کی ہول کو دور کرتی ہے۔ اس سورہ کا نام رافعہ خافضہ بھی ہے یعنی مومنوں کے رتبے بلند کرنے والی اور کافروں کو پست کرنے والی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورہ یٰس میرے ہر امتی کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورہ یٰس کو ہر رات میں پڑھا پھر مر گیا تو شہید مرا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو یٰس کو پڑھتا ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور جو بھوک کی حالت میں پڑھتا ہے وہ سیر ہو جاتا ہے اور جو راستہ گم ہو جانے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ راستہ پالیتا ہے اور جو شخص جانور کے گم ہو جانے کی وجہ سے پڑھے وہ پالیتا ہے اور جو ایسی حالت میں پڑھے کہ کھانا کم ہو جانے کا خوف ہو تو وہ کھانا کافی ہو جاتا ہے اور جو ایسے شخص کے پاس پڑھے جو غزع میں ہو تو اس پر غزع میں آسانی ہو جاتی ہے اور جو ایسی عورت پر پڑھے جس کو بچہ ہونے میں دشواری ہو رہی ہو اس کے لئے بچہ جننے میں سہولت ہوتی ہے۔ مقررۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ یا دشمن کا خوف ہو اور اس کے لئے سورہ یٰس پڑھے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس نے سورہ یٰس اور الصّٰفّٰت جمعہ کے دن پڑھی اور پھر اللہ سے دعا کی، اس کی دعا پوری ہوتی ہے (اس کا بھی اکثر مظاہر حق

سے منقول ہے، مگر مشائخ حدیث کو بعض روایات کی صحت میں کلام ہے)

(۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ، لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا، وَكَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ يَأْمُرُ بَنَاتِهِ يَقْرَأْنَ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ. (رواه البيهقي في الشعب)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہیں ہوگا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہر شب میں اس سورۃ کو پڑھیں۔

سورۃ واقعہ کے فضائل بھی متعدد روایات میں وارد ہوئے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سورۃ حدید، سورۃ واقعہ اور سورۃ رحمن پڑھتا ہے وہ جنت الفردوس کے رہنے والوں میں پکارا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۃ واقعہ سورۃ غنی ہے، اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھاؤ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے، مگر بہت ہی پست خیالی ہے کہ چار پیسے کے لئے اس کو پڑھا جاوے، البتہ اگر غنائے قلب اور آخرت کی نیت سے پڑھے تو دنیا خود بخود ہاتھ جوڑ کر حاضر ہوگی۔

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ سُورَةَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّى غُفِرَ لَهُ، وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ. (رواه ابو داود و أحمد والنسائي وابن ماجة والحاكم وصححه وابن حبان في صحيحه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں ایک سورت تیس آیات کی ایسی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی مغفرت کراوے، وہ سورت ”تَبَارَكَ الَّذِي“ ہے۔

سورۃ تَبَارَكَ الَّذِي کے متعلق بھی ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورۃ ہر مومن کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے ”تَبَارَكَ الَّذِي“ اور ”الْمَسْجِدُ“ کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھا، گویا اس نے لَیْلَةُ الْقَدْرِ میں قیام کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا اس

کے لئے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ستر برائیاں دور کی جاتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا اس کے لئے عبادتِ لیلۃ القدر کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ (کذا فی المظاہر)

ترمذی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک جگہ خیمہ لگایا، ان کو علم نہ تھا کہ وہاں قبر ہے۔ اچانک ان خیمہ لگانے والوں نے اس جگہ کسی کو سورۃ تبارک الذی پڑھتے ہوئے سنا تو حضور ﷺ سے آکر عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ اللہ کے عذاب سے روکنے والی ہے اور نجات دینے والی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک ”الم سجدہ“ اور ”سورۃ تبارک الذی“ نہ پڑھ لیتے تھے۔ خالد بن معدان رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک شخص بڑا گناہ گار تھا اور سورۃ سجدہ پڑھا کرتا تھا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا۔ اس سورت نے اپنے پر اس شخص پر پھیلا دیئے کہ اے رب! یہ شخص میری بہت تلاوت کرتا تھا، اس کی شفاعت قبول کی گئی اور حکم ہو گیا کہ ہر خطا کے بدلے میں ایک نیکی دی جائے۔ خالد بن معدان رحمہ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو میری شفاعت قبول کر، ورنہ مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور بمنزلہ پرندہ کے بن جاتی ہے اور اپنے پر میت پر پھیلا دیتی ہے اور اس پر عذابِ قبر ہونے سے مانع ہوتی ہے اور یہی سارا مضمون وہ ”تبارک الذی“ کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔ خالد بن معدان رحمہ اللہ علیہ اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک دونوں سورتیں نہ پڑھ لیتے۔ طاؤس رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں تمام قرآن کی ہر سورۃ پر ساٹھ نیکیاں زیادہ رکھتی ہیں۔ عذابِ قبر کوئی معمولی چیز نہیں، ہر شخص کو مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر سے سابقہ پڑتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت و جہنم کے تذکرہ سے بھی اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر سے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ قبر منازلِ آخرت میں سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس کے عذاب سے نجات پالے آئندہ کے واقعات اس

کے لئے سہل ہوتے ہیں اور اگر اس سے نجات نہ پائے تو آنے والے حوادث اس سے سخت ہوتے ہیں۔ نیز میں نے یہ بھی سنا ہے کہ قبر سے زیادہ متوحش کوئی منظر نہیں۔ (جمع الفوائد)

اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِفَضْلِكَ وَمِنْكَ۔

(۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُولَ اللَّهِ! أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْحَالُ الْمُتَحَلُّ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْحَالُ الْمُتَحَلُّ؟ قَالَ: صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِهِ حَتَّى يَبْلُغَ آخِرَهُ، وَمِنْ آخِرِهِ حَتَّى يَبْلُغَ أَوَّلَهُ، كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ. (رواه الترمذی کما فی الرحمة، والحاکم وقال: تفرد به صالح المزنی وهو من زهاد أهل البصرة، إلا أن الشيخین لم یخرجاہ، وقال الذہبی: صالح متروک، قلت: هو من رواة أبی داود والترمذی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ بہترین اعمال میں سے کونسا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حال مُتحل۔ لوگوں نے پوچھا کہ حال مُتحل کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ صاحب القرآن ہے جو اول سے چلے حتیٰ کہ اخیر تک پہنچے اور اخیر کے بعد پھر اول پر پہنچے، جہاں ٹھہرے پھر آگے چل دے۔

حال کہتے ہیں منزل پر آنے والے کو اور مُتحل کوچ کرنے والے کو، یعنی یہ کہ جب کلام پاک ختم ہو جائے تو پھر از سر نو شروع کرے، یہ نہیں کہ بس اب ختم ہو گیا دوبارہ پھر دیکھا جائے گا۔ کنز العمال کی ایک روایت میں اس کی شرح وارد ہوئی ہے: الْخَاسِمُ الْمُفْتَحُ ختم کرنے والا اور ساتھ ہی شروع کرنے والا، یعنی ایک قرآن ختم کرنے کے بعد ساتھ ہی دوسرا شروع کر لے۔ اسی سے غالباً وہ عادت ماخوذ ہے جو ہمارے دیار میں متعارف ہے کہ ختم قرآن شریف کے بعد مُفْلِحُونَ تک پڑھا جاتا ہے، مگر اب لوگ اسی کو مستقل ادب سمجھتے ہیں اور پھر پورا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دراصل معاد دوسرا قرآن شریف شروع کرنا بظاہر مقصود ہے جس کو پورا بھی کرنا چاہئے۔ شرح احیاء میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”اتقان“ میں بروایت دارمی نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے تو سورہ بقرہ سے مُفْلِحُونَ تک ساتھ ہی پڑھتے

اور اس کے بعد ختم قرآن کی دعا فرماتے تھے۔

(۶) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی خبر گیری کیا کرو، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قرآن پاک جلد نکل جانے والا ہے سینوں

سے بہ نسبت اونٹ کے اپنی رسیوں سے۔

یعنی آدمی اگر جانور کی حفاظت سے غافل ہو جاوے اور وہ رسی سے نکل جاوے تو بھاگ جاوے گا، اسی طرح کلام پاک کی اگر حفاظت نہ کی جاوے تو وہ بھی یاد نہیں رہے گا اور بھول جاوے گا، اور اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ یاد ہو جانا درحقیقت یہ خود قرآن شریف کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے ورنہ اس سے آدمی تہائی مقدار کی کتاب بھی یاد ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب بہ محال ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اس کے یاد ہو جانے کو سورہ قمر میں بطور احسان کے ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی: ”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ“ (اتقرء) کہ ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کے لئے سہل کر رکھا ہے، کوئی ہے حفظ کرنے والا۔ صاحب جلالین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ استفہام اس آیت میں امر کے معنی میں ہے، تو جس چیز کو حق تعالیٰ شانہ بار بار تاکید سے فرما رہے ہوں اس کو ہم مسلمان لغو اور حماقت اور بیکار اضاعت وقت سے تعبیر کرتے ہوں۔ اس حماقت کے بعد پھر بھی ہماری تباہی کے لئے کسی اور چیز کے انتظار کی ضرورت باقی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اگر اپنی یاد سے تورات لکھا دیں تو اس کی وجہ سے اللہ کے بیٹے پکارے جاویں اور مسلمانوں کے لئے اللہ جل ثنا نے اس لطف و احسان کو عام فرما رکھا ہے تو اس کی یہ قدر دانی کی جاوے ”فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“ (الشعراء: ۲۲۷)۔

بالجملہ یہ محض حق تعالیٰ شانہ کا لطف و انعام ہے کہ یہ یاد ہو جاتا ہے۔ اس کے

بعد اگر کسی شخص کی طرف سے بے توجہی پائی جاتی ہے تو اس سے بھلا دیا جاتا ہے، قرآن شریف پڑھ کر بھلا دینے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر امت کے گناہ پیش کئے گئے، میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں پایا کہ کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر بھلا دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھ کر بھلا دے قیامت کے دن اللہ کے دربار میں کوڑھی حاضر ہوگا۔ ”جمع الفوائد“ میں رزین کی روایت سے آیت ذیل کو دلیل بنایا ہے ”اقْرَءُوا إِن شِئْتُمْ“ ”قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا“ (طہ: ۱۲۵) جو شخص ہمارے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں اور قیامت کے روز اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! میں تو آنکھوں والا تھا، مجھے اندھا کیوں کر دیا؟ ارشاد ہوگا: اس لئے کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا۔ پس آج تو بھی اسی طرح بھلا دیا جائے گا، یعنی تیری کوئی اعانت نہیں۔

(۷) عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَاكَلُ بِهِ النَّاسُ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ، لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ. (رواہ البیہقی فی شعب الإیمان)

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے تا کہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔

یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلب دنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ہم میں عجمی و عربی ہر طرح کے لوگ ہیں، جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو۔ عنقریب ایک جماعت آنے والی ہے جو قرآن شریف کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے یعنی خوب سنواریں گے، ایک ایک حرف کو گھنٹوں درست کریں گے اور مخارج کی رعایت میں خوب تکلف کریں گے اور یہ سب دنیا کے واسطے ہوگا، آخرت سے

ان لوگوں کو کچھ بھی سروکار نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ محض خوش آوازی بیکار ہے جب کہ اس میں اخلاص نہ ہو، محض دنیا کمانے کے واسطے کیا جاوے۔ چہرہ پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اشرفُ الاشیاء کو ذلیل چیز کمانے کا ذریعہ کیا تو اشرفُ الاعضاء چہرہ کو رونق سے محروم کر دیا جائے گا۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو تلاوت کے بعد لوگوں سے کچھ طلب کر رہا تھا، یہ دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے، اس کو جو مانگنا ہو اللہ سے مانگے۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو پڑھنے کے بعد لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔ مشائخ سے منقول ہے کہ جو شخص علم کے ذریعے سے دنیا کماوے اس کی مثال ایسی ہے کہ جوتے کو اپنے رخسار سے صاف کرے۔ اس میں شک نہیں کہ جوتا تو صاف ہو جاوے گا، مگر چہرہ سے صاف کرنا حماقت کی مُلتہا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے ”أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ“ (البقرہ: ۱۷۵) (یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خریدی ہے، پس نہ ان کی تجارت کچھ نفع والی ہے اور نہ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن شریف کی ایک سورت پڑھائی تھی، اس نے ایک کمان مجھے ہدیہ کے طور سے دی۔ میں نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کی ایک کمان تو نے لے لی۔ اسی طرح کا واقعہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق نقل کیا اور حضور ﷺ کا جواب یہ نقل کیا کہ جہنم کی ایک چنگاری اپنے مونڈھوں کے درمیان لٹکا دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر تو چاہے کہ جہنم کا ایک طوق گلے میں ڈالے تو اس کو قبول کر لے۔

یہاں پہنچ کر میں ان حفاظ کی خدمت میں جن کا مقصد قرآن شریف کے مکتبوں سے فقط پیسہ ہی کمانا ہے بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ لِلّٰہِ اپنے منصب اور اپنی ذمہ داری کا لحاظ کیجئے۔ جو لوگ آپ کی بدعتیوں کی وجہ سے کلام مجید پڑھانا یا حفظ کرانا بند کرتے ہیں اس کے وبال میں وہ تنہا گرفتار نہیں، خود آپ لوگ بھی اس کے جواب دہ اور قرآن پاک کے

بند کرنے والوں میں شریک ہیں۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اشاعت کرنے والے ہیں، لیکن درحقیقت اس اشاعت کے روکنے والے ہم ہی لوگ ہیں جن کی بد اطواریاں اور بد نیتیاں دنیا کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ قرآن پاک ہی کو چھوڑ بیٹھیں۔ علماء نے تعلیم کی تنخواہ کو اس لئے جائز نہیں فرمایا کہ ہم لوگ اسی کو مقصود بنالیں، بلکہ حقیقتاً مدرسین کی اصل غرض صرف تعلیم اور اشاعتِ علم و قرآن شریف ہونے کی ضرورت ہے اور تنخواہ اس کا معاوضہ نہیں بلکہ رفع ضرورت کی ایک صورت ہے جس کو مجبوراً اور اضطرار کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔

تہمت

قرآن پاک کے ان سب فضائل اور خوبیوں کے ذکر کرنے سے مقصود اس کے ساتھ محبت پیدا کرنا ہے، اس لئے کہ کلام اللہ شریف کی محبت حق تعالیٰ شانہ کی محبت کے لئے لازم و ملزوم ہے اور ایک کی محبت دوسرے کی محبت کا سبب ہوتی ہے۔ دنیا میں آدمی کی خلقت صرف اللہ جل ثنا کی معرفت کے لئے ہوئی ہے اور آدمی کے علاوہ سب چیز کی خلقت آدمی کے لئے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو تانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہری

کہتے ہیں بادل و ہوا، چاند و سورج، آسمان و زمین، غرض ہر چیز تیری خاطر کام میں مشغول ہے تاکہ تو اپنی حوائج ان کے ذریعے سے پوری کرے اور عبرت کی نگاہ سے دیکھے کہ آدمی کی ضروریات کے لئے یہ سب چیزیں کس قدر فرماں بردار و مطیع اور وقت پر کام کرنے والی ہیں اور تنبیہ کے لئے کبھی کبھی ان میں تخلف بھی تھوڑی دیر کے لئے کر دیا جاتا ہے۔ بارش کے وقت بارش نہ ہونا، ہوا کے وقت ہوا نہ چلنا، اسی طرح گرہن کے ذریعے سے چاند سورج، غرض ہر چیز میں کوئی تغیر بھی پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ایک غافل کے لئے تنبیہ کا تازیانہ بھی لگے۔ اس سب کے بعد کس قدر حیرت کی بات ہے کہ تیری وجہ سے یہ سب چیزیں تیری ضروریات کے تابع کی جاویں اور ان کی فرماں برداری بھی تیری اطاعت اور

فرمانبرداری کا سبب نہ بنے، اور اطاعت و فرمانبرداری کے لئے بہترین معین محبت ہے ”اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ“ جب کسی شخص سے محبت ہو جاتی ہے، عشق و فریفتگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی اطاعت و فرماں برداری طبیعت اور عادت بن جاتی ہے اور اس کی نافرمانی ایسی ہی گراں اور شاق ہوتی ہے جیسے کہ بغیر محبت کے کسی کی اطاعت خلاف عادت و طبع ہونے کی وجہ سے بار ہوتی ہے، کسی چیز سے محبت پیدا کرنے کی صورت اس کے کمالات و جمال کا مشاہدہ ہے، حواسِ ظاہرہ سے ہو یا حواسِ باطنہ میں استحضار سے۔ اگر کسی کے چہرے کو دیکھ کر بے اختیار اس سے وابستگی ہو جاتی ہے تو کسی کی دل آویز آواز بھی بسا اوقات مقناطیس کا اثر رکھتی ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیس دولت از گفتار خیزد

عشق ہمیشہ صورت ہی سے پیدا نہیں ہوتا بسا اوقات یہ مبارک دولت بات سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کان میں آواز پڑ جانا اگر کسی کی طرف بے اختیار کھینچتا ہے تو کسی کے کلام کی خوبیاں، اس کے جوہر، اس کے ساتھ الفت کا سبب بن جاتی ہیں، کسی کے ساتھ عشق پیدا کرنے کی تدبیر اہل فن نے یہ بھی لکھی ہے کہ اس کی خوبیوں کا استحضار کیا جاوے، اس کے غیر کو دل میں جگہ نہ دی جاوے، جیسا کہ عشقِ طبعی میں یہ سب باتیں بے اختیار ہوتی ہیں، کسی کا حسین چہرہ یا ہاتھ نظر پڑ جاتا ہے تو آدمی سعی کرتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ بقیہ اعضاء کو دیکھے تاکہ محبت میں اضافہ ہو، قلب کو تسکین ہو حالانکہ تسکین ہوتی نہیں ”مرضِ بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“۔ کسی کھیت میں بیج ڈالنے کے بعد اگر اس کی آبپاشی کی خبر نہ لی گئی تو پیداوار نہیں ہوتی، اگر کسی کی محبت دل میں بے اختیار آ جانے کے بعد اس کی طرف التفات نہ کیا جاوے تو آج نہیں تو کل دل سے محو ہو جاوے گی، لیکن اس کے خد و خال، سراپا اور رفتار و گفتار کے تصور سے اس قلبی بیج کو سینچتا رہے تو اس میں ہر لمحہ اضافہ ہوگا۔

مکتبِ عشق کے اندازِ نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس سبق کو بھلا دو گے فوراً چھٹی مل جاوے گی، جتنا جتنا یاد کرو گے اتنا ہی جکڑے جاؤ گے۔

اسی طرح کسی قابل عشق سے محبت پیدا کرنی ہو تو اس کے کمالات اس کی دل آویزیوں کا تتبع کرے، جو ہروں کو تلاش کرے اور جس قدر معلوم ہو جاویں اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سے زائد کا مثلاًشی ہو کہ فنا ہونے والے محبوب کے کسی ایک عضو کو دیکھنے پر قناعت نہیں کی جاتی، اس سے زیادہ کی ہوس جہاں تک کہ امکان میں ہو باقی رہتی ہے۔ حق سبحانہ و تقدس جو حقیقتاً ہر جمال و حسن کا منبع ہیں اور حقیقتاً دنیا میں کوئی بھی جمال ان کے علاوہ نہیں ہے، یقیناً ایسے محبوب ہیں کہ جن کے کسی جمال و کمال پر بس نہیں، نہ اس کی کوئی غایت، ان ہی بے نہایت کمالات میں سے ان کا کلام بھی ہے جس کے متعلق میں پہلے اجمالاً کہہ چکا ہوں کہ اس انتساب کے بعد پھر کسی کمال کی ضرورت نہیں، عشاق کے لئے اس انتساب کے برابر اور کون سی چیز ہوگی۔

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

قطع نظر اس سے کہ اس انتساب کو اگر چھوڑ بھی دیا جاوے کہ اس کا مؤجد کون ہے اور وہ کس کی صفت ہے تو پھر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس کو جو نسبتیں ہیں، ایک مسلمان کی فریفتگی کے لئے وہ کیا کم ہیں؟ اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے تو خود کلام پاک ہی میں غور کیجئے کہ کون سی خوبی دنیا میں ایسی ہے جو کسی چیز میں پائی جاتی ہے اور کلام پاک میں نہ ہو۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد
فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

احادیث سابقہ کو غور سے پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ کوئی بھی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس کی طرف احادیث بالا میں متوجہ نہ کر دیا ہو اور انواع محبت و افتخار میں سے کسی نوع کا دلدادہ بھی ایسا نہ ہوگا کہ اسی رنگ میں کلام اللہ شریف کی افضلیت و برتری اس نوع میں کمال درجہ کی نہ بتلا دی گئی ہو، مثلاً کلی اور اجمالی بہترائی جو دنیا بھر کی چیزوں کو شامل ہے ہر جمال و کمال اس میں داخل ہے سب سے پہلی حدیث (۱) نے کلی طور پر ہر چیز سے اس کی افضلیت اور برتری بتلا دی۔ محبت کی کوئی سی نوع لے لیجئے، کسی شخص کو اسباب غیر متناہیہ میں سے کسی وجہ سے کوئی پسند آئے، قرآن شریف اسی کلی افضلیت میں اس سے افضل ہے، اس

کے بعد بالعموم جو اسباب تعلق و محبت ہوتے ہیں۔ جزئیات و تمثیل کے طور سے ان سب پر قرآن شریف کی افضلیت بتلا دی گئی۔ حدیث (۲) اگر کسی کو ثمرات اور منافع کی وجہ سے کسی سے محبت ہوتی ہے تو اللہ جل ثنا کے وعدہ ہے کہ ہر مانگنے والے سے زیادہ عطا کروں گا۔ اگر کسی کو ذاتی فضیلت، ذاتی جوہر، ذاتی کمال سے کوئی بھاتا ہے تو اللہ جل شانہ نے بتلا دیا کہ دنیا کی ہر بات پر قرآن شریف کو اتنی فضیلت ہے جتنی خالق کو مخلوق پر، آقا کو بندوں پر، مالک کو مملوک پر۔

حدیث (۳) اگر کوئی مال و متاع، خشم و خدَم اور جانوروں کا گرویدہ ہے اور کسی نوع کے جانور پالنے پر دل کھوئے ہوئے ہے تو جانوروں کے بے مشقت حاصل کرنے سے تحصیل کلام پاک کی افضلیت پر متنبہ کر دیا۔

حدیث (۴) اگر کوئی صوفی مُنَشِّلِ تَقْدُس و تقویٰ کا بھوکا ہے، اس کے لئے سرگرداں ہے تو حضور ﷺ نے بتلا دیا کہ قرآن کے ماہر کا ملائکہ کے ساتھ شمار ہے جن کے برابر تقویٰ کا ہونا مشکل ہے کہ ایک آن بھی خلاف اطاعت نہیں گزار سکتے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی شخص دو ہر حصہ ملنے سے افتخار کرتا ہے یا اپنی بڑائی اسی میں سمجھتا ہے کہ اس کی رائے دو راؤں کے برابر شمار کی جاوے تو اٹکنے والے کے لئے دو ہر اجر ہے۔

حدیث (۵) اگر کوئی حاسد بد اخلاقیوں کا متوالا ہے، دنیا میں حسد ہی کا خوگر ہو گیا ہو، اسکی زندگی حسد سے نہیں ہٹ سکتی تو حضور ﷺ نے بتلا دیا کہ اس قابل جس کے کمال پر واقعی حسد ہو سکتا ہے وہ حافظ قرآن ہے۔ حدیث (۶) اگر کوئی قَوَّاکہ کا متوالا ہے، اس پر جان دیتا ہے، پھل بغیر اس کو چین نہیں پڑتا تو قرآن شریف حُرْنَج کی مشابہت رکھتا ہے۔ اگر کوئی میٹھے کا عاشق ہے، مٹھائی بغیر اس کا گزر نہیں تو قرآن شریف کھجور سے زیادہ میٹھا ہے۔ حدیث (۷) اگر کوئی شخص عزت و وقار کا دلدادہ ہے، ممبری اور کونسل بغیر اس سے نہیں رہا جاتا تو قرآن شریف دنیا و آخرت میں رفع درجات کا ذریعہ ہے۔ حدیث (۸) اگر کوئی شخص معین و مددگار چاہتا ہے، ایسا جاں نثار چاہتا ہے کہ ہر جھگڑے میں اپنے ساتھی کی طرف سے لڑنے کو تیار رہے تو قرآن شریف سلطان السلاطین، مَلِکُ الْمُلُوک شہنشاہ سے اپنے ساتھی کی

طرف سے جھگڑنے کو تیار ہے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی نکتہ رس باریک بینیوں میں عمر خرچ کرنا چاہتا ہے، اس کے نزدیک ایک باریک نکتہ حاصل کر لینا دنیا بھر کی لذات سے اعراض کو کافی ہے تو بطن قرآن شریف دقائق کا خزانہ ہے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اسی طرح اگر کوئی شخص مخفی رازوں کا پتہ لگانا کمال سمجھتا ہے، محکمہ سی آئی ڈی میں تجربہ کو ہنر سمجھتا ہے، عمر کھپاتا ہے تو بطن قرآن شریف ان اسرارِ مخفیہ پر متنبہ کرتا ہے جن کی انتہا نہیں۔ حدیث (۹) اگر کوئی شخص اونچے مکان بنانے پر مہم رہا ہے، ساتویں منزل پر اپنا خاص کمرہ بنانا چاہتا ہے تو قرآن شریف ساتویں ہزار منزل پر پہنچاتا ہے۔

حدیث (۱۰) اگر کوئی اس کا گرویدہ ہے کہ ایسی سہل تجارت کروں جس میں محنت کچھ نہ ہو اور نفع بہت سا ہو جاوے تو قرآن شریف ایک حرف پر دس نیکیاں دلاتا ہے۔

حدیث (۱۱) اگر کوئی تاج و تخت کا بھوکا ہے، اس کی خاطر دنیا سے لڑتا ہے تو قرآن شریف اپنے رفیق کے والدین کو بھی وہ تاج دیتا ہے جس کی چمک دمک کی دنیا میں کوئی نظیر ہی نہیں۔

حدیث (۱۲) اگر کوئی شعبہ بازی میں کمال پیدا کرتا ہے، آگ ہاتھ پر رکھتا ہے، جلتی دیا سلائی منہ میں رکھ لیتا ہے تو قرآن شریف جہنم تک کی آگ کو اثر کرنے سے مانع ہے۔

حدیث (۱۳) اگر کوئی حکام رسی پر مرتا ہے، اس پر ناز ہے کہ ہمارے ایک خط سے فلاں حاکم نے اس ملزم کو چھوڑ دیا، ہم نے فلاں شخص کو سزا نہیں ہونے دی، اتنی سی بات حاصل کرنے کے لئے جج و کلکٹر کی دعوتوں اور خوشامدوں میں جان و مال ضائع کرتا ہے، ہر روز کسی نہ کسی حاکم کی دعوت میں سرگرداں رہتا ہے تو قرآن شریف اپنے ہر رفیق کے ذریعے ایسے دس شخصوں کو خلاصی دلاتا ہے جن کو جہنم کا حکم مل چکا ہے۔ حدیث (۱۴) اگر کوئی خوشبوؤں پر مرتا ہے، چمن اور پھولوں کا دلدادہ ہے تو قرآن شریف بالچھڑ ہے۔ مزید یہ فضیلت ہے کہ اگر کوئی عطور کا فریفتہ ہے، حنائے مشک کی غسل چاہتا ہو تو کلام مجید سراپا مشک ہے اور غور کرو گے تو معلوم ہو جاوے گا کہ اس مشک سے اس مشک کو کچھ بھی نسبت نہیں، چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند
حدیث (۱۵) اگر کوئی جوتہ کا آشنا ڈر سے کوئی کام کر سکتا ہے، ترغیب اس کے

لئے کارآمد نہیں تو قرآن شریف سے خالی ہونا گھر کی بربادی کے برابر ہے۔

حدیث (۱۶) اگر کوئی عابد افضل العبادات کی تحقیق میں رہتا ہے اور ہر کام میں اس کا متنی ہے کہ جس چیز میں زیادہ ثواب ہو اسی میں مشغول رہوں تو قراءت قرآن افضل العبادات ہے اور تصریح سے بتلادیا کہ نفل نماز، روزہ، تسبیح و تہلیل وغیرہ سب سے افضل ہے۔ حدیث (۱۷، ۱۸) بہت سے لوگوں کو حاملہ جانوروں سے دلچسپی ہوتی ہے، حاملہ جانور قیمتی داموں میں خریدے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے متنبہ فرمادیا اور خصوصیت سے اس جزو کو بھی مثال میں ذکر فرمایا کہ قرآن شریف اس سے بھی افضل ہے۔

حدیث (۱۹) اکثر لوگوں کو صحت کی فکر دامنگیر رہتی ہے، ورزش کرتے ہیں، روزانہ غسل کرتے ہیں، دوڑتے ہیں، علی الصبح تفریح کرتے ہیں۔ اسی طرح سے بعض لوگوں کو رنج و غم، فکر و تشویش دامنگیر رہتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمادیا کہ سورہ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے اور قرآن شریف دلوں کی بیماری کو دور کرنے والا ہے۔

حدیث (۲۰) لوگوں کے افتخار کے اسباب گذشتہ افتخارات کے علاوہ اور بھی بہت سے ہوتے ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ اکثر اپنے نسب پر افتخار ہوتا ہے، کسی کو اپنی عادتوں پر، کسی کو اپنی ہر دلعزیزی پر، کسی کو اپنے حسن تدبیر پر۔ حضور ﷺ نے فرمادیا کہ حقیقتاً قابل افتخار جو چیز ہے وہ قرآن شریف ہے اور کیوں نہ ہو کہ درحقیقت ہر جمال و کمال کو جامع ہے۔

آنچہ خواہاں ہمہ دارند تو تنہا داری

حدیث (۲۱) اکثر لوگوں کو خزانہ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، کھانے اور پہننے میں تنگی کرتے ہیں، تکالیف برداشت کرتے ہیں اور ننانوے کے پھیر میں ایسے پھنس جاتے ہیں جس سے ٹکنا دشوار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذخیرہ کے قابل کلام پاک ہے، جتنا دل چاہے آدمی جمع کرے کہ اس سے بہتر کوئی خزانہ نہیں۔

حدیث (۲۲) اسی طرح اگر برقی روشنیوں کا آپ کو شوق ہے، آپ اپنے کمرے میں دس قمقمے بجلی کے اس لئے نصب کرتے ہیں کہ کمرہ جگمگا اٹھے تو قرآن شریف سے بڑھ کر نورانیت کس چیز میں ہو سکتی ہے؟ مزید برآں یہ کہ اگر آپ اس پر جان دیتے ہیں کہ آپ

کے پاس ہدایا آیا کریں، دوست روزانہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہا کریں تو آپ تو وسیع تعلقات اسی کی خاطر کرتے ہیں، جو دوست آشنا اپنے باغ کے پھلوں میں آپ کا حصہ نہ لگائے تو آپ اس کی شکایت کرتے ہیں تو قرآن شریف سے بہتر تحائف دینے والا کون ہے کہ سیکہ نہ اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ پس آپ کے کسی پر مرنے کی اگر یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کے پاس روزانہ کچھ نذرانہ لاتا ہے تو قرآن شریف میں اسکا بھی بدل ہے۔ اگر آپ خواہاں ہیں اور آپ کسی وزیر کے اس لئے ہر وقت قدم چومتے ہیں کہ وہ دربار میں آپ کا ذکر کر دے گا، کسی پیش کار کی اس لئے خوشامد کرتے ہیں کہ وہ کلکٹر کے یہاں آپ کی کچھ تعریف کر دے گا یا کسی کی آپ اس لئے چا پلوسی کرتے ہیں کہ محبوب کی مجلس میں آپ کا ذکر کر دے تو قرآن شریف احکم الحاکمین محبوب حقیقی کے دربار میں آپ کا ذکر خود محبوب و آقا کی زبان سے کراتا ہے۔ حدیث (۲۳) اگر آپ اس کے جو یاں رہتے ہیں کہ محبوب کو سب سے زیادہ مرغوب چیز کیا ہے کہ اس کے مہیا کرنے میں پہاڑوں سے دودھ کی نہر نکالی جائے تو قرآن شریف کے برابر آقا کو کوئی چیز بھی مرغوب نہیں۔ حدیث (۲۴) اگر آپ درباری بننے میں عمر کھپا رہے ہیں، سلطان کے مصاحب بننے کے لئے ہزار تدبیر اختیار کرتے ہیں تو کلام اللہ شریف کے ذریعے آپ اس بادشاہ کے مصاحب شمار ہوتے ہیں جس کے سامنے کسی بڑے سے بڑے کی بادشاہت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ مزید برآں کتنے تعجب کی بات ہے کہ لوگ کونسل کی ممبری کے لئے اور اتنی سی بات کے لئے کہ کلکٹر صاحب شکار میں جاویں تو آپ کو بھی ساتھ لے لیں، آپ کس قدر قربانیاں کرتے، راحت و آرام، جان و مال نثار کرتے ہیں، لوگوں سے کوشش کراتے ہیں، دین اور دنیا دونوں کو برباد کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ آپ کی نگاہ میں اس سے آپ کا اعزاز ہوتا ہے تو پھر کیا حقیقی اعزاز کے لئے، حقیقی حاکم و بادشاہ کی مصاحبت کے لئے واقعی درباری بننے کے لئے آپ کو ذرا سی توجہ کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ اس نمائشی اعزاز پر عمر خرچ کیجئے، مگر خدا را! اس عمر کا تھوڑا سا حصہ، عمر دینے والے کی خوشنودی کیلئے بھی تو خرچ کیجئے۔ حدیث (۲۵) اسی طرح اگر آپ میں چشتیت پھونک دی گئی ہے اور ان مجالس بغیر آپ کو قرار نہیں تو مجالس تلاوت اس سے کہیں زیادہ دل کو پکڑنے والی ہیں اور بڑے سے بڑے مستغنی کے کان اپنی طرف متوجہ کر لیتی

ہیں۔ حدیث (۲۶) اسی طرح اگر آپ آقا کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں تو تلاوت کیجئے۔ حدیث (۲۷) اور آپ اسلام کے مدعی ہیں، مسلم ہونے کا دعویٰ ہے تو حکم ہے نبی کریم ﷺ کا کہ قرآن شریف کی ایسی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اگر آپ کے نزدیک اسلام صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری سے بھی آپ کے اسلام کو کوئی سروکار ہے تو یہ اللہ کا فرمان ہے اور اس کے رسول کی طرف سے اس کی تلاوت کا حکم ہے۔ مزید برآں اگر آپ میں قومی جوش بہت زور کرتا ہے، ترکی ٹوپی کے آپ صرف اس لئے دلدادہ ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک خالص اسلامی لباس ہے، قومی شعار میں آپ بہت خاص دلچسپی رکھتے ہیں، ہر طرح اس کے پھیلانے کی آپ تدبیریں اختیار کرتے ہیں، اخبارات میں مضامین شائع کرتے ہیں، جلسوں میں ریزولوشن پاس کرتے ہیں تو اللہ کا رسول ﷺ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر ممکن ہو قرآن شریف کو پھیلاؤ۔

بے جا نہ ہوگا اگر میں یہاں پہنچ کر سربراہ اور دکان قوم کی شکایت کروں کہ قرآن پاک کی اشاعت میں آپ کی طرف سے کیا اعانت ہوتی ہے اور یہی نہیں بلکہ خدا را! ذرا غور سے جواب دیجئے کہ اس کے سلسلہ کو بند کرنے میں آپ کا کس قدر حصہ ہے؟ آج اس کی تعلیم کو بیکار بتلایا جاتا ہے، اشاعت عمر سمجھا جاتا ہے، اس کو بیکار دماغ سوزی اور بے نتیجہ عرق ریزی کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس کے موافق نہ ہوں، لیکن ایک جماعت جب ہمتن اس میں کوشاں ہے تو کیا آپ کا سکوت اس کی اعانت نہیں ہے، مانا کہ آپ اس خیال سے بیزار ہیں، مگر آپ کی اس بیزاری نے کیا فائدہ دیا۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

آج اس کی تعلیم پر بڑے زور سے اس لئے انکار کیا جاتا ہے کہ مسجد کے ملائوں نے اپنے ٹکڑوں کے لئے دھندا کر رکھا ہے، گویہ عامۃً نیتوں پر حملہ ہے جو بڑی سخت ذمہ داری ہے اور اپنے وقت پر اس کا ثبوت دینا ہوگا، مگر میں نہایت ہی ادب سے پوچھتا ہوں کہ خدا را! ذرا اس کو تو غور کیجئے کہ ان خود غرض ملائوں کی ان خود غرضیوں کے ثمرات آپ دنیا میں کیا دیکھ رہے ہیں اور آپ کی ان بے غرضانہ تجاویز کے ثمرات کیا ہوں گے اور نشر و اشاعت

کلام پاک میں آپ کی ان مفید تجاویز سے کس قدر مدد ملے گی، بہر حال حضور ﷺ کا ارشاد آپ کے لئے قرآن شریف کے پھیلانے کا ہے۔ اس میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ اس ارشاد نبوی کا کس درجہ امتثال آپ کی ذات سے ہوا اور ہو رہا ہے۔

دیکھیے ایک دوسری بات کا بھی خیال رکھیں، بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اس خیال میں شریک نہیں تو ہم کو کیا، مگر اس سے آپ اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تھا: اُنْهَلَكَ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ، اِذَا كَثُرَ الْخُبْتُ (کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہو جاویں گے کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! جب خباثت غالب ہو جائے)۔ اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ایک گاؤں کے الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس میں فلاں بندہ ایسا ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ ارشاد ہوا کہ صحیح ہے، مگر یہ میری نافرمانی ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ درحقیقت علماء کو یہی امور مجبور کرتے ہیں کہ وہ ناجائز امور کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار کریں جس کو ہمارے روشن خیال تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ حضرات اپنی اس وسعت خیالی اور وسعت اخلاق پر مطمئن نہ رہیں کہ یہ فریضہ صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں، ہر اس شخص کے ذمہ ہے جو کسی ناجائز بات کا وقوع دیکھے اور اس پر ٹوکنے کی قدرت رکھتا ہو پھر نہ ٹو کے۔ بلال بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معصیت جب مخفی طور سے کی جاتی ہے تو اس کا وبال صرف کرنے والے پر ہوتا ہے، لیکن جب کھلم کھلا کی جاوے اور اس پر انکار نہ کیا جاوے تو اس کا وبال عام ہوتا ہے۔

حدیث (۲۸) اسی طرح اگر آپ تاریخ کے دلدادہ ہیں جہاں کہیں معتبر تاریخ، پرانی تاریخ آپ کو ملتی ہے آپ اس کے لئے سفر کرتے ہیں تو قرآن شریف میں تمام ایسی کتب کا بدل موجود ہے جو قرون سابقہ میں حجت و معتبر مانی گئی ہیں۔

حدیث (۲۹) اگر آپ اس قدر اونچے مرتبے کے متمنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو آپ کی مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے کا حکم ہو تو یہ بات بھی صرف کلام اللہ شریف میں ہی ملے گی۔ حدیث (۳۰) اگر آپ اس قدر کامل ہیں کہ کچھ کر ہی نہیں سکتے تو بے محنت، بے مشقت اکرام بھی آپ کو صرف کلام اللہ شریف میں ملے گا کہ چپ چاپ کسی مکتب میں

بیٹھے بچوں کا کلام مجید سنے جائے اور مفت کا ثواب لیجئے۔

حدیث (۳۱) اگر آپ مختلف ألوان کے گرویدہ ہیں، ایک نوع سے اکتا جاتے ہیں تو قرآن شریف کے معنی میں مختلف ألوان، مختلف مضامین حاصل کیجئے، کہیں رحمت، کہیں عذاب، کہیں قہر، کہیں احکام، اور کیفیت تلاوت میں کبھی پکار کر پڑھیں اور کبھی آہستہ۔ حدیث (۳۲) اگر آپ کی سیہ کاریاں حد سے متجاوز ہیں اور مرنے کا آپ کو یقین بھی ہے تو پھر تلاوت کلام پاک میں ذرا بھی کوتاہی نہ کیجئے کہ اس درجہ کا سفارشی نہ ملے گا اور پھر ایسا کہ جس کی سفارش کے قبول ہونے کا یقین بھی ہو۔ حدیث (۳۳) اسی طرح اگر آپ اس قدر باوقار واقع ہوئے ہیں کہ جھگڑالو سے گھبراتے ہیں۔ لوگوں کے جھگڑے کے ڈر سے آپ بہت سی قربانیاں کر جاتے ہیں تو قرآن شریف کے مطالبہ سے ڈریئے کہ اس جیسا جھگڑالو آپ کو نہ ملے گا۔ فریقین کے جھگڑے میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی طرفدار ہوتا ہے، مگر اس کے جھگڑنے میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور ہر شخص اسی کو سچا بتلائے گا اور آپ کا کوئی طرف دار نہ ہوگا۔ حدیث (۳۴) اگر آپ کو ایسا رہبر درکار ہے اور اس پر آپ قربان ہیں جو محبوب کے گھرتک پہنچا دے تو تلاوت کیجئے اور اگر آپ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں جیل خانہ نہ ہو جائے تو ہر حالت میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر چارہ نہیں۔

حدیث (۳۵) اگر آپ علوم انبیاء علیہم السلام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے گرویدہ اور شیدائی ہیں تو قرآن شریف پڑھئے اور جتنا چاہے کمال پیدا کیجئے۔ اسی طرح اگر آپ بہترین اخلاق پر جان دینے کو تیار ہیں تو بھی تلاوت کی کثرت کیجئے۔ حدیث (۳۶) اگر آپ کا مچلا ہوا دل ہمیشہ شملہ اور منصوری کی چوٹیوں ہی پر تفریح میں بہلتا ہے اور سو جان سے آپ ایک پہاڑ کے سفر پر قربان ہیں تو قرآن پاک مشک کے پہاڑوں پر ایسے وقت میں تفریح کراتا ہے کہ تمام عالم میں نفسا نفسی کا زور ہو۔ حدیث (۳۷، ۳۸، ۳۹) اگر آپ زاہدوں کی اعلیٰ فہرست میں شمار چاہتے ہیں اور رات دن نوافل سے آپ کو فرصت نہیں تو کلام پاک سیکھنا، سکھانا اس سے پیش پیش ہے۔ حدیث نمبر (۴۰) اگر دنیا کے ہر جھگڑے سے آپ نجات چاہتے ہیں، ہر منحصرہ سے آپ علیحدہ رہنے کے دلدادہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی میں ان سے مخلصی ہے۔

حدیثِ خاتمہ

حدیث (۱) اگر آپ کسی طبیب کے ساتھ وابستگی چاہتے ہیں تو سورہ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔

حدیث (۲) اگر آپ کی بے نہایت غرضیں پوری نہیں ہوتیں تو کیوں روزانہ سورہ لیل کی تلاوت آپ نہیں کرتے؟

حدیث (۳) اگر آپ کو پیسہ کی محبت ایسی ہے کہ اس کے بغیر آپ کسی کے بھی نہیں تو کیوں روزانہ سورہ واقعہ کی تلاوت نہیں کرتے۔ حدیث (۴) اگر آپ کو عذابِ قبر کا خوف دامن گیر ہے اور آپ اس کے منتحمل نہیں تو اس کے لئے بھی کلامِ پاک میں نجات ہے۔ حدیث (۵) اور اگر آپ کو کوئی دائمی مشغلہ درکار ہے کہ جس میں آپ کے مبارک اوقات ہمیشہ مصروف رہیں تو قرآنِ پاک سے بڑھ کر نہ ملے گا۔ حدیث (۶، ۷) مگر ایسا نہ ہو کہ یہ دولت حاصل ہونے کے بعد چھن جاوے کہ سلطنت ہاتھ آنے کے بعد پھر ہاتھ سے نکل جانا زیادہ حسرت و خسران کا سبب ہوتا ہے اور کوئی حرکت ایسی بھی نہ کر جائے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

مجھ سانا کارہ قرآنِ پاک کی خوبیوں پر کیا متنبہ ہو سکتا ہے۔ ناقص سمجھ کے موافق جو ظاہری طور پر سمجھ میں آیا ظاہر کر دیا، مگر اہل فہم کے لئے غور کا راستہ ضرور کھل گیا، اس لئے کہ اسبابِ محبت جن کو اہل فن نے کسی کے ساتھ محبت کا ذریعہ بتلایا ہے پانچ چیز میں منحصر ہے: اول اپنا وجود کہ طبعاً آدمی اس کو محبوب رکھتا ہے، قرآن شریف میں حوادث سے امن ہے اس لئے وہ اپنی حیات و بقا کا سبب ہے، دوسرے طبعی مناسبت جس کے متعلق اس سے زیادہ وضاحت کیا کر سکتا ہوں کہ کلام، صفتِ الہی ہے اور مالک اور مملوک، آقا اور بندہ میں جو مناسبت ہے وہ واقفوں سے مخفی نہیں۔

ہست رَبُّ النَّاسِ رَاہَا جَانِ نَاسٍ اِتْصَالَ بے تکلیف و بے قیاس

سَبَّ سَے رِبْطِ اَشْنَآئِیْ ہِے اَسَے دِل میں ہر اک کے رسائی ہے اَسَے

تیسرے جمال، چوتھے کمال، پانچویں احسان۔ ان ہر سہ امور کے متعلق احادیثِ بالا

میں اگر غور فرمائیں گے تو نہ صرف اس جمال و کمال پر جس کی طرف ایک ناقص الفہم نے اشارہ کیا ہے اقتصار کریں گے بلکہ وہ خود بے تردد اس امر تک پہنچیں گے کہ عزت و افتخار، شوق و سکون، جمال و کمال، اکرام و احسان، لذت و راحت، مال و متاع غرض کوئی بھی ایسی چیز نہ پاویں گے جو محبت کے اسباب میں ہو سکتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ فرما کر قرآن شریف کو اسی نوع میں اس سے افضل ارشاد نہ فرمایا ہو، البتہ حجاب میں مستور ہونا دنیا کے لوازمات میں سے ہے، لیکن عقلمند شخص اس وجہ سے کہ یسحلیٰ کا چھلکا خاردار ہے اس کے گودہ سے اعراض نہیں کرتا اور کوئی دل کھویا ہوا اپنی محبوبہ سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ وہ اس وقت برقعہ میں ہے، پردہ کے ہٹانے کی ہر ممکن سے ممکن کوشش کرے گا اور کامیاب نہ بھی ہو سکا تو اس پردہ کے اوپر ہی سے آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔ اس کا یقین ہو جاوے کہ جس کی خاطر برسوں سے سرگرداں ہوں وہ اسی چادر میں ہے، ممکن نہیں کہ پھر اس چادر سے نگاہ ہٹ سکے۔ اسی طرح قرآن پاک کے ان فضائل و مناقب اور کمالات کے بعد اگر وہ کسی حجاب کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتے تو عاقل کا کام نہیں کہ اس سے بے توجہی اور لا پرواہی کرے، بلکہ اپنی تقصیر اور نقصان پر افسوس کرے اور کمالات میں غور۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر قلوب نجاست سے پاک ہو جاویں تو تلاوت کلام اللہ سے کبھی بھی سیری نہ ہو۔ ثابت بنانی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیس برس میں نے کلام پاک کو مشقت سے پڑھا اور بیس برس سے مجھے اس کی ٹھنڈک پہنچ رہی ہے، پس جو شخص بھی معاصی سے توبہ کے بعد غور کرے گا کلام پاک کو ”آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری“ کا مصداق پائے گا۔ اے کاش! کہ ان الفاظ کے معنی مجھ پر بھی صادق آتے۔ میں ناظرین سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ کہنے والے کی طرف التفات نہ فرمائیں کہ میری ناکارگی آپ کو اہم مقصود سے نہ روکے، بلکہ بات کی طرف توجہ فرمائیں اور جہاں سے یہ امور ماخوذ ہیں اس کی طرف التفات کیجئے کہ میں درمیان میں صرف نقل کا واسطہ ہوں۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اللہ کی ذات سے بعید نہیں کہ وہ کسی دل میں حفظ قرآن پاک کا ولولہ پیدا کر دے۔ پس اگر بچہ کو حفظ کرانا ہے تو اس کے لئے کسی عمل کی ضرورت نہیں کہ

۱۔ یسحلیٰ :- ایک کھردرے چھلکے والا سرخی مائل شیریں پھل۔

بچپن کی عمر خود حفظ کے لئے معین و مجرب ہے، البتہ اگر کوئی شخص بڑی عمر میں حفظ کا ارادہ کرے تو اس کیلئے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا ایک مجرب عمل لکھتا ہوں جس کو ترمذی حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جاویں قرآن پاک میرے سینے سے نکل جاتا ہے، جو یاد کرتا ہوں وہ محفوظ نہیں رہتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے ایسی ترکیب بتلاؤں کہ جو تجھے بھی نفع دے اور جس کو تو بتلاوے اس کے لئے بھی نافع ہو اور جو کچھ تو سیکھے وہ محفوظ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کی شب آوے تو اگر یہ ہو سکتا ہو کہ رات کے اخیر تہائی حصہ میں اُٹھے تو یہ بہت ہی اچھا ہے کہ یہ وقت ملائکہ کے نازل ہونے کا ہے اور دعا اس وقت میں خاص طور سے قبول ہوتی ہے۔ اسی وقت کے انتظار میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا ”سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي“ عنقریب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا (یعنی جمعہ کی رات کے آخری حصہ میں)۔ پس اگر اس وقت میں جاگنا دشوار ہو تو آدھی رات کے وقت، اور یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر شروع ہی رات میں کھڑا ہو اور چار رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ یس شریف پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ دُخان اور تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ آلہ سجۃ اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ ملک پڑھے اور جب التحیات سے فارغ ہو جاوے تو اوّل حق تعالیٰ شانہ کی خوب حمد و ثنا کر، اس کے بعد مجھ پر درود و سلام بھیج، اس کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیج، اس کے بعد تمام مومنین کے لئے اور ان تمام مسلمان بھائیوں کے لئے جو تجھ سے پہلے مرچکے ہیں استغفار کر اور اس کے بعد یہ دعا پڑھ۔

ف: دعا آگے آرہی ہے اس کے ذکر سے قبل مناسب ہے کہ حمد و ثنا وغیرہ جن کا

۱۔ ترتیب قرآن میں یہ سورت پہلی دونوں سورتوں سے مقدم ہے۔ مگر اول تو نوافل میں فقہاء نے اس قسم کی گنجائش فرمائی ہے، دوسرے نوافل کا ہر شفعہ مستقل نماز کا حکم رکھتا ہے اور اس شفعہ کی دونوں سورتیں آپس میں مرتب ہیں اس لئے کوئی کراہت نہیں۔ ہکذا فی الکوکب الدری و ہامشہ۔

حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے دوسری روایات سے جن کو شروع حصن اور مناجات مقبول وغیرہ میں نقل کیا ہے، مختصر طور پر ایک ایک دعا نقل کر دی جاوے تاکہ جو لوگ اپنے طور سے نہیں پڑھ سکتے وہ اس کو پڑھیں اور جو حضرات خود پڑھ سکتے ہیں وہ اس پر قناعت نہ کریں بلکہ حمد و صلوة کو بہت اچھی طرح سے مبالغہ سے پڑھیں۔ دعا یہ ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ عَدَدَ خَلْقِهِ،
وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ
كَلِمَتِهِ، اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ
اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ، اَللّٰهُمَّ
صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ اَلْهَا شَمِيٍّ، وَعَلٰى
اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ الْبَرَّةِ الْكِرَامِ، وَعَلٰى
سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ
الْمُقَرَّبِينَ، رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ
قُلُوْبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ اٰمَنُوا رَبَّنَا اِنَّكَ
رءُوفٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، اِنَّكَ
سَمِيْعٌ مُّجِيْبُ الدُّعَوَاتِ ط

رحیم ہے۔ اے الہ العالمین! میری اور میرے والدین کی اور تمام مومنین اور مسلمانوں کی مغفرت فرما، بیشک تو دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

اس کے بعد وہ دعا پڑھے جو حضور اقدس ﷺ نے حدیث بالا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی اور وہ یہ ہے۔

اے اللہ! ارحم منیٰ بترك المعاصی ابدًا
 مَا أَبْقَيْتَنِي، وَارْحَمْنِي أَنْ أَتَكَلَّفَ
 مَا لَا يَغْنِيُنِي، وَارْزُقْنِي حُسْنَ النَّظَرِ فِيمَا
 يُرْضِيكَ عَنِّي، اَللّٰهُمَّ بَدِّعِ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ
 الَّتِي لَا تُرَامُ، اَسْأَلُكَ يَا اَللّٰهُ! يَا رَحْمَنُ!
 بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ أَنْ تُلْزِمَ قَلْبِي
 حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِي، وَارْزُقْنِي
 أَنْ أَقْرَأَهُ عَلَى النَّحْوِ الَّذِي يُرْضِيكَ
 عَنِّي، اَللّٰهُمَّ بَدِّعِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ،
 اَسْأَلُكَ يَا اَللّٰهُ! يَا رَحْمَنُ! بِجَلَالِكَ وَنُورِ
 وَجْهِكَ أَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصْرِي،
 وَأَنْ تُطْلِقَ بِهِ لِسَانِي، وَأَنْ تُفَرِّجَ بِهِ
 عَنْ قَلْبِي، وَأَنْ تُشْرَحَ بِهِ صَدْرِي، وَ
 أَنْ تَغْسِلَ بِهِ يَدَنِي، فَإِنَّهُ لَا يُعِينُنِي
 عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيهِ إِلَّا أَنْتَ
 وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ط
 اے اللہ! ارحم منیٰ! مجھ پر رحم فرما کہ جب
 تک میں زندہ رہوں گناہوں سے بچتا
 رہوں اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بیکار چیزوں
 میں کلفت نہ اٹھاؤں، اور اپنی مرضیات
 میں خوش نظری مرحمت فرما۔ اے اللہ!
 اے زمین اور آسمان کے بے نمونہ پیدا کرنے
 والے! اے عظمت و بزرگی والے اور اس
 غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا
 ارادہ بھی ناممکن ہے۔ اے اللہ! اے
 رحمن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے
 نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ جس
 طرح تو نے اپنی کلام پاک مجھے سکھا دی
 اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے
 چسپاں کر دے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ
 میں اس کو اس طرح پڑھوں جس سے تو
 راضی ہو جاوے۔ اے اللہ! زمین اور
 آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے،
 اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ
 یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن۔ اے اللہ! اے رحمن! میں تیری
 بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے
 نور سے منور کر دے اور میری زبان کو اس پر جاری کر دے اور اس کی برکت سے میرے
 دل کی تنگی کو دور کر دے اور میرے سینے کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم
 کے گناہوں کا میل دھو دے کہ حق پر تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں اور تیرے سوا میری

یہ آرزو کوئی پوری نہیں کر سکتا، اور گناہوں سے بچنا یا عبادت پر قدرت نہیں ہو سکتی، مگر اللہ برتر و بزرگی والے کی مدد سے۔

پھر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! اس عمل کو تین جمعہ یا پانچ جمعہ یا سات جمعہ کر، ان شاء اللہ وعاضدہ ضرور قبول کی جائے گی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کسی مومن سے بھی قبولیتِ دعا نہ چو کے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو پانچ یا سات ہی جمعہ گزرے ہوئے تھے کہ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! پہلے میں تقریباً چار آیتیں پڑھتا تھا اور وہ بھی مجھے یاد نہ ہوتی تھیں اور اب تقریباً چالیس آیتیں پڑھتا ہوں اور ایسی ازبر ہو جاتی ہیں کہ گویا قرآن شریف میرے سامنے کھلا ہوا رکھا ہے اور پہلے میں حدیث سنتا تھا اور جب اس کو دوبارہ کہتا تھا تو ذہن میں نہیں رہتی تھی اور اب احادیث سنتا ہوں اور جب دوسروں سے نقل کرتا ہوں تو ایک لفظ بھی نہیں چھوٹتا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے نبی ﷺ کی رحمت کے طفیل مجھے بھی قرآن و حدیث کے حفظ کی توفیق عطا فرما دیں اور تمہیں بھی۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّم بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

تکملہ

اوپر جو چہل حدیث لکھی گئی ہے ایک خاص مضمون کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس میں اختصار کی رعایت نہیں ہو سکی۔ اس زمانے میں چونکہ ہمتیں نہایت پست ہو گئی ہیں، دین کے لئے کسی معمولی سی مشقت کا بھی برواشت کرنا گراں ہے اس لئے ایک اس جگہ دوسری چہل حدیث نقل کرتا ہوں جو نہایت ہی مختصر ہے اور نبی کریم ﷺ سے ایک ہی جگہ منقول ہے، اس کے ساتھ ہی بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ مہماتِ دینیہ کو ایسی جامع ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ”کنز العمال“ میں قدماے محدثین کی ایک جماعت کی طرف اس کا انتساب کیا ہے اور متاخرین میں سے مولانا قطب الدین صاحب مہاجر گئی رحمہ اللہ نے

بھی اس کو ذکر فرمایا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ دین کے ساتھ وابستگی رکھنے والے حضرات کم از کم اس کو ضرور حفظ کر لیں کہ کوڑیوں میں لعل (موتی) ملتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْارْبَعِينَ حَدِيثًا الَّذِي قَالَ: مَنْ حَفِظَهَا مِنْ أُمَّتِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ^(۱) أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ ^(۲) وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ^(۳) وَالْمَلَائِكَةِ ^(۴) وَالْكِتَابِ ^(۵) وَالنَّبِيِّينَ ^(۶) وَالْبُعْثَ ^(۷) بَعْدَ الْمَوْتِ ^(۸) وَالْقَدْرَ خَيْرِهِ ^(۹) وَشَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى ^(۱۰) وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ^(۱۱) وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ^(۱۲) وَتَقِيمَ الصَّلَاةَ ^(۱۳) بِوُضوءٍ سَابِغٍ كَامِلٍ لَوْقَتِهَا وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ ^(۱۴) وَتَصُومَ رَمَضَانَ ^(۱۵) وَتُحْجَّ ^(۱۶) الْبَيْتَ إِنْ كَانَ لَكَ مَالٌ ^(۱۷) وَتُصَلِّيَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ^(۱۸) وَالْوُتْرَ ^(۱۹) لَا تُشْرِكُهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ ^(۲۰) وَلَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا ^(۲۱) وَلَا تَعُقَّ وَالِدَيْكَ ^(۲۲) وَلَا تَأْكُلَ مَالَ الْيَتِيمِ ظُلْمًا ^(۲۳) وَلَا تُشْرِبَ الْخَمْرَ ^(۲۴) وَلَا تَزْنِ ^(۲۵) وَلَا تَحْلِفَ بِاللَّهِ كَذِبًا ^(۲۶) وَلَا تَشْهَدَ شَهَادَةً زُورٍ ^(۲۷) وَلَا تَعْمَلْ بِالْهَوَى ^(۲۸) وَلَا تَغْتَبِ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ ^(۲۹) وَلَا تَقْذِفَ الْمُحْصَنَةَ ^(۳۰) وَلَا تَغْلَ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ ^(۳۱) وَلَا تَلْعَبَ ^(۳۲) وَلَا تَلْعَ مَعَ اللَّاهِنِ ^(۳۳) وَلَا تَقُلْ لِلْقَصِيرِ: يَا قَصِيرُ، تُرِيدُ بِذَلِكَ عَيْهَ ^(۳۴) وَلَا تَسْخَرُ بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ ^(۳۵) وَلَا تَمْشِ بِالنَّمِيمَةِ بَيْنَ الْإِخْوَانِ ^(۳۶) وَاشْكُرِ اللَّهَ تَعَالَى عَلَى نِعْمَتِهِ ^(۳۷) وَأَصْبِرْ عَلَى الْبَلَاءِ ^(۳۸) وَالْمُصِيبَةِ ^(۳۹) وَلَا تَأْمَنْ مِنْ عِقَابِ اللَّهِ ^(۴۰) وَلَا تَقْطَعْ أَقْرَبَانِكَ ^(۴۱) وَصِلْهُمْ ^(۴۲) وَلَا تَلْعَنْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِ اللَّهِ ^(۴۳) وَكَثِيرٌ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّهْلِيلِ ^(۴۴) وَلَا تَدْعُ حُضُورَ الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ ^(۴۵) وَأَعْلَمْ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ ^(۴۶) وَلَا تَدْعُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَلَى كُلِّ حَالٍ . (رواه الحافظ أبو القاسم بن عبد الرحمن بن محمد بن إسحاق بن مندة ، والحافظ أبو الحسن علي بن أبي القاسم بن بابويه الرازي في الأربعين وابن عساكر والرافعي عن سلمان)

ترجمہ: سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ وہ چالیس حدیثیں جن کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جو ان کو یاد کر لے جنت میں داخل ہوگا وہ کیا ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) اللہ پر ایمان لاوے یعنی اس کی ذات و صفات پر (۲) اور آخرت کے دن پر (۳) اور فرشتوں کے وجود پر (۴) اور کتابوں پر (۵) اور تمام انبیاء علیہم السلام پر (۶) اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر (۷) اور تقدیر پر کہ بھلا اور بُرا جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (۸) اور گواہی دے تو اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اکرم ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔ (۹) ہر نماز کے وقت کامل وضو کر کے نماز کو قائم کرے۔ کامل وضو وہ کہلاتا ہے جس میں آداب و مستحبات کی رعایت رکھی گئی ہو اور ہر نماز کے وقت اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نیا وضو ہر نماز کے لئے کرے، اگرچہ پہلے سے وضو ہو کہ یہ مستحب ہے۔ اور نماز قائم کرنے سے اس کے تمام سُنَن اور مستحبات کا اہتمام کرنا مراد ہے، چنانچہ دوسری روایت میں وارد ہے اِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ یعنی جماعت میں صفوں کا ہموار کرنا کہ کسی قسم کی کجی یا درمیان میں خلل نہ رہے، یہ بھی نماز قائم کرنے کے مفہوم میں داخل ہے۔ (۱۰) زکوٰۃ ادا کرے (۱۱) اور رمضان کے روزے رکھے۔ (۱۲) اگر مال ہو تو حج کرے یعنی اگر جانے کی قدرت رکھتا ہو تو حج بھی کرے، چونکہ اکثر مانع مال ہی ہوتا ہے اس لئے اسی کو ذکر فرما دیا، ورنہ مقصود یہ ہے کہ حج کی شرائط پائے جاتے ہوں تو حج کرے (۱۳) بارہ رکعات سنت مؤکدہ روزانہ ادا کرے (اس کی تفصیل دوسری روایات میں اس طرح آئی ہے کہ صبح سے پہلے دو رکعت، ظہر سے قبل چار، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت (۱۴) اور وتر کو کسی رات میں نہ چھوڑے (چونکہ وہ واجب ہے اور اس کا اہتمام سنتوں سے زیادہ ہے اس لئے اس کو تاکید لفظ سے ذکر فرمایا (۱۵) اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے (۱۶) اور والدین کی نافرمانی نہ کرے (۱۷) اور ظلم سے یتیم کا مال نہ کھاوے (یعنی اگر کسی وجہ سے یتیم کا مال کھانا جائز ہو جیسا کہ بعض صورتوں میں ہوتا ہے تو مضائقہ نہیں) (۱۸) اور شراب نہ پیئے (۱۹) زنا نہ کرے (۲۰) جھوٹی قسم نہ کھاوے (۲۱) جھوٹی گواہی نہ دے (۲۲) خواہشاتِ نفسانیہ پر عمل نہ کرے (۲۳) مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرے (۲۴) عقیقہ عورت کو تہمت نہ لگائے (اسی طرح

عفیف مرد کو) (۲۵) اپنے مسلمان بھائی سے کینہ نہ رکھے (۲۶) لہو و لعب میں مشغول نہ ہو۔ (۲۷) تماشا یوں میں شریک نہ ہو۔ (۲۸) کسی پستہ قد کو عیب کی نیت سے ٹھگنا مت کہو (یعنی اگر کوئی عیب دار لفظ ایسا مشہور ہو گیا ہو کہ اس کے کہنے سے نہ عیب سمجھا جاتا ہو نہ عیب کی نیت سے کہا جاتا ہو جیسا کہ کسی کا نام بدھو پڑ جاوے تو مضائقہ نہیں، لیکن طعن کی غرض سے کسی کو ایسا کہنا جائز نہیں)۔ (۲۹) کسی کا مذاق مت اڑا۔ (۳۰) نہ مسلمانوں کے درمیان چغل خوری کر۔ (۳۱) اور ہر حال میں اللہ جلّ ثنا کی نعمتوں پر اس کا شکر کر (۳۲) بلا اور مصیبت پر صبر کر۔ (۳۳) اور اللہ کے عذاب سے بے خوف مت ہو (۳۴) اعزّہ سے قطع تعلق مت کر (۳۵) بلکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر (۳۶) اللہ کی کسی مخلوق کو لعنت مت کر (۳۷) سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ان الفاظ کا اکثر و رد رکھا کر۔ (۳۸) جمعہ اور عیدین میں حاضری مت چھوڑ۔ (۳۹) اور اس بات کا یقین رکھ کہ جو تکلیف و راحت تجھے پہنچی وہ مقدر میں تھی، جو ٹلنے والی نہ تھی اور جو کچھ نہیں پہنچا وہ کسی طرح بھی پہنچنے والا نہ تھا۔ (۴۰) اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کسی حال میں بھی مت چھوڑ۔

مسلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ جو شخص اس کو یاد کر لے اس کو کیا اجر ملے گا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ و تقدس اس کا انبیاء علیہم السلام اور علماء کے ساتھ حشر فرماویں گے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ ہماری سیّئات سے درگزر فرما کر اپنے نیک بندوں میں محض اپنے لطف سے شامل فرمائیں تو اس کی کریمی شان سے کچھ بھی بعید نہیں۔ پڑھنے والے حضرات سے بڑی ہی لجاجت کے ساتھ استدعا ہے کہ دعائے خیر سے اس سیہ کار کی بھی دستگیری فرماویں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

محمد زکریا کاندھلوی عفی عنہ

مقیم مدرسہ مظاہر العلوم، سہارن پور، ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ پنجشنبہ

فضائل نماز

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ

مکتبہ الرشیدی

کراچی - پاکستان

خطبہ و تمہید

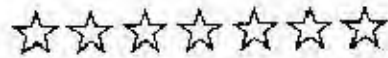
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنَشْكُرُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ، وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ
وَاتَّبَاعِهِ الْحَمَامَةِ لِلدِّينِ الْقَوِيمِ، وَبَعْدُ: فَهَذِهِ أَرْبَعُونَ فِي فَضَائِلِ الصَّلَاةِ
جَمَعْتُهَا امْتِثَالًا لِأَمْرِ عَمِّي وَصِنَوَائِي، رَقَاهُ اللَّهُ إِلَى الْمَرَاتِبِ الْعُلْيَا وَوَفَّقَنِي
وَأَيَّاهُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى. آمَّا بَعْدُ:

اس زمانہ میں دین کی طرف سے جتنی بے توجہی اور بے اتفاقی کی جا رہی ہے وہ
محتاج بیان نہیں، حتیٰ کہ اہم ترین عبادت نماز جو بالاتفاق سب کے نزدیک ایمان کے بعد
تمام فرائض پر مقدم ہے اور قیامت میں سب سے اول اسی کا مطالبہ ہوگا اس سے بھی نہایت
غفلت اور لاپرواہی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ دین کی طرف متوجہ کرنے والی کوئی آواز
کانوں تک نہیں پہنچتی، تبلیغ کی کوئی صورت بار آور نہیں ہوتی۔ تجربہ سے یہ بات خیال میں
آئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاک ارشادات لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی جائے،
اگرچہ اس میں بھی جو مزاحمتیں حائل ہیں وہ بھی مجھ سے بے بضاعت کیلئے کافی ہیں، تاہم
امید یہ ہے کہ جو لوگ خالی الذہن ہیں اور دین کا مقابلہ نہیں کرتے ہیں، یہ پاک الفاظ
ان شاء اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اثر کریں گے اور کلام و صاحب کلام کی برکت سے نفع کی توقع ہے،
نیز دوسرے دوستوں کو اس میں کامیابی کی امیدیں زیادہ ہیں جن کی وجہ سے مخلصین کا اصرار
بھی ہے، اس لئے اس رسالہ میں صرف نماز کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔
چونکہ نفس تبلیغ کے متعلق بندہ ناچیز کا ایک مضمون رسالہ فضائل تبلیغ کے نام سے شائع ہو چکا
ہے، اس وجہ سے اس کو سلسلہ تبلیغ کا نمبر ۲ قرار دے کر فضائل نماز کے نام کیساتھ موسوم کرتا
ہوں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

نماز کے بارے میں تین قسم کے حضرات عام طور سے پائے جاتے ہیں: ایک
جماعت وہ ہے جو ہرے سے نماز ہی کی پرواہ نہیں کرتی، دوسرا گروہ وہ ہے جو نماز تو پڑھتا ہے،

مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتا، تیسرے وہ لوگ ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں اور جماعت کا بھی اہتمام بھی کرتے ہیں، مگر لا پرواہی اور بُری طرح سے پڑھتے ہیں۔ اس لئے اس رسالہ میں تینوں مضامین کی مناسبت سے تین باب ذکر کئے گئے ہیں اور ہر باب میں نبی اکرم ﷺ کے پاک ارشادات اور ان کا ترجمہ پیش کر دیا ہے، مگر ترجمہ میں وضاحت اور سہولت کا لحاظ کیا ہے، لفظی ترجمہ کی زیادہ رعایت نہیں کی، نیز چونکہ نماز کی تبلیغ کرنیوالے اکثر اہل علم بھی ہوتے ہیں اس لئے حدیث کا حوالہ اور اس کے متعلق جو مضامین اہل علم سے تعلق رکھتے تھے وہ عربی میں لکھ دیئے گئے ہیں کہ عوام کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہے اور تبلیغ کرنیوالے حضرات کو بسا اوقات ضرورت پڑ جاتی ہے اور ترجمہ و فوائد وغیرہ اردو میں لکھ دیئے گئے ہیں۔



باب اول

نماز کی اہمیت کے بیان میں

اس باب میں دو فصلیں ہیں: فصل اول میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے اور دوسری فصل میں نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیث میں آیا ہے اس کا بیان ہے۔

فصل اول

نماز کی فضیلت کے بیان میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ سب سے اول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا، یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد نماز کا

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (متفق علیہ)۔ وقال المنذرى فى الترغيب: رواه البخارى

ومسلم وغيرهما عن غير واحد من الصحابة رضی اللہ عنہم

قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

ف: یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اصول اور اہم ارکان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پاک حدیث میں بطور مثال کے اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے، پس کلمہ شہادت خیمہ کی درمیانی لکڑی کی طرح ہے اور بقیہ چاروں ارکان بمنزلہ ان چار ستونوں کے ہیں جو چاروں کونوں پر ہوں، اگر درمیانی لکڑی نہ ہو تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی نہ ہو تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا، لیکن جو نئے کونے کی لکڑی نہیں ہوگی وہ جانب ناقص اور گری ہوئی ہوگی۔ اس پاک ارشاد کے بعد اب ہم لوگوں کو اپنی حالت پر خود ہی غور کر لینا

چاہئے کہ اسلام کے اس خیمہ کو ہم نے کس درجہ تک قائم کر رکھا ہے اور اسلام کا کونسا رکن ایسا ہے جس کو ہم نے پورے طور پر سنبھال رکھا ہے، اسلام کے یہ پانچوں ارکان نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ اسلام کی بنیاد انہی کو قرار دیا گیا ہے اور ایک مسلمان کے لئے بحیثیت مسلمان ہونے کے ان سب کا اہتمام نہایت ضروری ہے، مگر ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نماز۔ میں نے عرض کیا: کہ اس کے بعد کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: جہاد۔ مولا علی قاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں علماء کے اس قول کی دلیل ہے کہ ایمان کے بعد سب سے مقدم نماز ہے۔ اس کی تائید اس حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے ”الصَّلَاةُ خَيْرُ مَوْضُوعٍ“ یعنی بہترین عمل جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مقرر فرمایا وہ نماز ہے، اور احادیث میں کثرت سے یہ مضمون صاف اور صحیح حدیثوں میں نقل کیا گیا ہے کہ تمہارے سب اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے، چنانچہ جامع صغیر میں حضرت ثوبان، ابن عمرو، سلمہ، ابوامامہ، عبادہ رضی اللہ عنہم پانچ صحابہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے اور حضرت ابن مسعود و انس رضی اللہ عنہما سے اپنے وقت پر نماز کا پڑھنا افضل ترین عمل نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ام فروہ رضی اللہ عنہا سے اول وقت نماز پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔ مقصد سب کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

(۲) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ فِي الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَأَخَذَ بَعْضُنِ مِنْ شَجَرَةٍ، قَالَ: فَجَعَلَ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَقَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لِيُصَلِّيَ الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ، فَتَهَافَتُ عَنْهُ

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کچھ سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درختوں پر سے گر رہے تھے، آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی اس کے پتے اور بھی گرنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ذر! مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ کے

ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافَّتْ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ. (رواه أحمد بإسناد حسن، كذا في الترغيب)

لئے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔

ف: سردی کے موسم میں درختوں کے پتے ایسی کثرت سے گرتے ہیں کہ بعض درختوں پر ایک بھی پتہ نہیں رہتا، نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اخلاص سے نماز پڑھنے کا اثر بھی یہی ہے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ایک بھی نہیں رہتا، مگر ایک بات قابل لحاظ ہے۔ علماء کی تحقیق آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی وجہ سے یہ ہے کہ نماز وغیرہ عبادات سے صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، اس لئے نماز کے ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہئے، اس سے غافل نہ ہونا چاہئے، البتہ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے کسی کے گناہ کبیرہ بھی معاف فرما دیں تو دوسری بات ہے۔

(۳) عَنْ أَبِي عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَحْتَ شَجَرَةٍ، فَأَخَذَ غُصْنًا مِنْهَا يَابِسًا، فَهَزَّهُ حَتَّى تَحَاتَّ وَرَقُهُ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا عُثْمَانَ! أَلَا تَسْأَلُنِي لِمَ أَفْعَلُ هَذَا، قُلْتُ: وَلِمَ تَفْعَلُهُ؟ قَالَ: هَكَذَا فَعَلَ بِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا مَعَهُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَأَخَذَ مِنْهَا غُصْنًا يَابِسًا، فَهَزَّهُ حَتَّى تَحَاتَّ وَرَقُهُ، فَقَالَ: يَا سَلْمَانُ! أَلَا تَسْأَلُنِي لِمَ أَفْعَلُ هَذَا، قُلْتُ: وَلِمَ تَفْعَلُهُ؟ قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا تَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ صَلَّى الصَّلَاةَ الْخَمْسَ تَحَاتَّتْ خَطَايَاهُ

ابو عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کیساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، انہوں نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی، جس سے اس کے پتے گر گئے۔ پھر مجھ سے کہنے لگے کہ ابو عثمان! تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے یہ کیوں کیا۔ میں نے کہا: بتا دیجئے، کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ آپ ﷺ نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا جس سے اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، پھر حضور ﷺ نے

كَمَا تَحَاتُّ هَذَا الْوَرَقُ، وَقَالَ: أَقِمِ
 الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ ط
 إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذَلِكَ
 ذِكْرِي لِسَلَاكِ رَيْنِ (مسودہ: ۱۱۴)
 (رواہ احمد والنسائی والطبرانی، ورواہ احمد
 محتج بهم فی الصحیح إلا علی بن زید،
 کذا فی الترغیب)

ارشاد فرمایا تھا کہ سلمان! پوچھتے نہیں کہ
 میں نے اس طرح کیوں کیا، میں نے
 عرض کیا کہ بتا دیجئے، کیوں کیا؟ آپ ﷺ
 نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان اچھی طرح
 وضو کرتا ہے، پھر پانچوں نمازیں پڑھتا
 ہے تو اس کی خطائیں اس سے ایسے ہی
 گرج جاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں،

پھر آپ ﷺ نے قرآن کی آیت ”اقم الصلوة طرفی النهار“ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ
 یہ ہے کہ قائم کر نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں، بیشک نیکیاں
 دور کر دیتی ہیں گناہوں کو، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

ف: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو عمل کر کے دکھلایا، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق کی
 ادنیٰ مثال ہے۔ جب کسی شخص کو کسی سے عشق ہوتا ہے اس کی ہر ادا بھاتی ہے اور اسی طرح
 ہر کام کے کرنے کو جی چاہا کرتا ہے جس طرح محبوب کو کرتے دیکھتا ہے، جو لوگ محبت کا ذائقہ
 چکھ چکے ہیں وہ اس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
 نبی اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کرنے میں اکثر ان افعال کی بھی نقل کرتے تھے جو اس
 ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے کئے تھے۔ نماز کا اہتمام اور اس کی وجہ سے گناہوں کا معاف
 ہونا جس کثرت سے روایات میں ذکر کیا گیا ہے اس کا احاطہ دشوار ہے۔ پہلے بھی متعدد
 روایات میں یہ مضمون گزر چکا ہے، علماء نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے،
 جیسا پہلے معلوم ہو چکا، مگر احادیث میں صغیرہ کبیرہ کی کچھ قید نہیں ہے، مطلق گناہوں کا ذکر
 ہے۔ میرے والد صاحب رحمہ اللہ نے تعلیم کے وقت اس کی دو وجہیں ارشاد فرمائی تھیں:
 ایک یہ کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ اس کے ذمہ کوئی کبیرہ ہو، اولاً تو اس سے
 گناہ کبیرہ کا صادر ہونا ہی مشکل ہے اور اگر ہو بھی گیا تو بغیر توبہ کے اس کو چین آنا مشکل
 ہے۔ مسلمان کی مسلمانی شان کا مقتضی یہ ہے کہ جب اس سے کبیرہ صادر ہو جائے تو اتنے

روپیٹ کر اس کو دھونہ لے اس کو چھین نہ آئے، البتہ صغیرہ گناہ ایسے ہیں کہ ان کی طرف بسا اوقات التفات نہیں ہوتا ہے اور ذمہ پر رہ جاتے ہیں، جو نماز وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص اخلاص سے نماز پڑھے گا اور آداب و مستحبات کی رعایت رکھے گا، وہ خود ہی نہ معلوم کتنی مرتبہ تو بہ استغفار کرے گا اور نماز میں التَّحِيَّاتِ کی اخیر دعا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ" الخ میں تو تو بہ واستغفار خود ہی موجود ہے۔ ان روایات میں وضو کو بھی اچھی طرح سے کرنے کا حکم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آداب و مستحبات کی تحقیق کر کے ان کا اہتمام کرے، مثلاً ایک سنت اس کی مسواک ہی ہے جس کی طرف عام طور پر بے توجہی ہے، حالانکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے ستر درجہ افضل ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو، اس میں دس فائدے ہیں: (۱) منہ کو صاف کرتی ہے، (۲) اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (۳) شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔ (۴) مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ (۵) مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے۔ (۶) بلغم کو قطع کرتی ہے۔ (۷) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ (۸) صَفْرًا کو دور کرتی ہے۔ (۹) نگاہ کو تیز کرتی ہے۔ (۱۰) منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے اور اس سب کے علاوہ یہ ہے کہ سنت ہے۔ (مُنْبَهَاتُ ابْنِ حَجْرٍ رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ)۔ علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل ایون کھانے میں ستر مضر تیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اچھی طرح وضو کرنے کے فضائل احادیث میں بڑی کثرت سے آئے ہیں۔ وضو کے اعضاء قیامت کے دن روشن اور چمک دار ہوں گے اور اس سے حضور ﷺ نوراً اپنے امتی کو پہچان جائیں گے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ، یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ بَقِیَ مِنْ ذَرْبِہِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ

شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَكَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَاةِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَ الْخَطَايَا. (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی ورواه ابن ماجه من حديث عثمان، كذا في الترغيب).

مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ جل شانہ کی وجہ سے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔

(۳ب) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَثَلُ الصَّلَاةِ الْخَمْسِ، كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلَى بَابِ أَحَدِكُمْ، يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلُّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ. (رواه مسلم، كذا في الترغيب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس کا پانی جاری ہو اور بہت گہرا ہو، اس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرے۔

ف: جاری پانی گندگی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے اور پانی جتنا بھی گہرا ہوگا اتنا ہی صاف اور شفاف ہوگا، اسی لئے اس حدیث میں اس کا جاری ہونا اور گہرا ہونا فرمایا گیا ہے، اور جتنے صاف پانی سے آدمی غسل کریگا اتنی ہی صفائی بدن پر آئے گی۔ اسی طرح نمازوں کی وجہ سے اگر آداب کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھی جائیں تو گناہوں سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ جس قسم کا مضمون ان دو حدیثوں میں ارشاد ہوا ہے اس قسم کا مضمون کئی حدیثوں میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کے لئے کفارہ ہیں، یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ نماز کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مثلاً ایک شخص کا کوئی کارخانہ ہے، جس میں وہ کچھ کاروبار کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے بدن پر کچھ گرد و غبار، میل کچیل لگ جاتا ہے اور اس کے کارخانے اور مکان کے درمیان میں پانچ نہریں پڑتی ہیں، جب وہ کارخانے سے گھر جاتا ہے تو ہر نہر پر غسل کرتا ہے۔ اسی طرح سے پانچوں نمازوں کا حال ہے کہ جب

کبھی درمیانی اوقات میں کچھ خطا اور لغزش وغیرہ ہو جاتی ہے تو نمازوں میں دُعا استغفار کرنے سے اللہ جلّ ثنا بالکل اس کو مُعاف فرما دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصود اس قسم کی مثالوں سے اس امر کا سمجھا دینا ہے کہ اللہ جلّ ثنا نے نماز کو گناہوں کی معافی میں بہت قوی تاثیر عطا فرمائی ہے اور چونکہ مثال سے بات ذرا اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے اس لئے مختلف مثالوں سے حضور ﷺ نے اس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔ اللہ جلّ ثنا کی اس رحمت اور وسعتِ مغفرت اور لطف و انعام اور کرم سے ہم لوگ فائدہ نہ اٹھائیں تو کسی کا کیا نقصان ہے، اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں۔ ہم لوگ گناہ کرتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں، حکم عدولیاں کرتے ہیں، تعمیلِ ارشاد میں کوتاہیاں کرتے ہیں، اس کا مُقتضیٰ یہ تھا کہ قادر، عادل بادشاہ کے یہاں ضرور سزا ہوتی اور اپنے کئے کو بھگتتے، مگر اللہ کے کرم پر قربان کہ جس نے اپنی نافرمانیاں اور حکم عدولیاں کرنے کی تلافی کا طریقہ بھی بتا دیا، اگر ہم اس سے نفع حاصل نہ کریں تو ہماری حماقت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت اور لطف تو عطا کے واسطے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص سوتے ہوئے یہ ارادہ کرے کہ تہجد پڑھوں گا اور پھر آنکھ نہ کھلے تو اس کا ثواب اس کو ملے گا اور سونا مفت میں رہا لے کیا ٹھکانا ہے اللہ کی دین اور عطا کا؟ اور جو کریم اس طرح عطائیں کرتا ہو اس سے نہ لینا کتنی سخت محرومی اور کتنا زبردست نقصان ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی سخت امر پیش آتا تھا تو نماز کی طرف فوراً متوجہ ہوتے تھے۔

(۵) عَنْ حَذِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ، فَرَعَ إِلَى الصَّلَاةِ. (أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ جَرِيرٍ، كَذَا فِي الدَّرِّ الْمَشْهُورِ)

ف: نماز اللہ کی بڑی رحمت ہے، اس لئے ہر پریشانی کے وقت میں ادھر متوجہ ہو جانا گویا اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ ہو جانا ہے اور جب رحمتِ الہی مُساعد و مددگار ہو تو پھر کیا مجال ہے کسی پریشانی کی کہ باقی رہے۔ بہت سی روایتوں میں مختلف طور سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہر قدم پر حضور ﷺ کا اتباع فرمانے والے ہیں ان کے

حالات میں بھی یہ چیز نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابو و رداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو حضور اقدس ﷺ فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور جب تک آندھی بند نہ ہو جاتی مسجد سے نہ نکلتے۔ اسی طرح جب سورج یا چاند گرہن ہو جاتا تو حضور ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی معمول تھا کہ ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستہ میں اطلاع ملی کہ بیٹے کا انتقال ہو گیا، اونٹ سے اترے، دو رکعت نماز پڑھی پھر ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا اور پھر فرمایا کہ ہم نے وہ کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور قرآن پاک کی آیت ”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ (البقرہ: ۴۵) تلاوت کی۔

ایک اور قصہ اسی قسم کا نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ان کے بھائی قثم کے انتقال کی خبر ملی، راستہ سے ایک طرف کوہو کر اونٹ سے اترے، دو رکعت نماز پڑھی اور التحیات میں بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن پاک کی آیت ”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ (البقرہ: ۴۵) تلاوت فرمائی۔ (ترجمہ) اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ، اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ خشوع کا بیان تیسرے باب میں مفصل آ رہا ہے۔ انہیں کا ایک اور قصہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے انتقال کی خبر ملی تو سجدہ میں گر گئے، کسی نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ہم کو یہی ارشاد ہے کہ جب کوئی حادثہ دیکھو تو سجدہ میں (یعنی نماز میں) مشغول ہو جاؤ، اس سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا کہ اُم المؤمنین کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے فرمایا کہ میں ہر شخص کو اس سے روکتا ہوں کہ وہ مجھے روئے اور جب میری روح نکل جائے تو ہر شخص وضو کرے اور اچھی طرح سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کرے،

پھر مسجد میں جائے اور نماز پڑھ کر میرے واسطے استغفار کرے، اس لئے کہ اللہ جلّ ثنا نے ”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ“ (البقرہ: ۴۵) کا حکم فرمایا ہے۔ اس کے بعد مجھے قبر کے گڑھے میں پہنچا دینا۔ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور ایک دفعہ ایسی سکتہ کی سی حالت ہو گئی کہ سب نے انتقال ہو جانا تجویز کر لیا۔ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اٹھیں اور نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئیں تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو بھی افاقہ ہوا۔ لوگوں سے پوچھا: کیا میری حالت موت کی سی ہو گئی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ چلو اَحْكُمُ الْحَاكِمِينَ کی بارگاہ میں تمہارا فیصلہ ہونا ہے، وہ مجھے لے جانے لگے تو ایک تیسرے فرشتے آئے اور ان دونوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ، یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی قسمت میں سعادت اسی وقت لکھ دی گئی تھی جب یہ ماں کے پیٹ میں تھے اور ابھی ان کی اولاد کو ان سے اور فوائد حاصل کرنے ہیں۔ اس کے بعد ایک مہینہ تک حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ زندہ رہے، پھر انتقال ہوا۔

حضرت نصر بن النضر علیہ السلام کہتے ہیں کہ دن میں ایک مرتبہ سخت اندھیرا ہو گیا۔ میں دوڑا ہوا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی کبھی ایسی نوبت آئی ہے۔ انہوں نے فرمایا: خدا کی پناہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز چلتی تھی تو ہم سب مسجدوں کو دوڑ جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں پر کسی قسم کی تنگی پیش آتی تو ان کو نماز کا حکم فرمایا کرتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ”وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا“ (طہ: ۱۳۲) اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے، ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے، دینی ہو یا دنیوی، اس کا تعلق مالک الملک سے ہو یا کسی آدمی سے، اس کو چاہئے کہ بہت اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ جلّ ثنا کی حمد و ثنا کرے اور پھر درود شریف پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے تو ان شاء اللہ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی۔ دعا یہ ہے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَغَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدْعُ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ!

وہب بن منبہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حاجتیں نماز کے ذریعہ طلب کی جاتی ہیں اور پہلے لوگوں کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا وہ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جس پر بھی کوئی حادثہ گذرتا وہ جلدی سے نماز کی طرف رجوع کرتا۔

کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک قلی تھا جس پر لوگوں کو بہت اعتماد تھا۔ امین ہونے کی وجہ سے تاجروں کا سامان روپیہ وغیرہ بھی لے جاتا۔ ایک مرتبہ وہ سفر میں جا رہا تھا، راستہ میں ایک شخص اس کو ملا۔ پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ قلی نے کہا: فلاں شہر کا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی جانا ہے، میں پاؤں چل سکتا تو تیرے ساتھ ہی چلتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دینار کرایہ پر مجھے خچر پر سوار کر لے؟ قلی نے اس کو منظور کر لیا، وہ سوار ہو گیا، راستہ میں ایک دوراہہ ملا۔ سوار نے پوچھا: کدھر کو چلنا چاہئے؟ قلی نے شارع عام کا راستہ بتایا۔ سوار نے کہا: یہ دوسرا راستہ قریب کا ہے اور جانور کے لئے بھی سہولت کا ہے کہ سبزہ اس پر خوب ہے۔ قلی نے کہا: میں نے یہ راستہ دیکھا نہیں۔ سوار نے کہا: میں بارہا اس راستہ پر چلا ہوں۔ قلی نے کہا: اچھی بات ہے اسی راستہ کو چلے۔ تھوڑی دیر چل کر وہ راستہ ایک وحشت ناک جنگل پر ختم ہو گیا، جہاں بہت سے مردے پڑے تھے۔ وہ شخص سواری سے اُترا اور کمر سے خنجر نکال کر قلی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قلی نے کہا کہ ایسا نہ کر۔ یہ خچر اور سامان سب کچھ لے لے، یہی تیرا مقصود ہے، مجھے قتل نہ کر۔ اس نے نہ مانا اور قسم کھالی کہ پہلے تجھے ماروں گا، پھر یہ سب کچھ لوں گا۔ اس نے بہت عاجزی کی، مگر اس ظالم نے ایک بھی نہ مانی۔ قلی نے کہا: اچھا مجھے دو رکعت آخری نماز پڑھنے دے۔ اس نے قبول کیا اور ہنس کر کہا: جلدی سے پڑھ لے، ان مردوں نے بھی یہی درخواست کی تھی، مگر ان کی نماز نے کچھ بھی کام نہ دیا۔ اس قلی نے نماز شروع کی۔ اَلْحَمْدُ شریف پڑھ کر سورت بھی یاد نہ آئی۔ اُدھر وہ ظالم کھڑا تھا صاف کر رہا تھا کہ

جلدی ختم کر، بے اختیار اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی: ”أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ“ (اہمل: ۶۲) یہ پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ ایک سوار نمودار ہوا جس کے سر پر چمکتا ہوا خود (لوہے کی ٹوپی) تھا، اس نے نیزہ مار کر اس ظالم کو ہلاک کر دیا۔ جس جگہ وہ ظالم مر کر گرا آگ کے شعلے اس جگہ سے اٹھنے لگے۔ یہ نمازی بے اختیار سجدہ میں گر گیا، اللہ کا شکر ادا کیا۔ نماز کے بعد اس سوار کی طرف دوڑا۔ اس سے پوچھا کہ خدا کے واسطے اتنا بتا دو کہ تم کون ہو؟ کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ میں أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ کا غلام ہوں۔ اب تم مامون ہو، جہاں چاہے جاؤ۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔

درحقیقت نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ دنیا کے مصائب سے بھی اکثر نجات کا سبب ہوتی ہے اور سکونِ قلب تو حاصل ہوتا ہی ہے۔ ابنِ سیرین رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے جنت کے جانے میں اور دو رکعت نماز پڑھنے میں اختیار دے دیا جائے تو میں دو رکعت ہی کو اختیار کروں گا، اس لئے کہ جنت میں جانا میری اپنی خوشی کے واسطے ہے اور دو رکعت نماز میں میرے مالک کی رضا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: بڑا قابلِ رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو (یعنی اہل و عیال کا زیادہ بوجھ نہ ہو) نماز سے وافر حصہ اس کو ملا ہو۔ روزی صرف گزارے کے قابل ہو جس پر صبر کر کے عمر کو گزار دے، اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو، گنہگار میں پڑا ہو، جلدی سے مر جاوے، نہ میراث زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے گھر میں نماز کثرت سے پڑھا کرو، گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا۔

(۶) عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ بِالتَّغْلِبِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي أَمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا أَمَامَةَ إِنَّ رَجُلًا حَدَّثَنِي مِنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ تَوَضَّأَ، فَاسْبَغَ الوُضُوءَ، غَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ،

ابو مسلم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوامامہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ مسجد میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ مجھ سے ایک صاحب نے آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے جو شخص اچھی طرح

وَمَسَحَ عَلَى رَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَامَ إِلَى صَلَوةٍ مَفْرُوضَةٍ، غَفَرَ اللَّهُ لَهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ مَا مَشَتْ إِلَيْهِ رِجْلَاهُ، وَقَبَضَتْ عَلَيْهِ يَدَاهُ، وَسَمِعَتْ إِلَيْهِ أُذُنَاهُ، وَنَظَرَتْ إِلَيْهِ عَيْنَاهُ، وَحَدَّثَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ سُوءٍ، فَقَالَ: وَاللَّهِ لَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مِرَارًا. (رواه أحمد والغالِب على سننه الحسن و تقدم له شواهد في الوضوء، كذا في الترغيب قلت: وقد روى معنى الحديث عن أبي امامة رطخه بطرق في مجمع الزوائد)

وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو حق تعالیٰ جلّ ثناؤ اس دن وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے صادر ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس نے آنکھوں سے کیا ہو، اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ مضمون نبی اکرم ﷺ سے کئی دفعہ سنا ہے۔

ف: یہ مضمون بھی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت عبداللہ صنادیجی، حضرت عمرو بن عبسہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ حضرات سے مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد روایات میں ذکر کیا گیا ہے اور جو حضرات اہل کشف ہوتے ہیں ان کو گناہوں کا زائل ہو جانا محسوس بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے تھے کہ کونسا گناہ اس میں ڈھل رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ ”کسی شخص کو اس بات سے مغرور نہیں ہونا چاہئے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گھمنڈ پر کہ نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں گناہوں پر جرأت نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہم لوگوں کی نماز اور عبادات جیسی ہوتی ہیں ان کو اگر حق تعالیٰ جلّ ثناؤ اپنے لطف و کرم سے قبول فرمائیں تو ان کا لطف، احسان و انعام ہے، ورنہ ہماری عبادتوں کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے۔ اگرچہ نماز کا یہ اثر ضروری ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، مگر ہماری نماز بھی اس قابل ہے، اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس وجہ سے گناہ کرنا کہ میرا مالک کریم ہے، معاف کرنے والا ہے، انتہائی بے غیرتی ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہوئی

کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اپنے ان بیٹوں سے جو فلاں کام کریں درگزر کرتا ہوں تو وہ نالائق بیٹے اس وجہ سے کہ باپ نے درگزر کرنے کو کہہ دیا ہے جان جان کر اس کی نافرمانیاں کریں۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ مِنْ بَلِيٍّ، حَتَّى مِنْ قَضَاعَةَ اسْلَمَامَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: فَاسْتَشْهَدَ أَحَدٌ وَأَخْرَجَ الْآخَرَ مَنَةً، قَالَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدٍ رضی اللہ عنہ: فَرَأَيْتُ الْمُؤَخَّرَ مِنْهُمَا أُدْخِلَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الشَّهِيدِ، فَتَعَجَّبْتُ لِذَلِكَ، فَاصْبَحْتُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَوْ ذَكَرَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهُ رَمَضَانَ، وَصَلَّى سِتَّةَ آلَافِ رَكْعَةٍ، وَكَذَّارَ كَذَّارَ رَكْعَةٍ صَلَوةَ مَنَةٍ. (رواه أحمد بإسناد حسن، ورواه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه والبيهقي، كلهم عن طلحة بن عبيد بن جراح، وزاد ابن ماجه وابن حبان في آخره: فلما بينهما أطول ما بين السماء والارض، كذا في الترغيب، ولفظ أحمد في النسخة التي بأيدينا أو كذا وكذا ركعة بلفظ أو. وفي الدر: أخرجه مالك وأحمد والنسائي وابن خزيمة والحاكم وصححه والبيهقي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا ان شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو گئے، تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے، وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے۔ میں نے حضور ﷺ سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہو گئیں۔ ایک رمضان المبارک کے پورے روزے بھی ان کے زیادہ ہوئے اور چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں ان کی بڑھ گئیں۔

فی شعب الإيمان عن عامر بن سعد، قال سمعت سعداً و ناساً من الصحابة يقولون: كان رجلاً آخران

فی عہد رسول اللہ ﷺ، وکان احدهما افضل من الآخر، فتوفی الذی هو افضلہما، ثم عُفِرَ الآخر بعدہ أربعین

لیلة الحدیث. وقد أخرج أبو داود بمعنی حدیث الباب من حدیث عیید بن خالد بلفظ "قتل أحدهما ومات

الآخر بعدہ بجمعة" الحدیث)

ف: اگر ایک سال کے تمام مہینے اسی دن کے لگائے جائیں اور صرف فرض اور وتر کی بیس رکعتیں شمار کی جائیں تب بھی چھ ہزار نو سو ساٹھ رکعتیں ہوتی ہیں اور جتنے مہینے تیس دن کے ہوں گے بیس بیس رکعتوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور سنتیں اور نوافل بھی شمار کئے جائیں تو کیا ہی پوچھنا۔ ابن ماجہ میں یہ قصہ اور بھی مفصل آیا ہے، اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو خواب دیکھنے والے ہیں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو آدمی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک ساتھ آئے اور اکٹھے ہی مسلمان ہوئے۔ ایک صاحب بہت زیادہ مستعبد اور ہمت والے تھے، وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں اور وہ دونوں صاحب بھی وہاں ہیں۔ اندر سے ایک شخص آئے اور ان صاحب کو جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا اندر جانے کی اجازت ہو گئی اور جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ کھڑے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اندر سے ایک شخص آئے اور ان شہید کو بھی اجازت ہو گئی اور مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا ابھی وقت نہیں آیا، تم واپس چلے جاؤ۔ میں نے صبح کو لوگوں سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا، سب کو اس پر تعجب ہوا کہ ان شہید کو بعد میں اجازت کیوں ہوئی، ان کو تو پہلے ہونی چاہئے تھی؟ آخر حضور ﷺ سے لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ شہید بھی ہوئے اور بہت زیادہ مستعبد اور ہمت والے بھی تھے اور جنت میں یہ دوسرے صاحب پہلے داخل ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا انہوں نے ایک سال عبادت زیادہ نہیں کی؟ عرض کیا: بیشک کی۔ ارشاد فرمایا: کیا انہوں نے پورے ایک رمضان کے روزے ان سے زیادہ نہیں رکھے؟ عرض کیا گیا: بیشک رکھے۔ ارشاد فرمایا: کیا انہوں نے اتنے اتنے سجدے ایک سال کی نمازوں کے زیادہ نہیں کئے؟ عرض کیا گیا: بیشک

کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہو گیا۔

اس نوع کے قصے کئی لوگوں کے ساتھ پیش آئے۔ ابو داؤد شریف میں دو صحابہ کا قصہ اسی قسم کا صرف آٹھ دن کے فرق سے ذکر کیا گیا ہے کہ دوسرے صاحب کا انتقال ایک ہفتہ بعد ہوا، پھر بھی وہ جنت میں پہلے داخل ہو گئے۔ حقیقت میں ہم لوگوں کو اس کا اندازہ نہیں کہ نماز کتنی قیمتی چیز ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے۔ حضور ﷺ کی آنکھ کی ٹھنڈک جو انتہائی محبت کی علامت ہے، معمولی چیز نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو بھائی تھے، ان میں سے ایک چالیس روز پہلے انتقال کر گئے، دوسرے بھائی کا چالیس روز بعد انتقال ہوا۔ پہلے بھائی زیادہ بزرگ تھے، لوگوں نے ان کو بہت بڑھانا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا دوسرے بھائی مسلمان نہ تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بیشک مسلمان تھے مگر معمولی درجہ میں تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ ان چالیس دن کی نمازوں نے ان کو کس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ نماز کی مثال ایک میٹھی اور گہری نہر کی سی ہے جو دروازہ پر جاری ہو اور آدمی پانچ دفعہ اسی میں نہاتا ہو تو اس کے بدن پر کیا میل رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس کی نمازوں نے جو بعد میں پڑھی گئیں اس کو کس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔

(۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: يُعْتَبَرُ مُنَادٍ عِنْدَ حَضْرَةِ كُلِّ صَلَاةٍ فَيَقُولُ: يَا بَنِي آدَمَ! قُومُوا فَأَطِئُوا مَا أَوْقَدْتُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَيَقُومُونَ، فَيَتَطَهَّرُونَ، وَيُصَلُّونَ الظُّهْرَ، فَيُغْفَرُ لَهُمْ مَا بَيْنَهُمَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الْعَصْرُ فَمِثْلُ ذَلِكَ، فَإِذَا حَضَرَتِ الْمَغْرِبُ فَمِثْلُ ذَلِكَ فَإِذَا حَضَرَتِ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! اٹھو اور جہنم کی اس آگ کو جسے تم نے (گناہوں کی بدولت) اپنے اوپر جلانا شروع کر دیا ہے بجھاؤ، چنانچہ (دیندار لوگ) اٹھتے ہیں، وضو کرتے ہیں، ظہر کی نماز پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے گناہوں کی (صبح سے ظہر تک کی)

الْعَتَمَةُ فَمِثْلُ ذَلِكَ، فَيَنَامُونَ، فَمُذَلِّجٌ مَغْفِرَتِ كَرْدِي جَاتِي هِيَ۔ اسی طرح پھر
فِي خَيْرٍ وَمُذَلِّجٌ فِي شَرٍّ۔ (رواہ الطبرانی) عصر کے وقت، پھر مغرب کے وقت، پھر
عشاء کے وقت (غرض ہر نماز کے وقت یہی
فی الکبیر، کذا فی الترغیب)

صورت ہوتی ہے) عشاء کے بعد لوگ سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس کے بعد
اندھیری میں بعض لوگ برائیوں (زنا کاری بدکاری چوری وغیرہ) کی طرف چل دیتے
ہیں اور بعض لوگ بھلائیوں (نماز، وظیفہ، ذکر وغیرہ) کی طرف چلنے لگتے ہیں۔

ف: حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ جل ثنا اپنے
لطف سے نماز کی بدولت گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور نماز میں چونکہ استغفار خود موجود
ہے جیسا کہ اوپر گذرا، اس لئے صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں،
بشرطیکہ دل سے گناہوں پر ندامت ہو۔ خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ ”اقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي
النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ ط إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ“ جیسا کہ حدیث ۳ میں گذرا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک بڑے مشہور صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب عشاء کی
نماز ہو لیتی ہے تو تمام آدمی تین جماعتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں: ایک وہ جماعت ہے جس
کے لئے یہ رات نعمت ہے اور کمائی ہے اور بھلائی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جو رات کی فرصت
کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جب لوگ اپنے اپنے راحت و آرام اور سونے میں مشغول ہو
جاتے ہیں تو یہ لوگ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کی رات ان کے لئے اجر و ثواب بن
جاتی ہے۔ دوسری وہ جماعت ہے جس کیلئے رات وبال ہے، عذاب ہے۔ یہ وہ جماعت
ہے جو رات کی تنہائی اور فرصت کو غنیمت سمجھتی ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتی ہے، ان
کی رات ان پر وبال بن جاتی ہے۔ تیسری وہ جماعت ہے جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہے،
اس کے لئے نہ وبال ہے نہ کمائی، نہ کچھ گیانہ آیا۔

(۹) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رَبِيعٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى:
حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ
نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر پانچ

”إِنِّي افْتَرَضْتُ عَلَى أُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، وَعَهْدْتُ عِنْدِي عَهْدًا أَنَّهُ مَنْ حَافِظَ عَلَيْهِنَّ لَوْ قَتِلَ أَذْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ فِي عَهْدِي وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ فَلَا عَهْدَ لَهُ عِنْدِي.“ (کنزانی الشرح المشور بروایة أبی داود وابن ماجه، وفيه أيضا خرج مالك وابن أبي شيبة وأحمد وأبو داود، والنسائي)

نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لئے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

و ابن ماجه وابن حبان والبيهقي عن عبادة بن الصامت، فذكر معنى حديث الباب مرفوعا بأصول منه

ف: ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اور وضاحت سے آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو شخص ان میں لاپرواہی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اچھی طرح وضو کرے اور وقت پر ادا کرے، خشوع و خضوع سے پڑھے، حق تعالیٰ شانہ کا عہد ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے اور جو شخص ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اس سے نہیں، چاہے اس کی مغفرت فرمائیں چاہے عذاب دیں۔ کتنی بڑی فضیلت ہے نماز کی کہ اس کے اہتمام سے اللہ کے عہد میں اور ذمہ داری میں آدمی داخل ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی معمولی سا حاکم یا دولت مند کسی شخص کو اطمینان دلادے یا کسی مطالبہ کا ذمہ دار ہو جائے یا کسی قسم کی ضمانت کرے تو وہ کتنا مطمئن اور خوش ہوتا ہے اور اس حاکم کا کس قدر احسان مند اور گرویدہ بن جاتا ہے۔ یہاں ایک معمولی عبادت پر جس میں کچھ مشقت بھی نہیں ہے، مالک الملک دو جہاں کا بادشاہ عہد کرتا ہے، پھر بھی لوگ اس چیز سے غفلت اور لاپرواہی کرتے ہیں، اس میں کسی کا کیا نقصان ہے، اپنی ہی کم نصیبی اور اپنا ہی ضرر ہے۔

(۱۰) عَنْ ابْنِ سَلَمَانَ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثَهُ، قَالَ: لَمَّا فَتَحْنَا خَيْبَرَ، أَخْرَجُوا غَنَائِمَهُمْ مِنَ السَّمَاعِ وَالسَّبْيِ، فَجَعَلَ النَّاسُ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ لڑائی میں جب خیبر کو فتح کر چکے تو لوگوں نے اپنے مال غنیمت کو نکالا جس میں متفرق سامان تھا اور قیدی تھے اور خرید و فروخت

يَتَّبِعُونَ غَنَائِمَهُمْ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَقَدْ رِبَحْتُ رِبْحًا مَا رِبَحَ الْيَوْمَ مِثْلَهُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْوَادِي. قَالَ: وَيَحَكَ! وَمَا رِبَحْتُ؟ قَالَ: مَا زِلْتُ أَبِيعُ وَأَبْتَاعُ حَتَّى رِبَحْتُ ثَلَاثِينَ أُوقِيَةً. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَنَا أَنْبِئُكَ بِخَيْرِ رَجُلٍ رِبَحَ. قَالَ: مَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الصَّلَاةِ. (أخرجه أبو داود وسكت عنه المنذري)

شروع ہو گئی (کہ ہر شخص اپنی ضروریات خریدنے لگا اور دوسری زائد چیزیں فروخت کرنے لگا) اتنے میں ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آج کی اس تجارت میں اس قدر نفع ہوا کہ ساری جماعت میں سے کسی کو بھی اتنا نفع نہیں مل سکا۔ حضور ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ کتنا کمایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں سامان خریدتا رہا اور بیچتا رہا جس میں

تین سو اوقیہ چاندی نفع میں پہنچی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں بہترین نفع کی چیز بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: حضور! ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دو رکعت نفل۔

ف: ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً چار آنہ کا، تو اس حساب سے تین ہزار روپیہ ہوا جس کے مقابلہ میں دو جہاں کے بادشاہ کا ارشاد ہے کہ یہ کیا نفع ہوا۔ حقیقی نفع وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنے والا ہے اور کبھی نہ ختم ہونے والا ہے، اگر حقیقت میں ہم لوگوں کے ایمان ایسے ہی ہو جائیں اور دو رکعت نماز کے مقابلہ میں تین ہزار روپے کی وقعت نہ رہے تو پھر واقعی زندگی کا لطف ہے، اور حق یہ ہے کہ نماز ہے ہی ایسی دولت۔ اسی وجہ سے حضور اقدس، سید البشر، فخر رسل ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے اور وصال کے وقت آخری وصیت جو فرمائی ہے اس میں نماز کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے (کنز العمال)۔ متعدد حدیثوں میں اس کی وصیت مذکور ہے، منجملہ ان کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آخری وقت میں جب زبان مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے، اس وقت بھی حضور ﷺ نے نماز اور غلاموں کے حقوق کی تاکید فرمائی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ آخری کلام حضور اقدس ﷺ کا نماز کی تاکید اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم تھا (جامع الصغیر)۔ حضور اقدس ﷺ نے نجد کی طرف ایک مرتبہ جہاد کے لئے لشکر بھیجا جو بہت ہی جلدی واپس لوٹ آیا اور ساتھ ہی بہت سا رامال غنیمت لے کر آیا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنی ذرا سی مدت میں ایسی بڑی کامیابی اور مال و دولت کے ساتھ واپس آ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بھی کم وقت میں اس مال سے بہت زیادہ غنیمت اور دولت کمانے والی جماعت بتاؤں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز میں جماعت میں شریک ہوں اور آفتاب نکلنے تک اسی جگہ بیٹھے رہیں۔ آفتاب نکلنے کے بعد (جب مکروہ وقت جو تقریباً بیس منٹ رہتا ہے نکل جائے) تو دو رکعت (اشراق کی) نماز پڑھیں، یہ لوگ بہت تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ دولت کمانے والے ہیں۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ مشہور صوفی بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں ان کو پانچ جگہ پایا: (۱) روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی (۲) اور قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی۔ (۳) منکر نکیر کے سوال کا جواب طلب کیا تو اس کو قراءت میں پایا (۴) اور پل صراط کا سہولت سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں پایا (۵) اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا (نزہۃ المجالس)۔

حدیث کی کتابوں میں نماز کے بارے میں بہت ہی تاکید اور بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ تبرُّکاً چند احادیث کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

- (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ ثناؤ نے میری امت پر سب چیزوں سے پہلے نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔ (۲) نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ (۳) آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے۔ (۴) اسلام کی علامت نماز ہے جو شخص دل کو فارغ کر کے اوقات اور مستحبات کی رعایت رکھ کر نماز پڑھے وہ مومن ہے۔ (۵) حق تعالیٰ جلّ ثناؤ نے کوئی چیز ایمان اور نماز سے افضل فرض نہیں کی، اگر اس سے افضل کسی اور چیز کو فرض کرتے تو فرشتوں کو اس کا حکم دیتے، فرشتے دن رات کوئی رکوع میں ہے،

کوئی سجدے میں۔ (۶) نماز دین کا ستون ہے۔ (۷) نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے۔ (۸) نماز مومن کا نور ہے۔ (۹) نماز افضل جہاد ہے۔ (۱۰) جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں، جب وہ نماز سے ہٹ جاتا ہے تو وہ بھی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ (۱۱) جب کوئی آفت آسمان سے اترتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔ (۱۲) اگر آدمی کسی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے تو اس کی آگ سجدے کی جگہ کو نہیں کھاتی۔ (۱۳) اللہ نے سجدہ کی جگہ کو آگ پر حرام فرما دیا ہے۔ (۱۴) سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ کے نزدیک وہ نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔ (۱۵) اللہ جلّ ثنا کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس کو سجدہ میں پڑا ہوا دیکھیں کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہے۔ (۱۶) اللہ جلّ ثنا کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے۔ (۱۷) جنت کی کنجیاں نماز ہیں۔ (۱۸) جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ جلّ ثنا کے اور اس نمازی کے درمیان پردے ہٹ جاتے ہیں جب تک کہ کھانسی وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ (۱۹) نمازی شہنشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہی رہے تو کھلتا ہی ہے۔ (۲۰) نماز کا مرتبہ دین میں ایسا ہی ہے جیسا کہ سر کا درجہ ہے بدن میں۔

(۲۱) نماز دل کا نور ہے، جو اپنے دل کو نورانی بنانا چاہے (نماز کے ذریعہ سے) بنالے۔ (۲۲) جو شخص اچھی طرح وضو کرے اس کے بعد خشوع و خضوع سے دو یا چار رکعت نماز فرض یا نفل پڑھ کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے اللہ تعالیٰ شانہ معاف فرما دیتے ہیں۔ (۲۳) زمین کے جس حصہ پر نماز کے ذریعہ سے اللہ کی یاد کی جاتی ہے وہ حصہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے۔ (۲۴) جو شخص دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ وہ دعا قبول فرما لیتے ہیں، خواہ فوراً ہو یا کسی مصلحت سے کچھ دیر کے بعد، مگر قبول ضرور فرماتے ہیں۔ (۲۵) جو شخص تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے جس کو اللہ اور اس کے فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے تو اس کو جہنم کی آگ سے بری ہونے کا پروانہ مل جاتا ہے۔ (۲۶) جو شخص ایک فرض نماز ادا کرے اللہ جلّ ثنا کے یہاں ایک مقبول

دعا اس کی ہو جاتی ہے۔ (۲۷) جو پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہے، ان کے رکوع و سجود اور وضو وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ اچھی طرح سے پورا کرتا رہے جنت اس کے لئے واجب ہو جاتی ہے اور دوزخ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ (۲۸) مسلمان جب تک پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے شیطان اس سے ڈرتا رہتا ہے اور جب وہ نمازوں میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت ہو جاتی ہے اور اس کے بہکانے کی طمع کرنے لگتا ہے۔ (۲۹) سب سے افضل عمل اول وقت نماز پڑھنا ہے۔ (۳۰) نماز ہر مثنیٰ کی قربانی ہے۔ (۳۱) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل نماز کو اول وقت پڑھنا ہے۔ (۳۲) صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو بازار کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔ (۳۳) ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی چار رکعتوں کا۔ (۳۴) ظہر سے پہلے چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر شمار ہوتی ہیں۔ (۳۵) جب آدمی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو رحمت اللہ علیہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ (۳۶) افضل ترین نماز آدمی رات کی ہے مگر اس کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ (۳۷) میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد! خواہ کتنا ہی آپ زندہ رہیں۔ آخر ایک دن مرنا ہے اور جس سے چاہے محبت کریں۔ آخر ایک دن اس سے جدا ہونا ہے اور آپ جس قسم کا بھی عمل کریں (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ضرور ملے گا، اس میں کوئی تردد نہیں کہ مومن کی شرافت تہجد کی نماز ہے اور مومن کی عزت لوگوں سے استغناء ہے۔ (۳۸) اخیر رات کی دو رکعتیں تمام دنیا سے افضل ہیں، اگر مجھے مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو امت پر فرض کر دیتا۔ (۳۹) تہجد ضرور پڑھا کرو کہ تہجد صالحین کا طریقہ ہے اور اللہ کے قرب کا سبب ہے، تہجد گناہوں سے روکتا ہے اور خطاؤں کی معافی کا ذریعہ ہے، اس سے بدن کی تندرستی بھی ہوتی ہے۔ (۴۰) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کی اولاد! تو دن کے شروع میں چار رکعتوں سے عاجز نہ بن، میں تمام دن تیرے کاموں کی کفایت کروں گا۔

حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے نماز کے فضائل اور ترغیبات ذکر کی گئی ہیں۔

چالیس کے عدد کی رعایت سے اتنے پر کفایت کی گئی کہ اگر کوئی شخص ان کو حفظ یاد کر لے تو چالیس حدیثیں یاد کرنے کی فضیلت حاصل کر لے گا۔ حق یہ ہے کہ نماز ایسی بڑی دولت ہے کہ اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ جلّ ثناؤ نے اس کا مزہ چکھا دیا ہو۔ اسی دولت کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اس میں فرمائی اور اسی لذت کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ رات کو اکثر حصہ نماز ہی میں گزار دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وصال کے وقت خاص طور پر نماز کی وصیت فرمائی اور اس کے اہتمام کی تاکید فرمائی۔ متعدد احادیث میں ارشاد نبوی نقل کیا گیا: **اتَّقُوا اللَّهَ فِي الصَّلَاةِ** ”نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تمام اعمال میں مجھے نماز سب سے زیادہ محبوب ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد نبوی پر گذرا، حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، مجھے بھی شوق ہوا، حضور ﷺ کے پیچھے نیت باندھ لی۔ حضور ﷺ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ سو آیتوں پر رکوع کر دیں گے، مگر جب وہ گذر گئیں اور رکوع نہ کیا تو میں نے سوچا دو سو پر رکوع کریں گے، مگر وہاں بھی نہ کیا تو مجھے خیال ہوا کہ سورت کے ختم ہی پر کریں گے۔ جب سورت ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے کئی مرتبہ **اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ**۔ **اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ** پڑھا اور سورہ آل عمران شروع کر دی۔ میں سوچ میں پڑ گیا، آخر میں نے خیال کیا کہ آخر اس کے ختم پر تو رکوع کریں گے۔ حضور ﷺ نے اس کو ختم فرمایا اور تین مرتبہ **اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ** پڑھا اور سورہ مائدہ شروع کر دی، اس کو ختم کر کے رکوع کیا اور رکوع میں **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ** پڑھتے رہے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے رہے، جو سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد اسی طرح سجدہ میں **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی** بھی پڑھتے رہے، اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں سورہ انعام شروع کر دی۔ میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ہمت نہ کر سکا اور مجبور ہو کر چلا آیا۔ پہلی رکعت میں تقریباً پانچ سو بارے ہوئے اور پھر حضور اقدس ﷺ کا پڑھنا جو نہایت اطمینان سے تجوید اور ترتیل کے ساتھ ایک ایک آیت جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ ایسی

صورت میں کتنی لابی رکعت ہوئی ہوگی۔ انہیں وجہ سے آپ ﷺ کے پاؤں پر نماز پڑھتے پڑھتے ورم آ جاتا تھا، مگر جس چیز کی لذت دل میں اتر جاتی ہے اس میں مشقت اور تکلیف دشوار نہیں رہتی۔ ابوالفتح سیحی رحمہ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں، سو برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس پر افسوس کیا کرتے تھے کہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے نماز کا لطف جاتا رہا۔ دو رکعتوں میں صرف دو سورتیں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی جاتی ہیں، زیادہ نہیں پڑھا جاتا (تہذیب التہذیب)۔ یہ دو سورتیں بھی پونے چار پاروں کی ہیں۔ محمد بن سناک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں میرا ایک پڑوسی تھا، اس کے ایک لڑکا تھا جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا اور رات بھر نماز میں اور شوقیہ اشعار میں رہتا تھا۔ وہ سوکھ کر ایسا ہو گیا کہ صرف ہڈی اور چمڑہ رہ گیا۔ اس کے والد نے مجھ سے کہا کہ تم اس کو ذرا سمجھاؤ۔ میں ایک مرتبہ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا، وہ سامنے سے گذرا، میں نے اسے بلایا، وہ آیا سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ کہنے لگا: چچا! شاید آپ محنت میں کمی کا مشورہ دیں گے۔ چچا جان! میں نے اس محلے کے چند لڑکوں کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ دیکھیں کون شخص عبادت میں زیادہ کوشش کرے۔ انہوں نے کوشش اور محنت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلا لئے گئے۔ جب وہ بلائے گئے تو بڑی خوشی اور سرور کے ساتھ گئے۔ ان میں سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ میرا عمل دن میں دو بار ان پر ظاہر ہوتا ہوگا، وہ کیا کہیں گے جب اس میں کوتاہی پائیں گے۔ چچا جان! ان جوانوں نے بڑے بڑے مجاہدے کئے، ان کی محنتیں اور مجاہدے بیان کرنے لگا جن کو سن کر ہم لوگ متحیر رہ گئے۔ اس کے بعد وہ لڑکا اٹھ کر چلا گیا۔ تیسرے دن ہم نے سنا کہ وہ بھی رخصت ہو گئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (نزہۃ)۔

اب بھی اس گئے گزرے زمانے میں اللہ کے بندے ایسے دیکھے جاتے ہیں جو رات کا اکثر حصہ نماز میں گزار دیتے ہیں اور دن میں دین کے دوسرے کاموں تبلیغ و تعلیم میں منہمک رہتے ہیں۔ حضرت مجتہد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ کے نام نامی سے کون شخص ہندوستان میں ناواقف ہوگا، ان کے ایک خلیفہ مولانا عبدالواحد لاہوری رحمہ اللہ علیہ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کیا جنت میں نماز نہ ہوگی؟ کسی نے عرض کیا کہ حضرت جنت میں نماز کیوں ہو، وہ تو اعمال کے بدلہ کی جگہ ہے نہ کہ عمل کرنے کی۔ اس پر ایک آہ کھینچی اور رونے لگے اور فرمایا کہ

بغیر نماز کے جنت میں کیونکر گزرے گی؟ ایسے ہی لوگوں سے دنیا قائم ہے اور زندگی کو وصول کرنے والی حقیقت میں یہی مبارک ہستیاں ہیں۔ اللہ جلّ ثناؤ اپنے لطف اور اپنے پر مر مٹنے والوں کے طفیل اس روسیاء کو بھی نواز دے تو اس کے لطف عام سے کیا بعید ہے۔

ایک پر لطف قصہ پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”منہیات“ میں لکھا ہے: ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں: خوشبو، عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضور ﷺ کے پاس چند صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: آپ کے چہرہ کا دیکھنا، اپنے مال کو آپ پر خرچ کرنا اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچ ہے اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: امر بالمعروف، نہی عن المنکر (ایچھے کاموں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا) اور پرانا کپڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: بھوکوں کو کھانا کھلانا، تنگوں کو کپڑا پہنانا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں پسند ہیں: مہمان کی خدمت، گرمی کا روزہ اور دشمن پر تلوار۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ شانہ نے بھیجا ہے اور فرمایا کہ اگر میں (یعنی جبریل) دنیا والوں میں ہوتا تو بتاؤں مجھے کیا پسند ہوتا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ۔ عرض کیا: بھولے ہوؤں کو راستہ بتانا، غریب عبادت کرنے والوں سے محبت رکھنا اور عیال دار مفلوسوں کی مدد کرنا اور اللہ جلّ جلالہ کو بندوں کی تین چیزیں پسند ہیں: (اللہ کی راہ میں) طاقت کا خرچ کرنا (مال سے ہو یا جان سے) اور (گناہ پر) ندامت کے وقت رونا اور فاقہ پر صبر کرنا۔

حافظ ابن قیم ”زاد المعاد“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز روزی کو کھینچنے والی ہے، صحت کی محافظ ہے، بیماریوں کو رفع کرنے والی ہے، دل کو تقویت پہنچاتی ہے، چہرہ کو خوبصورت اور منور کرتی ہے، جان کو فرحت پہنچاتی ہے، اعضا میں نشاط پیدا کرتی ہے، کاہلی کو دفع کرتی ہے، شرح صدر کا سبب ہے، روح کی غذا ہے، دل کو منور کرتی ہے۔ اللہ کے انعام کی محافظ ہے اور

عذاب الہی سے حفاظت کا سبب ہے۔ شیطان کو دور کرتی ہے اور رخصت سے قرب پیدا کرتی ہے۔ غرض روح اور بدن کی صحت کی حفاظت میں اس کو خاص دخل ہے اور دونوں چیزوں میں اس کی عجیب تاثیر ہے، نیز دنیا اور آخرت کی مضرتوں کے دور کرنے میں اور دونوں جہاں کے منافع پیدا کرنے میں اس کو بہت خصوصیت ہے۔

فصل دوم

نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیث میں آیا ہے

اس کا بیان

حدیث کی کتابوں میں نماز نہ پڑھنے پر بہت سخت سخت عذاب ذکر کئے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔ سچی خبر دینے والے کا ایک ارشاد بھی سمجھدار کے لئے کافی تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کی شفقت کے قربان کہ آپ نے کئی کئی طرح سے اور بار بار اس چیز کی طرف متوجہ فرمایا کہ اُن کے نام لیوا، ان کی امت کہیں اس میں کوتاہی نہ کرنے لگے۔ پھر افسوس ہے ہمارے حال پر کہ ہم حضور ﷺ کے اس اہتمام کے باوجود نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور بے غیرتی اور بے حیائی سے اپنے کو امتی اور شیخ رسول اور اسلام کا دھنی بھی سمجھتے ہیں۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ. (رواہ احمد، ومسلم) وَقَالَ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكَفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ. (أبو داود والنسائي ولفظه: "ليس بين العبد و

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندہ کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

بין الكفر والآثر ك الصلوة" والترمذی ولفظه قال: "بين الكفر والایمان ترك الصلوة" وابن ماجه ولفظه قال: "يس العبد وبين الكفر ترك الصلوة" كذا في الترغيب للمندري، وقال السيوطي في الدرر لحديث جابر أخرجه ابن أبي شيبة وأحمد ومسلم وأبو داود والترمذی والنسائي وابن ماجه، ثم قال: وأخرج ابن أبي

شعبة و أحمد و أبو داود والترمذی و صحیحہ والنسائی وابن ماجہ و ابن حبان والحاکم وصحیحہ عن ثریدة
مرفوعاً: "الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ"

ف: اس قسم کا مضمون اور بھی کئی حدیثوں میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ابر کے دن نماز جلدی پڑھا کرو کیونکہ نماز چھوڑنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ ابر کی وجہ سے وقت کا پتہ نہ چلے اور نماز قضا ہو جائے، اس کو بھی نماز کا چھوڑنا ارشاد فرمایا۔ کتنی سخت بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ گو علماء نے اس حدیث کو انکار کے ساتھ مقید فرمایا ہے، مگر حضور ﷺ کے ارشاد کی فکر اتنی سخت چیز ہے کہ جس کے دل میں ذرا بھی حضور اقدس ﷺ کی وقعت اور حضور ﷺ کے ارشاد کی اہمیت ہوگی، اس کے لئے یہ ارشادات نہایت سخت ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ جیسا کہ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کا یہی مذہب ہے کہ بلا عذر جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ آئمہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ، ابن مبارک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے۔
اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ

(۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَبْعِ خِصَالٍ فَقَالَ: لَا تَشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعْتُمْ أَوْ حُرِّقْتُمْ أَوْ صُلِبْتُمْ، وَلَا تَشْرِكُوا الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدِينَ، فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ، وَلَا تَرْكَبُوا الْمَعْصِيَةَ فَإِنَّهَا سَخَطُ اللَّهِ، وَلَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا رَأْسُ الْخَطَايَا كُلِّهَا. (الحديث رواه الطبرانی و محمد بن نصر في كتاب الصلوة بإسنادين)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب حضور اقدس ﷺ نے سات نصیحتیں کی ہیں جن میں سے چار یہ ہیں: اول یہ کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاویں یا تم جلا دیئے جاؤ یا تم سولی چڑھا دیئے جاؤ۔ دوسری یہ کہ جان کر نماز نہ چھوڑو۔ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو کہ اس سے حق تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ شراب نہ پو

لابأس بهما كذا في الترتيب، وهكذا ذكره

السيوطي في الدر المنثور وعزاه إليهما في المشكوة برواية ابن ماجة عن ابن أبي الدرداء نحوه

ف: ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بھی اسی قسم کا مضمون نقل فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ کرنا خواہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاویں یا آگ میں جلا دیا جائے، دوسری نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا، جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ شانہ بری الذمہ ہیں۔ تیسری شراب نہ پینا کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

(۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ، قَالَ: لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ أَوْ حُرِّقْتَ، وَلَا تَعْقَنْ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَسْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا، فَإِنْ مَنُ تَرَكَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا، فَقَدْ بَرِئْتُ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ، وَلَا تُشْرَبَنَّ خَمْرًا؛ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ؛ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطِ اللَّهِ، وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزُّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِنْ أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ فَاتَّبِثْ، وَأَنْفِقْ عَلَى أَهْلِكَ مِنْ طَوْلِكَ، وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا وَآخِفْهُمْ فِي اللَّهِ.

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی: (۱) یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ (۲) والدین کی نافرمانی نہ کرنا گو وہ تجھے اس کام کا حکم کریں کہ بیوی کو چھوڑ دے یا سارا مال خرچ کر دے۔ (۳) فرض نماز جان کر نہ چھوڑنا۔ جو شخص فرض نماز جان کر چھوڑ دیتا ہے اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کہ یہ ہر برائی اور فحش کی جڑ ہے۔ (۵) اللہ کی نافرمانی نہ کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل ہوتا ہے۔ (۶) لڑائی میں نہ بھاگنا چاہیے سب ساٹھی مرجائیں۔ (۷) اگر کسی جگہ وبا پھیل جاوے (جیسے طاعون وغیرہ) تو وہاں سے نہ بھاگنا۔ (۸) اپنے گھروالوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا۔

(رواہ أحمد والطبرانی فی الکبیر واسناد أحمد)

صحیح لوسلم من الانقطاع فان عبدالرحمن ابن
 جبیر لم یسمع من معاذ کذا فی الترغیب، والیہما
 (۹) تنبیہ کے واسطے ان پر سے لکڑی نہ
 ہٹانا۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ سے ان کو ڈراتے رہنا۔
 عزاء السبوطی فی الدرولم یذکر الانقطاع، ثم قال: وأخرج الطبرانی عن أمیمة مولاة رسول اللہ ﷺ قالت:
 كنت أصب علی رسول اللہ ﷺ وضوءه، فدخل رجل فقال: أوصنی، فقال: لا تشرك بالله شیئا وإن قطعت
 أوحرفت ولا تعص والدیک وإن أمرك أن تخلی من أهلك ودنیاک فتخله، ولا تشربن خمرًا، فإنه مفتاح کل
 شر، ولا ترکن صلوة متعمدا، فمن فعل ذلك فقد برأت منه ذمة اللہ ورسولہ

ف: لکڑی نہ ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بے فکر نہ ہوں کہ باپ تنبیہ
 نہیں کرتا اور مارتا نہیں جو چاہے کرتے رہو، بلکہ ان کو حدود شرعیہ کے تحت کبھی کبھی مارتے
 رہنا چاہئے کہ بغیر مار کے اکثر تنبیہ نہیں ہوتی۔ آج کل اولاد کو شروع میں تو محبت کے جوش
 میں تنبیہ نہیں کی جاتی، جب وہ بری عادتوں میں پختہ ہو جاتے ہیں تو پھر روتے پھرتے ہیں،
 حالانکہ یہ اولاد کے ساتھ محبت نہیں، سخت دشمنی ہے کہ اس کو بری باتوں سے روکا نہ جائے اور
 مار پیٹ کو محبت کے خلاف سمجھا جائے۔ کون سمجھدار اس کو گوارا کر سکتا ہے کہ اولاد کے
 پھوڑے پھنسی کو بڑھایا جائے اور اس وجہ سے کہ نشتر لگانے سے زخم اور تکلیف ہوگی عملِ جراحی
 نہ کرایا جائے بلکہ لاکھ بچہ روئے، منہ بنائے، بھاگے، بہر حال نشتر لگانا ہی پڑتا ہے۔ بہت سی
 حدیثوں میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ بچہ کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو
 اور دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
 بچوں کی نماز کی نگرانی کیا کرو اور اچھی باتوں کی ان کو عادت ڈالو۔ حضرت لقمان حکیم کا
 ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لئے ایسی ہے جیسا کہ کھیتی کے لئے پانی۔ حضور ﷺ کا
 ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو تنبیہ کرے یہ ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے۔ ایک صاع
 تقریباً ساڑھے تین سیر غلہ کا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر
 رحمت کرے جو گھر والوں کو تنبیہ کے واسطے گھر میں کوڑا لٹکائے رکھے۔ ایک حدیث میں
 ارشاد ہے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے افضل عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھا طریقہ تعلیم
 کرے۔ ۵

(۴) عَنْ نُوْفَلِ بْنِ مُعْوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فَكَانَ مَا وَتَرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ. (رواه ابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب، زاد السيوطي في الدر والنسائي أيضا، قلت: ورواه أحمد في مسنده)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہو گئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔

ف: نماز کا ضائع کرنا اکثر یا بال بچوں کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کی خیر خبر میں مشغول رہے یا مال و دولت کمانے کے لالچ میں ضائع کی جاتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کا ضائع کرنا انجام کے اعتبار سے ایسا ہی ہے گویا بال بچے اور مال و دولت سب ہی چھین لیا گیا اور اکیلا کھڑا رہ گیا، یعنی جتنا خسارہ اور نقصان اس حالت میں ہے اتنا ہی نماز کے چھوڑنے میں ہے یا جس قدر رنج و صدمہ اس حالت میں ہوتا ہی نماز کے چھوڑنے میں ہونا چاہئے۔ اگر کسی شخص سے کوئی معتبر آدمی یہ کہہ دے اور اسے یقین آ جائے کہ فلاں راستہ لٹتا ہے اور جو رات کو اس راستہ سے جاتا ہے تو ڈاکو اس کو قتل کر دیتے ہیں اور مال چھین لیتے ہیں، تو کون بہادر ہے کہ اس راستہ سے رات کو چلے، رات کو تو درکنار دن کو بھی مشکل سے اس راستہ کو چلے گا، مگر اللہ کے سچے رسول ﷺ کا یہ پاک ارشاد ایک دو نہیں، کئی کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور ہم مسلمان حضور ﷺ کے سچے ہونے کا دعویٰ بھی جھوٹی زبانوں سے کرتے ہیں، مگر اس پاک ارشاد کا ہم پر اثر کیا ہے؟ ہر شخص کو معلوم ہے۔

(۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاةَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُدَّةٍ، فَقَدْ أَتَى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكِبَايَرِ. (رواه الحاكم وقال: حسن)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے ایک وقت میں پڑھے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر پہنچ گیا۔

ہو ابن قیس ثقة، وقال الحافظ: بل واه بمرّة لا نعلم أحداً وثّقه غير حصين بن نمير كذا في الترغيب، زاد السيوطي في الدر والترمذي أيضا وذكر في اللآلئ له شواهد، وكذا في التعقبات وقال: الحديث أخرجه الترمذي وقال: حسن ضعيف ضعفه أحمد وغيره، والعمل على هذا عند أهل العلم فأشار بذلك إلى أن

الحديث اعتضد بقول أهل العلم ، وقد صرح غير واحد بان من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله)

ف: حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کر، ایک نماز جب اس کا وقت ہو جائے۔ دوسری جنازہ جب تیار ہو جائے۔ تیسری بے نکاحی عورت جب اس کے جوڑ کا خاوند مل جائے (یعنی فوراً نکاح کر دینا)۔ بہت سے لوگ جو اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں اور گویا نماز کے پابند بھی سمجھے جاتے ہیں وہ کئی کئی نمازیں معمولی بہانہ سے، سفر کا ہو، دوکان کا ہو، ملازمت کا ہو، گھر آ کر اکٹھی ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ گناہ کبیرہ ہے کہ بلا کسی عذر بیماری وغیرہ کے نماز کو اپنے وقت پر نہ پڑھا جاوے، گو بالکل نماز نہ پڑھنے کے برابر گناہ نہ ہو، لیکن بے وقت پڑھنے کا بھی سخت گناہ ہے، اس سے خلاصی نہ ہوئی۔

(۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: النَّبِيُّ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ: مَنْ حَافِظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأَبِي بَنْ خَلْفٍ.

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے نماز کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی اور حساب پیش ہونے کے وقت حجت ہوگی اور نجات کا سبب ہوگی اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کیلئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا اور نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(آخر جہ احمد و ابن حبان والطبرانی، کذا فی الدر المنثور للسیوطی، وقال الہیثمی: رواہ أحمد و الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجال أحمد ثقات،

وقال ابن حجر فی الزواجر: أخرجه أحمد بسند جيد، وزاد فيه قارون أيضا مع فرعون وغيره، وكذا زاده فی مستدرك الكنز برواية ابن نصر والمشكوة أيضا برواية أحمد والدارمي والبيهقي في الشعب وابن قيم في كتاب الصلوة).

ف: فرعون کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا

اور ہامان اس کے وزیر کا نام ہے اور اُبی بن خُلف مکہ کے مشرکین میں سے بڑا دشمن اسلام تھا۔ ہجرت سے پہلے نبی اکرم ﷺ سے کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پالا ہے، اس کو بہت کچھ کھلاتا ہوں، اس پر سوار ہو کر (نعوذ باللہ) تم کو قتل کروں گا۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اس سے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ اُحد کی لڑائی میں وہ حضور اقدس ﷺ کو تلاش کرتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر وہ آج بچ گئے تو میری خیر نہیں، چنانچہ حملہ کے ارادہ سے وہ حضور ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ارادہ بھی فرمایا کہ دور ہی سے اس کو نمٹا دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنے دو، جب وہ قریب ہوا تو حضور ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سے برچھالے کر اس کے مارا جو اس کی گردن پر لگا اور ہلکا سا خراش اس کی گردن پر آ گیا، مگر اس کی وجہ سے گھوڑے سے لڑھکتا ہوا گر اور کئی مرتبہ گرا اور بھاگتا ہوا اپنے لشکر میں پہنچ گیا اور چلاتا تھا کہ خدا کی قسم! مجھے محمد ﷺ نے قتل کر دیا۔ کفار نے اس کو اطمینان دلایا کہ معمولی خراش ہے، کوئی فکر کی بات نہیں، مگر وہ کہتا تھا کہ محمد ﷺ نے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مرجاتا۔ لکھتے ہیں کہ اس کے چلانے کی آواز ایسی ہو گئی تھی جیسا کہ بیل کی ہوتی ہے۔

ابو سفیان نے جو اس لڑائی میں بڑے زوروں پر تھا اس کو شرم دلانی کہ اس ذرا سی خراش سے اتنا چلاتا ہے۔ اس نے کہا تجھے خبر بھی ہے کہ یہ کس نے ماری ہے؟ یہ محمد کی مار ہے، مجھے اس سے جس قدر تکلیف ہو رہی ہے لاث و عزی (دو مشہور بتوں کے نام ہیں) کی قسم! اگر یہ تکلیف سارے حجاز والوں کو تقسیم کر دی جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ میں ان کے ہاتھ سے ضرور مارا جاؤں گا، میں ان سے چھوٹ نہیں سکتا، اگر وہ اس کہنے کے بعد مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اس سے بھی مرجاتا، چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے ایک دن پہلے وہ راستہ ہی میں مر گیا۔ ہم مسلمانوں کے لئے نہایت غیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک کافر پکے کافر اور سخت دشمن کو تو حضور ﷺ کے ارشاد کے سچا ہونے کا اس قدر یقین ہے کہ اس کو اپنے مارے جانے میں ذرا بھی تردد یا شک نہ تھا، لیکن ہم لوگ حضور ﷺ کو نبی ماننے کے

باوجود حضور ﷺ کو سچا ماننے کے باوجود، حضور ﷺ کے ارشادات کو یقینی کہنے کے باوجود، حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے دعوے کے باوجود، حضور ﷺ کی امت میں ہونے پر فخر کے باوجود، کتنے ارشادات پر عمل کرتے ہیں اور جن چیزوں میں حضور ﷺ نے عذاب بتائے ہیں ان سے کتنا ڈرتے ہیں، کتنا کانپتے ہیں، یہ ہر شخص کے اپنے ہی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی بات ہے۔ کوئی دوسرا کسی کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ”کتاب الزواجر“ میں قارون کا بھی فرعون وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے ساتھ حشر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اکثر انہی وجوہ سے نماز میں سستی ہوتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ پس اگر اس کی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہوگا اور اگر حکومت و سلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ اور وزارت (یعنی ملازمت یا مصاحبت) ہے تو ہامان کے ساتھ اور تجارت ہے تو ابی بن خلف کے ساتھ اور جب ان لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو گیا تو پھر جس قسم کے بھی عذاب احادیث میں وارد ہوئے، خواہ وہ حدیثیں متکلم فیہ ہوں ان میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ جہنم کے عذاب سخت سے سخت ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کو اپنے ایمان کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ان سے خلاصی ہو جائے گی اور وہ لوگ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے، لیکن خلاصی ہونے تک کا یہ زمانہ کیا کچھ ہنسی کھیل ہے، نہ معلوم کتنے ہزار برس ہوں گے۔

(۷) قَالَ بَعْضُهُمْ: وَرَدَّ فِي الْحَدِيثِ أَنَّ مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَاةِ أَكْرَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِخَمْسٍ خِصَالٍ: يَرْفَعُ عَنْهُ ضِيقَ الْعَيْشِ، وَعَذَابَ الْقَبْرِ، وَيُعْطِيهِ اللَّهُ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، وَيَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ، وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ. وَمَنْ تَهَاوَنَ عَنِ الصَّلَاةِ عَاقَبَهُ اللَّهُ بِخَمْسٍ عَشْرَةَ عُقُوبَةً، خَمْسَةٌ فِي

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ پانچ طرح سے اس کا اکرام و اعزاز فرماتے ہیں: ایک یہ کہ اس پر سے رزق کی تنگی ہٹا دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے عذاب قبر ہٹا دیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ قیامت کو اس کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے (جن کا حال ”سورۃ الحاقۃ“ میں

مفصل مذکور ہے کہ جن لوگوں کے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ نہایت خوش و خرم ہر شخص کو دکھاتے پھریں گے اور چوتھے یہ کہ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گذر جائیں گے۔ پانچویں بغیر حساب جنت میں داخل ہونگے اور جو شخص نماز میں سستی کرتا ہے اس کو پندرہ طریقہ سے عذاب ہوتا ہے، پانچ طرح دنیا میں اور تین طرح سے موت کے وقت اور تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد۔ دنیا کے پانچ تو یہ ہیں: اول یہ کہ اس کی زندگی میں برکت نہیں رہتی۔ دوسرے یہ کہ صلحاء کا نور اس کے چہرے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کے نیک کاموں کا اجر ہٹا دیا جاتا ہے۔ چوتھے اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ پانچویں یہ کہ نیک بندوں کی دعاؤں میں اس کا استحقاق نہیں رہتا اور موت کے وقت کے تین عذاب یہ ہیں کہ اول ذلت سے مرتا ہے۔ دوسرے بھوکا مرتا ہے۔ تیسرے پیاس کی شدت میں موت آتی ہے، اگر سمندر بھی پی لے تو پیاس نہیں بجھتی۔ قبر کے تین عذاب یہ

الدُّنْيَا، وَثَلَاثَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَثَلَاثٌ فِي قَبْرِهٖ، وَثَلَاثٌ عِنْدَ خُرُوجِهِ مِنَ الْقَبْرِ. فَأَمَّا اللّٰوَاتِي فِي الدُّنْيَا، فَأَلَاُولَى تُنْزَعُ الْبَرَكَاتُ مِنْ عُمْرِهِ، وَالثَّانِيَةُ تُمَحْطَى سَيِّمَاءُ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ وَجْهِهٖ، وَالثَّالِثَةُ كُلُّ عَمَلٍ يُعْمَلُهُ لَا يَأْجُرُهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَالرَّابِعَةُ لَا يُرْفَعُ لَهُ دُعَاءٌ اِلَى السَّمَاءِ، وَالخَامِسَةُ لَيْسَ لَهُ حَقٌّ فِي دُعَاءِ الصّٰلِحِيْنَ، وَأَمَّا الَّتِي تُصِيبُهُ عِنْدَ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ يَمُوتُ ذَلِيلاً، وَالثَّانِيَةُ يَمُوتُ جُوعًا، وَالثَّالِثَةُ يَمُوتُ عَطْشَانًا، وَلَوْ سَقِيَ بِحَارِ الدُّنْيَا مَا رَوَى مِنْ عَطْشِهِ، وَأَمَّا الَّتِي تُصِيبُهُ فِي قَبْرِهٖ فَأَلَاُولَى يَضِيقُ عَلَيْهِ الْقَبْرُ حَتَّى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ، وَالثَّانِيَةُ يُوقَدُ عَلَيْهِ الْقَبْرُ نَارًا، فَيَتَقَلَّبُ عَلَى الْجَمْرِ لَيْلًا وَنَهَارًا، وَالثَّالِثَةُ يُسَلَّطُ عَلَيْهِ فِي قَبْرِهٖ ثُعْبَانٌ اِسْمُهُ الشُّجَاعُ الْاَقْرَعُ عَيْنَاهُ مِنْ نَّارٍ، وَأَظْفَارُهُ مِنْ حَدِيدٍ، طَوَّلَ كُلِّ ظُفْرِ مَسِيرَةَ يَوْمٍ، يُكَلِّمُ الْمَيِّتَ فَيَقُولُ: اَنَا الشُّجَاعُ الْاَقْرَعُ، وَصَوْتُهُ مِثْلُ الرَّعْدِ الْقَاصِفِ، يَقُولُ: أَمَرَنِي

رَبِّیْ اَنْ اَضْرِبَكَ عَلٰی تَضِیْعِ صَلَوةِ الصُّبْحِ اِلٰی بَعْدِ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَ اَضْرِبَكَ عَلٰی تَضِیْعِ صَلَوةِ الظُّهْرِ اِلٰی الْعَصْرِ، وَ اَضْرِبَكَ عَلٰی تَضِیْعِ صَلَوةِ الْعَصْرِ اِلٰی الْمَغْرِبِ، وَ اَضْرِبَكَ عَلٰی تَضِیْعِ صَلَوةِ الْمَغْرِبِ اِلٰی الْعِشَاءِ وَ اَضْرِبَكَ عَلٰی تَضِیْعِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ اِلٰی الْفَجْرِ، فَكُلَّمَا ضَرَبَتْهُ ضَرْبَةً يَغْوُصُ فِي الْاَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا، فَلَا يَزَالُ فِي الْقَبْرِ مُعَذَّبًا اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَ اَمَّا الَّذِي تَضِیْعُهُ عِنْدَ خُرُوجِهِ مِنَ الْقَبْرِ فِي مَوْقِفِ الْقِيَامَةِ فَشِدَّةُ الْحِسَابِ، وَ سَخَطُ الرَّبِّ وَ دُخُولُ النَّارِ. وَ فِي رِوَايَةٍ فَانَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ عَلٰی وَجْهِهِ ثَلَاثَةُ اَسْطُرٍ مَّكْتُوبَاتٌ: الْاَوَّلُ يَا مُضِیْعَ حَقِّ اللّٰهِ! السَّطْرُ الثَّانِي يَا مَخْضُوصًا بِغَضَبِ اللّٰهِ! الثَّالِثُ كَمَا ضَيَّعْتَ فِي الدُّنْيَا حَقَّ اللّٰهِ فَايَسُّ الْيَوْمَ اَنْتَ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. (وما ذکر فی هذا الحديث من تفصیل العدد لا یطابق جملة لخمس عشرة لان المفصل اربع عشرة فقط، فلعل الراوی نسی

ہیں: اوّل اس پر قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ دوسرے قبر میں آگ جلا دی جاتی ہے۔ تیسرے قبر میں ایک سانپ اس پر ایسی شکل کا مسلط ہوتا ہے جس کی آنکھیں آگ کی ہوتی ہیں اور ناخن لوہے کے اتنے لائے کہ ایک دن پورا چل کر اس کے ختم تک پہنچا جائے، اس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے میرے رب نے تجھ پر مسلط کیا ہے کہ تجھے صبح کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے آفتاب کے نکلنے تک مارے جاؤں اور ظہر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے عصر تک مارے جاؤں اور پھر عصر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے غروب تک اور مغرب کی نماز کی وجہ سے عشاء تک اور عشاء کی نماز کی وجہ سے صبح تک مارے جاؤں، جب وہ ایک دفعہ اس کو مارتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ مردہ ستر ہاتھ زمین میں دھنس جاتا ہے، اسی طرح قیامت تک اس کو عذاب ہوتا رہے گا اور قبر سے نکلنے کے بعد کے تین عذاب یہ ہیں کہ ایک حساب سختی سے کیا جائے گا۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہ

کا اس پر غصہ ہوگا۔ تیسرے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ کل میزان چودہ ہوئی، ممکن ہے کہ پندرہواں بھول سے رہ گیا ہو اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے چہرہ پر تین سطریں لکھی ہوئی ہوتی ہیں: پہلی سطر: او اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے! دوسری سطر: او اللہ کے غصے کے ساتھ مخصوص! تیسری سطر جیسا کہ تو نے دنیا میں اللہ کے حق کو ضائع کیا، آج تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

الخامس عشر، كذا في الزواجر لابن حجر المكي قلت: وهو كذلك فان ابا الليث السمرقندي ذكر الحديث في قرة العين، فجعل سنة في الدنيا فقال: الخامسة تمقته الخلائق في الدار الدنيا، والسادس ليس له حظ في دعاء الصالحين، ثم ذكر الحديث بتمامه، ولم يعزه الى احد. وفي تنبيه الغافلين للشيخ نصر بن محمد بن ابراهيم السمرقندي يقال: من داوم على الصلوة الخمس في الجماعة اعطاه الله خمس خصال، ومن تهاون بها في الجماعة عاقبه الله باثني عشر خصلة،

ثلاثة في الدنيا، و ثلاثة عند الموت و ثلاثة في القبر، و ثلاثة يوم القيامة ثم ذكر نحوها، ثم قال: و روى عن ابي ذر عن النبي ﷺ نحو هذا، و ذكر السيوطي في ذيل اللآلي بعد ما اخرج بمعناه من تخریج ابن النجار في تاريخ بغداد بسنده الى ابي هريرة رضي الله عنه، قال في الميزان هذا حديث باطل ركه محمد بن علي بن عباس علي ابي بكر بن زياد النيسابوري، قلت: لكن ذكر الحافظ في المتبهات عن ابي هريرة مرقعاً، الصلوة عماد الدين وفيها عشر خصال، الحديث ذكرته في الهنديّة و ذكر الغزالي في دقائق الاخبار بنحو هذا اتم منه وقال: من حافظ عليها اكرمه الله بخمس عشرة الخ مفصلاً

ف: یہ حدیث پوری اگرچہ عام کتب حدیث میں مجھے نہیں ملی، لیکن اس میں جتنے قسم کے ثواب اور عذاب ذکر کئے گئے ہیں ان کی اکثر کی تائید بہت سی روایات سے ہوتی ہے جن میں سے بعض پہلے گذر چکی ہیں اور بعض آگے آرہی ہیں اور پہلی روایات میں بے نمازی کا اسلام سے نکل جانا بھی مذکور ہے، تو پھر جس قدر عذاب ہو تھوڑا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ جو کچھ مذکور ہے اور آئندہ آرہا ہے وہ سب اس فعل کی سزا ہے، اس کے مستحق سزا ہونے کے بعد اور اس دفعہ کی فرد جرم کے ساتھ ہی ارشاد خداوندی ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“ کہ اللہ تعالیٰ شرک کی تو معافی نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کی دل چاہے معافی فرما دیں گے۔ اس آیت شریفہ اور اس جیسی آیات اور

احادیث کی بنا پر اگر معاف فرمادیں تو زہے قسمت۔ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت میں تین عدالتیں ہیں، ایک کفر و اسلام کی، اس میں بالکل بخشش نہیں۔ دوسری حقوق العباد کی، اس میں حق والے کا حق ضرور دلا یا جائے گا، چاہے اس سے لیا جائے جس کے ذمہ ہے یا اس کو معاف فرمانے کی مرضی ہو تو اپنے پاس سے دیا جائے گا۔ تیسری عدالت اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے، اس میں بخشش کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس بنا پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اپنے افعال کی سزائیں تو یہی ہیں جو احادیث میں وارد ہوئیں لیکن مراحم خسروانہ اس سے بالاتر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض قسم کے عذاب اور ثواب احادیث میں آئے ہیں۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی دیکھتا تو بیان کر دیتا۔ حضور ﷺ اس کی تعبیر ارشاد فرمادیتے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حسب معمول دریافت فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد بہت لمبا خواب ذکر فرمایا جس میں جنت و دوزخ اور اس میں مختلف قسم کے عذاب لوگوں کو ہوتے ہوئے دیکھے۔ منجملہ ان کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا ہے اور اس زور سے پتھر مارا جاتا ہے کہ وہ پتھر لڑھکتا ہوا دور جا پڑتا ہے۔ اتنے اس کو اٹھایا جاتا ہے وہ سر پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے تو دوبارہ اس کو زور سے مارا جاتا ہے، اسی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس شخص نے قرآن شریف پڑھا تھا اور اس کو چھوڑ دیا تھا اور فرض نماز چھوڑ کر سو جاتا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں اسی قسم کا ایک اور قصہ ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں سستی کرتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو لوگ نماز کے اوقات معلوم کرنے کا اہتمام رکھتے ہیں ان میں ایسی برکت ہوتی ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی

اولاد میں ہوئی یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا سے ایسے حال میں رخصت ہو کہ اخلاص کے ساتھ ایمان رکھتا ہو، اس کی عبادت کرتا ہو، نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو تو وہ ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ اس سے راضی ہوں گے یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں کسی جگہ عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اخیر راتوں میں استغفار کرتے ہیں تو عذاب کو موقوف کر دیتا ہوں یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا کہ مسجد میں اکثر اوقات گزارا کرو۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ مسجد متقی کا گھر ہے اور اللہ جلّ ثنا نے اس بات کا عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص مسجد میں اکثر رہتا ہے اس پر رحمت کروں گا، اس کو راحت دوں گا اور قیامت میں پل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا اور اپنی رضا نصیب کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور گھر آنے والے کا اکرام ہوتا ہی ہے، اس لئے اللہ پران کا اکرام ضروری ہے جو مسجدوں میں حاضر ہونے والے ہیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مسجد سے الفت رکھے حق تعالیٰ شانہ اس سے الفت رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب مردہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو جو لوگ قبر تک ساتھ گئے تھے وہ ابھی تک واپس بھی نہیں ہوتے کہ فرشتے اس کے امتحان کے لئے آتے ہیں۔ اس وقت اگر وہ مومن ہے تو نماز اس کے سر کے قریب ہوتی ہے، اور زکوٰۃ دائیں جانب اور روزہ بائیں جانب اور باقی جتنے بھلائی کے کام کئے تھے وہ پاؤں کی جانب ہو جاتے ہیں اور ہر طرف سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں کہ اس کے قریب تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ فرشتے دور ہی سے کھڑے ہو کر سوال کرتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کے گھر والوں پر خرچ کی کچھ تنگی ہوتی تو آپ ﷺ ان کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے "وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْنَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرِزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ

لِلتَّقْوَىٰ“ ط (طہ: ۱۳۲) ”اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیے ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے، روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن سارے آدمی ایک جگہ جمع ہوں گے اور فرشتہ جو بھی آواز دے گا سب کو سنائی دے گی۔ اس وقت اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راحت اور تکلیف میں، ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے تھے؟ یہ سن کر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے تھے اور ان کے پہلو بستر سے دور رہتے تھے؟ پھر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی؟ پھر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی۔ ایک اور حدیث میں بھی یہی قصہ آیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اعلان ہوگا آج محشر والے دیکھیں گے کہ کریم لوگ کون ہیں اور اعلان ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارتی مشاغل اللہ کے ذکر اور نماز سے نہیں روکتے تھے؟ شیخ نصر سمرقندی رحمہ اللہ نے ”تنبیہ الغافلین“ میں بھی یہ حدیث لکھی ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ جب یہ حضرات بغیر حساب کتاب چھوٹ چکیں گے تو جہنم سے ایک (عُتُق) لمبی گردن ظاہر ہوگی جو لوگوں کو پھاندتی ہوئی چلی آئے گی، اس میں دو چمکدار آنکھیں ہوں گی اور نہایت فصیح زبان ہوگی، وہ کہے گی کہ میں ہر اس شخص پر مُسلط ہوں جو مُتکبر بد مزاج ہو اور مجمع میں سے ایسے لوگوں کو اس طرح چن لے گی جیسا کہ جانور دانہ چگتا ہے، ان سب کو چن کر جہنم میں پھینک دے گی۔ اس کے بعد پھر اسی طرح دوبارہ نکلے گی اور کہے گی کہ اب میں ہر اس شخص پر مُسلط ہوں جس نے اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی، ان لوگوں کو بھی جماعت سے چن کر لے جائے گی۔ اس کے بعد سہ بارہ پھر نکلے گی اور اس مرتبہ تصویر والوں کو چن کر لے جائے گی۔ اس کے بعد جب یہ تینوں قسم کے آدمی مجمع سے چھٹ جائیں گے تو حساب کتاب شروع ہوگا۔ کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیطان آدمیوں کو نظر آ جاتا تھا۔ ایک صاحب نے اس سے کہا

کہ کوئی ترکیب ایسی بتا کہ میں تجھ جیسا ہو جاؤں۔ شیطان نے کہا کہ ایسی فرمائش تو آج تک مجھ سے کسی نے بھی نہیں کی تجھے اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ انہوں نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے۔ شیطان نے کہا اس کی ترکیب یہ ہے کہ نماز میں سستی کر اور قسم کھانے میں ذرا پرواہ نہ کر، جھوٹی پتلی ہر طرح کی قسمیں کھایا کر۔ ان صاحب نے کہا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کبھی نماز نہ چھوڑوں گا اور کبھی قسم نہ کھاؤں گا، شیطان نے کہا کہ تیرے سوا مجھ سے چال کے ساتھ کسی نے کچھ نہیں لیا۔ میں نے بھی عہد کر لیا کہ آدمی کو کبھی نصیحت نہیں کروں گا۔

حضرت ابی بنی النعمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس امت کو رفعت و عزت اور دین کے فروغ کی بشارت دو، لیکن دین کے کسی کام کو جو شخص دنیا کے واسطے کرے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں! ایک حدیث میں آیا ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہ کی بہترین صورت میں زیارت کی، مجھ سے ارشاد ہوا کہ محمد ملا اعلیٰ والے یعنی فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو علم نہیں تو حق تعالیٰ شانہ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا۔ جس کی ٹھنڈک سینہ کے اندر تک محسوس ہوئی اور اس کی برکت سے تمام عالم مجھ پر منکشف ہو گیا۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا: اب بتاؤ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ درجہ بلند کرنے والی چیزوں میں اور ان چیزوں میں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں اور جماعت کی نماز کی طرف جو قدم اٹھتے ہیں ان کے ثواب میں اور سردی کے وقت وضو کو اچھی طرح سے کرنے کے فضائل میں اور ایک نماز کے بعد سے دوسری نماز تک انتظار میں بیٹھے رہنے کی فضیلت میں۔ جو شخص ان کا اہتمام کرے گا، بہترین حالت میں زندگی گزارے گا اور بہترین حالت میں مرے گا۔ مَعْدَدِ احادیث میں آیا ہے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابنِ آدم! تو دن کے شروع میں میرے لئے چار رکعت پڑھ لیا کر میں تمام دن کے تیرے کام بنادیا کروں گا۔

”تنبیہ الغافلین“ میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز اللہ کی رضا کا سبب ہے، فرشتوں

کی محبوب چیز ہے، انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس سے معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، یہ ایمان کی جڑ ہے، بدن کی راحت ہے، دشمن کے لئے ہتھیار ہے، نمازی کے لئے سفارشی ہے۔ قبر میں چراغ ہے اور اسکی وحشت میں دل بہلانے والی ہے۔ مُکر نکیر کے سوال کا جواب ہے اور قیامت کی دھوپ میں سایہ ہے اور اندھیرے میں روشنی ہے، جہنم کی آگ کے لئے آڑ ہے، اعمال کی ترازو کا بوجھ ہے، پل صراط پر جلدی سے گزارنے والی ہے۔ جنت کی کنجی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”منہیات“ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی محافظت کرے، اوقات کی پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام کرے حق تعالیٰ شانہ نو چیزوں کے ساتھ اس کا اکرام فرماتے ہیں: اول یہ کہ اس کو خود محبوب رکھتے ہیں۔ دوسرے تندرستی عطا فرماتے ہیں۔ تیسرے فرشتے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ چوتھے اس کے گھر میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ پانچویں اس کے چہرہ پر صلحاء کے انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ چھٹے اس کا دل نرم فرماتے ہیں۔ ساتویں وہ پل صراط پر بجلی کی طرح سے گذر جائے گا۔ آٹھویں جہنم سے نجات فرما دیتے ہیں۔ نویں جنت میں ایسے لوگوں کا پڑوس نصیب ہوگا جن کے بارے میں ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (یونس: ۶۲) وارد ہے یعنی قیامت میں نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس میں دس خوبیاں ہیں: چہرہ کی رونق ہے، دل کا ثور ہے، بدن کی راحت اور تندرستی کا سبب ہے، قبر کا اُنس ہے، اللہ کی رحمت اترنے کا ذریعہ ہے، آسمان کی کنجی ہے، اعمال ناموں کی ترازو کا وزن ہے (کہ اس سے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے) اللہ کی رضا کا سبب ہے، جنت کی قیمت ہے اور دوزخ کی آڑ ہے۔ جس شخص نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو چھوڑا اپنے دین کو گرا دیا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا کہ گھر میں نماز پڑھنا نور ہے، نماز سے اپنے گھروں کو منور کیا کرو اور یہ تو مشہور حدیث ہے کہ میری امت قیامت کے دن وضو اور سجدہ کی وجہ سے روشن ہاتھ پاؤں والی روشن چہرہ والی ہوگی، اسی علامت سے دوسری

امتوں سے پہچانی جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آسمان سے کوئی بلا آفت نازل ہوتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹالی جاتی ہے۔ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے کہ سجدہ کے نشان کو جلانے (یعنی اگر اپنے اعمال بد کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوگا تو سجدہ کا نشان جس جگہ ہوگا اس پر آگ کا اثر نہ ہو سکے گا) ایک حدیث میں ہے کہ نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ نماز شفا ہے۔ دوسری جگہ اس کے متعلق ایک قصہ نقل کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: پیٹ میں درد ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: اٹھ نماز پڑھ، نماز میں شفا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ جنت کو خواب میں دیکھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کے گھسیٹنے کی آواز بھی سنائی دی۔ صبح کو حضور ﷺ نے پوچھا کہ تیرا وہ خصوصی عمل کیا ہے جس کی وجہ سے جنت میں بھی تو (دنیا کی طرح سے) میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا؟ عرض کیا کہ رات دن میں جس وقت بھی میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وضو کرتا ہوں اس کے بعد (تحیۃ الوضو کی) نماز جتنی مقدر ہو پڑھتا ہوں۔ سفیری رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صبح کی نماز چھوڑنے والے کو ملائکہ ”اوقا جری!“ سے پکارتے ہیں اور ظہر کی نماز چھوڑنے والے کو ”اوخاسرا!“ (خسارہ والے) سے اور عصر کی نماز چھوڑنے والے کو عاصی سے اور مغرب کی نماز چھوڑنے والے کو کافر سے اور عشاء کی نماز چھوڑنے والے کو ”امضیع!“ (اللہ کا حق ضائع کرنے والے) سے پکارتے ہیں۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ مصیبت ہر اس آبادی سے ہٹا دی جاتی ہے کہ جہاں کے لوگ نمازی ہوں جیسا کہ ہر اس آبادی پر نازل ہوتی ہے جہاں کے لوگ نمازی نہ ہوں۔ ایسی جگہوں میں زلزلوں کا آنا، بجلیوں کا گرنا، مکانوں کا دھنس جانا کچھ بھی مستبعد نہیں اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں تو نمازی ہوں، مجھے دوسروں سے کیا غرض، اس لئے کہ جب بلا نازل ہوتی ہے تو عام ہوا کرتی ہے (خود حدیث شریف میں مذکور ہے کسی نے سوال کیا کہ ہم لوگ ایسی صورت میں ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء

موجود ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! (جب خیانت کا غلبہ ہو جائے) اس لئے کہ ان کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی وسعت کے موافق دوسروں کو بری باتوں سے روکیں اور اچھی باتوں کا حکم کریں۔

(۸) رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ حَتَّى مَضَى وَقْتُهَا، ثُمَّ قَضَى، عُذِبَ فِي النَّارِ حَقْبًا، وَالْحَقْبُ ثَمَانُونَ سَنَةً، وَالسَّنَةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَاسْتَوْنَ يَوْمًا، كُلُّ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ. (کذا فی مجالس الأبرار، قلت: لم أجده فيما عندي من كتب الحديث إلا أن مجالس الأبرار مدحه شيخ مشايخنا الشاه عبدالعزیز الدهلوی، ثم قال

حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے، گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے، پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسی برس (۸۰) کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوئی ۲۸۸۰۰۰۰۰

الراغب فی قوله تعالى "لَيُثَبِّتَنَّ فِيهَا أَخْفَاتًا" قيل: جمع الحقب ای الدهر، قيل والحقبة ثمانون عاماً والصحيح أن الحقبة مدة من الزمان مبهمه، واخرج ابن كثير في تفسير قوله تعالى "قَوْلِ الْمَصْلُوبِينَ" الذين هم عن صلواتهم ساهون" عن ابن عباس أن في جهنم لواديًا تستعبد جهنم من ذلك الوادي في كل يوم أربعين مرة، أعد ذلك الوادي للمرائين من أمة محمد، الحديث. وذكر أبو الليث السمرقندي في قرّة العيون عن ابن عباس وهو مسكن من يؤخر الصلوة عن وقتها، وعن سعد بن أبي وقاص مرفوعاً "الذين هم عن صلواتهم ساهون" قال: هم الذين يؤخرون الصلوة عن وقتها، وصحح الحاكم والبيهقي وقفه، واخرج الحاكم عن عبد الله في قوله تعالى "فسوف يلقون غيا" قال: واد في جهنم بعيد القعر، خبيث الطعم، وقال صحيح الاسناد (۱۲)

ف: حقب کے معنی لغت میں بہت زیادہ زمانہ کے ہیں۔ اکثر حدیثوں میں اس کی مقدار یہی آئی ہے جو اوپر گزری یعنی اسی سال۔ "دُرِ منشور" میں متعدد روایات سے یہی مقدار منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلال ہجری رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ حقب کی کیا مقدار ہے؟ انہوں نے کہا کہ حقب اسی برس کا ہوتا ہے اور ہر برس بارہ مہینے کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار برس کا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح

روایت سے اسی برس منقول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کیا ہے کہ ایک ہفتہ اسی سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن تمہارے دنوں کے اعتبار سے (یعنی دنیا کے موافق) ایک ہزار دن کا۔ یہی مضمون حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور ﷺ سے نقل فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہئے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے۔ اتنے سال یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا، وہ بھی جب ہی کہ اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ مقدار اس سے کم زیادہ حدیث میں آئی ہے، مگر اول تو اوپر والی مقدار کئی حدیثوں میں آئی ہے اس لئے یہ مقدم ہے، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ آدمیوں کی حالت کے اعتبار سے کم و بیش ہو۔

ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے ”قرۃ العیون“ میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے جو شخص ایک قرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہو کہ اے اللہ! ہم میں کسی کو شقی محروم نہ کر۔ پھر فرمایا: جانتے ہو، شقی محروم کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ شقی محروم نماز کا چھوڑنے والا ہے، اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ دیدہ و دانستہ بلا عذر نماز چھوڑنے والے کی طرف حق تعالیٰ قیامت میں التفات ہی نہ فرمائیں گے اور عذاب الیم (دکھ دینے والا عذاب) اس کو دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے نقل کیا ہے کہ دس آدمیوں کو خاص طور سے عذاب ہوگا، منجملہ ان کے نماز کا چھوڑنے والا بھی ہے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور فرشتے منہ اور پشت پر ضرب لگا رہے ہوں گے۔ جنت کہے گی کہ میرا تیرا کوئی تعلق نہیں، نہ میں تیرے لئے، نہ تو میرے لئے۔ دوزخ کہے گی کہ آجا میرے پاس آجا، تو میرے لئے ہے، میں تیرے لئے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ جہنم میں ایک وادی (جنگل) ہے جس کا نام ہے لملم، اس میں سانپ ہیں جو اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہیں اور ان کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے، اس میں نماز چھوڑنے والوں کو عذاب

دیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک میدان ہے جس کا نام ”جُب الحزن“ ہے، وہ پچھوؤں کا گھر ہے اور ہر پچھو خچر کے برابر بڑا ہے وہ بھی نماز چھوڑنے والوں کو ڈسنے کے لئے ہیں۔ ہاں مولائے کریم معاف کر دے تو کون پوچھنے والا ہے، مگر کوئی معافی چاہے بھی تو۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے زواج میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا، اس کا بھائی دفن میں شریک تھا، اتفاق سے دفن کرتے ہوئے ایک تھیلی قبر میں گر گئی۔ اس وقت خیال نہیں آیا بعد میں یاد آئی تو بہت رنج ہوا، چپکے سے قبر کھول کر نکالنے کا ارادہ کیا، قبر کو کھولا تو وہ آگ کے شعلوں سے بھر رہی تھی۔ روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور حال بیان کیا اور پوچھا کہ یہ بات کیا ہے؟ ماں نے بتایا کہ وہ نماز میں سستی کرتی تھی اور قضا کر دیتی تھی۔

أَعَاذُ نَا اللّٰهُ مِنْهَا۔

(۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا سَهْمَ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلَاةَ لَهُ، وَلَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ. (اخرجه البزار، واخرج الحاكم عن عائشة رَضِيَ عَنْهَا و مرفوعاً و صححه، ثلث احلف عليهن لا يجعل الله من له سهم في الاسلام كمن لا سهم له،

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں ہے۔ نماز دین کے لئے ایسی ہے جیسا آدمی کے بدن کیلئے سر ہوتا ہے۔

وسهام الاسلام الصوم و الصلوة و الصدقة، الحديث. واخرج الطبرانی في الاوسط عن ابن عمر مرفوعاً، لا دين لمن لا صلوة له، انما موضع الصلوة من الدين كموضع الراس من الجسد، كذا في الدر المنثور

ف: جو لوگ نماز نہ پڑھ کر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یا حمیتِ اسلامی کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں، وہ حضور اقدس ﷺ کے ان ارشادات پر ذرا غور کر لیں اور جن اسلاف کی کامیابیوں تک پہنچنے کے خواب دیکھتے ہیں ان کے حالات کی بھی تحقیق کریں کہ وہ دین کو کس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، پھر دنیا ان کے قدم کیوں نہ چومتی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں پانی اُتر آیا، لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا علاج تو ہو سکتا ہے مگر چند روز آپ نماز نہ پڑھ سکیں گے۔ انہوں نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ اللہ جل ثنا کے یہاں ایسی حالت میں

حاضر ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ اس پر ناراض ہوں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے کہا: پانچ دن لکڑی پر سجدہ کرنا پڑے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک رکعت بھی اس طرح نہیں پڑھوں گا۔ عمر بھر بینائی کو صبر کر لینا ان حضرات کے یہاں اس سے سہل تھا کہ نماز چھوڑیں، حالانکہ اس عذر کی وجہ سے نماز کا چھوڑنا جائز بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں جب برچھمارا گیا تو ہر وقت خون جاری رہتا تھا اور اکثر اوقات غفلت رہتی تھی حتیٰ کہ اسی غفلت میں وصال بھی ہو گیا، مگر بیماری کے ان دنوں میں جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کو ہوشیار کیا جاتا اور نماز کی درخواست کی جاتی۔ وہ اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور یہ فرماتے کہ ہاں! ہاں! ضرور جو شخص نماز نہ پڑھے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ہمارے یہاں بیمار کی خیر خواہی، راحت رسانی اس میں سمجھی جاتی ہے کہ اس کو نماز کی تکلیف نہ دی جائے۔ بعد میں قدیہ دے دیا جائے گا۔ ان حضرات کے یہاں خیر خواہی یہ تھی جو عبادت بھی چلتے چلاتے کر سکے دریغ نہ کیا جائے۔

بہیں تغاؤت رہ از کجا است تا بہ کجا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے ایک خادم مانگا کہ کاروبار میں مدد کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ تین غلام ہیں جو پسند ہو لے لو، انہوں نے عرض کیا آپ ہی پسند فرمادیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کہ اس کو لے لو، یہ نمازی ہے مگر اس کو مارنا نہیں، ہمیں نمازیوں کے مارنے کی ممانعت ہے۔ اس قسم کا واقعہ ایک اور صحابی ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، انہوں نے بھی حضور ﷺ سے غلام مانگا تھا۔ اس کے بالمقابل ہمارا ملازم نمازی بن جائے تو ہم اس کو طعن کرتے ہیں اور حماقت سے اس کی نماز میں اپنا حرج سمجھتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ غلبہ حال ہوا تو سات روز تک گھر میں رہے، نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے۔ شیخ کو اس کی اطلاع کی گئی دریافت کیا کہ نماز کے اوقات تو محفوظ رہتے ہیں (یعنی نماز کے اوقات کا تو اہتمام رہتا ہے) لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے اوقات بیشک محفوظ ہیں۔ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ سَبِيلًا تمام تعریف اللہ ہی کے لئے جس نے شیطان کو اس پر مسلط نہ ہونے دیا۔ (ہجۃ النفوس)

دوسرا باب

جماعت کے بیان میں

جیسا کہ شروع رسالہ میں لکھا جا چکا ہے بہت سے حضرات نماز پڑھتے ہیں، لیکن جماعت کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے جس طرح نماز کے بارے میں بہت سخت تاکید آئی ہے اسی طرح جماعت کے بارے میں بھی بہت سی تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں بھی دو فصلیں ہیں: پہلی فصل جماعت کے فضائل میں، دوسری فصل جماعت کے چھوڑنے پر عتاب میں۔

فصل اول

جماعت کے فضائل میں

(۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: صَلَوةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرَيْنَ دَرَجَةً. زیادہ ہوتی ہے۔

(رواہ مالک والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی، کذا فی الترغیب)

ف: جب آدمی نماز پڑھتا ہے اور ثواب ہی کی نیت سے پڑھتا ہے تو معمولی سی بات ہے کہ گھر میں نہ پڑھے، مسجد میں جا کر جماعت سے پڑھ لے کہ نہ اس میں کچھ مشقت ہے نہ وقت اور اتنا بڑا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ کون شخص ایسا ہوگا جس کو ایک روپے کے ستائیس یا اٹھائیس روپے ملتے ہوں اور وہ ان کو چھوڑ دے؟ مگر دین کی چیزوں میں اتنے بڑے نفع سے بھی بے توجہی کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ ہم لوگوں کو دین کی پرواہ نہیں، اس کا نفع ہم لوگوں کی نگاہ میں نفع نہیں۔ دنیا کی تجارت جس میں ایک آنہ دو آنہ فی روپیہ نفع ملتا ہے اس کے پیچھے دن بھر خاک چھانتے ہیں۔ آخرت کی تجارت جس میں ستائیس گنا نفع ہے وہ ہمارے لئے مصیبت ہے۔ جماعت کی نماز کے لئے

جانے میں دکان کا نقصان سمجھا جاتا ہے، بکری کا بھی نقصان بتایا جاتا ہے، دکان کے بند کرنے کی بھی وقت کہی جاتی ہے، لیکن جن لوگوں کے یہاں اللہ جلّ ثنا کی عظمت ہے، اللہ کے وعدوں پر ان کو اطمینان ہے، اس کے اجر و ثواب کی کوئی قیمت ہے، ان کے یہاں یہ لُحْرِ عذر کچھ بھی وقعت نہیں رکھتے۔ ایسے ہی لوگوں کی اللہ جلّ ثنا نے کلام پاک میں تعریف فرمائی ہے ”رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ“ (النور: ۳۷) تیسرے باب کے شروع میں پوری آیت مع ترجمہ موجود ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو معمول اذان کے بعد اپنی تجارت کے ساتھ تھا وہ حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پانچویں باب میں مختصر طور پر گزر چکا۔ سالم حدّاد رضی اللہ عنہ علیہ ایک بزرگ تھے، تجارت کرتے تھے، جب اذان کی آواز سنتے تو رنگ متغیر ہو جاتا اور زرد پڑ جاتا، بے قرار ہو جاتے، دکان کھلی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور یہ اشعار پڑھتے۔

إِذَا مَا دَعَا عَيْكُمْ قُمْتُ مُسْرِعًا مُجِيبًا لِمَوْلَى جَلَّ لَيْسَ لَهُ مِثْلُ

”جب تمہارا منادی (موذن) پکارنے کے واسطے کھڑا ہو جاتا ہے تو میں جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہوں ایسے مالک کی پکار کو قبول کرتے ہوئے جس کی بڑی شان ہے، اس کا کوئی مثل نہیں۔“

أَجِيبُ إِذَا نَادَى بِسْمِ وَطَاعَةٍ وَبِ نَشْوَةِ لَبَّيْكَ يَأْمَنُ لَهُ الْفَضْلُ

”جب وہ منادی (موذن) پکارتا ہے تو میں بحالت نشاط، اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ جواب میں کہتا ہوں کہ اے فضل و بزرگی والے! لَبَّيْكَ یعنی حاضر ہوتا ہوں۔“

وَيَصْفَرُّ لَوْنِي خِيفَةً وَمَهَابَةً وَيَرْجِعُ لِي عَنْ كُلِّ شُغْلٍ بِهِ شُغْلُ

”اور میرا رنگ خوف اور ہیبت سے زرد پڑ جاتا ہے اور اس پاک ذات کی مشغولی مجھے ہر کام سے بے خبر کر دیتی ہے۔“

وَحَقِّكُمْ مَا لَدَلِي غَيْرُ ذِكْرِكُمْ وَذِكْرُ سِوَاكُمْ فِي فَمِي قَطُّ لَا يَحِلُّو

”تمہارے حق کی قسم تمہارے ذکر کے سوا مجھے کوئی چیز بھی لذیذ نہیں معلوم ہوتی اور تمہارے سوا کسی کے ذکر میں بھی مجھے مزہ نہیں آتا۔“

مَتَى يَجْمَعُ الْأَيَّامُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَيَفْرَحُ مُشْتَقُّ إِذَا جَمَعَ الشُّمْلُ
 ”دیکھیے زمانہ مجھ کو اور تم کو کب جمع کرے گا اور مشتاق تو جب ہی خوش ہوتا ہے جب
 اجتماع نصیب ہوتا ہے۔“

فَمَنْ شَاهَدَتْ عَيْنَاهُ نُورَ جَمَالِكُمْ يَمُوتُ اِشْتِيَاقًا نَحْوَكُمْ قَطُّ لَا يَسْلُو
 ”جس کی آنکھوں نے تمہارے جمال کا نور دیکھ لیا ہے، تمہارے اشتیاق میں
 مرجائے گا، کبھی بھی تسلی نہیں پاسکتا۔“

حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہوں وہ مسجد کے کھونٹے
 ہیں، فرشتے ان کے ہم نشین ہوتے ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے
 ہیں اور وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے ان کی اعانت کرتے ہیں۔

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: حُضُورِ اقْدَسَ صَلَاتِكُمْ كَمَا ارشاد ہے کہ آدمی کی
 صَلَوةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَضَعُفُ عَلَى
 صَلَوتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا
 وَعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ،
 فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى
 الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ،
 لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةً،
 وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ
 الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي
 مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحَدِّثْ، اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ،
 اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ فِي صَلَاةٍ مَا
 انْتَظَرَ الصَّلَاةَ. (رواه البخاری واللفظ له، ومسلم
 و ابو داود والترمذی وابن ماجہ، کذا فی الترغیب)

وہ نماز جو جماعت سے پڑھی گئی ہو اس نماز
 سے جو گھر میں پڑھ لی ہو یا بازار میں پڑھ
 لی ہو پچیس درجہ الْمُضَاعَفُ (زیادہ)
 ہوتی ہے اور بات یہ ہے کہ جب آدمی وضو
 کرتا ہے اور وضو کو کمال درجہ تک پہنچا دیتا
 ہے، پھر مسجد کی طرف صرف نماز کے ارادہ
 سے چلتا ہے، کوئی اور ارادہ اس کے ساتھ
 شامل نہیں ہوتا تو جو قدم بھی رکھتا ہے اس
 کی وجہ سے ایک نیکی بڑھ جاتی ہے اور ایک
 خطا معاف ہو جاتی ہے اور پھر جب نماز
 پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہتا ہے تو جب تک وہ
 با وضو بیٹھا رہے گا فرشتے اس کے لئے

مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ نماز کا ثواب پاتا رہتا ہے۔

ف: پہلی حدیث میں ستائیس درجہ کی زیادتی بتلائی گئی تھی اور اس حدیث میں پچیس درجہ کی، ان دونوں حدیثوں میں جو اختلاف ہوا ہے، علماء نے اس کے بہت سے جوابات تحریر فرمائے ہیں جو شروح حدیث میں مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ نمازیوں کے حال کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ بعضوں کو پچیس درجہ کی زیادتی ہوتی ہے اور بعضوں کو اخلاص کی وجہ سے ستائیس کی ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے نماز کے اختلاف پر محمول فرمایا ہے کہ سبزی نمازوں میں پچیس ہے اور جہری میں ستائیس ہے۔ بعض نے ستائیس عشاء اور صبح کے لئے بتایا ہے کہ ان دونوں نمازوں میں جانا مشکل معلوم ہوتا ہے اور پچیس باقی نمازوں میں۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بارش بڑھتی ہی چلی گئی جیسا کہ اور بھی بہت سی جگہ اس کا ظہور ہے، اس لئے اول پچیس درجہ تھا، بعد میں ستائیس ہو گیا۔ بعض شراح نے ایک عجیب بات سمجھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ثواب پہلی حدیث سے بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ارشاد نہیں کہ وہ پچیس درجہ کی زیادتی ہے، بلکہ یہ ارشاد ہے کہ پچیس درجہ المضاعف ہوتی ہے جس کا ترجمہ دو چند اور دو گنا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ پچیس مرتبہ تک دو گنا اجر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چوں ہزار چار سو بتیس (۳۳۵۵۴۴۳۲) درجہ ہوا۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت سے یہ ثواب کچھ بعید نہیں اور جب نماز کے چھوڑنے کا گناہ ایک ہقب ہے جو پہلے باب میں گذرا تو اس کے پڑھنے کا ثواب یہ ہونا قرین قیاس بھی ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تو خود ہی غور کر لینے کی چیز ہے کہ جماعت کی نماز میں کس قدر اجر و ثواب اور کس کس طرح حسنات کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے محض نماز کی نیت سے مسجد میں جائے تو اس کے ہر قدم پر ایک نیکی کا اضافہ اور ایک خطا کی معافی ہوتی چلی جاتی ہے۔ بنو سلمہ مدینہ طیبہ میں ایک قبیلہ تھا، ان کے مکانات مسجد سے دور تھے، انہوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب ہی

کہیں منتقل ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہیں رہو، تمہارے مسجد تک آنے کا ہر ہر قدم لکھا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے نماز کو جائے وہ ایسا ہے جیسا کہ گھر سے احرام باندھ کر حج کو جائے۔ اس کے بعد حضور ﷺ ایک اور فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جب نماز پڑھ چکا تو اس کے بعد جب تک مُصلّے پر رہے فرشتے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے اللہ کے مقبول اور معصوم بندے ہیں، ان کی دعا کی برکات خود ظاہر ہیں۔

محمد بن سماعہ رحمہ اللہ علیہ ایک بزرگ عالم ہیں جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ایک سو تین برس کی عمر میں انتقال ہوا، اس وقت دو سو رکعات نفل روزانہ پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، صرف ایک مرتبہ جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اس کی مشغولی کی وجہ سے تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری جماعت کی نماز فوت ہو گئی تھی تو میں نے اس وجہ سے کہ جماعت کی نماز کا ثواب پچیس درجہ زیادہ ہے اس نماز کو پچیس دفعہ پڑھاتا کہ وہ عدد پورا ہو جائے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے: محمد! پچیس دفعہ نماز تو پڑھ لی، مگر ملائکہ کی آمین کا کیا ہوگا۔!

ملائکہ کی آمین کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں یہ ارشادِ نبوی آیا ہے کہ جب امام سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہتا ہے تو ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہو جاتی ہے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو خواب میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جماعت کا ثواب مجموعی طور سے جو حاصل ہوتا ہے وہ اکیلے میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا، چاہے ایک ہزار مرتبہ اس نماز کو پڑھ لے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک آمین کی موافقت ہی صرف نہیں بلکہ مجمع کی شرکت، نماز سے فراغت کے بعد ملائکہ کی دعا، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، ان کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو جماعت ہی میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ضروری امر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے، علماء نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی

اس دعا کا مستحق جب ہی ہوگا جب نماز نماز بھی ہو اور اگر ایسے ہی پڑھی کہ پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر منہ پر مار دی گئی تو پھر فرشتوں کی دعا کا مستحق نہیں ہوتا۔

(۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيَحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادِي بِهِنَّ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى اشْرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدَى وَاتَّهَنَ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحَسِّنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ يَعْمِدُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً، وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً، وَيَحْطُ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَلَقَدْ رَأَيْنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهَا يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يَقَامَ فِي الصَّفِّ. وَفِي رَوَايَةٍ: لَقَدْ رَأَيْنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عَلِمَ نِفَاقَهُ أَوْ مَرِيضٌ، إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لِيَمْشِيَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل ثنا کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے (یعنی مسجد میں) اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں، انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں۔ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے چھوڑنے والے ہو گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اس کے بعد مسجد کی طرف جائے تو ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک ایک خطا معاف ہوگی اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہو وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا، ورنہ

وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَّمَنَا
مُسْنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى
الصَّلَاةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَدُّنَ
فِيهِ (رواه مسلم و أبو داود والنسائي وابن ماجه،
كذا في الترغيب والترهيب، والمسنون، والسنة نوعان:
صفت میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

سنة الهدى، و نار کھا یستوجب اسماء كالجماعة والأذان، والزوائد، و نار کھا لا یستوجب اسماء كسير النبي ﷺ في
لباسه وعوده، كذا في نور الأنوار، والإضافة في سنة الهدى بيانية أي سنة هي هدى، والحمل مبالغة كذا
في قمر الأقطار)

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں جماعت کا اس قدر اہتمام تھا اگر بیمار بھی کسی
طرح جماعت میں جاسکتا تھا تو وہ بھی جا کر شریک ہو جاتا تھا، چاہے دو آدمیوں کو کھینچ کر لے
جانے کی نوبت آتی اور یہ اہتمام کیوں نہ ہوتا جب کہ ان کے اور ہمارے آقا نبی اکرم ﷺ کو
اسی طرح کا اہتمام تھا، چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے مرض الوفا میں یہی صورت پیش
آئی کہ مرض کی شدت کی وجہ سے بار بار غشی ہوتی تھی اور کئی کئی دفعہ وضو کا پانی طلب
فرماتے تھے۔ آخر ایک مرتبہ وضو فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ
کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے کہ زمین پر پاؤں مبارک اچھی طرح جمتا بھی نہ تھا۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد میں نماز پڑھانا شروع کر دی تھی، حضور ﷺ جا کر نماز
میں شریک ہوئے۔ حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ
ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا وہ بالکل سامنے ہے اور تو اس کو دیکھ رہا
ہے اور اپنے آپ کو مردوں کی فہرست میں شمار کیا کر (زندوں میں اپنے کو سمجھ ہی نہیں کہ پھر
نہ کسی بات کی خوشی نہ کسی بات سے رنج) اور مظلوم کی بددعا سے اپنے کو بچا اور جو تو اتنی بھی
طاقت رکھتا ہو کہ زمین پر گھسٹ کر عشاء اور صبح کی جماعت میں شریک ہو سکے تو دریغ نہ کر۔
ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ منافقوں پر عشاء اور صبح کی نماز بہت بھاری ہے، اگر ان کو یہ
معلوم ہو جاتا کہ جماعت میں کتنا ثواب ہے تو زمین پر گھسٹ کر جاتے اور جماعت سے

ان کو پڑھتے۔

(۴) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُذْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى، كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں: ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا، دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

(رواہ الترمذی وقال: لا أعلم أحدا رفعه إلا ماروی مسلم بن قتيبة عن طعمة بن عمر، وقال المصنف: ومسلم وطمعة وبقيرواته ثقة، كذا في الترغيب، قلت: وله شواهد من حديث عمر رضي الله عنه رفعه "من صلى في مسجد جماعة أربعين ليلة لا تفوته الركعة الأولى من صلاة العشاء كتب الله له بها عتق من النار" رواه ابن ماجه واللفظ له، والترمذی وقال نحو حديث أنس يعني المتقدم ولم يذكر لفظه، وقال: مرسل يعني أن عمارة الراوى عن أنس لم يدرك أنسا وعزاه في منتخب الكنز إلى البيهقي في الشعب وابن عساكر وابن النجار)

ف: یعنی جو اس طرح چالیس دن اخلاص سے نماز پڑھے کہ شروع سے امام کے ساتھ شریک ہو اور نماز شروع کرنے کی تکبیر جب امام کہے تو اسی وقت یہ بھی نماز میں شریک ہو جائے تو وہ شخص نہ جہنم میں داخل ہوگا، نہ منافقوں میں داخل ہوگا۔ منافق وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اپنے کو مسلمان ظاہر کریں، لیکن دل میں کفر رکھتے ہوں اور چالیس دن کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ حالات کے تغیر میں چالیس دن کو خاص دخل ہے، چنانچہ آدمی کی پیدائش کی ترتیب جس حدیث میں آئی ہے اس میں بھی چالیس دن تک نطفہ رہنا، پھر گوشت کا ٹکڑا چالیس دن تک، اسی طرح چالیس دن میں اس کا تغیر ذکر فرمایا ہے، اسی وجہ سے صوفیاء کے یہاں چلہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی برسوں بھی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوتی۔

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوئَهُ، ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد میں نماز کیلئے جائے اور وہاں پہنچ کر معلوم ہو کہ جماعت

صَلُّوا، أَعْطَاهُ اللَّهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا. (رواه أبو داود والنسائي والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم، كذا في الترغيب، وفيه أيضاً عن سعيد بن المسيب قال: حضر رجلاً من الانصار الموت، فقال: اني محدثكم حديثاً ما أحد نكوه الا احتساباً، اني سمعت رسول الله ﷺ يقول: اذا توضأ أحدكم فاحسن الوضوء، الحديث. وفيه: فان أتى المسجد فصلى في جماعة غفر له فان أتى المسجد وقد صلوا بعضاً وبقي بعض صلى ما أدرك وأتم ما بقي كان كذلك، فان أتى المسجد وقد صلوا فاتم الصلوة كان كذلك، رواه أبو داود)

ہو چکی، تو بھی اس کو جماعت کی نماز کا ثواب ہو گا اور اس ثواب کی وجہ سے ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی جنہوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔

ف: یہ اللہ کا کس قدر انعام و احسان ہے کہ محض کوشش اور سعی پر جماعت کا ثواب مل جائے گو جماعت نہ مل سکے۔ اللہ کی اس دین (عطا) پر بھی ہم لوگ خود ہی نہ لیں تو کسی کا کیا نقصان ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض اس کھٹکے سے کہ جماعت ہو چکی ہوگی مسجد میں جانا ملتوی نہ کرنا چاہئے۔ اگر جا کر معلوم ہو کہ ہو چکی ہے، تب بھی ثواب تو مل ہی جائے گا، البتہ اگر پہلے سے یقیناً معلوم ہو جائے کہ جماعت ہو چکی ہے تو مضائقہ نہیں۔

(۶) عَنْ قُبَاثِ بْنِ أَشِيمٍ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: صَلَّوْهُ الرَّجُلَيْنِ يَوْمٌ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَزْكَى عِنْدَ اللَّهِ مِنْ صَلَّوْهُ أَرْبَعَةٍ تَتَرَى، وَصَلَّوْهُ أَرْبَعَةٍ أَزْكَى عِنْدَ اللَّهِ مِنْ صَلَّوْهُ ثَمَانِيَةٍ تَتَرَى، وَصَلَّوْهُ ثَمَانِيَةٍ يَوْمُهُمْ أَحَدُهُمْ أَزْكَى عِنْدَ اللَّهِ مِنْ صَلَّوْهُ مِائَةٍ تَتَرَى. (رواه البزار والطبرانی بإسناد لا بأس به، كذا في الترغيب وفي مجمع الزوائد: رواه البزار والطبرانی في الكبير ورجال الطبرانی موثقون وعزاه في الجامع الصغير إلى الطبرانی والبيهقي ورقم له

نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ دو آدمیوں کی جماعت کی نماز کہ ایک امام ہو، ایک مقتدی، اللہ کے نزدیک چار آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ نماز سے زیادہ پسندیدہ ہے، اسی طرح چار آدمیوں کی جماعت کی نماز آٹھ آدمیوں کی متفرق نماز سے زیادہ محبوب ہے اور آٹھ آدمیوں کی جماعت کی نماز سوا آدمیوں کی متفرق نمازوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اسی طرح جتنی بڑی جماعت میں نماز پڑھی جائے گی وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے مختصر

بالصححة، وعن أبي كعب رفعه بمعنى حديث الباب، جماعت سے۔

وفيه قصة وفي آخره وكلمة أكثر فهو أحب إلى الله عز وجل، رواه أحمد وأبو داود والنسائي وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما والحاكم، وقد جزم يحيى بن معين والنهلي بصحة هذا الحديث، كذا في الترغيب

ف: جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دو چار آدمی مل کر گھر، دوکان وغیرہ پر جماعت کر لیں وہ کافی ہے، اول تو اس میں مسجد کا ثواب شروع ہی سے نہیں ہوتا، دوسرے کثرت جماعت کے ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے، مجمع جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے ایک کام کرنا ہے تو پھر جس طریقہ میں اس کی خوشنودی زیادہ ہو اسی طریقہ سے کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تین چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں: ایک جماعت کی صف کو، ایک اس شخص کو جو آدھی رات (تہجد) کی نماز پڑھ رہا ہو، تیسرے اس شخص کو جو کسی لشکر کے ساتھ لڑ رہا ہو۔

(۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بَشِّرِ الْمَسَائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه ابن ماجه وابن خزيمة في صحيحه والحاكم واللفظ له)

حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں میں بکثرت جاتے رہتے ہیں، ان کو قیامت کے دن کے پورے پورے نور کی خوشخبری سنا دے۔

وقال صحيح على شرط الشيخين كذا في الترغيب، وفي المشكوة برواية الترمذي وأبي داود عن برودة، ثم قال رواه ابن ماجه عن سهل ابن سعد وأنس، قلت: وله شاهد في منتخب كثر العمال برواية الطبراني عن أبي أمامة بلفظ "بشّر المد لجين إلى المساجد في الظلم بمنابر من نور يوم القيامة، يفرغ الناس ولا يفرعون" ذكر السبوح في الدر المنثور في تفسير قوله تعالى: "انما يعمر مساجد الله" عدة روايات في هذا المعنى

ف: یعنی آج دنیا میں اندھیری رات میں مسجد میں جانے کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب قیامت کا ہولناک منظر سامنے ہوگا اور ہر شخص مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ آج کے اندھیروں کی مشقت کا بدلہ اور اس کی قدر اس وقت ہوگی جب ایک چمکتا ہوا نور اور آفتاب سے کہیں زیادہ روشنی ان کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور بے فکر، جبکہ اور لوگ گھبراہٹ میں ہونگے۔ ایک حدیث میں ہے

کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے کہ میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ کے پڑوسی کون ہیں؟ ارشاد ہوگا کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب میں زیادہ ناپسند بازار ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں۔^۱ ایک صحیح حدیث میں وارد ہے: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں ”جس شخص کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہے تو اس کے ایمان دار ہونے کی گواہی دو“۔^۲ اس کے بعد ”إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ“ یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔^۳ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مشقت کے وقت وضو کرنا اور مسجد کی طرف قدم اٹھانا اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنا گناہوں کو دھو دیتا ہے۔^۴ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص جتنا مسجد سے دور ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔^۵ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر قدم پر اجر و ثواب ہے اور جتنی دور مسجد ہوگی اتنے ہی قدم زیادہ ہوں گے، اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں کو ان کا ثواب معلوم ہو جائے تو لڑائیوں سے ان کو حاصل کیا جائے: ایک اذان کہنا، دوسری جماعت کی نمازوں کے لئے دوپہر کے وقت جانا، تیسری پہلی صف میں نماز پڑھنا۔^۶ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب ہر شخص پریشان حال ہوگا اور آفتاب نہایت تیزی پر ہوگا، سات آدمی ایسے ہوں گے جو اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے، ان میں ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے کہ جب کسی ضرورت سے باہر آئے تو پھر مسجد ہی واپس جانے کی خواہش ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے جو شخص مسجد سے الفت رکھتا ہے اللہ جل ثنا اس سے الفت فرماتے ہیں۔^۷

شریعتِ مطہرہ کے ہر حکم میں خیر و برکت، اجر و ثواب تو بے پایاں ہے ہی، اس کے ساتھ ہی بہت سی مصلحتیں بھی ان احکام میں جو ملحوظ ہوتی ہیں ان کی حقیقت تک پہنچنا تو مشکل ہے کہ اللہ جل ثنا کے علوم اور ان کے مصالح تک کس کی رسائی ہے؟ مگر اپنی اپنی

استعداد اور حوصلہ کے موافق جہاں تک اپنی سمجھ کام دیتی ہے ان کی مصالح بھی سمجھ میں آتی ہیں اور جتنی استعداد ہوتی ہے اتنی ہی خوبیاں ان احکام کی معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ علماء نے جماعت کی مصالح بھی اپنی اپنی سمجھ کے موافق تحریر فرمائی ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہؒ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ایک تقریر اس کے متعلق ارشاد فرمائی ہے جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ:

رسم و رواج کے مہلکات سے بچنے کے لئے اس سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں کہ عبادات میں سے کسی عبادت کو ایسی عام رسم اور عام رواج بنا لیا جائے جو علی الاعلان ادا کی جائے اور ہر شخص کے سامنے خواہ سمجھدار ہو یا نا سمجھ وہ ادا کی جاسکے، اس کے ادا کرنے میں شہری اور غیر شہری برابر ہوں۔ مسابقت اور تفاخر اسی پر کیا جائے اور ایسی عام ہو جائے کہ ضروریات زندگی میں اس طرح داخل ہو جائے کہ اس سے علیحدگی ناممکن اور دشوار بن جائے تاکہ وہ اللہ کی عبادت کے لئے مؤید ہو جائے اور وہ رسم و رواج جو موجب مضرت و نقصان تھا وہی حق کی طرف کھینچنے والا بن جائے اور چونکہ عبادات میں کوئی عبادت بھی نماز سے زیادہ مہتمم بالشان اور دلیل و حجت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی نہیں، اسلئے ضروری ہوا کہ آپس میں اس کے رواج کو خوب شائع کیا جائے اور اس کے لئے خاص طور پر اجتماع کیا جائے اور آپس میں اتفاق سے اس کو ادا کیا جائے، نیز ہر مذہب اور دین میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مقتدا ہوتے ہیں کہ ان کا اتباع کیا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوسرے درجہ میں ایسے ہوتے ہیں جو کسی معمولی سی ترغیب و تنبیہ کے محتاج ہوتے ہیں اور کچھ لوگ تیسرے درجہ میں بہت ناکارہ اور ضعیف الاعتقاد ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو اگر مجمع میں عبادت کا مکلف نہ کیا جائے تو سستی اور کاہلی کی وجہ سے عبادت بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وجہ سے مصلحت کا مقتضا یہی ہے کہ یہ سب لوگ اجتماعی طور پر عبادت کو ادا کریں تاکہ جو لوگ عبادت کو چھوڑنے والے ہیں وہ عبادت کرنے والوں سے ممتاز ہو جائیں اور رغبت کرنے والوں اور بے رغبتی کرنے والوں میں کھلا تفاوت ہو جائے اور ناواقف لوگ علماء کے اتباع سے واقف بن جائیں اور جاہل لوگوں کو عبادت کا طریقہ معلوم ہو جائے اور اللہ کی عبادت

ان لوگوں میں اس پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سے ہو جائے جو کسی ماہر کے سامنے رکھی جائے جس سے جائز ناجائز اور کھرے کھوٹے میں کھلا فرق ہو جائے، جائز کی تقویت کی جائے اور ناجائز کو روکا جائے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے ایسے اجتماع میں جس میں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے، اس کی رحمت کے طلب کرنے والے، اس سے ڈرنے والے موجود ہوں اور سب کے سب اللہ ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوں، برکتوں کے نازل ہونے اور رحمت کے متوجہ ہونے کی عجیب خاصیت رکھی ہے۔

نیز امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ ہو اور یہ ممکن نہیں جب تک یہ طریقہ رائج نہ ہو کہ سب کے سب عوام، خواص، شہر کے رہنے والے اور گاؤں کے رہنے والے، چھوٹے بڑے ایک جگہ جمع ہو کر اس چیز کو جو اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے اور سب سے بالترتیب عبادت ہے ادا نہ کریں۔ ان وجوہ سے شریعت جمعہ اور جماعت کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوئی، ان کے اظہار و اعلان کی ترغیبیں، اور چھوڑنے پر وعیدیں نازل ہوئیں اور چونکہ اظہار و اجتماع ایک صرف محلہ اور قبیلہ کا ہے اور ایک تمام شہر کا، اور محلہ کا اجتماع ہر وقت سہل ہے اور تمام شہر کا ہر وقت مشکل ہے کہ اس میں تنگی ہے، اس لئے محلہ کا اجتماع ہر نماز کے وقت قرار دیا اور جماعت کی نماز اس کے لئے مشروع ہوئی اور تمام شہر کا اجتماع آٹھویں دن قرار دیا اور جمعہ کی نماز اس کے لئے تجویز ہوئی۔

فصل دوم

جماعت کے چھوڑنے پر عتاب کے بیان میں

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے احکام کی پابندی پر جیسے کہ انعامات کا وعدہ فرمایا ہے ایسے ہی تعمیل نہ کرنے پر ناراضی اور عتاب بھی فرمایا ہے۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ تعمیل میں بے گراں انعامات کا وعدہ ہے، ورنہ بندگی کا مقتضا صرف عتاب ہی ہونا چاہئے تھا کہ بندگی کا فرض ہے تعمیل ارشاد، پھر اس پر انعام کے کیا معنی اور نافرمانی کی صورت میں جتنا بھی

عتاب و عذاب ہو وہ بر محل کہ آقا کی نافرمانی سے بڑھ کر اور کیا جرم ہو سکتا ہے۔ پس کسی خاص عتاب یا تنبیہ کے فرمانے کی ضرورت نہ تھی، مگر پھر بھی اللہ جل ثنا اور اس کے پاک رسول ﷺ نے ہم پر شفقت فرمائی کہ طرح طرح سے مُتَنَبِّہ فرمایا، اس کے نقصانات بتائے، مختلف طور سے سمجھایا، پھر بھی ہم نہ سمجھیں تو اپنا ہی نقصان ہے۔

(۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اتِّبَاعِهِ عُذْرًا، قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى. (رواه أبو داود وابن حبان في صحيحه وابن ماجة بنحوه، كذا في الترغيب، وفي المشكوة: رواه أبو داود والدارقطني)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور بلا کسی عذر کے نماز کو نہ جائے (وہیں پڑھ لے) تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا کہ مرض ہو یا کوئی خوف ہو۔

ف: قبول نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس نماز پر جو ثواب اور انعام حق تعالیٰ شائد کی طرف سے ہوتا وہ نہ ہوگا، گو فرض ذمہ سے اتر جائے گا اور یہی مراد ہے ان حدیثوں سے جن میں آیا ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی، اس لئے کہ ایسا ہونا بھی کچھ ہونا ہوا جس پر انعام و اکرام نہ ہوا۔ یہ ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کی بنا پر بلا عذر جماعت کا چھوڑنا حرام ہے اور جماعت سے پڑھنا فرض ہے حتیٰ کہ بہت سے علماء کے نزدیک نماز ہوتی ہی نہیں۔ حنفیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اگرچہ نماز ہو جاتی ہے مگر جماعت کے چھوڑنے کا مجرم تو ہو ہی جائیگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث میں یہ بھی نقل کیا گیا کہ اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور جماعت سے نماز نہ پڑھے، نہ اس نے بھلائی کا ارادہ کیا، نہ اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور جماعت میں حاضر نہ ہو اس کے کان پگھلے ہوئے سیسے سے بھر دیئے جاویں، یہ بہتر ہے۔

(۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَلْجَفَاءُ كُلُّ
رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: أَلْجَفَاءُ كُلُّ
الْجَفَاءِ وَالْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ مَنْ سَمِعَ
مُنَادِيَ اللَّهِ يُنَادِي إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا
يُجِيبُهُ. اور نماز کو نہ جائے۔

(رواہ أحمد والطبرانی من رواية زبان بن فائد، كذا في الترغيب، وفي مجمع الزوائد رواه الطبرانی في الكبير، وزبان ضعفه ابن معين وثقه أبو حاتم. وعزاه في الجامع الصغير إلى الطبرانی ورقم له بالضعف)

ف: کتنی سخت وعید اور ڈانٹ ہے اس حدیث پاک میں کہ اس کی اس حرکت کو کافروں کا فعل اور منافقوں کی حرکت بتایا ہے کہ گویا مسلمان سے یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ آدمی کی بدبختی اور بد نصیبی کے لئے یہ کافی ہے کہ مؤذن کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔ سلیمان بن ابی حمزہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، مگر حضور ﷺ سے روایت سننے کی نوبت کم عمری کی وجہ سے نہیں آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا نگران بنا رکھا تھا۔ ایک دن اتفاق سے صبح کی نماز میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف تشریف لے گئے تو ان کی والدہ سے پوچھا کہ سلیمان آج صبح کی نماز میں نہیں تھے۔ والدہ نے کہا کہ رات بھر نفلوں میں مشغول رہا، نیند کے غلبہ سے آنکھ لگ گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں صبح کی جماعت میں شریک ہوں یہ مجھے اس سے پسندیدہ ہے کہ رات بھر نفلیں پڑھوں۔

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَمُرَّ
فَتَيْتِي، فَيَجْمَعُوا لِي حُزْمًا مِنْ حَطَبٍ،
ثُمَّ أَتِي قَوْمًا يُصَلُّونَ فِي بُيُوتِهِمْ لَيْسَتْ
بِهِمْ عِلَّةٌ، فَأُحَرِّقَهَا عَلَيْهِمْ. (رواه مسلم و
أبو داود وابن ماجه والترمذی، كذا في الترغيب،

قال السيوطی فی الدر: أخرج ابن أبي شيبة والبخاری ومسلم وابن ماجه عن أبي هريرة رفعه
”أثقل الصلوة على المنافقين صلوة العشاء وصلوة القجر، ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبوا،

ولقد همت امر بالصلوة فتقام“ الحديث بنحوه)

ف: نبی اکرم ﷺ کو باوجود اس شفقت و رحمت کے جو امت کے حال پر تھی اور کسی شخص کی ادنیٰ سی تکلیف بھی گوارا نہ تھی ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اس قدر غصہ ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دینے کو بھی آمادہ ہیں۔

(۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ ثَلَاثَةِ فِئِ قَرِيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ.

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اس لئے جماعت کو ضروری سمجھو، بھیڑ یا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمیوں کا بھیڑ یا شیطان ہے۔

(رواہ أحمد و أبی داود و النسائی و ابن خزيمة و ابن حبان فی صحيحيهما و الحاكم، و زاد رزین فی جامعه و ابن ذئب الإنسان الشيطان إذا خلا به أكله، كذا فی الترغيب، و رقم له فی الجامع الصغير بالصحة، و صححه الحاكم و اقروه عليه الذهبي،

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کھیتی باڑی میں مشغول رہتے ہیں، اگر تین آدمی ہوں تو ان کو جماعت سے نماز پڑھنا چاہئے، بلکہ دو کو بھی جماعت سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ کسان عام طور سے اول تو نماز پڑھتے ہی نہیں کہ ان کے لئے کھیتی کی مشغولی اپنے نزدیک کافی عذر ہے اور جو بہت دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکیلے ہی پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ اگر چند کھیت والے بھی ایک جگہ جمع ہو کر پڑھیں تو کتنی بڑی جماعت ہو جائے اور کتنا بڑا ثواب حاصل کریں۔ چار پیسے کے واسطے سردی، گرمی، دھوپ، بارش سب سے بے نیاز ہو کر دن بھر مشغول رہتے ہیں، لیکن اتنا بڑا ثواب ضائع کرتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے، حالانکہ یہ لوگ اگر جنگل میں جماعت سے نماز پڑھیں تو اور بھی زیادہ ثواب کا سبب ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ پچاس نمازوں کا ثواب ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی بکریاں چرانے والا کسی پہاڑ کی جڑ میں (یا جنگل میں) اذان کہتا ہے اور نماز

پڑھنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس سے بے حد خوش ہوتے ہیں اور تعجب و تفاخر سے فرشتوں سے فرماتے ہیں: دیکھو جی! میرا بندہ اذان کہہ کر نماز پڑھنے لگا۔ یہ سب میرے ڈر کی وجہ سے کر رہا ہے میں نے اس کی مغفرت کر دی اور جنت کا داخلہ طے کر دیا۔

(۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ وَلَا يَشْهَدُ الْجَمَاعَةَ وَلَا الْجُمُعَةَ، فَقَالَ: هَذَا فِي النَّارِ. (رواه الترمذی موقوفاً کذا فی الترغیب، وفی تنبیہ الغافلین: روی عن مجاہد أن رجلاً جاء إلى ابن عباس، فقال: يا ابن عباس! ما تقول في رجل؟ فذكره بلفظه، زاد في آخره فاختلف إليه شهراً يسأله عن ذلك وهو يقول: هو في النار)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نفلیں پڑھتا ہے، مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا (اس کے متعلق کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔

ف: گو ایک خاص زمانہ تک سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکل آئے کہ بہر حال مسلمان ہے، مگر نہ معلوم کتنے عرصے تک پڑا رہنا پڑے گا۔ جاہل صوفیوں میں وظیفوں اور نفلوں کا تو زور ہوتا ہے مگر جماعت کی پرواہ نہیں ہوتی، اس کو وہ بزرگی سمجھتے ہیں حالانکہ کمال بزرگی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ تین شخصوں پر حق تعالیٰ شانہ لعنت بھیجتے ہیں: ایک اس شخص پر جس سے نمازی (کسی معقول وجہ سے) ناراض ہوں اور وہ امامت کرے۔ دوسرے اس عورت پر جس کا خاوند اس سے ناراض ہو۔ تیسرے اس شخص پر جو اذان کی آواز سنے اور جماعت میں شریک نہ ہو۔

(۶) أَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ قَالَ: وَالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَةَ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالْإِنْجِيلَ عَلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالزَّبُورَ عَلَى دَاوُدَ، وَالْفُرْقَانَ عَلَى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنْزَلْتُ

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے تورات حضرت موسیٰ پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر اور زبور حضرت داؤد پر (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) نازل فرمائی اور قرآن شریف

هَذِهِ الْآيَاتُ فِي الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ
حَيْثُ يُنَادِي بِهِنَّ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ
سَاقِ إِلَى قَوْلِهِ: وَهُمْ سَالِمُونَ،
الصَّلَوَاتُ الْخُمْسُ إِذَا نُودِيَ بِهَا.

(وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الشَّعْبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ

قَالَ: الصَّلَوَاتُ فِي الْجَمَاعَاتِ، وَأَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: الرَّجُلُ يَسْمَعُ الْإِذَانَ فَلَا

يَجِبُ الصَّلَاةُ. كَذَا فِي الْقَدْرِ الْمَشْهُورِ قُلْتُ: وَتَمَامُ

الْآيَةِ) "يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُذْعَوْنَ

إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ

كَانُوا يُذْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ

سَالِمُونَ ۝ (سورة ن: ۴۲، ۴۳)

سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا کہ یہ آیتیں
فرض نمازوں کو جماعت سے ایسی جگہ
پڑھنے کے بارہ میں جہاں اذان ہوتی ہو
نازل ہوئی ہیں۔ (ترجمہ آیات) جس دن
حق تعالیٰ شانہ ساق کی تجلی فرمائیں گے
(جو ایک خاص قسم کی تجلی ہوگی) اور لوگ
اس دن سجدہ کے لئے بلائے جاویں گے تو
یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے، ان کی آنکھیں
شرم کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر
ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اس لئے کہ یہ
لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے
تھے اور صحیح سالم تندرست تھے (پھر بھی سجدہ
نہیں کرتے تھے)۔

ف: ساق کی تجلی ایک خاص قسم کی تجلی ہے جو میدانِ حشر میں ہوگی اس تجلی کو
دیکھ کر سارے مسلمان سجدہ میں گر جائیں گے، مگر بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کی کمر تختہ ہو
جائے گی اور سجدہ پر قدرت نہ ہوگی۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس کے بارے میں تفسیریں
مختلف وارد ہوئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے جو کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اسی کے موافق
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں
جماعت کی نماز کے واسطے بلائے جاتے تھے اور جماعت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دوسری
تفسیر بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضور ﷺ
سے سنا کہ یہ لوگ وہ ہوں گے جو دنیا میں ریا اور دکھلاوے کے واسطے نماز پڑھتے تھے۔
تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں جو دنیا میں سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے تھے۔ چوتھی
تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد منافق ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمُّ۔

بہر حال اس تفسیر کے موافق جس کو حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ قسم کھا کر ارشاد فرما رہے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی، امام تفسیر سے اس کی تائید ہوتی ہے، کتنا سخت معاملہ ہے کہ میدانِ حشر میں ذلت و ننگت ہو اور جہاں سارے مسلمان سجدہ میں مشغول ہوں اس سے سجدہ ادا نہ ہو سکے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں جماعت کے چھوڑنے پر آئی ہیں۔ مسلمان کے لئے تو ایک بھی وعید کی ضرورت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم و ارشاد ہی سب کچھ ہے اور جس کو اس کی قدر نہیں اس کے لئے ہزار طرح کی وعیدیں بھی بیکار ہیں۔ جب سزا کا وقت آئے گا تو پشیمانی ہوگی جو بیکار ہوگی۔

تیسرا باب

خشوع، خضوع کے بیان میں

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو جماعت کا بھی اہتمام فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایسی بری طرح پڑھتے ہیں کہ وہ نماز بجائے اس کے ثواب و اجر کا سبب ہو، ناقص ہونے کی وجہ سے منہ پر ماردی جاتی ہے، گو نہ پڑھنے سے یہ بھی بہتر ہے کیونکہ نہ پڑھنے کی صورت میں جو عذاب ہے وہ بہت زیادہ سخت ہے اور اس صورت میں یہ ہوا کہ وہ قابل قبول نہ ہوئی اور منہ پر پھینک کر ماردی گئی، اس پر کوئی ثواب نہیں ہوا، لیکن نہ پڑھنے میں جس درجہ کی نافرمانی اور نخوت ہوتی وہ تو اس صورت میں نہ ہوگی، البتہ یہ مناسب ہے کہ جب آدمی وقت خرچ کرے، کاروبار چھوڑے، مشقت اٹھائے تو اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ وزنی اور قیمتی پڑھ لے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے، گو وہ قربانی کے بارے میں ہے مگر احکام تو سارے ایک ہی ہیں۔ فرماتے ہیں ”لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ“ (الحج: ۳۶) نہ تو حق تعالیٰ شانہ کے پاس ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ پس جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کی مقبولیت ہوگی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے

جب مجھے یمن کو بھیجا تو میں نے آخری وصیت کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین کے ہر کام میں اخلاص کا اہتمام کرنا کہ اخلاص سے تھوڑا عمل بھی بہت کچھ ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اخلاص والوں کے لئے خوش حالی ہو کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں، ان کی وجہ سے سخت سے سخت فتنے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ضعیف لوگوں کی برکت سے اس امت کی مدد فرماتے ہیں، نیز ان کی دعا سے، ان کی نماز سے، ان کے اخلاص سے۔ نماز کے بارے میں اللہ جل ثنا کا ارشاد ہے: ”فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ۝“ (الماعون: ۳، ۴، ۵) بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو ایسے ہیں کہ دکھلا د کرتے ہیں۔ بے خبر ہونے کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وقت کی خبر نہ ہو قضا کر دے۔ دوسرے یہ کہ متوجہ نہ ہو، ادھر ادھر مشغول ہو۔ تیسرے یہ کہ یہی خبر نہ ہو کتنی رکعتیں ہوئیں۔ دوسری جگہ منافقین کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ”وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالً ۚ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝“ (النساء: ۱۴۳) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں، تو بہت کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھلاتے ہیں (کہ ہم بھی نمازی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت تھوڑا سا۔ ایک جگہ چند انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرما کر ارشاد ہے: ”فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ۝“ (مریم: ۵۹) پس ان نبیوں کے بعد بعض ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے، سو عنقریب آخرت میں خرابی دیکھیں گے۔ ”غی“ کا ترجمہ لغت میں گمراہی ہے جس سے مراد آخرت کی خرابی اور ہلاکت ہے اور بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ ”غی“ جہنم کا ایک طبقہ ہے جس میں لہو، پیپ وغیرہ جمع ہوگا، اس میں یہ لوگ ڈال دیئے جائیں گے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: ”وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا

بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ۝“ (التوبہ: ۵۴) (ترجمہ) ”اور ان کی خیر خیرات مقبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور نماز نہیں پڑھتے مگر کاہلی سے، اور نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر گرانی سے۔“

اس کے بالمقابل اچھی طرح سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے: ”قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِمَنْبِتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝“ (المؤمنون: ۱۱۴-۱۱۸) (ترجمہ) ”بے شک کامیابی اور فلاح کو پہنچ گئے وہ مومن جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو لغویات سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں (یا اپنے اخلاق کو درست کرنے والے ہیں) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیبیوں اور باندیوں کے کہ ان میں کوئی حرج نہیں، البتہ جوان کے علاوہ اور جگہ شہوت پوری کرنا چاہیں وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کا اہتمام کرنے والے ہیں، یہی لوگ جنت کے وارث ہیں جو فردوس کے وارث بنیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے۔“

حدیث میں آیا ہے کہ فردوس جنت کا اعلیٰ اور افضل ترین حصہ ہے، وہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں، اسی پر عرش الہی ہوگا، جب تم جنت کی دعا کیا کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو۔ دوسری جگہ نماز کے بارے میں ارشاد الہی ہے: ”وَأَنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُمْ وَإِنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ (البقرہ: ۲۵۵، ۲۵۶) (ترجمہ) ”بے شک نماز

دشوار ہے، مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں اور مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ”فِي يَتُوبِ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتٰهُمُ الزَّكٰوةَ ۝ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيََهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۝ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنُ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ (النور: ۳۲، ۳۳، ۳۴) ایسے گھروں میں جن کے متعلق اللہ جلّ ثناؤ نے حکم فرما دیا کہ ان کا ادب کیا جائے، ان کو بلند کیا جائے، ان میں صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تو تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت غفلت میں ڈالتی ہے، وہ لوگ ایسے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی (یعنی قیامت کا دن) اور وہ لوگ یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ جلّ ثناؤ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کو عطا فرمادیں اور بدلہ سے بھی بہت زیادہ انعامات اپنے فضل سے عطا فرمادیں اور اللہ جلّ ثناؤ جس کو چاہتے ہیں بے شمار عطا فرمادیتے ہیں۔

تو تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع سجدہ کو اچھی طرح ادا کرے، ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہ رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ نماز کا قائم کرنا اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع، سجدے کا اچھی طرح ادا کرنا ہے یعنی جہاں جہاں قرآن شریف میں ”اقام الصلوٰۃ اور یقیمون الصلوٰۃ آیا ہے یہی مراد ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے ارشاد فرمائی گئی: ”وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلٰی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ لِرَبِّهِمْ سَجْدًا وَّقِیَامًا ۝“

(الفرقان: ۶۳، ۶۴) اور رحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر عاجزی سے (اکڑ کر نہیں چلتے) اور جب ان سے جاہل لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (یعنی سلامتی کی بات کرتے ہیں جو رفع شر کی ہو، یا بس دور ہی سے سلام) اور یہ وہ لوگ ہیں جو رات بھر گزار دیتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے کرنے میں اور نماز میں کھڑے رہنے میں۔ ”یہ آگے ان کے اور چند اوصاف ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے: ”أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝“ (الفرقان: ۷۵، ۷۶) یہی لوگ ہیں جن کو جنت کے بالا خانے بدلہ میں دیئے جائیں گے، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا (یا دین پر ثابت قدم رہے) اور جنت میں فرشتوں کی طرف سے دعا و سلام سے استقبال کیا جاوے گا اور اس جنت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی اچھا ٹھکانہ اور رہنے کی جگہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ”وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝“ (الرعد: ۲۳، ۲۴) ”اور فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہوں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلام (اور سلامتی) ہو، اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا (یا دین پر مضبوط اور ثابت قدم رہے) پس کیا ہی اچھا انجام کار ٹھکانہ ہے۔“ انہیں لوگوں کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے فرمائی گئی ہے: ”تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ذُو مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝“ (السجدہ: ۱۶، ۱۷) وہ لوگ ایسے ہیں کہ رات کو ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں اور بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں (کہ نماز پڑھتے رہتے ہیں اور) اپنے رب کو عذاب کے ڈر سے ثواب کی امید میں پکارتے رہتے ہیں اور ہماری عطا کی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، سو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کے لئے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردہ غیب میں موجود ہے جو بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔“

انہیں لوگوں کی شان میں ہے: ”إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ اخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ۝ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ (الذريات: ۱۵، ۱۶، ۱۷) بے شک متقی لوگ جنتوں اور پانی کے چشموں کے درمیان میں ہوں گے اور ان کو ان کے رب اور مالک نے جو کچھ ثواب عطا فرمایا اس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے اور کیوں نہ ہو کہ وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) اچھے کام کرنے والے تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کرنے والے تھے۔

ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے: ”أَمَّنْ هُوَ قَائِمٌ أَنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ“ (الزمر: ۹) (کیا برابر ہو سکتا ہے بے دین) اور وہ شخص جو عبادت کرنے والا ہو، رات کے اوقات میں کبھی سجدہ کرنے والا ہو اور کبھی نیت باندھ کر کھڑا ہونے والا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو) (اچھا آپ ان سے یہ پوچھیں) کہیں عالم اور جاہل برابر ہو سکتا ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے رب کی عبادت کرے ہی گا اور جو ایسے کریم مولا کی عبادت نہ کرے وہ جاہل بلکہ اجہل ہے ہی) نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ”إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَأِئِمُونَ“ (الماعز: ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲) اس میں شک نہیں کہ انسان غیر مستقل مزاج پیدا ہوا ہے کہ جب کوئی تکلیف اس کو پہنچتی ہے تو بہت زیادہ گھبرا جاتا ہے اور جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے کہ دوسرے کو یہ بھلائی نہ پہنچے، مگر (ہاں) وہ نمازی جو اپنی نماز کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں اور سکون و وقار سے پڑھنے والے ہیں۔ آگے ان کی اور چند صفتیں ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے کہ ”وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ“ (الماعز: ۳۳، ۳۵) ”اور وہ لوگ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کا جنتوں میں اکرام کیا جائے گا۔“ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں نماز کا حکم اور نمازیوں کے فضائل، ان کے اعزاز و اکرام ذکر فرمائے گئے ہیں اور حقیقت میں نماز ایسی ہی دولت ہے۔ اسی وجہ سے دو جہاں کے

سردار، فخر رسل، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دعا فرماتے ہیں: ”رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ“ ”اے رب! مجھ کو نماز کا خاص اہتمام کرنے والا بنادے اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو اہتمام کرنے والے ہوں، اے ہمارے رب! میری یہ دعا قبول فرمائے۔“

اللہ کا ایک پیارا نبی جس کو خلیل ہونے کا بھی فخر ہے وہ نماز کی پابندی اور اہتمام کو اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ خود حق سبحانہ و تقدس اپنے محبوب سید المرسلین کو حکم فرماتے ہیں ”وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ“ (طہ: ۱۳۲) ”اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے۔ ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیز گاری کا ہے۔“

حدیث میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کچھ تنگی وغیرہ پیش آتی تو گھر والوں کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے اور یہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی معمول نقل کیا گیا کہ جب بھی ان حضرات کو کوئی دقت پیش آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتے، مگر ہم لوگ اس اہم چیز سے ایسے غافل اور بے نیاز ہیں کہ اسلام اور مسلمانی کے لمبے لمبے دعوؤں کے باوجود بھی ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ اگر کوئی بلانے والا، کہنے والا کھڑا ہوتا ہے تو اس پر فقرے کستے ہیں، اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر کسی کا کیا نقصان ہے، اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہیں ان میں سے بھی اکثر ایسی پڑھتے ہیں جس کو نماز کے ساتھ مذاق سے اگر تعبیر کیا جائے تو بے جا نہیں کہ اکثر ارکان بھی پورے طور سے ادا نہیں کرتے، خشوع و خضوع کا تو کیا ذکر ہے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا نمونہ سامنے ہے، وہ ہر کام خود کر کے دکھلا گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارنامے بھی سامنے ہیں، ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند قصے نمونے کے طور پر اپنے رسالہ حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم میں لکھ چکا ہوں، یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ اس رسالہ میں چند حکایات، صوفیاء کی نقل کرنے کے بعد چند

ارشادات، نبی اکرم ﷺ کے نقل کرتا ہوں۔

شیخ عبدالواحد رحمہ اللہ مشہور صوفیاء میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز غیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ رات کو اوراد و وظائف بھی چھوٹ گئے، خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت حسین خوبصورت لڑکی سبز ریشمی لباس پہنے ہوئے ہے، جس کے پاؤں کی جوتیاں تک تسبیح میں مشغول ہیں، کہتی ہے کہ میری طلب میں کوشش کر، میں تیری طلب میں ہوں، اس کے بعد اس نے چند شوقیہ شعر پڑھے۔ یہ خواب سے اٹھے اور قسم کھالی کہ رات کو نہیں سوؤں گا، کہتے ہیں کہ چالیس برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔^۱

شیخ مظہر سعدی رحمہ اللہ ایک بزرگ ہیں جو اللہ جل ثنا کے عشق و شوق میں ساٹھ برس تک روتے رہے، ایک شب خواب میں دیکھا، گویا ایک نہر ہے جس میں خالص مشک بھرا ہوا ہے۔ اس کے کناروں پر موتیوں کے درخت سونے کی شاخوں والے لہلہا رہے ہیں۔ وہاں چند نو عمر لڑکیاں پکار پکار کر اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں، انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو انہوں نے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو لوگوں کے معبود اور محمد ﷺ کے پروردگار نے ان لوگوں کے واسطے پیدا فرمایا ہے جو رات کو اپنے پروردگار کے سامنے اپنے قدموں پر کھڑے رہتے ہیں اور اپنے اللہ سے مناجات کرتے رہتے ہیں۔

ابوبکر ضریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان غلام رہتا تھا، دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات بھر تہجد پڑھتا۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ میں اتفاق سے آج رات سو گیا تھا، خواب میں دیکھا کہ محراب کی دیوار پھٹی، اس میں سے چند لڑکیاں نہایت ہی حسین اور خوبصورت ظاہر ہوئیں، مگر ایک ان میں نہایت بد صورت بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو اور یہ بد صورت کون ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ ہم تیری گزشتہ راتیں ہیں اور یہ تیری آج کی رات ہے۔^۲

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے ایک رات ایسی گہری نیند آئی کہ آنکھ نہ کھلی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسی نہایت حسین لڑکی ہے کہ اس جیسی میں نے عمر بھر نہیں دیکھی۔

اس میں سے ایسی تیز خوشبو مہک رہی تھی کہ میں نے ویسی خوشبو بھی کبھی نہیں سونگھی، اس نے مجھے ایک کاغذ کا پرچہ دیا۔ جس میں تین شعر لکھے ہوئے تھے، ان کا مطلب یہ تھا کہ تو نیند کی لذت میں مشغول ہو کر جنت کے بالا خانوں سے غافل ہو گیا جہاں ہمیشہ تجھے رہنا ہے اور موت بھی وہاں نہ آئے گی، اپنی نیند سے اٹھ، سونے سے تہجد میں قرآن پڑھنا بہتر ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے جب مجھے نیند آتی ہے اور یہ اشعار یاد آتے ہیں تو نیند بالکل اڑ جاتی ہے۔

حضرت عطاء اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بازار میں گیا، وہاں ایک باندی فروخت ہو رہی تھی جو دیوانی بتائی جاتی تھی۔ میں نے سات دینار میں خرید لی اور اپنے گھر لے آیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی، وضو کیا، نماز شروع کر دی اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ روتے روتے اس کا دم نکلا جاتا تھا۔ نماز کے بعد اس نے مناجات شروع کی اور یہ کہنے لگی: اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! مجھ پر رحم فرما۔ میں نے اس سے کہا کہ اس طرح نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ مجھے تجھ سے محبت رکھنے کی قسم۔ یہ سن کر اس کو غصہ آ گیا اور کہنے لگی: قسم ہے اس ذات کی، اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں نہ کھڑا رکھتا۔ پھر اوندھے منہ گر گئی اور چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ بے چینی بڑھتی جا رہی ہے اور دل جلا جا رہا ہے اور صبر جاتا رہا اور آنسو بہہ رہے ہیں، اس شخص کو کس طرح قرار آ سکتا ہے جس کو عشق و شوق اور اضطراب سے چین ہی نہیں۔ اے اللہ! اگر کوئی خوشی کی چیز ہو تو اس کو عطا فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ اس کے بعد بلند آواز سے یہ دعا کی کہ یا اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب تک پوشیدہ تھا، اب مخلوق کو خبر ہو چلی، اب مجھے اٹھا لیجئے۔ یہ کہہ کر زور سے ایک چیخ ماری اور مر گئی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت سہری رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خدمت کے لئے ایک باندی خریدی۔ ایک مدت تک وہ میری خدمت کرتی رہی اور اپنی حالت کا مجھ سے اخفا کرتی، اس کی نماز کی ایک جگہ متعین تھی۔ جب کام سے فارغ ہو جاتی وہاں جا کر نماز میں مشغول ہو جاتی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی مناجات میں مشغول ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ آپ اس محبت کے وسیلہ سے جو مجھ

سے ہے فلاں فلاں کام کر دیں۔ میں نے آواز سے کہا: اے عورت! یوں کہہ کہ میری محبت کے وسیلہ سے جو مجھے آپ سے ہے۔ کہنے لگی: میرے آقا! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں نماز سے بٹھلا کر مجھے کھڑا نہ کرتا۔ سرى رسولیہ علیہ کہتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں نے اس کو بلا کر کہا کہ تو میری خدمت کے قابل نہیں، اللہ ہی کی عبادت کے لائق ہے۔ اس کو کچھ سامان دے کر آزاد کر دیا۔^۱

حضرت سرى سقطی رحمہ اللہ علیہ ایک عورت کا حال فرماتے ہیں کہ جب وہ تہجد کی نماز کو کھڑی ہوتی تو کہتی: اے اللہ! ابلیس بھی تیرا ایک بندہ ہے، اس کی پیشانی بھی تیرے قبضہ میں ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھ سکتی۔ تو اسے دیکھتا ہے اور اس کے سارے کاموں پر قادر ہے اور وہ تیرے کسی کام پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ اے اللہ! اگر وہ میری برائی چاہے تو تو اس کو دفع کر اور وہ میرے ساتھ مکر کرے تو تو اس کے مکر کا انتقام لے۔ میں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتی ہوں اور تیری مدد سے اس کو دھکیلتی ہوں۔ اس کے بعد وہ روتی رہتی تھی حتیٰ کہ روتے روتے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ لوگوں نے اس سے کہا: خدا سے ڈر، کہیں دوسری آنکھ بھی نہ جاتی رہے۔ اس نے کہا: اگر یہ آنکھ جنت کی آنکھ ہے تو اللہ جلّ ثنا اس سے بہتر عطا فرمائیں گے اور اگر دوزخ کی آنکھ ہے تو اس کا دور ہی ہونا اچھا ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ جلاء رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی فرمائش کی۔ والد صاحب بازار تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا، مچھلی خریدی، گھر تک لانے کے واسطے مزدور کی تلاش تھی کہ ایک نو عمر لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا کہنے لگا: چچا جان! اسے اٹھانے کے واسطے مزدور چاہئے؟ کہا: ہاں۔ اس لڑکے نے اپنے سر پر اٹھائی اور ہمارے ساتھ چل دیا۔ راستہ میں اس نے اذان کی آواز سن لی۔ کہنے لگا: اللہ کے منادی نے بلایا ہے، مجھے وضو بھی کرنا ہے، نماز کے بعد لے جا سکوں گا۔ آپ کا دل چاہے انتظار کر لیجئے، ورنہ اپنی مچھلی لے لیجئے، یہ کہہ کر مچھلی رکھ کر چلا گیا۔ میرے والد صاحب کو خیال آیا کہ یہ مزدور لڑکا تو ایسا کرے، ہمیں بطریق اولیٰ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ بھی مچھلی

رکھ کر مسجد میں چلے گئے، نماز سے فارغ ہو کر ہم سب آئے تو مچھلی اسی طرح رکھی ہوئی تھی، اس لڑکے نے اٹھا کر ہمارے گھر پہنچا دی۔ گھر جا کر والد نے یہ عجیب قصہ والدہ کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو روک لو، وہ بھی مچھلی کھا کر جائے، اس سے کہا گیا: اس نے جواب دیا کہ میرا تو روزہ ہے۔ والد نے اصرار کیا کہ شام کے وقت یہیں آ کر افطار کرے۔ لڑکے نے کہا: میں ایک دفعہ جا کر دوبارہ نہیں آتا۔ یہ ممکن ہے کہ میں پاس مسجد میں ہوں، شام کو آپ کی دعوت کھا کر چلا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ قریب ہی مسجد میں چلا گیا، شام کو بعد مغرب آیا، کھانا کھایا اور کھانے سے فراغت پر اس کو تخیل کی جگہ بتا دی۔ ہمارے قریب ہی ایک اپاج عورت رہا کرتی تھی، ہم نے دیکھا کہ وہ بالکل اچھی تندرست آرہی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کس طرح اچھی ہو گئی؟ کہا: میں نے اس مہمان کے طفیل سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! اس کی برکت سے مجھے اچھا کر دے، میں فوراً اچھی ہو گئی۔ اس کے بعد جب ہم اس کے تخیل کی جگہ اس کو دیکھنے گئے تو دیکھا دروازے بند ہیں اور اس مزدور کا کہیں پتہ نہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا۔ طبیبوں نے کہا: اگر ان کا پاؤں نہ کاٹا گیا تو ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ ان کی والدہ نے کہا: ابھی ٹھہر جاؤ۔ جب یہ نماز کی نیت باندھ لیں تو کاٹ لینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

ابو عامر رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک باندی دیکھی جو بہت کم داموں میں فروخت ہو رہی تھی جو نہایت دہلی پتلی تھی، اس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اس پر رحم کھا کر اس کو خرید لیا: اس سے کہا کہ ہمارے ساتھ بازار چل۔ رمضان المبارک کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لیں۔ کہنے لگی: اللہ کا شکر ہے جس نے میرے واسطے سارے مہینے یکساں کر دیئے، وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتی، رات بھر نماز پڑھتی۔ جب عید قریب آئی تو میں نے اس سے کہا کہ کل صبح بازار چلیں گے، تو بھی ساتھ چلنا، عید کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لائیں گے۔ کہنے لگی: میرے آقا! تم تو دنیا میں بہت ہی مشغول ہو۔ پھر اندر گئی اور نماز میں مشغول ہو گئی اور اطمینان سے ایک ایک آیت مزے لے لے کر پڑھتی رہی حتیٰ کہ اس آیت پر پہنچی ”وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ“ (ابراہیم: ۱۶) اس

آیت کو بار بار پڑھتی رہی اور ایک چیخ مار کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔

ایک سید صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ دن تک ایک ہی وضو سے ساری نمازیں پڑھیں اور پندرہ برس مسلسل لیٹنے کی نوبت نہیں آئی، کئی کئی دن ایسے گزر جاتے کہ کوئی چیز چکھنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

اہل مجاہدہ لوگوں میں اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے ملتے ہیں۔ ان حضرات کی حرص تو بہت ہی مشکل ہے کہ اللہ جلّ جلالہ نے ان کو پیدا ہی اس لئے فرمایا تھا، لیکن جو حضرات اکابر کہ دوسرے دینی اور دنیوی مشاغل میں مشغول تھے ان کی حرص بھی ہم جیسوں کو دشوار ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے سب ہی واقف ہیں۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد انہیں کا شمار ہے۔ ان کی بیوی فرماتی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے زیادہ وضو اور نماز میں مشغول ہونے والے تو اور بھی ہوں گے، مگر ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھ جاتے اور دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے، حتیٰ کہ اسی میں نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ لگ جاتی۔ پھر جب کھل جاتی تو اسی طرح روتے رہتے اور دعا میں مشغول رہتے۔ کہتے ہیں کہ خلافت کے بعد سے جنابت کے غسل کی نوبت نہیں آئی۔ ان کی بیوی عبدالملک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ باپ نے بہت سے زیورات جو اہر دیئے تھے اور ایک ایسا ہیرا دیا تھا جس کی نظیر نہیں تھی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر، یا تو وہ زیور سارا اللہ کے واسطے دے کہ میں اس کو بیت المال میں داخل کر دوں یا مجھ سے جدائی اختیار کر لے، مجھے یہ چیز ناگوار ہے کہ میں اور وہ مال ایک گھر میں جمع رہیں۔ بیوی نے عرض کیا کہ وہ مال کیا چیز ہے، میں اس سے کئی چند زیادہ پر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر سب بیت المال میں داخل کر دیا۔

آپ کے انتقال کے بعد عبدالملک کا بیٹا یزید بادشاہ بنا تو اس نے بہن سے دریافت کیا۔ اگر تم چاہو تو تمہارا زیور تم کو واپس دے دیا جائے۔ فرمانے لگیں کہ جب میں ان کی زندگی میں اس سے خوش نہ ہوئی تو ان کے مرنے کے بعد اس سے کیا خوش ہوں گی۔ مرض الموت میں آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مرض کے متعلق کیا خیال کیا جاتا ہے؟ کسی نے

عرض کیا کہ لوگ جادو سمجھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ نہیں۔ پھر ایک غلام کو بلایا۔ اس سے پوچھا کہ مجھے زہر دینے پر کس چیز نے تجھ کو آمادہ کیا؟ اس نے کہا: سودینار دیئے گئے اور آزادی کا وعدہ کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ دینار لے آ، اس نے حاضر کئے۔ آپ نے ان کو بیت المال میں داخل فرما دیا اور اس غلام سے فرمایا تو کسی ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے کوئی نہ دیکھے۔ انتقال کے وقت مسلمہ رضی اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اولاد کے ساتھ ایسا کیا جو کسی نے بھی نہیں کیا ہوگا۔ آپ کے تیرہ بیٹے ہیں اور ان کے لئے نہ کوئی روپیہ آپ نے چھوڑا، نہ پیسہ، آپ نے فرمایا: ذرا مجھے بٹھا دو۔ بیٹھ کر فرمایا کہ میں نے ان کا کوئی حق نہیں دبایا اور جو دوسروں کا حق تھا وہ ان کو دیا نہیں۔ پس اگر وہ صالح ہیں تو اللہ جل ثنا خود ان کا کفیل ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: ”وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ“ (الاعراف: ۱۹۶) (وہی متولی ہے صلحاء کا) اور اگر وہ گناہ گار ہیں تو ان کی مجھے بھی کچھ پرواہ نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ کے مشہور امام ہیں۔ دن بھر مسائل میں مشغول رہنے کے باوجود رات دن میں تین سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ علیہ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ حضرت محمد بن منکدر حفاظ حدیث میں ہیں۔ ایک رات تہجد میں اتنی کثرت سے روئے کہ حد نہ رہی، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: تلاوت میں یہ آیت آگئی تھی ”وَبَدِّئْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ“ (الزمر: ۴۷) اوپر کی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور اتنی ہی ان کے ساتھ اور بھی ہوں تو وہ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لئے فدیہ کے طور پر دیئے لگیں۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ”وَبَدِّئْهُمْ“ (الآیہ اور اللہ کی طرف سے ان کے لئے) (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور اس وقت ان کو اپنی تمام بد اعمالیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ وفات کے وقت بھی بہت گھبرا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ حفاظ حدیث میں ہیں، اس قدر کثرت سے اللہ کے سامنے روتے تھے کہ حد نہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آنکھیں جاتی رہیں گی۔ فرمایا کہ ان آنکھوں سے

اگر روئیں نہیں تو فائدہ ہی کیا ہے۔ اس کی دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو سکتی ہو تو مجھے بھی ہو جائے۔ ابو سنان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ثابت کو دفن کیا، دفن کرتے ہوئے لحد کی ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا: دیکھو، یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے مجھے کہا: چپ ہو جاؤ۔ جب دفن کر چکے تو ان کے گھر جا کر ان کی بیٹی سے دریافت کیا کہ ثابت کا عمل کیا تھا؟ اس نے کہا کہ کیوں پوچھتے ہو؟ ہم نے قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ پچاس برس شب بیداری کی اور صبح کو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو کسی کو یہ دولت عطا کرے کہ وہ قبر میں نماز پڑھے تو مجھے بھی عطا فرما۔

حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ باوجود علمی مشاغل کے جو سب کو معلوم ہیں اور ان کے علاوہ قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے قضا کے مشاغل علیحدہ تھے، لیکن پھر بھی دوسو رکعات نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔ حضرت محمد بن نصر رضی اللہ عنہ مشہور محدث ہیں۔ اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے جس کی نظیر مشکل ہے۔ ایک مرتبہ پیشانی پر ایک بھڑنے نماز میں کاٹا جس کی وجہ سے خون بھی نکل آیا! مگر نہ حرکت ہوئی، نہ خشوع خضوع میں کوئی فرق آیا۔ کہتے ہیں کہ نماز میں لکڑی کی طرح سے بے حرکت کھڑے رہتے تھے۔ حضرت یحییٰ بن خالد روزانہ تہجد اور وتر کی نماز تیرہ رکعت میں ایک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ہناد رضی اللہ عنہ ایک محدث ہیں۔ ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی زیادہ روتے تھے۔ ایک مرتبہ صبح کو ہمیں سبق پڑھاتے رہے، اس کے بعد وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال تک نفلیں پڑھتے رہے، دوپہر کو گھر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں آ کر ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر تک نفلوں میں مشغول رہے، پھر عصر کی نماز پڑھائی اور قرآن پاک کی تلاوت مغرب تک فرماتے رہے، مغرب کے بعد میں واپس چلا آیا۔ میں نے ان کے ایک پڑوسی سے تعجب سے کہا کہ یہ شخص کس قدر عبادت کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ نیک برس سے ان کا یہی عمل ہے اور اگر تم ان کی رات کی عبادت دیکھو گے تو اور بھی تعجب کرو گے۔

مسروق رحمہ اللہ علیہ ایک محدث ہیں، ان کی بیوی کہتی ہیں کہ وہ نمازیں اتنی لمبی لمبی پڑھا کرتے تھے کہ ان کی پنڈلیوں پر ہمیشہ اس کی وجہ سے ورم رہتا تھا اور میں ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی ان کے حال پر ترس کھا کر رویا کرتی تھی۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ پچاس برس تک عشاء اور صبح ایک ہی وضو سے پڑھی۔ اور ابوالمنعم رحمہ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک ایسا ہی کیا۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے ابوطالب مکی رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ چالیس تابعیوں سے تواتر کے طریق سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے، ان میں سے بعض کا چالیس برس تک یہی عمل رہا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے متعلق تو بہت کثرت سے یہ چیز نقل کی گئی کہ میں، چالیس یا پچاس برس عشاء اور صبح ایک وضو سے پڑھی اور یہ اختلاف نقل کرنے والوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جس شخص کو جتنے سال کا علم ہوا اتنا ہی نقل کیا۔ لکھا ہے کہ آپ کا معمول صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سونے کا تھا اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کو سونے کا حدیث میں حکم ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ رمضان میں ساٹھ قرآن شریف نماز میں پڑھتے تھے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں کئی روز تک امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے یہاں رہا، صرف رات کو تھوڑی دیر سوتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ تین سو رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے اور جب بادشاہ وقت نے آپ کے کوڑے لگوائے اور اس کی وجہ سے ضعف بہت ہو گیا تو ڈیڑھ سو رہ گئی تھیں اور تقریباً اسی برس کی عمر تھی۔ ابو عتاب شلمی رحمہ اللہ علیہ چالیس برس تک رات بھر روتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں واقعات توفیق والوں کے کتب توارخ میں مذکور ہیں جن کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ نمونہ اور مثال کے لئے یہی واقعات کافی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ مجھے بھی اور ناظرین کو بھی ان حضرات کے اتباع کا کچھ حصہ اپنے لطف و فضل سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

(۱) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ الرَّجُلَ
نَبِيَّ أَكْرَمَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَا ارشاد ہے کہ آدمی نماز
سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے ثواب

لِيَنْصَرِفَ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عَشْرُ صَلَوَاتٍ، تَسْعُهَا، ثَمَنُهَا، سُبْعُهَا، سُلْسُهَا، خُمُسُهَا، رُبْعُهَا، ثُلُثُهَا، نِصْفُهَا. (رواہ ابو داود و قال المنذرى فى الترغيب: رواه)

کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، اسی طرح بعض کیلئے نواں حصہ، بعض کیلئے آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔

ابو داود والنسائی وابن حبان فى صحيحه بنحوه - وعزاه فى الجامع الصغير، إلى أحمد وأبي داود وابن حبان ورقم له بالصحيح، وفى المنتخب عزاه إلى أحمد أيضاً، وفى الثرى المثلوث: أخرج أحمد عن أبي اليسر مرفوعاً: "منكم من يصلى الصلوة كاملة ومنكم من يصلى النصف والثلث والرابع حتى يبلغ العشر" قال المنذرى فى الترغيب: رواه النسائي بإسناد حسن، واسم أبي اليسر كعب بن عمرو السهمي، شهيد بزاز.

ف: یعنی جس درجہ کا خشوع اور اخلاص نماز میں ہوتا ہے اتنی ہی مقدار اجر و ثواب کی ملتی ہے حتیٰ کہ بعض کو پورے اجر کا دسواں حصہ ملتا ہے، اگر اس کے موافق خشوع و خضوع ہو اور بعض کو آدھا مل جاتا ہے اور اسی طرح دسویں سے کم اور آدھے سے زیادہ بھی مل جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض کو پورا پورا اجر مل جاتا ہے اور بعض کو بالکل بھی نہیں ملتا کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض نماز کے لئے اللہ کے یہاں ایک خاص وزن ہے، جتنی اس میں کمی رہ جاتی ہے اس کا حساب کیا جاتا ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا کہ پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع سے پڑھنے والا نہ ملے گا۔

(۲) رَوَى عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى الصَّلَوَاتِ لَوْفَتِهَا، وَأَسْبَغَ لَهَا وَضُوءَهَا، وَأَتَمَّ لَهَا قِيَامَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا، خَرَجَتْ وَهِيَ بِيَضَاءٍ مُسْفِرَةٍ: تَقُولُ: حَفِظَكَ اللَّهُ كَمَا حَفِظْتَنِي. وَمَنْ صَلَّاهَا لَغَيْرِ وَقْتِهَا،

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع و خضوع سے بھی پڑھے، کھڑا بھی پورے وقار سے ہو۔ پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے، اطمینان سے کرے؛ غرض ہر چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن

چمکدار بن کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی۔ اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے، وقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بد دعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔

وَلَمْ يُسَبِّغْ لَهَا وَضُوءَ هَاءَ، وَلَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوعَهَا، وَلَا رُكُوعَهَا، وَلَا سُجُودَهَا، خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ تَقُولُ: ضَيَّعَكَ اللَّهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي، حَتَّى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ لُفَّتْ كَمَا يُلَفُّ الثُّوبُ الْخَلِيقُ، ثُمَّ ضُرِبَ بِهَا وَجْهُهُ.

(رواہ الطبرانی فی الأوسط، کذا فی الترغیب والدر المنثور، وعزاه فی المنتخب إلى البيهقي فی الشعب، وفيه أيضًا برواية عبادة بن ربيعة، وزاد فی الأولى بعد قوله "كما حفظتني": ثم اصعد بها إلى السماء ولها ضوء ونور، ففتحت له أبواب السماء، حتى ينتهي بها إلى الله فتشفع لصاحبها،

وقال فی الثانية "وعلفت دونها أبواب السماء" وعزاه فی الدر إلى البزار والطبرانی، وفي الجامع الصغير

حديث عبادة إلى الطيالسي، وقال: صحيح.)

ف: خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز کو اچھی طرح پڑھیں کہ اللہ کی اہم ترین عبادت ان کے لئے دعا کرتی ہے، لیکن عام طور سے جیسی نماز پڑھی جاتی ہے کہ رکوع کیا تو وہیں سے سجدے میں چلے گئے، سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کوڑے کی سی ٹھونگ دوسری دفعہ مار دی۔ ایسی نماز کا جو حشر ہے وہ اس حدیث شریف میں ذکر فرمایا دیا اور پھر جب وہ بربادی کی بد دعا کرے تو اپنی بربادی کا گلہ کیوں کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمان گرتے جا رہے ہیں اور ہر طرف تباہی ہی تباہی کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے، اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جو نماز خشوع و خضوع سے پڑھی جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں، وہ نہایت نورانی ہوتی ہے اور نمازی کیلئے حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں سفارشی

مبتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں رکوع اچھی طرح نہ کیا جائے کہ کمر پوری جھک جائے اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو حاملہ ہو اور جب بچہ ہونے کا وقت قریب آجائے تو اسقاط کر دے۔^۱ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو روزے سے بجز بھوکا اور پیاسا رہنے کے کوئی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کو جاگنے کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا کہ جو قیامت کے دن پانچوں نمازیں ایسی لے کر حاضر ہو کہ ان کے اوقات کی بھی حفاظت کرتا رہا ہو اور وضو کا بھی اہتمام کرتا رہا ہو اور ان نمازوں کو خشوع و خضوع سے پڑھتا رہا ہو تو حق تعالیٰ شانہ نے عہد فرمالیا ہے کہ اس کو عذاب نہیں کیا جائے گا اور جو ایسی نمازیں نہ لے کر حاضر ہو اس کے لئے کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے اپنی رحمت سے معاف فرما دیں چاہے عذاب دیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم بھی ہے، اللہ جلّ ثناؤ نے کیا فرما دیا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اہتمام کی وجہ سے تین مرتبہ یہی دریافت فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی جواب دیتے رہے، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی عزت اور اپنی بڑائی کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ جو شخص ان نمازوں کو اوقات کی پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے گا میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو پابندی نہ کرے گا تو میرا دل چاہے گا، رحمت سے بخش دوں گا، ورنہ عذاب دوں گا۔

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَانْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ خَابَ وَخَسِرَ، وَإِنْ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَةٍ قَالَ الرَّبُّ: انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ،

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب کیا جائے گا۔ اگر نماز اچھی نکل آئی تو وہ شخص کامیاب ہوگا اور بامراد۔ اور اگر نماز بیکار ثابت ہوئی تو وہ نامراد، خسارہ میں ہوگا اور کچھ نماز میں کمی پائی گئی تو ارشاد خداوندی ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے

فَيَكْمَلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ ،
 ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذَلِكَ .
 (رواه الترمذی و حسنہ النسائی وابن ماجہ
 والحاکم و صححه، کذا فی الدر، وفي المنتخب
 بروایة الحاکم فی الکنی عن ابن عمر " أول
 ما افترض الله على أمتي الصلوات الخمس، وأول ما يرفع من أعمالهم الصلوات الخمس، الحديث بطوله
 بمعنى حديث الباب، وفيه ذكر الصيام والزكاة نحو الصلوة، وفي الدر أخرج أبو يعلى عن أنس رفعه " أول
 ما افترض الله على الناس من دينهم الصلوة وآخر ما يقضى الصلوة، وأول ما يحاسب به الصلوة، يقول الله: انظروا
 في صلوة عبدي، فإن كانت تامة كتبت تامة، وإن كانت ناقصة قال: انظروا هل له من تطوع، الحديث.
 فيه ذكر الزكاة والصدقة، وفيه أيضا أخرج ابن ماجه والحاكم عن تميم الداري مرفوعاً " أول ما يحاسب به
 العبد يوم القيامة صلواته، الحديث. وفي آخره: ثم الزكاة مثل ذلك، ثم تؤخذ الأعمال حسب ذلك، وعزاه
 السيوطي في الجامع إلى أحمد وأبي داود والحاكم وابن ماجه، ورقم له بالصحيح).

ف: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی کو نفلوں کا ذخیرہ بھی اپنے پاس
 کافی رکھنا چاہئے کہ اگر فرضوں میں کچھ کوتاہی نکلے تو میزان پوری ہو جائے۔ بہت سے لوگ
 کہہ دیا کرتے ہیں: اجی! ہم سے فرض ہی پورے ہو جائیں تو بہت غنیمت ہے، نفلیں پڑھنا تو
 بڑے آدمیوں کا کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فرض ہی اگر پورے پورے ہو جائیں تو
 بہت کافی ہیں، لیکن ان کا بالکل پورا پورا ادا ہو جانا کونسا سہل کام ہے کہ ہر چیز بالکل پوری
 ادا ہو جائے اور جب تھوڑی بہت کوتاہی ہوتی ہے تو اس کو پورا کرنے کے لئے نفلوں کے بغیر
 چارہ کار نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون زیادہ وضاحت سے آیا ہے، ارشاد ہے کہ
 اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا ہے اور سب سے پہلے اعمال
 میں سے نماز ہی پیش کی جاتی ہے اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا۔ اگر
 فرض نمازوں میں کچھ کمی رہ گئی تو نفلوں سے اس کو پورا کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اسی
 طرح روزوں کا حساب کیا جائے گا اور فرض روزوں میں جو کمی ہوگی وہ نفل روزوں سے
 پوری کر دی جائے گی اور پھر زکوٰۃ کا حساب اسی طریقہ سے ہوگا۔ ان سب چیزوں میں نوافل کو
 ملا کر بھی اگر نیکوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو وہ شخص خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جائے گا، ورنہ جہنم

میں پھینک دیا جائے گا۔ خود نبی اکرم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ جو شخص مسلمان ہوتا سب سے اول اس کو نماز سکھائی جاتی۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُرْطٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ، فَإِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ عَمَلِهِ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر وہ اچھی اور پوری نکل آئی تو باقی اعمال بھی پورے اتریں گے اور اگر وہ خراب ہوگئی تو باقی اعمال بھی خراب نکلیں گے۔

(رواہ الطبرانی فی الأوسط ولا بأس بإسناده إن شاء الله، كذا فی الترغیب، و فی المستحب بروایة الطبرانی فی الأوسط أيضاً عن أنس بن ملقط، و فی الترغیب عن أبي هريرة رفعه "الصدقة ثلثة ثلاث: الطهور ثلث، والركوع ثلث، والسجود ثلث، فمن أداها بحقها فبنت منه وقبل منه سائر عمله. ومن ردت عليه صلواته، رد عليه سائر عمله. رواه البزار وقال: لا نعلمه مرفوعاً إلا من حديث المغيرة بن مسلم، قال الحافظ: وإسناده حسن. وأخرج مالك في الموطأ أن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله: إن أهم أموركم عندی الصلوة، من حفظها أو حافظ عليها حفظ دينه. ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع، كذا فی الدرر).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک اعلان سب جگہ کے حکام کے پاس بھیجا تھا کہ سب سے زیادہ مہتمم بالشان چیز میرے نزدیک نماز ہے، جو شخص اس کی حفاظت اور اس کا اہتمام کرے گا وہ دین کے اور اجزاء کا بھی اہتمام کر سکتا ہے اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ دین کے اور اجزاء کو زیادہ برباد کر دے گا۔

ف: نبی اکرم ﷺ کے اس پاک ارشاد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کا مشابہ ظاہر یہ ہے کہ جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ شیطان مسلمان سے اس وقت تک ڈرتا رہتا ہے جب تک وہ نماز کا پابند اور اس کو اچھی طرح ادا کرتا رہتا ہے، کیونکہ خوف کی وجہ سے اس کو زیادہ جرأت نہیں ہوتی لیکن جب وہ نماز کو ضائع کر دیتا ہے تو اس کی جرأت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس آدمی کے گمراہ کرنے کی اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر بہت سے مہلکات اور بڑے بڑے گناہوں میں اس کو مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا اور یہی مطلب ہے حق سبحانہ و تقدس کے ارشاد "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" (العنکبوت: ۴۵)

کا جس کا بیان قریب ہی آ رہا ہے۔

(۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةُ الَّذِي يَسْرِقُ صَلَاتَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ يَسْرِقُ صَلَاتَهُ؟ قَالَ: لَا يَتِمُّ رُكُوعُهَا وَلَا سُجُودُهَا.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے بھی چوری کر لے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نماز میں سے کس طرح چوری کرے گا؟ ارشاد فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح سے نہ کرے۔

(رواہ الدارمی، وفی الترغیب رواہ أحمد والطبرانی وابن خزيمة فی صحیحہ: وقال: صحیح الإسناد، وفی المقاصد الحسنة حدیث "إن أسوأ الناس سرقة" رواہ أحمد والدارمی فی مسندیہما من حدیث الولید بن مسلم عن الأوزاعی عن یحییٰ بن أبی کثیر عن عبد اللہ بن أبی قتادہ عن أبیہ مرفوعاً، وفی لفظ بحذف "إن" وصحیحہ ابن خزيمة، والحاکم وقال: انه علی شرطہما ولم یخرجاہ لروایۃ کاتب الأوزاعی له عنه عن یحییٰ عن أبی سلمة عن أبی ہریرۃ، ورواہ أحمد أيضاً، والطیالسی فی مسندیہما من حدیث علی بن زید عن سعید بن المسیب عن أبی سعید الخدری بہ مرفوعاً، وروایۃ أبی ہریرۃ عند ابن منیع، وفی الباب عن عبد اللہ بن مغفل وعن النعمان بن مرة عند مالک مرسلان فی آخرین. وقال المنذری فی الترغیب لحدیث ابن مغفل: رواہ الطبرانی فی معاجمہ الثلاثة بإسناد جید، وقال لحدیث أبی ہریرۃ: رواہ الطبرانی فی الأوسط وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال: صحیح الإسناد، قلت: وحدیث أبی قتادہ وأبی سعید ذکرہما السیوطی فی الجامع الصغیر ورقم بالصحیح).

ف: یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ اول تو چوری خود ہی کس قدر ذلت کی چیز ہے اور چور کو کیسی حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر چوری میں بھی اس حرکت کو بدترین چوری ارشاد فرمایا ہے کہ رکوع سجدہ کو اچھی طرح نہ کرے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت علم دنیا سے اٹھ جانے کا وقت (منکشف ہوا) ہے۔ حضرت زیاد صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! علم ہم سے کس طرح اٹھ جائے گا؟ ہم لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں (اور وہ اسی طرح اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور سلسلہ چلتا رہے گا)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تو تجھے بڑا سمجھ دار خیال کرتا تھا۔ یہ یہود و نصاریٰ بھی تو توراۃ

انجیل پڑھتے پڑھاتے ہیں، پھر کیا کارآمد ہوا؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ قصہ سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو درداء بیچ کہتے ہیں، اور میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دینا سے اٹھے گی۔ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھ جائے گا، تو دیکھے گا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے رازدار کہلاتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس نماز کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے جس میں رکوع سجدہ اچھی طرح نہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ آدمی ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے، مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا، سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔ حضرت مجدّد الف ثانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے مکاتیب (خطوط) میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے اور بہت سے گرامی ناموں میں مختلف مضامین پر بحث فرمائی ہے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانے کا، اور رکوع میں انگلیوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے، شریعت نے انگلیوں کو ملانے کا، کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں فرمایا ہے، یعنی ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے، اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جا کر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اس سے نماز میں دلجمعی نصیب ہوتی ہے، جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رعایت تم سمجھ لو کہ کس قدر فائدہ بخشے گی۔

(۶) عَنْ أُمِّ رُومَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَالِدَةِ أُمِّ رُومَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا
قَالَتْ: رَأَى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ أَتَمَّيْلُ
فِي صَلَاتِي، فَزَجَرَنِي زَجْرَةً كَذْتُ
أَنْصَرِفَ مِنْ صَلَاتِي، قَالَ: سَمِعْتُ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی
تھی کہ نماز میں ادھر ادھر جھکنے لگی۔ حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو مجھے اس

رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُسْكِنْ أَطْرَافَهُ لَا يَتَمَيَّلُ تَمَيُّلَ الْيَهُودِ، فَإِنْ سَكُنَ الْأَطْرَافُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ. (اخرجه الحَكِيم الترمذی من طریق القاسم بن محمد عن اسماء بنت ابی بکر عن ام رومان، كذا فی الدر، وغزاه السيوطی فی الجامع الصغير السی ابن نعیم فی الحلیة، وابن عدی فی الكامل، ورقم له بالضعف، وذكر أيضاً بروایة ابن عساکر عن ابی بکر ~~رضی اللہ عنہ~~، من تمام الصلوة سکون الاطراف)

زور سے ڈانٹا کہ میں (ڈر کی وجہ سے) نماز توڑنے کے قریب ہو گئی، پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے تمام بدن کو بالکل سکون سے رکھے، یہود کی طرح ہلے نہیں۔ بدن کے تمام اعضاء کا نماز میں بالکل سکون سے رہنا نماز کے پورا ہونے کا جزو ہے۔

ف: نماز کے درمیان میں سکون سے رہنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ اکثر آسمان کی طرف دیکھنے کی تھی کہ وحی کے فرشتے کا انتظار رہتا تھا اور جب کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو اس طرف نگاہ بھی لگ جاتی ہے، اسی وجہ سے کبھی نماز میں بھی نگاہ اوپر اٹھ جاتی تھی۔ جب ”قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ“ (المؤمنون: ۲۰۱) نازل ہوئی تو پھر نگاہ نیچے رہتی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی حدیث میں آیا ہے کہ اول اول ادھر ادھر توجہ فرمالیا کرتے تھے مگر اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد سے کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی آیت شریفہ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، ہم تن نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے، اپنی نگاہوں کو سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ خشوع کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے (یعنی دل سے نماز میں متوجہ رہنا) اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خشوع کرنے والے وہ ہیں جو اللہ سے

ڈرنے والے ہیں اور نماز میں سکون سے رہنے والے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ نفاق کے خشوع سے اللہ ہی سے پناہ مانگو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! نفاق کا خشوع کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ظاہر میں تو سکون ہو اور دل میں نفاق ہو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ نفاق کا خشوع یہ ہے کہ ظاہر بدن تو خشوع والا معلوم ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دل کا خشوع اللہ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچی رکھنا۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں دائرہ پر ہاتھ پھیر رہا ہے: ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو بدن کے سارے اعضاء میں سکون ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کا نماز میں سے اچک لینا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ نماز میں اوپر دیکھتے ہیں وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں، ورنہ نگاہیں اوپر کی اوپر ہی رہ جائیں گی۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ خشوع سکون کا نام ہے یعنی نماز نہایت سکون سے پڑھی جائے۔ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز ایسی طرح پڑھا کرو گویا یہ آخری نماز ہے۔ ایسی طرح پڑھا کرو جیسا کہ وہ شخص پڑھتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ اس وقت کے بعد مجھے دوسری نماز کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

(۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" فَقَالَ مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ. (اخرجه ابن ابی حاتم وابن مردويه،

حضور اقدس ﷺ سے کسی نے حق تعالیٰ شانہ کے ارشاد "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى" (بے شک نماز رکتی ہے بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے) کے متعلق دریافت کیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نماز ایسی نہ ہو اور اس کو بے حیائی اور ناشائستہ

(کذا فی الدر المنثور)

حركاتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں۔

ف: بے شک نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے اور اس کو اپنی اصلی حالت پر پڑھنے کا ثمرہ یہی ہے کہ وہ ایسی نامناسب باتوں سے روک دے۔ اگر یہ بات پیدا نہیں ہوئی تو نماز کے کمال میں کمی ہے، بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز میں گناہوں سے روک ہے اور گناہوں سے ہٹانا ہے۔ حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے ارشاد ”إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى“ کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تین چیزیں ہوتی ہیں: اخلاص، اللہ کا خوف، اللہ کا ذکر، جس نماز میں یہ چیزیں نہیں وہ نماز ہی نہیں۔ اخلاص نیک کاموں کا حکم کرتا ہے اور اللہ کا خوف بری باتوں سے روکتا ہے اور اللہ کا ذکر قرآن پاک ہے جو مستقل طور پر اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو نماز بری باتوں اور نامناسب حرکتوں سے نہ روکے وہ نماز بجائے اللہ کے قرب کے اللہ سے دوری پیدا کرتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اس کو بری باتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں، اس نماز کی وجہ سے اللہ سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی مضمون نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو نماز کی اطاعت نہ کرے اس کی نماز ہی کیا، اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور بری باتوں سے رکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے اور صبح ہوتے ہی چوری کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو اس فعل سے عنقریب ہی روک دے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بری باتوں میں مشغول ہو تو اس کو اہتمام سے نماز میں مشغول ہونا چاہئے، بری باتیں اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گی۔ ہر بری بات کے چھوڑنے کا اہتمام دشوار بھی ہے اور دیر طلب بھی اور اہتمام سے نماز میں مشغول ہو جانا آسان بھی ہے اور دیر طلب بھی نہیں۔ اس کی برکت سے بری باتیں اس سے اپنے آپ ہی چھوٹی چلی جاویں گی۔

حق تعالیٰ شانہ مجھے بھی اچھی طرح نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(۸) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طَوْلُ الْقُنُوتِ. اخرجه ابن ابی شیبہ ومسلم والترمذی وابن ماجہ، كذا في الدر المنثور، وفيه أيضا عَنْ مُجَاهِدٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ" قَالَ: مِنَ الْقُنُوتِ الرُّكُوعُ وَالْخُشُوعُ، وَطَوْلُ الرُّكُوعِ يَعْنِي طَوْلَ الْقِيَامِ، وَغَضُّ الْبَصَرِ، وَحَقْضُ الْجَنَاحِ وَالرَّهْبَةُ لِلَّهِ، وَكَانَ الْفُقَهَاءُ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ إِذَا قَامَ أَحَدُهُمْ فِي الصَّلَاةِ، يَهَابُ الرَّحْمَنَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَنْ يَلْتَفِتَ، أَوْ يَقْلِبَ الْحَصَى، أَوْ يَشُدَّ بَصَرَهُ، أَوْ يَغْبُثَ بِشَيْءٍ، أَوْ يُحَدِّثَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا، إِلَّا نَاسِيًا حَتَّى يَنْصَرِفَ. (اخرجه سعيد بن منصور وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن حاتم والاصمغاني في الترغيب، والبيهقي في شعب الایمان، هذا اخر ما اردت ايراد في هذه العجالة، رعاية لعدد الاربعين، والله

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں لمبی لمبی رکعتیں ہوں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے ارشاد قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (اور نماز میں) کھڑے رہو اللہ کے سامنے مؤدب، اس آیت میں رکوع بھی داخل ہے اور خشوع بھی اور لمبی رکعت ہونا بھی اور آنکھوں کو پست کرنا، بازوؤں کو جھکانا (یعنی اکڑ کر کھڑا نہ ہونا) اور اللہ سے ڈرنا بھی شامل ہے کہ لفظ قنوت میں جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا یہ سب چیزیں داخل ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی شخص نماز کو کھڑا ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا اس بات سے کہ ادھر ادھر دیکھے یا (سجدہ میں جاتے ہوئے) کنکریوں کو الٹ پلٹ کرے (عرب میں صفوں کی جگہ کنکریاں بچھائی جاتی ہیں) یا کسی اور لغو چیز میں مشغول ہو یا دل میں کسی دنیاوی چیز کا خیال لائے، ہاں بھول کے خیال آگیا ہو تو دوسری بات ہے۔

ولمى التوفيق وقد وقع الفراغ منه ليلة التروية من سنة سبع وخمسين بعد الف وثلاثمائة وانحمد لله

اولاً و آخراً

ف: ”قَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ“ کی تفسیر میں مختلف ارشادات وارد ہوئے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ قانتین کے معنی چپ چاپ کے ہیں۔ ابتدائے زمانہ میں نماز میں بات کرنا، سلام کا جواب دینا وغیرہ وغیرہ امور جائز تھے، مگر جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو نماز میں بات کرنا ناجائز ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے اس بات کا عادی بنا رکھا تھا کہ جب میں حاضر ہوں تو گو حضور ﷺ نماز میں مشغول ہوں میں سلام کرتا، حضور ﷺ جواب دیتے۔ ایک مرتبہ میں حاضر ہوا، حضور ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ میں نے حسبِ عادت سلام کیا، حضور ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ مجھے سخت فکر ہوا کہ شاید میرے بارے میں اللہ جل ثنا کے یہاں سے کوئی عتاب نازل ہوا ہو، مئے اور پرانے خیالات نے مجھے گھیر لیا۔ پرانی پرانی باتیں سوچتا تھا کہ شاید فلاں بات پر حضور ﷺ ناراض ہو گئے ہوں، شاید فلاں بات ہو گئی ہو۔ جب حضور ﷺ نے سلام پھیر لیا تو ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے احکام میں جو چاہتے ہیں تبدیلی فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے نماز میں بولنے کی ممانعت فرمادی، اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ نماز میں اللہ کے ذکر، اس کی تسبیح، اس کی حمد و ثنا کے سوا بات کرنا جائز نہیں۔

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا تو مجھے بہت سی چیزیں سکھائی گئیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ جب کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللَّهُ کہنا چاہئے۔ چونکہ نئی تعلیم تھی اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں نہ کہنا چاہئے۔ ایک صاحب کو نماز میں چھینک آئی، میں نے جواب میں یَرْحَمُكَ اللَّهُ کہا۔ آس پاس کے لوگوں نے مجھے تنبیہ کے طور پر گھورا، مجھے اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں بولنا جائز نہیں، اس لئے میں نے کہا کہ ہائے افسوس! تمہیں کیا ہوا کہ مجھے کڑوی کڑوی نگاہوں سے گھورتے ہو۔ مجھے اشارہ سے ان لوگوں نے چپ کرادیا، میری سمجھ میں تو آیا نہیں، مگر میں چپ ہو گیا۔ جب نماز ختم ہو چکی تو حضور اقدس ﷺ نے (میرے ماں باپ آپ پر قربان) نہ مجھے مارا، نہ ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ نماز میں بات کرنا جائز نہیں۔ نماز تسبیح و تکبیر اور قراءۃ قرآن ہی کا موقع

ہے۔ خدا کی قسم! حضور ﷺ جیسا شفیق استاذ نہ میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

دوسری تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ”قائنین“ کے معنی خاشعین کے ہیں یعنی خشوع سے نماز پڑھنے والے۔ اسی کے موافق مجاہد یہ نقل کرتے ہیں جو اوپر ذکر کیا گیا کہ یہ سب چیزیں خشوع میں داخل ہیں، یعنی لمبی لمبی رکعات کا ہونا اور خشوع و خضوع سے پڑھنا، نگاہ کو نیچی رکھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضور اقدس ﷺ رات کو جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے آپ کو رسی سے باندھ لیا کرتے کہ نیند کے غلبہ سے گر نہ جائیں۔ اس پر ”طہ“ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (طہ: ۲۱) نازل ہوئی اور یہ مضمون تو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ اتنی طویل رکعت کیا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر درم آجاتا تھا۔ اگرچہ ہم لوگوں پر شفقت کی وجہ سے حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس قدر تحمل اور نباہ ہو سکے اتنی محنت کرنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ تحمل سے زیادہ بار اٹھانے کی وجہ سے بالکل ہی جاتا رہے، چنانچہ ایک صحابی عورت رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح رسی میں اپنے کو باندھنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے منع فرمادیا۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ تحمل کے بعد جتنی لمبی نماز ہوگی اتنی ہی بہتر اور افضل ہوگی۔ آخر حضور ﷺ کا اتنی لمبی نماز پڑھنا کہ پاؤں مبارک پر درم آجاتا تھا کوئی بات تو رکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض بھی کرتے کہ سورہ فتح میں آپ کی مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمالیا ہے تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ پھر میں شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی آواز (سانس رکنے کی وجہ سے) ایسی مسلسل آتی تھی جیسا چکی کی آواز ہوتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایسی آواز ہوتی تھی جیسا کہ ہنڈیا کے پکنے کی آواز ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے کہ اسی حالت میں صبح فرمادی۔ متعدد احادیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ چند آدمیوں سے بے حد خوش

ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے وہ شخص ہے جو سردی کی رات میں نرم بستر پر لحاف میں لیٹا ہوا لیٹا ہوا اور خوبصورت دل میں جگہ کرنے والی بیوی پاس لیٹی ہو اور پھر تہجد کے لئے اٹھے اور نماز میں مشغول ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہ اس شخص سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں، تعجب فرماتے ہیں باوجود عالم الغیب ہونے کے فرشتوں سے فخر کے طور پر دریافت فرماتے ہیں کہ اس بندہ کو کس بات نے مجبور کیا کہ اس طرح کھڑا ہو گیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ آپ کے لطف و عطایا کی امید نے اور آپ کے عتاب کے خوف نے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا جس چیز کی اس نے مجھ سے امید رکھی وہ میں نے عطا کی اور جس چیز کا اس کو خوف ہے اس سے امن بخشا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی بندہ کو کوئی عطا اللہ کی طرف سے اس سے بہتر نہیں دی گئی کہ اس کو دو رکعت نماز کی توفیق عطا ہو جائے۔

قرآن و حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے کہ فرشتے ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ ایک جماعت ان کی ایسی ہے جو قیامت تک رکوع ہی میں رہے گی اور ایک جماعت اسی طرح ہر وقت سجدہ میں مشغول رہتی ہے اور ایک جماعت اسی طرح کھڑی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے مؤمن کے لئے یہ اکرام و اعزاز فرمایا کہ ان سب چیزوں کا مجموعہ اس کو دو رکعت نماز میں عطا فرما دیا تاکہ فرشتوں کی ہر عبادت سے اس کو حصہ مل جائے اور نماز میں قرآن شریف کی تلاوت ان کی عبادتوں پر اضافہ ہے اور جب یہ فرشتوں کی عبادتوں کا مجموعہ ہے تو انہیں کی سی صفات سے اس میں لطف میسر ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے لئے اپنی کمر اور پیٹ کو ہلکا کر دے کمر کو ہلکا رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ بہت سے جھگڑے اپنے پیچھے نہ لگاؤ اور پیٹ کو ہلکا رکھنا ظاہر ہے کہ زیادہ سیر ہو کر نہ کھاؤ اس سے کابلی، سُستی پیدا ہوتی ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں بارہ ہزار چیزیں ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہ نے بارہ چیزوں میں منضم فرمایا ہے، ان بارہ کی رعایت ضروری ہے تاکہ نماز مکمل ہو جائے اور اس کا پورا فائدہ حاصل ہو۔ یہ بارہ حسب ذیل ہیں:

اول علم، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی جہل کی حالت کے

بہت سے عمل سے افضل ہے۔ دوسرے وضو، تیسرے لباس، چوتھے وقت، پانچویں قبلہ کی طرف رخ کرنا، چھٹے نیت، ساتویں تکبیر تحریمہ، آٹھویں نماز میں کھڑا ہونا، نویں قرآن شریف پڑھنا، دسویں رکوع، گیارہواں سجدہ، بارہویں التحیات میں بیٹھنا، اور ان سب کی تکمیل اخلاص کے ساتھ ہے۔

پھر ان بارہ کے تین تین جزو ہیں: اول، علم کے تین جزو یہ ہیں کہ فرضوں اور سنتوں کو علیحدہ علیحدہ معلوم کرے، دوسرے یہ معلوم کرے کہ وضو اور نماز میں کتنی چیزیں فرض ہیں، کتنی سنت ہیں، تیسرے یہ معلوم کرے کہ شیطان کس کس مکر سے نماز میں رخنہ ڈالتا ہے۔ اس کے بعد وضو کے بھی تین جزو ہیں: اول یہ کہ دل کو کینہ اور حسد سے پاک کرے جیسا کہ ظاہری اعضاء کو پاک کر رہا ہے، دوسرے ظاہری اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھے، تیسرے وضو کرنے میں نہ اسراف کرے نہ کوتاہی کرے۔

پھر لباس کے بھی تین جزو ہیں: اول یہ کہ حلال کمائی سے ہو، دوسرے یہ کہ پاک ہو، تیسرے سنت کے موافق ہو کہ ٹخنے وغیرہ ڈھکے ہوئے نہ ہوں، تکبر اور بڑائی کے طور پر نہ پہنا ہو۔ پھر وقت میں بھی تین چیزوں کی رعایت ضروری ہے: اول یہ کہ دھوپ ستاروں وغیرہ کی خبر گیری رکھے تاکہ اوقات صحیح معلوم ہو سکیں (اور ہمارے زمانہ میں اس کے قائم مقام گھڑی گھنٹے ہو گئے ہیں)، دوسرے اذان کی خبر رکھے، تیسرے دل سے ہر وقت نماز کے وقت کا خیال رکھے، کبھی ایسا نہ ہو کہ وقت گزر جائے پتہ نہ چلے۔

پھر قبلہ کی طرف منہ کرنے میں بھی تین چیزوں کی رعایت رکھے: اول یہ کہ ظاہری بدن سے ادھر متوجہ ہو، دوسرے یہ کہ دل سے اللہ کے طرف توجہ رکھے کہ دل کا کعبہ وہی ہے، تیسرے مالک کے سامنے جس طرح ہمہ تن متوجہ ہونا چاہئے اس طرح متوجہ ہو۔

پھر نیت بھی تین چیزوں کی محتاج ہے: اول یہ کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور وہ دیکھتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ دل کی حالت کو بھی دیکھتا ہے۔ پھر تکبیر تحریمہ کے وقت بھی تین چیزوں کی رعایت کرنا ہے: اول یہ کہ لفظ صحیح ہو، دوسرے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے (گویا اشارہ ہے کہ اللہ کے ماسوا سب چیزوں کو پیچھے

پھینک دیا)، تیسرے یہ کہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اللہ کی بڑائی اور عظمت دل میں بھی موجود ہو۔ پھر قیام یعنی کھڑے ہونے میں بھی تین چیزیں ہیں: اول یہ کہ نگاہ سجدہ کی جگہ رہے، دوسرے دل سے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال کرے، تیسرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بڑی مشکل سے دربانوں کی منت سماجت کر کے بادشاہ کے حضور میں پہنچے اور جب رسائی ہو اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے، ایسی صورت میں بادشاہ اس کی طرف کیا توجہ کرے گا۔

پھر قراءت میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے: اول صحیح ترتیل سے پڑھے، دوسرے اس کے معنی پر غور کرے، تیسرے جو پڑھے اس پر عمل کرے۔ پھر رکوع میں بھی تین چیزیں ہیں: اول یہ کہ کمر کو رکوع میں بالکل سیدھا رکھے، نہ نیچا کرے نہ اونچا (علماء نے لکھا ہے کہ سر اور کمر اور سرین تینوں چیزیں برابر رہیں)، دوسرے ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر چوڑی کر کے گھٹنوں پر رکھے۔ تیسرے تسبیحات کو عظمت اور وقار سے پڑھے۔

پھر سجدہ میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے: اول یہ کہ دونوں ہاتھ سجدہ میں کانوں کے برابر رہیں۔ دوسرے ہاتھوں کی کہنیاں کھڑی رہیں، تیسرے تسبیحات کو عظمت سے پڑھے۔ پھر بیٹھنے میں بھی تین چیزوں کی رعایت کرے: اول یہ کہ وایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھے، دوسرے یہ کہ عظمت کے ساتھ معنی کی رعایت کر کے تشہد پڑھے کہ اس میں حضور ﷺ پر سلام ہے، مؤمنین کے لئے دعا ہے، پھر فرشتوں پر اور دائیں بائیں جانب جو لوگ ہیں ان پر سلام کی نیت کرے۔

پھر اخلاص کے بھی تین جزو ہیں: اول یہ کہ اس نماز سے صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہو، دوسرے یہ سمجھے کہ اللہ ہی کی توفیق سے یہ نماز ادا ہوئی، تیسرے اس پر ثواب کی امید رکھے۔

حقیقت میں نماز میں بڑی خیر اور بڑی برکت ہے۔ اس کا ہر ذکر بہت سی خوبیوں کو اور اللہ کی بڑائیوں کو لئے ہوئے ہے۔ ایک سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ ہی کو دیکھ لیجئے جو سب سے

پہلی دعا ہے کہ کتنے فضائل پر حاوی ہے۔

سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ: یا اللہ! تیری پاکی کا بیان کرتا ہوں کہ تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر برائی سے دور ہے۔ وَبِحَمْدِكَ: جتنی تعریف کی باتیں ہیں اور جتنے بھی قابلِ مدح امور ہیں وہ سب تیرے لئے ثابت ہیں اور تجھے زیبا۔ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ: تیرا نام بابرکت ہے اور ایسا بابرکت ہے کہ جس چیز پر تیرا نام لیا جائے وہ بھی بابرکت ہو جاتی ہے۔

وَتَعَالَى جَدُّكَ: تیری شان بہت بلند ہے، تیری عظمت سب سے بالاتر ہے۔ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ: تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، نہ کوئی ذات پرستش کے لائق کبھی ہوئی، نہ ہے۔

اسی طرح رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ میرا عظمت اور بڑائی والا رب، ہر عیب سے بالکل پاک ہے۔ اس کی بڑائی کے سامنے اپنی عاجزی اور بچا رگی کا اظہار ہے کہ گردن کا بلند کرنا غرور اور تکبر کی علامت ہے اور اس کا جھکا دینا نیاز مندی اور فرماں برداری کا اقرار ہے، تو رکوع میں گویا اس کا اقرار ہے کہ تیرے احکام کے سامنے اپنے کو جھکاتا ہوں اور تیری اطاعت اور بندگی کو اپنے سر پر رکھتا ہوں، میرا یہ گنہگار جسم تیرے سامنے حاضر ہے اور تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہے، تو بیشک بڑائی والا ہے اور تیری بڑائی کے سامنے میں سرنگوں ہوں۔ اسی طرح سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى میں بھی اللہ کی بے حد رفعت اور بلندی کا اقرار ہے اور اس بلندی کے ساتھ ہر برائی اور عیب سے پاکی کا اقرار ہے، اپنے سر کو اس کے سامنے ڈال دینا ہے جو سارے اعضاء میں اشرف شمار کیا جاتا ہے اور اس میں محبوب ترین چیزیں آنکھ، کان، ناک، زبان ہیں۔ گویا اس کا اقرار ہے کہ میری یہ سب اشرف اور محبوب چیزیں تیرے حضور میں حاضر اور تیرے سامنے زمین پر پڑی ہوئی ہیں اس امید پر کہ تو مجھ پر فضل فرمائے اور رحم کرے، اور اس عاجزی کا پہلا ظہور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑے ہونے میں تھا، اس پر ترقی اس کے سامنے سر جھکا دینے میں تھی اور اس پر بھی ترقی اس کے سامنے زمین پر ناک رگڑنے اور سر رکھ دینے میں ہے۔ اسی طرح پوری نماز کی حالت ہے اور حق یہ ہے کہ یہی اصلی ہیئت نماز کی ہے اور یہی ہے وہ نماز جو دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا زینہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے مجھے اور سب مسلمانوں کو اس پر عمل

کی توفیق عطا فرمائے۔

اور جیسا کہ مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی نماز تھی۔ وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے اللہ سے ڈرتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب وضو فرماتے تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ کسی نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ایک بڑے جبار بادشاہ کے حضور میں کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر وضو کر کے جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے: ”إِلٰهِي عَبْدُكَ بِبَابِكَ، يَا مُحْسِنُ! قَدْ آتَاكَ الْمُسِيءُ، وَقَدْ أَمَرْتُ الْمُحْسِنَ مِنَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنِ الْمُسِيءِ فَإِنَّتِ الْمُحْسِنُ وَأَنَا الْمُسِيءُ فَتَجَاوَزَ عَنْ قَبِيحٍ مَا عِنْدِي بِجَمِيلٍ مَا عِنْدَكَ يَا كَرِيمُ“ (ترجمہ) ”یا اللہ! تیرا بندہ دروازہ پر حاضر ہے۔ اے احسان کرنے والے اور بھلائی کا برتاؤ کرنے والے! بد اعمال تیرے پاس حاضر ہے، تو نے ہم لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اچھے لوگ بروں سے درگزر کریں۔ تو! چھائی والا ہے اور میں بدکار ہوں۔ اے کریم! میری برائیوں سے ان خوبیوں کی بدولت جن کا تو مالک ہے درگزر فرما۔“ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوتے۔

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے، تہجد بھی سفر یا حضر میں ناغہ نہیں ہوا، جب وضو کرتے تو چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر لرزہ آ جاتا۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں؟ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، یہ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے عرض کیا تو فرمایا کہ دنیا کی آگ سے آخرت کی آگ نے غافل رکھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے تکبر کرنے والے پر تعجب ہے کہ کل تک ناپاک نطفہ تھا اور کل کو مردار ہو جائے گا پھر تکبر کرتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے کہ لوگ فنا ہونے والے گھر کے لئے تو فکر کرتے ہیں، ہمیشہ رہنے والے گھر کی فکر نہیں کرتے۔ آپ کا معمول تھا کہ رات کو چھپ کر صدقہ کیا کرتے، لوگوں کو یہ خبر بھی نہ ہوتی کہ کس نے دیا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو سو گھر ایسے نکلے جن کا گذارہ آپ کی اعانت پر تھا۔

حضرت علیؓ کرَّمَ اللہُ وجْہُہُ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا، بدن پر کپکپی آ جاتی۔ کسی نے پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت ہے جس کو آسمان و زمین نہ اٹھا سکے، پہاڑ اس کے اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کو پورا کر سکوں گا یا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب اذان کی آواز سنتے تو اس قدر روتے کہ چادر تر ہو جاتی، رگیں پھول جاتیں، آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ کسی نے عرض کیا کہ ہم تو اذان سنتے ہیں مگر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، آپ اس قدر گھبراتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مؤذن کیا کہتا ہے تو راحت و آرام سے محروم ہو جائیں اور نیند اڑ جائے۔ اس کے بعد اذان کے ہر ہر جملہ کی تنبیہ کو مفصل ذکر فرمایا۔

ایک شخص نقل کرتے ہیں کہ میں نے ذوالثنون مصری رحمہ اللہ علیہ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو لفظ اللہ کے وقت ان پر جلال الہی کا ایسا غلبہ تھا گویا ان کے بدن میں روح نہیں رہی، بالکل مبہوت سے ہو گئے اور جب اکبر زبان سے کہا تو میرا دل ان کی اس تکبیر کی ہیبت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔^۱

حضرت اولیس قرنی رحمہ اللہ علیہ مشہور بزرگ اور افضل ترین تابعی ہیں۔ بعض مرتبہ رکوع کرتے اور تمام رات اسی حالت میں گزار دیتے۔ کبھی سجدہ میں یہی حالت ہوتی کہ تمام رات ایک ہی سجدہ میں گزار دیتے۔^۲

عصام رحمہ اللہ علیہ نے حضرت حاتم زاہد بلخی رحمہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے اول نہایت اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں، پھر اس جگہ پہنچتا ہوں جہاں نماز پڑھنا ہے اور اول نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے منہ کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پل صراط پر ہے، داہنی طرف جنت ہے اور بائیں طرف دوزخ ہے۔ موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے، پھر کوئی اور نماز شاید میسر نہ ہو اور میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا ہے، اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کہتا ہوں، پھر معنی کو سوچ کر قرآن پڑھتا

ہوں، تو اضع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور اطمینان سے نماز پوری کرتا ہوں، اس طرح کہ اللہ کی رحمت سے اس کے قبول ہونے کی امید رکھتا ہوں اور اپنے اعمال سے مردود ہو جانے کا خوف کرتا ہوں۔ عصام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں؟ حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: تیس برس سے۔ عصام رضی اللہ عنہ نے لگے کہ مجھے ایک بھی نماز ایسی نصیب نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ حاتم رضی اللہ عنہ کی ایک مرتبہ جماعت فوت ہوگئی جس کا بے حد اثر تھا، ایک دو ملنے والوں نے تعزیت کی۔ اس پر رونے لگے اور یہ فرمایا کہ اگر میرا ایک بیٹا مر جاتا تو آدھا بخ تعزیت کرتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ تعزیت کرتے، جماعت کے فوت ہونے پر ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نگاہ میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بیس برس کے عرصہ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور میں مسجد میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔ محمد بن واسع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں چاہئیں: ایک ایسا دوست ہو جو میری لغزشوں پر ممتنع کرتا رہے۔ ایک بقدر زندگی روزی جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ ایک جماعت کی نماز ایسی کہ اس میں جو کوتاہی ہو جائے وہ تو معاف ہو، اور جو ثواب ہو وہ مجھے مل جائے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر ایک حملہ کیا۔ میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں (اس لئے کہ افضل کو امام بنایا جاتا ہے) آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ میمون بن مہران رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے تو جماعت ہو چکی تھی ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھا اور فرمایا کہ نماز کی فضیلت مجھے عراق کی سلطنت سے بھی زیادہ محبوب تھی۔

کہتے ہیں کہ ان حضرات کرام میں سے جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تین دن تک اس کا رنج کرتے تھے اور جس کی جماعت جاتی رہتی سات دن تک اس کا افسوس کرتے تھے۔

بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے مالک، اپنے مولا سے بلا واسطہ بات

کرنا چاہیے تو جب چاہے کر سکتا ہے، کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور نماز کی نیت باندھ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم حضور ﷺ سے باتیں کرتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آ جاتا تو ایسے ہو جاتے گویا ہم کو پہنچانتے ہی نہیں اور ہم تن اللہ کی طرف مشغول ہو جاتے تھے۔ سعید بن مسعود رضی اللہ عنہ جب تک نماز پڑھتے رہتے مسلسل آنسوؤں کی لڑی رخساروں پر جاری رہتی۔ خلف بن ایوب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ کھیاں تم کو نماز میں وق نہیں کرتیں؟ کہنے لگے کہ میں اپنے کو کسی ایسی چیز کا عادی نہیں بناتا جس سے نماز میں نقصان آئے۔ یہ بدکار لوگ حکومت کے کوڑوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں محض اتنی سی بات کے لئے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا متحمل مزاج ہے اور پھر اس کو فخر یہ بیان کرتے ہیں۔ میں اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کرنے لگوں۔

بہجۃ النفوس میں لکھا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھ رہے تھے ایک چور آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا، لے جاتے ہوئے اس پر نظر بھی پڑ گئی مگر نماز نہ توڑی، بعد میں کسی نے کہا بھی کہ آپ نے پکڑ نہ لیا؟ فرمایا: جس چیز میں مشغول تھا وہ اس سے بہت اونچی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تو قصہ مشہور ہے کہ جب لڑائی میں ان کے تیر لگ جاتے تو وہ نماز ہی میں نکالے جاتے، چنانچہ ایک مرتبہ ران میں ایک تیر گھس گیا۔ لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی، نہ نکل سکا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے۔ آپ نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے تو ان لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا۔ فرمایا: کیا تم تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم نے نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔

مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے کہہ دیتے کہ تم باتیں کرتے رہو، مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ ربیع بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں، مجھ پر اس کا فکر سوار ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کیا کیا سوال و جواب ہوگا۔ عامر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کی تو کیا خبر ہوتی، ڈھول کی

آواز کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کسی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں! مجھے اس کی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا اور دونوں گھروں جنت یا دوزخ میں سے ایک میں جانا ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یہ نہیں پوچھتا، ہماری باتوں میں سے بھی کسی کی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ مجھ میں نیزوں کی بھالیں گھس جائیں یہ زیادہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا پتہ چلے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر آخرت کا منظر اس وقت میرے سامنے ہو جائے تو میرے یقین اور ایمان میں اضافہ نہ ہو (کہ غیب پر ایمان اتنا ہی پختہ ہے جتنا مشاہدہ پر ہوتا ہے)۔

ایک صاحب کا کوئی عضو خراب ہو گیا تھا جس کے لئے اس کے کانٹے کی ضرورت تھی۔ لوگوں نے تجویز کیا کہ جب یہ نماز کی نیت باندھیں اس وقت کاٹنا چاہئے، ان کو پتہ بھی نہ چلے گا، چنانچہ نماز پڑھتے ہوئے اس عضو کو کاٹ دیا گیا۔ ایک صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا تمہیں نماز میں دنیا کا بھی خیال آ جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہ نماز میں آتا ہے نہ بغیر نماز کے۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ تمہیں نماز میں کوئی چیز یاد آ جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نماز سے بھی زیادہ کوئی محبوب چیز ہے جو نماز میں یاد آئے۔ ”ہَبِّجِ النُّفُوسَ“ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص ملنے کے لئے آیا، وہ ظہر کی نماز میں مشغول تھے، وہ انتظار میں بیٹھ گیا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو نفلوں میں مشغول ہو گئے اور عصر تک نفلیں پڑھتے رہے۔ یہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ نفلوں سے فارغ ہوئے تو عصر کی نماز شروع کر دی اور اس سے فارغ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور مغرب تک مشغول رہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی اور نفلیں شروع کر دیں۔ عشاء تک اس میں مشغول رہے۔ یہ بیچارہ انتظار میں بیٹھا رہا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر نفلوں کی نیت باندھ لی اور صبح تک اس میں مشغول رہے۔ پھر صبح کی نماز پڑھی اور ذکر شروع کر دیا اور اوراد و وظائف پڑھتے رہے۔ اسی میں مصلے پر بیٹھے بیٹھے آنکھ جھپک گئی تو فوراً آنکھوں کو ملتے ہوئے اٹھے۔ استغفار و توبہ کرنے لگے اور یہ دعا پڑھی: ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَيْنٍ لَا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْمِ“ (اللہ ہی سے پناہ مانگتا ہوں ایسی آنکھ سے جو نیند سے بھرتی ہی نہیں)۔

ایک صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ وہ رات کو سونے لیٹتے تو کوشش کرتے کہ آنکھ لگ جائے،

مگر جب نیند نہ آتی تو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور عرض کرتے، یا اللہ! تجھ کو معلوم ہے کہ جہنم کی آگ کے خوف نے میری نیند اڑادی اور یہ کہہ کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔

ساری رات بے چینی اور اضطراب یا شوق و اشتیاق میں جاگ کر گزار دینے کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم لوگ اس لذت سے اتنے دور ہو گئے ہیں کہ ہم کو ان واقعات کی صحت میں بھی تردید ہونے لگا، لیکن اول تو جس کثرت اور تواتر سے یہ واقعات نقل کئے گئے ہیں ان کی تردید میں ساری ہی تواتر سے اعتماد اٹھتا ہے کہ واقعہ کی صحت کثرت نقل ہی سے ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے ہم لوگ اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو آئے دن دیکھتے ہیں جو سینما اور تھیٹر میں ساری رات کھڑے کھڑے گزار دیتے ہیں کہ نہ ان کو تعب ہوتا ہے نہ نیند سلتی ہے۔ پھر کیا وجہ کہ ہم ایسے معاصی کی لذتوں کا یقین کرنے کے باوجود ان طاعات کی لذتوں کا انکار کریں حالانکہ طاعات میں اللہ تعالیٰ جَلَّ شَأْنُہ کی طرف سے قوت بھی عطا ہوتی ہے۔ ہمارے اس تردد کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم ان لذتوں سے نا آشنا ہیں اور نابالغ بلوغ کی لذتوں سے ناواقف ہوتا ہی ہے۔ حق تعالیٰ شائد اس لذت تک پہنچا دیں تو زہے نصیب۔

آخری گزارش

صوفیہ نے لکھا ہے کہ نماز حقیقت میں اللہ جَلَّ شَأْنُہ کے ساتھ مناجات کرنا اور ہم کلام ہونا ہے جو غفلت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ نماز کے علاوہ اور عبادتیں غفلت سے بھی ہو سکتی ہیں مثلاً زکوٰۃ ہے کہ اس کی حقیقت مال کا خرچ کرنا ہے۔ یہ خود ہی نفس کو اتنا شاق ہے کہ اگر غفلت کے ساتھ ہو تب بھی نفس کو شاق گذرے گا، اسی طرح روزہ دن بھر کا بھوکا پیاسا رہنا صحبت کی لذت سے رکنا کہ یہ سب چیزیں نفس کو مغلوب کرنے والی ہیں، غفلت سے بھی اگر متحقق ہوں تو نفس کی شدت اور تیزی پر اثر پڑیگا، لیکن نماز کا معظم حصہ ذکر ہے، قراءت قرآن ہے۔ یہ چیزیں اگر غفلت کی حالت میں ہوں تو مناجات یا کلام نہیں ہیں، ایسی ہی ہیں جیسے کہ بخار کی حالت میں ہڈیاں ہوتی ہے کہ جو چیز دل میں ہوتی ہے وہ زبان پر ایسے اوقات میں جاری ہو جاتی ہے، نہ اس میں کوئی مشقت ہوتی ہے نہ کوئی نفع۔ اسی طرح چونکہ نماز کی

عادت پڑ گئی ہے اس لئے اگر توجہ نہ ہو تو عادت کے موافق بلا سوچے سمجھے زبان سے الفاظ نکلتے رہیں گے جیسا کہ سونے کی حالت میں اکثر باتیں زبان سے نکلتی ہیں کہ نہ سننے والا اس کو اپنے سے کلام سمجھتا ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہ بھی ایسی نماز کی طرف التفات اور توجہ نہیں فرماتے جو بلا ارادہ کے ہو۔ اس لئے نہایت اہم ہے کہ نماز اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری توجہ سے پڑھی جائے، لیکن یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اگر یہ حالات اور کیفیات جو پچھلوں کی معلوم ہوئی ہیں حاصل نہ بھی ہوں تب بھی نماز جس حال سے بھی ممکن ہو ضرور پڑھی جائے۔ یہ بھی شیطان کا ایک سخت ترین مکر ہوتا ہے، وہ یہ سمجھائے کہ بری طرح پڑھنے سے تو نہ پڑھنا ہی اچھا ہے، یہ غلط ہے، نہ پڑھنے سے بری طرح کا پڑھنا ہی بہتر ہے، اس لئے کہ نہ پڑھنے کا جو عذاب ہے وہ نہایت ہی سخت ہے، حتیٰ کہ علماء کی ایک جماعت نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے جیسا کہ پہلے باب میں مفصل گذر چکا ہے، البتہ اس کی کوشش ضرور ہونا چاہئے کہ نماز کا جو حق ہے اور اپنے اکابر اس کے مطابق پڑھ کر دکھائے ہیں حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے اس کی توفیق عطا فرمائیں اور عمر بھر میں کم از کم ایک ہی نماز ایسی ہو جائے جو پیش کرنے کا قابل ہو۔ اخیر میں اس امر پر تنبیہ بھی ضروری ہے کہ حضرات محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابل تسامح۔ باقی صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ، رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ رَبَّنَا لَا تَوَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا طَرَبْنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ، وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ وَعَلَى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِمْ وَحَمَلَةِ الدِّينِ الْمَتِّينِ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

شب دوشنبہ ۷ محرم ۱۳۵۸ھ

فضائلِ ذکر

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ



کراچی - پاکستان

تمہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نُحَمِّدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاصْحَابِهٖ وَاتَّبَاعِهٖ حَمَلَةً
الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ۔

اللہ جلّ جلالہ عمّ نوالہ کے پاک نام میں جو برکت، لذت، حلاوت، سرور، طمانیت ہے وہ کسی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو کچھ دن اس پاک نام کی رٹ لگا چکا ہو اور ایک زمانہ تک اس کو حریرِ جان بنا چکا ہو۔ یہ پاک نام دلوں کا سرور اور طمانیت کا باعث ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ”اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ“ (الرعد: ۲۸) ترجمہ: ”خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر (میں یہ خاصیت ہے کہ اس) سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے“۔ آج کل عام طور سے عالم میں پریشانی ہے۔ روزانہ ڈاک میں اکثر و بیشتر مختلف نوع سے پریشانیوں ہی کا تذکرہ اور تفکرات ہی کی داستان ہوتی ہے۔

اس رسالہ کا مقصد یہی ہے کہ جو لوگ پریشان حال ہیں خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طریقہ سے ان کو اپنے درد کی دوا معلوم ہو جائے اور اللہ کے ذکر کے فضائل کی عام اشاعت سے سعید و مبارک ہستیاں بہرہ مند ہو جائیں۔ کیا بعید ہے کہ اس رسالہ کے دیکھنے سے کسی کو اخلاص سے اس پاک نام کے لینے کی توفیق ہو جائے اور یہ مجھنا کارہ و بے عمل کے لئے بھی ایسے وقت میں کام آجائے جس وقت صرف عمل ہی کام آتا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بلا عمل بھی اپنے فضل سے کسی کی دستگیری فرمائیں یہ دوسری بات ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت ایک خاص محرک یہ بھی پیش آیا کہ حق تعالیٰ شانہ عمّ نوالہ نے اپنے لطف و احسان سے میرے عم محترم حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم نظام الدین دہلی کو تبلیغ میں ایک خاص ملکہ اور جذبہ عطا فرمایا ہے جس کی وہ سرگرمیاں جو ہند سے متجاوز ہو کر حجاز تک بھی پہنچ گئی ہیں کسی تعارف کی محتاج نہیں رہیں۔ اس کے ثمرات سے ہند و بیرون ہند عموماً اور خطہ میوات خصوصاً جس قدر مُنتفع اور مُنتفع ہو اور ہو رہا ہے وہ واقفین سے مخفی نہیں۔ ان کے اصول تبلیغ سب ہی نہایت پختہ، مضبوط اور ٹھوس ہیں اور جن کے لئے عادۃ ثمرات و

برکات لازم ہیں۔ ان کے اہم ترین اصول میں سے یہ بھی ہے کہ مبلغین ذکر کا اہتمام رکھیں اور بالخصوص تبلیغی اوقات میں ذکر الہی کی کثرت کی جائے۔ اس ضابطہ کی برکات آنکھوں سے دیکھیں، کانوں سے سنیں جس کی وجہ سے اس کی ضرورت خود بھی محسوس ہوئی اور آن مخدوم کا بھی ارشاد ہوا کہ فضائل ذکر کو ان لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ جو لوگ محض تعمیل ارشاد میں اب تک اس کا اہتمام کرتے ہیں، وہ اس کے فضائل معلوم ہونے کے بعد خود اپنے شوق سے بھی اس کا اہتمام کریں کہ اللہ کا ذکر بڑی دولت ہے۔ اس کے فضائل کا احاطہ نہ تو مجھ جیسے بے بضاعت کے امکان میں ہے اور نہ واقع میں ممکن ہے اس لئے مختصر طور پر اس رسالہ میں چند روایات ذکر کرتا ہوں اور اس کو تین بابوں پر منقسم کرتا ہوں۔

باب اول: مطلق ذکر کے فضائل میں۔

باب دوم: افضل الذکر کلمہ طیبہ کے بیان میں۔

باب سوم: کلمہ سوئم یعنی تسبیحات فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں۔

اول باب

فضائل ذکر

اللہ تعالیٰ شانہ کے پاک ذکر میں اگر کوئی آیت یا حدیث نبوی نہ بھی وارد ہوتی تب بھی اس منعم حقیقی کا ذکر ایسا تھا کہ بندہ کو کسی آن بھی اس سے غافل نہ ہونا چاہئے تھا کہ اس ذات پاک کے انعام و احسان ہر آن اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی انتہا ہے نہ مثال۔ ایسے منعم کا ذکر، اس کی یاد، اس کا شکر، اس کی احسان مندی فطری چیز ہے۔

خداوند عالم کے قربان میں کرم جس کے لاکھوں ہیں ہر آن میں

لیکن اس کے ساتھ جب قرآن و حدیث اور بزرگوں کے اقوال و احوال اس پاک ذکر کی ترغیب و تحریص سے بھرے ہوئے ہیں تو پھر کیا پوچھنا ہے اس پاک ذکر کی برکات کا، اور کیا ٹھکانہ ہے اس کے انوار کا۔ تاہم اول چند آیات پھر چند احادیث اس مبارک ذکر کے متعلق پیش کرتا ہوں۔

فصل اول آیات ذکر میں

(۱) فَادْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِيْ
وَلَا تَكْفُرُوْنَ ۝ (البقرة: ۱۵۲)
پس تم میری یاد کرو (میرا ذکر کرو) میں
تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو،
اور ناشکری نہ کرو۔

(۲) فَاِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَادْكُرُوا
اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ
كَمَا هَدٰكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ
الضَّآلِّیْنَ ۝ (البقرة: ۱۹۸)
پھر جب تم (حج کے موقعہ میں) عرفات
سے واپس آ جاؤ تو مزدلفہ میں (ٹھہر کر)
اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح
تم کو بتلا رکھا ہے۔ درحقیقت تم اس سے
پہلے محض ناواقف تھے۔

(۳) فَاِذَا قَضَيْتُمْ مِّنَاسِغَتُمْ فَادْكُرُوا

اللَّهُ تَذَكِّرْكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۖ
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي
الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۝
وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ
مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝
(البقرة: ۲۰۰، ۲۰۲)

اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے
آباء (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو (کہ
ان کی تعریفوں میں رطب اللسان ہوتے
ہو) بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر ہونا
چاہئے۔ پھر (جو لوگ اللہ کو یاد بھی کر لیتے
ہیں اُن میں سے) بعض تو ایسے ہیں (جو
اپنی دعاؤں میں) یوں کہتے ہیں: اے
پروردگار! ہمیں تو دنیا ہی میں دے دے

(سوان کو تو جو ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل جائے گا) اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں
اور بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور
آخرت میں بھی بہتری عطا کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ سو یہی ہیں جن کو ان
کے عمل کی وجہ سے (دونوں جہاں میں) حصہ ملے گا اور اللہ جلد ہی حساب لینے والے ہیں۔
ف: حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی (بلکہ ضرور قبول
ہوتی ہے): ایک وہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، دوسرے مظلوم، تیسرے وہ بادشاہ جو
ظلم نہ کرتا ہو۔

(۴) وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ
مُعَدَّةٍ ۚ (البقرة: ۲۰۳)
اور (جج کے زمانہ میں منیٰ میں بھی ٹھہر کر)
کئی روز تک اللہ کو یاد کیا کرو (اس کا
ذکر کیا کرو)۔

(۵) وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ
بِالْعُشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ (آل عمران: ۴۱)
اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجئے اور
صبح و شام تسبیح کیا کیجئے۔

(۶) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا
(پہلے سے عقلمندوں کا ذکر ہے) وہ ایسے

وَقُفُّوا عَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آل عمران: ۱۹۱)

لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی، اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور غور کے بعد

یہ کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا کیا نہیں۔ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو عذابِ جہنم سے بچا لیجئے۔

(۷) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۖ (النساء: ۱۰۳)

جب تم نماز (خوف جس کا پہلے سے ذکر ہے) پوری کر چکو تو اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی (کسی حال میں بھی اس کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل نہ ہو)۔

(۸) وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (النساء: ۱۴۲)

(منافقوں کی حالت کا بیان ہے) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو اپنا نمازی ہونا دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر یوں ہی تھوڑا سا۔

(۹) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنتَهُونَ ۝ (المائدة: ۹۱)

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں آپس میں عداوت اور بغض پیدا کر دے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ بتاؤ! اب بھی (ان بری چیزوں سے) باز آ جاؤ گے۔

(۱۰) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ (الانعام: ۵۲)

اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں، جس سے خاص اس کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔

(۱۱) وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ اور پکارا کرو اس کو (یعنی اللہ کو) خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو۔ (الأعراف: ۲۹)

(۱۲) ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (الأعراف: ۵۵، ۵۶)

تم لوگ پکارتے رہو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے (بھی) بیشک حق تعالیٰ شانہ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی اصلاح کر دی گئی فساد نہ پھیلاؤ، اور اللہ جل ثنا کو پکارا کرو خوف کیساتھ (عذاب سے) اور طمع کے ساتھ (رحمت میں) بیشک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔

(۱۳) وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۝ (الأعراف: ۱۸۰)

اللہ ہی کے واسطے ہیں اچھے اچھے نام، پس ان کے ساتھ اللہ کو پکارا کرو۔

(۱۴) وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ۝ (الأعراف: ۲۰۵)

اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس حالت میں کہ عاجزی بھی ہو اور اللہ کا خوف بھی ہو، (ہمیشہ) صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلین میں سے نہ ہو۔

(۱۵) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ (الأنفال: ۲)

ایمان والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اس کی بڑائی کے تصور سے) ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں (آگے ان کی نماز وغیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہے ”یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں، ان کے رب کے پاس، اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔“)

(۱۶) وَيَهْدِي إِلَىٰ مَنَآبِ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۝ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝
اور جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو ہدایت فرماتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔
(الرعد: ۲۷، ۲۸)

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر (میں ایسی خاصیت ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

(۱۷) قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۝
آپ فرما دیجئے کہ خواہ ”اللہ“ کہہ کر پکارو یا ”رحمن“ کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو گے (وہی بہتر ہے) کیونکہ اس کے لئے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔
(الاسراء: ۱۱۰)

(۱۸) وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ ۝ (الكهف: ۲۴)
اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کر لیا کیجئے۔
(وفی مسائل السلوك فيه مطلوبة الذكر الظاهر)

(۱۹) وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُکَ عَنْهُمْ ۝ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝
آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھنے کا) پابند رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں محض اس کی رضا جوئی کے لئے اور محض دنیا کی رونق کے خیال سے آپ کی نظر (یعنی توجہ) ان سے ہٹنے نہ پاوے (رونق سے یہ مراد ہے کہ رئیس مسلمان ہو جائیں تو اسلام کو فروغ ہو) اور
(الكهف: ۲۸)

ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

(۲۰) وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ ۝
اور ہم دوزخ کو اس روز (یعنی قیامت

عَرْضَاهُ ۝ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي ۝ (الكهف: ۱۰۰، ۱۰۱)
 کے دن) کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا۔

(۲۱) ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكْرِياً ۝ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ (مریم: ۳۰، ۳۱)
 یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو چپکے سے پکارا۔

(۲۲) وَاذْعُوا رَبِّي عَسَىٰ اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ (مریم: ۴۸)
 اور پکارتا ہوں میں اپنے رب کو، (قطعاً) امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔

(۲۳) اِنِّى اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاَعْبُدْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِى ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝ (طہ: ۱۴، ۱۵)
 بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم (اے موسیٰ) میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو، بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔

(۲۴) وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِى ۝ (طہ: ۴۲)
 (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ارشاد ہے) اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔

(۲۵) وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ ۝ (الانبیاء: ۷۶)
 اور نوح (علیہ السلام) کا تذکرہ ان سے کیجئے) جبکہ پکارا انہوں نے اپنے رب کو (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے) پہلے۔

(۲۶) وَاَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ اِنِّىْ مَسْنٰى ۝ اور ایوب (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے) جبکہ انہوں

الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ (الأنبياء: ۷۳)

نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو بڑی تکلیف پہنچی اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔

(۲۷) وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (الأنبياء: ۸۷)

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کا ذکر کیجئے) جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر دار و گیر نہ کریں گے۔ پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں، بیشک میں قصور وار ہوں۔

(۲۸) وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ (الأنبياء: ۸۹)

اور زکریا (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ میرے رب مجھے لا وارث نہ چھوڑ (اور یوں تو) سب وارثوں سے بہتر (اور حقیقی وارث) آپ ہی ہیں۔

(۲۹) إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ (الأنبياء: ۹۰)

بیشک یہ سب (انبیاء علیہم السلام جن کا پہلے سے ذکر ہو رہا ہے) نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور پکارتے تھے ہم کو (ثواب کی) رغبت اور (عذاب کا) خوف کرتے ہوئے

اور تھے سب کے سب ہمارے لئے عاجزی کرنے والے۔

(۳۰) وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الحج: ۳۵، ۳۶)

اور آپ (جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجئے ایسے خشوع کرنے والوں کو جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

(۳۱) إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي (قیامت میں کفار سے گفتگو کے ذیل میں کہا

يَقُولُونَ رَبَّنَا اَمْنًا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَانتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ
سُخْرٰى حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرٰى وَكُنْتُمْ
مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۝ اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ
بِمَا صَبَرُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْفٰئِزُونَ ۝
(المؤمنون: ۱۱۰، ۱۱۱)

جائے گا کیا تم کو یاد نہیں) میرے بندوں کا
ایک گروہ تھا (جو بیچارے ہم سے) یوں کہا
کرتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم
ایمان لے آئے، سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم
پر رحمت فرمائیے، آپ سب سے زیادہ رحم
کرنے والے ہیں۔ پس تم نے ان کا مذاق

اڑایا حتیٰ کہ اس مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔
میں نے آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیدیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔

(۳۲) رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ . (النور: ۳۷)

(کامل ایمان والوں کی تعریف کے ذیل میں
ہے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کے ذکر
سے نہ خرید و غفلت میں ڈالتی ہے نہ فروخت۔

(۳۳) وَلَذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط (العنکبوت: ۲۵)

(۳۴) تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ
الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ
نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
(السجدة: ۱۶، ۱۷)

ان کے پہلو خواہگا ہوں سے علیحدہ رہتے
ہیں اس طرح پر کہ عذاب کے ڈر سے اور
رحمت کی امید سے وہ اپنے رب کو پکارتے
ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ
کرتے ہیں۔ پس کسی کو بھی خبر نہیں کہ ایسے
لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان

خزانہ غیب میں محفوظ ہے جو بدلہ ہے ان
کے اعمال کا۔
(فی الدر عن الضحاك: "هُم قَوْمٌ لَا يَزَالُونَ
يَذْكُرُونَ اللّٰهَ" وروی نحوه عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ اخیر شب میں اللہ کے یہاں بہت مقرب ہوتا
ہے، اگر تجھ سے ہو سکے تو اس وقت اللہ کا ذکر کیا کرے!

(۳۵) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الأحزاب: ۲۱)

بے شک تم لوگوں کے لئے رسول اللہ کا نمونہ موجود تھا، یعنی ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو (کہ جب

حضور ﷺ لڑائی میں شریک ہوئے اور جہاد کیا تو اس کے لئے کیا مانع ہو سکتا ہے)۔

(۳۶) وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الأحزاب: ۳۵)

(پہلے سے مومنوں کی صفات کا بیان ہے، اس کے بعد ارشاد ہے) اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے

والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

(۳۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (الأحزاب: ۴۲)

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

(۳۸) وَلَقَدْ نَادَيْنَا نوحَ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ۝ (الصف: ۷۵)

اور پکارا تھا ہم کو نوح علیہ السلام نے، پس ہم خوب فریاد سننے والے ہیں۔

(۳۹) قَوْلٌ لِّلْغَيْبِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۝ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (الزمر: ۲۲)

پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(۴۰) اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۝ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ

اللہ جل جلالہ نے بڑا عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور

مَنْ يَشَاءُ (الزمر: ۲۳)

دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو

جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت فرما دیتا ہے۔

(۳۱) فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

پس پکارو اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (المؤمن: ۱۷۴)

کے لئے دین کو، گو کافروں کو ناگوار ہو۔

(۳۲) هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ

وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (المؤمن: ۱۷۵)

کے نہیں۔ پس تم خالص اعتقاد کر کے اس کو

پکارا کرو۔

(۳۳) وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ

جو شخص رحمان کے ذکر سے (جان بوجھ کر)

نَقِصَ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ (الزخرف: ۳۶)

اندھا ہو جائے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط

کر دیتے ہیں، پس وہ (ہر وقت) اس کے

ساتھ رہتا ہے۔

(۳۴) مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ

تیز ہیں اور آپس میں مہربان، اور اے

اللَّهِ وَرِضْوَانًا لِّسِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ

مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر

مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي

رہے ہیں اور کبھی سجدہ اور اللہ کے فضل اور

التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ

رضا مندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ

(اور خشوع و خضوع کے) آثار بوجہ تاثیر

فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوَاقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ

ان کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةٌ

میں، جیسا کہ اس نے اول اپنی سوئی

وَأَجْرًا عَظِيمًا (الفتح: ۲۹)

نکالی پھر اس کو قوی کیا، پھر وہ کھیتی اور

موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اول ضعف تھا، پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ نے یہ نشوونما اس لئے دیا) تاکہ ان سے کافروں کو جلانے۔ اللہ نے تو ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کر رہے ہیں بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

ف: آیت شریفہ میں گویا ہر طور پر رکوع و سجود اور نماز کی فضیلت زیادہ تر مقصود ہے اور وہ تو ظاہر ہے، لیکن کلمہ بطیبہ کے دوسرے جزو **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** کی فضیلت بھی اس سے ظاہر ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اوپر سے صلح حدیبیہ میں کفار کے انکار پر اور اس بات کے اصرار کرنے پر کہ **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** نہ لکھو، محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ اللہ خود گواہ ہیں اس بات پر کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جب بھیجنے والا خود اقرار کرے کہ فلاں شخص میرا قاصد ہے تو لاکھ کوئی انکار کرے اس کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اسی گواہی کے اقرار کے لئے اللہ جلّ ثناؤ نے **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ** ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد آیت شریفہ میں اور بھی کئی اہم مضامین ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ چہرہ کے آثار نمایاں ہونے کی فضیلت ہے۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں: ایک یہ بھی ہے کہ شب بیداروں کے چہروں پر جو انوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں وہ مراد ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ تحقیق امر ہے کہ رات کو دو شخص جاگیں: ایک لہو و لعب میں مشغول رہے، دوسرا نماز، قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہے، دوسرے دن دونوں کے چہرے کے نور میں کھلا ہوا فرق ہوگا۔ جو شخص لہو و لعب میں مشغول ہے وہ اس جیسا ہو ہی نہیں سکتا جو ذکر و شکر میں رات بھر لگا رہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور علماء کی ایک جماعت نے اس آیت سے ان لوگوں کے کفر پر استدلال کیا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں، برا کہتے ہیں، ان سے بغض رکھتے ہیں۔

(۴۵) **اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ** کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں

قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ ۝ (الحديد: ۱۶)

آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد کے واسطے جھک جائیں۔

(۳۶) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ اُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۗ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المجادلة: ۱۹)

(پہلے سے منافقوں کا ذکر ہے) ان پر شیطان کا تسلط ہو گیا، پس اس نے ان کو ذکر اللہ سے غافل کر دیا، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خوب سمجھ لو یہ بات محقق ہے کہ شیطان کا گروہ خسارہ والا ہے۔

(۳۷) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الجمعة: ۱۰)

پھر جب (جمعہ کی) نماز پوری ہو چکے تو (تم) کو اجازت ہے کہ (تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو) (یعنی دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی اجازت ہے)

لیکن اس میں بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم فلاح کو پہنچ جاؤ۔

(۳۸) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون: ۹)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے، اس کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں۔ (کیونکہ یہ چیزیں تو

دنیا ہی میں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ کی یاد آخرت میں کام دینے والی ہے)۔

(۳۹) وَاِنْ يَّكَذَّبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزِلْ قَوْلُكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (القلم: ۵۱)

یہ کافر لوگ جب ذکر (قرآن) سنتے ہیں (تو شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو مجنون ہیں۔

ف: نگاہ سے پھسلا کر گرا دینا کنایہ ہے دشمنی کی زیادتی سے جیسا کہ ہمارے یہاں بولتے ہیں ”ایسا دیکھ رہا ہے کہ کھا جائے گا“ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کو نظر لگ گئی ہو اس پر اس آیت شریفہ کو پڑھ کر دم کرنا مفید ہے۔ (جمل)

(۵۰) وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ ۖ
يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ (الجن: ۱۷)

اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی اور اعراض کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

(۵۱) وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ
كَادُوا يُكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا
أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝
(الجن: ۱۹، ۲۰)

جب خدا کا خاص بندہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ کافر لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار

ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(۵۲) وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِلْ إِلَيْهِ
تَبْتِيلًا ۝ (المزمل: ۸)

اور آپ اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

(منقطع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تعلق کے مقابلہ میں سب مغلوب ہوں)۔

(۵۳) وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝
وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا
طَوِيلًا ۝ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ
وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا قِيلًا ۝
(البقرہ: ۲۵۰، ۲۶۰، ۲۷۰)

اور اپنے رب کا صبح اور شام نام لیتے رہا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (مراد اس سے تہجد کی نماز ہے)، یہ لوگ (جو آپ کے مخالف

ہیں) دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

(۵۴) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝
بیشک با مراد ہو گیا وہ شخص جو (برے اخلاق

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝ (سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا
(الاعلیٰ : ۱۵، ۱۶) اور نماز پڑھتا رہا۔

فصل ثانی احادیث ذکر میں

جب کہ اس مضمون میں قرآن پاک کی آیات اس کثرت سے موجود ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا کیونکہ قرآن شریف کے کل تیس پارے ہیں اور حدیث شریف کی لا تعداد کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں بے شمار حدیثیں ہیں۔ ایک بخاری شریف ہی کے بڑے بڑے تین پارے ہیں اور ابوداؤد شریف کے بتیس پارے ہیں اور کوئی کتاب بھی ایسی نہیں کہ اس مبارک ذکر سے خالی ہو۔ اس لئے احادیث کا احاطہ تو کون کر سکتا ہے؟ نمونہ اور عمل کے واسطے ایک آیت اور ایک حدیث بھی کافی ہے اور جس کو عمل ہی نہیں کرنا اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی بیکار ہیں۔ کَمَثَلِ الْجِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

(رواه أحمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی و ابن ماجه والبيهقي في الشعب وأخرج أحمد والبيهقي في الأسماء والصفات عن أنس بمعناه بلفظ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں

”يَا اَبْنَ اَدَمَ اِذَا ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِكَ“ الحديث. وفي الباب عن معاذ بن أنس عند الطبرانی بإسناد حسن وعن ابن عباس عند البزار بإسناد صحيح و البيهقي وغيرهما، وعن أبي هريرة عند ابن ماجه

اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

وابن حبان وغيرهما بلفظ ”أنا مع عبدی اذا ذكرني وتحركت بي شفتاه“ كما في الدر المنثور والترغيب للمندري والمشكوة مختصراً، وفيه برواية مسلم عن أبي ذر بمعناه، وفي الانحاف علقه البخاري عن أبي هريرة بصيغة الجزم، ورواه ابن حبان من حديث أبي الدرداء (۱)

ف: اس حدیث شریف میں کئی مضمون وارد ہیں: اول یہ کہ بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتا ہوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ سے اس کے لطف و کرم کی امید رکھنا چاہئے، اس کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے۔ یقیناً ہم لوگ گنہگار ہیں اور سر اپا گناہ، اور اپنی حرکتوں اور گناہوں کی سزا اور بدلہ کا یقین ہے، لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا چاہئے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف و کرم سے بالکل ہی معاف فرمادیں کہ ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“ (النساء: ۱۱۶) کلام اللہ شریف میں وارد ہے (ترجمہ) حق تعالیٰ شانہ شرک کے گناہ کو تو معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے سب کچھ معاف فرمائیں گے، لیکن ضروری نہیں کہ معاف ہی فرمادیں۔ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ ایمان اُمید اور خوف کے درمیان ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایک نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، وہ نزاع کی حالت میں تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا: کس حال میں ہو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں یعنی امید و خوف جس بندہ کے دل میں ایسی حالت میں ہوں تو اللہ جل ثنا جو امید ہے وہ عطا فرمادیتے ہیں اور جس کا خوف ہے اس سے امن عطا فرمادیتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ کے نیچے

بیٹھا ہے اور وہ پہاڑ اس پر گرنے لگا اور فاجر شخص گناہ کو ایسا سمجھتا ہے گویا ایک مکھی بیٹھی تھی اڑادی، یعنی ذرا پرواہ نہیں ہوتی، مقصود یہ ہے کہ گناہ کا خوف اس کے مناسب ہونا چاہئے اور رحمت کی امید اس کے مناسب۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ طاعون میں شہید ہوئے، انتقال کے قریب زمانہ میں بار بار غشی ہوتی تھی، جب افاقہ ہوتا تو فرماتے: یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے، تیری عزت کی قسم! تجھے یہ بات معلوم ہے۔ جب بالکل موت کا وقت قریب آ گیا تو فرمایا کہ اے موت! تیرا آنا مبارک ہے۔ کیا ہی مبارک مہمان آیا، مگر فاقہ کی حالت میں یہ مہمان آیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں ہمیشہ تجھ سے ڈرتا رہا اور آج تیرا امیدوار ہوں۔ یا اللہ! مجھے زندگی کی محبت تھی، مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی بلکہ گرمیوں کی شدت پیاس برداشت کرنے اور (دین کی خاطر) مشقتیں جھیلنے کے واسطے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے: حدیث بالا میں گمان کے موافق معاملہ عام حالات کے اعتبار سے ہے، خاص مغفرت کے متعلق نہیں۔ دعا، صحت، وسعت، امن وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں مثلاً دعا کے ہی متعلق سمجھو، مطلب یہ ہے: اگر بندہ یہ یقین کرتا ہے کہ میری دعا قبول ہوتی ہے اور ضرور ہوگی تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر یہ گمان کرے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی تو ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ نہ کہنے لگے کہ میری دعا قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحت، تو نگری وغیرہ سب امور کا حال ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آئے اگر اس کو لوگوں سے کہتا پھرے تو تو نگری نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کی پاک بارگاہ میں عرض معروض کرے تو جلد یہ حالت دور ہو جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ حسن ظن اور چیز ہے اور اللہ پر گھمنڈ دوسری چیز ہے۔ کلام اللہ شریف میں مختلف عنوانات سے اس پر تنبیہ کی گئی۔ ارشاد ہے: ”وَلَا يَغُرَّنْكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ“ (لقمان: ۳۳) (اور نہ دھوکہ میں

ڈالے تم کو دھوکہ باز) یعنی شیطان تم کو یہ نہ سمجھائے کہ گناہ کئے جاؤ، اللہ غفور رحیم ہے۔
 دوسری جگہ ارشاد ہے: ”أَطْلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا“ (مریم: ۷۸)
 (کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اللہ تعالیٰ سے اس نے عہد کر لیا ہے، ایسا ہرگز نہیں)۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، یعنی میری خاص توجہ اس پر رہتی ہے، اور خصوصی رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ تیسرا مضمون یہ ہے کہ میں فرشتوں کے مجمع میں ذکر کرتا ہوں، یعنی تقاخر کے طور پر ان کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آدمی کی خلقت جس ترکیب سے ہوئی ہے اس کے موافق اس میں اطاعت اور معصیت دونوں کا مادہ رکھا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۸ کے ذیل میں آرہا ہے۔ اس حالت میں طاعت کا کرنا یقیناً تقاخر کا سبب ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ فرشتوں نے ابتدائے خلقت کے وقت عرض کیا تھا: ”آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں خوریزی اور فساد کرے گی۔“ اور اس کی وجہ بھی وہی مادہ فساد کا ان میں ہونا ہے، بخلاف فرشتوں کے کہ ان میں یہ مادہ نہیں۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا تھا کہ تیری تسبیح و تقدیس ہم کرتے ہی ہیں۔ تیسرے اس وجہ سے کہ انسان کی اطاعت، اس کی عبادت، فرشتوں کی عبادت سے اس وجہ سے بھی افضل ہے کہ انسان کی عبادت غیب کے ساتھ ہے اور فرشتوں کی عالم آخرت کے مشاہدہ کے ساتھ۔ اسی کی طرف اللہ پاک کے اس کلام میں اشارہ ہے کہ اگر وہ جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔ ان وجوہ سے حق تعالیٰ شانہ اپنے یاد کرنے والوں اور اپنی عبادت کرنے والوں کے کارنامے جتاتے ہیں۔

چوتھا مضمون حدیث میں یہ ہے کہ بندہ جس درجہ میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ توجہ اور لطف اللہ جلّ ثناؤ کی طرف سے اس بندہ پر ہوتا ہے۔ یہی مطلب ہے قریب ہونے اور دوز کر چلنے کا کہ میرا لطف اور میری رحمت تیزی کے ساتھ اس کی طرف چلتی ہے۔ اب ہر شخص کو اپنا اختیار ہے کہ جس قدر رحمت و لطف الہی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اتنی ہی اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھائے۔ پانچویں بحث اس حدیث شریف میں یہ

ہے کہ اس میں فرشتوں کی جماعت کو بہتر بتایا ہے ذکر کرنے والے شخص سے، حالانکہ یہ مشہور امر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ترجمہ میں ظاہر کر دی گئی کہ ان کا بہتر ہونا ایک خاص حیثیت سے ہے کہ وہ معصوم ہیں، ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ باعتبار اکثر افراد کے ہے کہ اکثر افراد فرشتوں کے اکثر آدمیوں بلکہ اکثر مومنوں سے افضل ہیں، گو خاص مومن جیسے انبیاء علیہم السلام سارے ہی فرشتوں سے افضل ہیں، اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن میں بحث طویل ہے۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرِ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَسْتَنُّ بِهِ، قَالَ: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (اخرجه ابن أبي شيبة وأحمد والترمذي وحسنه وابن ماجه وابن حبان في صحيحه)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں ہی، مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتا دیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رطب اللسان رہے۔

والحاكم وصححه والبيهقي كذا في الدرر وفي المشكاة برواية الترمذي وابن ماجه وحكى عن الترمذي حسن غريب. قلت: وصححه الحاكم وأقره عليه الذهبي، وفي الجامع الصغير برواية أبي نعيم في الحلية مختصراً بلفظ "أَنْ تَفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ" ورقم له بالضعف وبمعناه عن مالك بن يخامر أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمْ: إِنَّ آخِرَ كَلَامٍ فَارَقْتُ عَلَيْهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ قُلْتُ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ؟ قَالَ: "أَنْ تَمُوتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ" أخرجه ابن أبي الدنيا والزار وابن حبان والطبراني والبيهقي، كذا في الدرر والحصن الحصين والترغيب للمندري وذكره في الجامع الصغير مختصراً وعزاه إلى ابن حبان في صحيحه وابن السني في عمل اليوم والليلة والطبراني في الكبير والبيهقي في الشعب وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني بآسانيد

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدائی کے وقت آخری گفتگو جو حضور ﷺ سے ہوئی وہ یہ تھی "میں نے دریافت کیا کہ سب اعمال میں محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس حال میں تیری موت آوے کہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان ہو۔"

ف: جدائی کے وقت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو

اہل یمن کی تبلیغ و تعلیم کے لئے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس رخصت کے وقت حضور ﷺ نے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں اور انہوں نے بھی کچھ سوالات کئے تھے۔ شریعت کے احکام بہت سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی بجا آوری تو ضروری ہے ہی، لیکن ہر چیز میں کمال پیدا کرنا اور اس کو مستقل مشغلہ بنانا دشوار ہے، اس لئے ان میں سے ایک چیز جو سب سے اہم ہو مجھے ایسی بتا دیجئے کہ اس کو مضبوط پکڑ لوں اور ہر وقت ہر جگہ، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرتا رہوں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے: ایک وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو، دوسرے وہ دل جو شکر میں مشغول رہتا ہو، تیسرے وہ بدن جو مشقت برداشت کرنے والا ہو، چوتھے وہ بیوی جو اپنے نفس میں اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔ نفس میں خیانت یہ ہے کہ کسی قسم کی گندگی میں مبتلا ہو جائے۔

رطب اللسان کا مطلب اکثر علماء نے کثرت کا لکھا ہے اور یہ عام محاورہ ہے۔ ہمارے عرف میں بھی جو شخص کسی کی تعریف یا تذکرہ کثرت سے کرتا ہے تو یہ بولا جاتا ہے کہ فلاں کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ مگر بندہ ناچیز کے خیال میں ایک دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جس سے عشق و محبت ہوتی ہے اس کا نام لینے سے منہ میں ایک لذت اور مزہ محسوس ہوا کرتا ہے۔ جن کو باب عشق سے کچھ سابقہ پڑ چکا ہے وہ اس سے واقف ہیں۔ اس بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس لذت سے اللہ کا پاک نام لیا جائے کہ مزہ آجائے۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں کو بکثرت دیکھا ہے کہ ذکر بالجہر کرتے ہوئے ایسی تراویح آ جاتی ہے کہ پاس بیٹھنے والا بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور ایسا منہ میں پانی بھر جاتا ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے، مگر یہ جب حاصل ہوتا ہے کہ جب دل میں چسک ہو اور زبان کثرت ذکر کے ساتھ مانوس ہو چکی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اس کے ذکر سے بغض ہے۔

حضرت ابووداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہتی

ہے وہ جنت میں ہتے ہوئے داخل ہوں گے۔

(۳) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا أُنبِئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِكِكُمْ، وَأَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ، وَخَيْرِ لَكُمْ مِنْ إِنْثَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَيْرِ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عُلُوَّكُمْ، فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ، قَالُوا: بَلَى! قَالَ: ذَكَرُ اللَّهِ. (اخرجه احمد والترمذی وابن ماجه وابن ابی الدنیا والحاكم وصححه والبیہقی، کذا فی الدرر والمحسن الصحیح، قلت: قال الحاكم: صحیح الاسناد ولم یخرجاه، وافرہ علیہ الذہبی

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ) میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور بتادیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کا ذکر ہے۔

ورقم له فی الجامع الصغیر بالصحة، وأخرجه احمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کذا فی الدرر وفيه أيضاً برواية أحمد والترمذی والبیہقی عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ سئل رسول الله ﷺ: أي العباد أفضل درجة عند الله يوم القيامة؟ قال: الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَنْ الْغَارِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكَفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ حَتَّى يَنْكَبِرَ وَيَخْضِبَ دَمًا، لَكَانَ الذَّاكِرُونَ اللَّهَ أَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً.

ف: یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا، ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ، جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی افضلیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کی ضرورتیں وقتی ہیں اور اللہ پاک کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل۔

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کے لئے کوئی صاف کرنے والی اور میل کچیل دور کرنے والی چیز ہوتی ہے (مثلاً کپڑے اور بدن کے لئے صابون، لوہے کے لئے آگ کی بھٹی وغیرہ وغیرہ) دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے، اس حدیث میں

چونکہ ذکر کو دل کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بتایا ہے اس سے بھی اللہ کے ذکر کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہر عبادت اسی وقت عبادت ہو سکتی ہے جب اخلاص سے ہو اور اس کا مدار دلوں کی صفائی پر ہے۔

اسی وجہ سے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر، اور ذکر قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے۔ اس لئے کہ جب یہ حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہرہ و باطنہ دل کے تابع ہیں۔ جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے سارے ہی اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ عشاق کے حالات سے کون بے خبر ہے۔ اور بھی بہت سی احادیث میں ذکر کا سب سے افضل ہونا وارد ہوا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا۔ قرآن پاک میں ہے ”وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ“ کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جس آیت شریفہ کی طرف اشارہ فرمایا وہ اکیسویں پارے کی پہلی آیت ہے۔

صاحب مجالس الابرار کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد اور ساری عبادات سے اس لئے افضل فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے: ایک زبانی اور ایک قلبی جو زبان سے بھی افضل ہے اور وہ مراقبہ اور دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہے اس حدیث سے جس میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا سوچنا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مسند احمد میں ہے: حضرت سہل رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے، لہذا ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں جن میں ان چیزوں کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر کا اللہ کے راستہ میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ستر سال کی نماز سے

افضل ہے، حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے، لیکن کفار کے ہجوم کے وقت جہاد اس سے بہت زیادہ افضل ہو جاتا ہے۔

(۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لِيَذْكُرَنَّ اللَّهُ أَقْوَامٌ فِي الدُّنْيَا عَلَى الْفُرُشِ الْمُمَهَّدَةِ، يُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْعُلَى. (اخرجه ابن حبان، كذا في الدر، قلت: ويؤيده)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ان کو پہنچا دیتا ہے۔

الحديث المتقدم قريباً بلفظ "أَرْفَعَهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ" وَأَيْضاً قَوْلُهُ ﷺ: سَبَقَ الْمُفْرِدُونَ، قَالُوا: وَمَا الْمُفْرِدُونَ؟ بَارِسُؤَلُ اللَّهِ! قَالَ: الذَّاكِرُونَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ. رواه مسلم كذا في الحصن. وفي رواية قال: "الْمُسْتَهِرُونَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ، فَيَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافًا"، رواه الترمذی والحاكم مختصراً، وقال: صحيح على شرط الشيخين، وفي الجامع رواه الطبرانی عن أبي الدرداء أيضاً)

ف: یعنی دنیا میں مشقتیں جھیلنا، صعوبتیں برداشت کرنا آخرت کے رفیع درجات کا سبب ہے اور جتنی بھی دینی امور میں یہاں مشقت اٹھائی جائے گی اتنا ہی بلند مرتبوں کا استحقاق ہوگا، لیکن اللہ پاک کے مبارک ذکر کی یہ برکت ہے کہ راحت و آرام سے نرم بستروں پر بیٹھ کر بھی کیا جائے تب بھی رفیع درجات کا سبب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تم ہر وقت ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ مفرد لوگ بہت آگے بڑھ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفرد کون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کے ذکر میں والہانہ طریقہ پر مشغول ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر صوفیہ نے لکھا ہے کہ سلاطین اور امراء کو اللہ کے ذکر سے نہ روکنا چاہئے کہ وہ اس کی وجہ سے درجات اعلیٰ حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوورداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تو اللہ کے ذکر کو اپنی مسرتوں اور خوشیوں کے اوقات میں کر، وہ تجھ کو مشقتوں اور تکلیفوں کے وقت کام دے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ راحت کے، خوشی کے، ثروت کے اوقات میں اللہ کا ذکر کرتا ہے

پھر اس کو کوئی مشقت اور تکلیف پہنچے تو فرشتے کہتے ہیں کہ مانوس آواز ہے جو ضعیف بندہ کی ہے۔ پھر اللہ کے یہاں اس کی سفارش کرتے ہیں۔ اور جو شخص راحت کے اوقات میں اللہ کو یاد نہ کرے، پھر کوئی تکلیف اس کو پہنچے اور اس وقت یاد کرے تو فرشتے کہتے ہیں: کیسی غیر مانوس آواز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک ان میں سے صرف ذاکرین کے لئے ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کثرت سے کرے وہ نفاق سے بری ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جلّ ثناؤ اس سے محبت فرماتے ہیں۔ ایک سفر سے واپسی ہو رہی تھی، ایک جگہ پہنچ کر حضور ﷺ نے فرمایا: آگے بڑھنے والے کہاں ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بعض تیز رو آگے چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ آگے بڑھنے والے کہاں ہیں جو اللہ کے ذکر میں والہانہ مشغول ہیں جو شخص یہ چاہے کہ جنت سے خوب سیراب ہو وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔

(۵) عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ، مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ. (أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا، ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا

مردہ ہے۔

کذا فی الدر والمشکوٰۃ

ف: زندگی ہر شخص کو محبوب ہے اور مرنے سے ہر شخص ہی گھبراتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ زندہ بھی مردے ہی کے حکم میں ہے، اس کی زندگی بھی بیکار ہے۔

زندگانی نتواں گفت حیاتیکہ مراست زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد
ترجمہ: کہتے ہیں کہ وہ زندگی ہی نہیں ہے جو میری ہے۔ زندہ وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے یہ دل کی حالت کا بیان ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا

دل زندہ رہتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کا دل مرجاتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تشبیہ نفع اور نقصان کے اعتبار سے ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے شخص کو جو ستائے وہ ایسا ہے جیسا کسی زندہ کو ستائے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا اور وہ اپنے کئے کو بھگتے گا اور غیر ذاکر کو ستانے والا ایسا ہے جیسا مردہ کو ستانے والا کہ وہ خود انتقام نہیں لے سکتا۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ اس سے ہمیشہ کی زندگی مراد ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے اخلاص کے ساتھ کرنے والے مرتے ہی نہیں، بلکہ وہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں ہی کے حکم میں رہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں شہید کے متعلق وارد ہوا ہے: ”بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ اسی طرح ان کے لئے بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کو تر کرتا ہے اور نرمی پیدا کرتا ہے اور جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے اور سارے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں، طاعت سے رک جاتے ہیں۔ اگر ان اعضاء کو کھینچو تو ٹوٹ جائیں گے جیسے کہ خشک لکڑی کہ جھکانے سے نہیں جھکتی، صرف کاٹ کر جلا دینے کے کام کی رہ جاتی ہے۔

(۶) عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا فِي حَجَرِهِ ذَرَاهِمُ يَفْسِمُهَا وَآخَرُ يَذْكُرُ اللَّهَ لَكَانَ الذَّاكِرُ لِلَّهِ أَفْضَلَ . حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو، اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

(أُخْرِجَهُ الطَّبْرَانِيُّ، كَذَا فِي الدُرِّ، وَفِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَرَجَّاهُ وَثَقُوا)

ف: یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا کتنی ہی بڑی چیز کیوں نہ ہو، لیکن اللہ کی یاد اس کے مقابلہ میں بھی افضل ہے۔ پھر کس قدر خوش نصیب ہیں وہ مالدار اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والے جن کو اللہ کے ذکر کی بھی توفیق نصیب ہو جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے بھی روزانہ بندوں پر صدقہ ہوتا رہتا ہے اور ہر شخص کو اس کی حیثیت کے موافق کچھ نہ کچھ عطا ہوتا رہتا ہے، لیکن کوئی عطا اس سے بڑھ کر نہیں کہ اس کو اللہ

کے ذکر کی توفیق نصیب ہو جائے۔ جو لوگ کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، تجارت، زراعت، ملازمت میں گھرے رہتے ہیں اگر تھوڑا بہت وقت اللہ کی یاد کے لئے اپنے اوقات میں سے نکال لیں تو کیسی مفت کی کمائی ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے دو چار گھنٹے اس کام کے لئے نکال لینا کون سی مشکل بات ہے۔ آخر فضولیات، لغویات میں بہت سا وقت خرچ ہوتا ہے، اس کا رآمد چیز کے واسطے وقت نکالنا کیا دشوار ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو اللہ کے ذکر کے واسطے چاند، سورج، ستارے اور سایہ کی تحقیق رکھتے ہیں، یعنی اوقات کی تحقیق کا اہتمام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں گھڑی گھنٹوں کی کثرت نے اس سے بے نیاز کر دیا، پھر بھی فی الجملہ واقفیت ان چیزوں کی مناسب ہے کہ گھڑی کے خراب اور غلط ہو جانے کی صورت میں اوقات ضائع نہ ہو جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا ذکر کیا جائے وہ حصہ نیچے ساتوں زمینوں تک دوسرے حصوں پر فخر کرتا ہے۔

(۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَضَرَ أَيْمَنَ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى فِي جَنَّةٍ مَعَهُمْ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيْسَ يَتَحَسَّرُ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَّا عَلَى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ تَعَالَى فِيهَا.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق و افسوس نہیں ہوگا، بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔

(أخرجه الطبراني والبيهقي، كذا في الدر، وفي الجامع رواه الطبراني في الكبير، والبيهقي في الشعب ورقم له بالحسن، وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني ورجاله ثقات، وفي شيخ الطبراني خلاف، وأخرج ابن أبي الدنيا والبيهقي عن عائشة بمعناه مرفوعاً، كذا في الدر، وفي الترغيب بمعناه عن أبي هريرة مرفوعاً، وقال: رواه

أحمد بإسناد صحيح وابن حبان والحاكم وقال: صحيح على شرط البخاري)

ف: جنت میں جانے کے بعد جب یہ منظر سامنے ہوگا کہ ایک دفعہ اس پاک نام کو لینے کا اجر و ثواب کتنا زیادہ مقدار میں ہے کہ پہاڑوں کے برابر مل رہا ہے تو اس وقت اپنی اس کمائی کے نقصان پر جس قدر بھی افسوس ہوگا ظاہر ہے۔ ایسے خوش نصیب بندے بھی ہیں جن کو دنیا ہی بغیر ذکر اللہ کے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ”منہبات“

میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے۔ ”إِلٰهِي لَا يَطِيبُ اللَّيْلُ إِلَّا بِمُنَاجَاتِكَ، وَلَا يَطِيبُ النَّهَارُ إِلَّا بِطَاعَتِكَ، وَلَا تَطِيبُ الدُّنْيَا إِلَّا بِذِكْرِكَ، وَلَا تَطِيبُ الْآخِرَةُ إِلَّا بِعَفْوِكَ، وَلَا تَطِيبُ الْجَنَّةُ إِلَّا بِرُؤْيَاكَ“ (ترجمہ) یا اللہ! رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ، اور دن اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ، اور دنیا اچھی معلوم نہیں ہوتی مگر تیرے ذکر کے ساتھ، اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ، اور جنت میں لطف نہیں مگر تیرے دیدار کے ساتھ۔

حضرت سرری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جر جانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ستوپھانک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ خشک ہی پھانک رہے ہو؟ کہنے لگے کہ میں نے روٹی چبانے اور پھانکنے کا جب حساب لگایا تو چبانے میں اتنا وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے۔ اس لئے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی، ستوپھانک کر گذر کر لیتا ہوں۔

منصور بن مؤتمر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشاء کے بعد کسی سے بات نہیں کی۔ ربیع بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ بیس برس تک جو بات کرتے اس کو ایک پرچہ پر لکھ لیتے اور رات کو اپنے دل سے حساب کرتے کہ کتنی بات اس میں ضروری تھی اور کتنی غیر ضروری۔

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہما:
 أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ
 قَالَ: لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا
 حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ،
 وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ
 اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ. (آخر جہ ابن ابی شیبہ
 وأحمد ومسلم والترمذی وابن ماجہ والبیہقی، کذا
 فی الدر والحصن والمشکوۃ)، وفی حدیث طویل

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما
 دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ
 ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ارشاد فرماتے
 تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول
 ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے
 گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی
 ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جل ثنا
 ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور

لَا يَذَرُ "أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ؛ فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ، وَعَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ؛ فَإِنَّهُ ذِكْرُكَ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورُكَ لَكَ فِي الْأَرْضِ" الْحَدِيثُ ذَكَرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَوَايَةِ الطَّبْرَانِيِّ وَعَبْدِ بْنِ حَمِيدٍ فِي تَفْسِيرِهِ وَرَقْمَ لَهُ بِالْحَسَنِ.

پر) فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں تجھے اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ تمام چیزوں کی جڑ ہے اور قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کر کہ اس سے آسمانوں میں تیرا ذکر ہو گا اور

زمین میں نور کا سبب بنے گا۔ اکثر اوقات چپ رہا کر کہ بھلائی بغیر کوئی کلام نہ ہو۔ یہ بات شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے کاموں میں مددگار ہوتی ہے۔ زیادہ ہنسی سے بھی بچتا رہ کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے۔ جہاد کرتے رہنا کہ میری امت کی فقیری یہی ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنا، ان کے پاس اکثر بیٹھتے رہنا اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں پر نگاہ رکھنا اور اپنے سے اونچے لوگوں پر نگاہ نہ کرنا کہ اس سے اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری پیدا ہوتی ہے جو اللہ نے تجھے عطا فرمائی ہیں۔ قرابت والوں سے تعلقات جوڑنے کی فکر رکھنا وہ اگرچہ تجھ سے تعلقات توڑ دیں۔ حق بات کہنے میں تردد نہ کرنا گو کسی کو کڑوی لگے۔ اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا۔ تجھے اپنی عیب بنی دوسروں کے عیوب پر نظر نہ کرنے دے اور جس عیب میں خود مبتلا ہو اس میں دوسرے پر غصہ نہ کرنا۔ اے ابو ذر! حسن تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل مندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنا بہترین پرہیزگاری ہے اور خوش خلقی کے برابر کوئی شرافت نہیں۔

ف: لیکنہ کے معنی سکون و وقار کے ہیں یا کسی مخصوص رحمت کے، جس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جن کو مختصر طور پر میں اپنے رسالہ ”چہل حدیث“ جدید در فضائل قرآن میں لکھ چکا ہوں۔ امام نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی مخصوص چیز ہے جو طمانیت، رحمت وغیرہ سب کو شامل ہے اور ملائکہ کے ساتھ اترتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کا ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر فرمانا ایک تو اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت عرض کیا تھا کہ یہ لوگ دنیا

میں فساد کریں گے جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں کی جماعت اگرچہ سراپا عبادت، سراپا بندگی و اطاعت ہے، لیکن ان میں معصیت کا مادہ بھی نہیں ہے اور انسان میں چونکہ دونوں مادے موجود ہیں اور غفلت اور نافرمانی کے اسباب اس کو گھیرے ہوئے ہیں، شہوتیں، لذتیں اس کا جزو ہیں اس لئے اس سے ان سب کے مقابلہ میں جو عبادت، جو اطاعت ہو اور جو معصیت کا مقابلہ ہو وہ زیادہ قابلِ مدح اور قابلِ قدر ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے جنت کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اس کو دیکھ کر آؤ۔ انہوں نے آ کر عرض کیا: یا اللہ! آپ کی عزت کی قسم! جو شخص بھی اس کی خبر سن لے گا اس میں جائے بغیر نہیں رہے گا یعنی لذتیں اور راحتیں، فرحتیں، نعمتیں جس قدر اس میں رکھی گئی ہیں ان کے سننے اور یقین آ جانے کے بعد کون ہوگا جو اس میں جانے کی انتہائی کوشش نہ کرے گا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے اس کو مشقتوں سے ڈھانک دیا کہ نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، جہاد کرنا، حج کرنا وغیرہ وغیرہ اس پر سوار کر دیئے گئے کہ ان کو بجا لاؤ تو جنت میں جاؤ اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اب دیکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اب تو یا اللہ! مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی اس میں جا ہی نہ سکے گا۔ اسی طرح جب جہنم کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس کے دیکھنے کا حکم ہوا۔ وہاں کے عذاب، وہاں کے مصائب، گندگیاں اور تکلیفیں دیکھ کر انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ کی عزت کی قسم! جو شخص اس کے حالات سن لے گا کبھی بھی اس کے پاس نہ جائے گا۔ حق سبحانہ و تقدس نے دنیا کی لذتوں سے اس کو ڈھانک دیا کہ زنا کرنا، شراب پینا، ظلم کرنا، احکام پر عمل نہ کرنا وغیرہ وغیرہ کا پردہ اس پر ڈال دیا گیا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اب دیکھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! اب تو مجھے اندیشہ ہو گیا کہ شاید ہی کوئی اس سے بچے۔ اسی وجہ سے جب کوئی بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، گناہ سے بچتا ہے تو اس ماحول کے اعتبار سے جس میں وہ ہے قابلِ قدر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ اظہارِ مسرت فرماتے ہیں۔

جن فرشتوں کا اس حدیث پاک میں اور اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں ذکر آیا ہے وہ

فرشتوں کی ایک خاص جماعت ہے جو اسی کام پر متعین ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی مجالس ہوں، اللہ کا ذکر کیا جا رہا ہو وہاں جمع ہوں اور اس کو سنیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت متفرق طور پر پھرتی رہتی ہے اور جس جگہ اللہ کا ذکر سنتی ہے اپنے ساتھیوں کو آواز دیتی ہے کہ آ جاؤ، اس جگہ تمہارا مقصود اور غرض موجود ہے اور پھر ایک دوسرے پر جمع ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آسمان تک ان کا حلقہ پہنچ جاتا ہے جیسا کہ تیسرے باب کی دوسری فصل کے نمبر ۱۴ پر آ رہا ہے۔

(۹) عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَرَجَ عَلَى خَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: مَا أَجْلَسَكُمْ؟ قَالُوا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللَّهَ، وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ، وَمَنْ بِهِ عَلَيْنَا، قَالَ: اللَّهُ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ؟ قَالُوا: اللَّهُ مَا أَجْلَسْنَا إِلَّا ذَلِكَ، قَالَ: أَمَا إِنِّي لَمْ أَتَحْلِفُكُمْ تَهْمَةً لَكُمْ، وَلَكِنْ أَتَانِي جِبْرِيلُ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ اللَّهَ يُبَاهِي بِكُمْ الْمَلَائِكَةَ. (أُخْرِجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاحْمَدُ وَمسلم وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ، كَذَا فِي الدَّرِّ وَالْمَشْكُوتِ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ جلّ ثناؤ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد و ثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا، یہ اللہ کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا خدا کی قسم! صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: خدا کی قسم! صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کو قسم نہیں دی، بلکہ جبریل علیہ السلام میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جلّ ثناؤ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرما رہے ہیں۔

ف: یعنی میں نے جو قسم دے کر پوچھا اس سے مقصود اہتمام اور تاکید تھی کہ ممکن ہے کوئی اور خاص بات بھی اس کے علاوہ ہو اور وہ بات اللہ جلّ ثناؤ کے فخر کا سبب ہو۔ اب معلوم ہو گیا کہ صرف یہ تذکرہ ہی سبب فخر ہے۔ کس قدر خوش قسمت تھے وہ لوگ جن کی عبادتیں

مقبول تھیں اور ان کی حمد و ثناء پر حق تعالیٰ شانہ کے فخر کی خوشخبری ان کو نبی ﷺ کی زبان سے دنیا ہی میں معلوم ہو جاتی تھی اور کیوں نہ ہوتا کہ ان حضرات کے کارنامے اسی کے مستحق تھے۔ ان کے کارناموں کا مختصر تذکرہ، میں اپنے رسالہ ”حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم“ میں نمونہ کے طور پر لکھ چکا ہوں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو! یہ لوگ باوجودیکہ نفس ان کے ساتھ ہے، شیطان ان پر مسلط ہے، شہوتیں ان میں موجود ہیں، دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ ان سب کے باوجود، ان سب کے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹتے۔ تمہارا ذکر و تسبیح اس لحاظ سے کہ تمہارے لئے کوئی مانع بھی ان میں سے نہیں ہے، ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔

(۱۰) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ
قَالَ: مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ لَا يُرِيدُونَ بِذَلِكَ إِلَّا وَجْهَهُ،
إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ
قُومُوا مَغْفُورًا لَكُمْ، قَدْ بَدَلْتُ
سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ. (الخرجه احمد)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں، اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے، اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

والبزار و ابو یعلیٰ والطبرانی، وخرجه الطبرانی عن سهل بن الحنظلية أيضا وخرجه البيهقي

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْقَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَزَادَ:
”وَمَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا فِي مَجْلِسٍ،
فَتَفَرَّقُوا، وَلَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ إِلَّا كَانَ
ذَلِكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ.“

دوسری حدیث میں ہے اس کے بالمقابل جو اجتماع ایسا ہو کہ اس میں اللہ پاک کا کوئی ذکر ہو ہی نہیں تو یہ اجتماع قیامت کے دن حسرت و افسوس کا سبب ہوگا۔

كذا في الدر، قال المنذرى: رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورواه صحيح بهم في الصحيح، وفي الباب عن أبي هريرة عند أحمد وابن حبان وغيرهما، وصححه الحاكم على شرط مسلم في موضع وعلى شرط البخاري

فی موضع آخری، وعزا السيوطي في الجامع حديث سهل الي الطبراني، والبيهقي في الشعب والضياء ورقم له بالحسن، وفي الباب روايات ذكرها في مجمع الزوائد.

ف: یعنی اس اجتماع کی بے برکتی اور اضاعت پر حسرت ہوگی اور کیا بعید ہے کہ وبال کا سبب کسی وجہ سے بن جائے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، حضور ﷺ پر درود نہ ہو، اس مجلس والے ایسے ہیں جیسے مرے ہوئے گدھے پر سے اٹھے ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے اختتام پر یہ دعا پڑھ لے: ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو بھی مجلس ایسی ہو جس میں اللہ کا ذکر، حضور ﷺ پر درود شریف نہ ہو وہ مجلس قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے چاہے مغفرت فرماویں، چاہے مطالبہ اور عذاب فرماویں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مجلسوں کا حق ادا کیا کرو اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر ان میں کثرت سے کرو۔ راہگیروں کو (بوقت ضرورت) راستہ بتاؤ اور (ناجائز چیز سامنے آجائے تو) آنکھیں بند کرلو (یا نیچی کرلو کہ اس پر نگاہ نہ پڑے)

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کا ثواب بہت بڑی ترازو میں تلے (یعنی ثواب بہت زیادہ مقدار میں ہو کہ وہی بڑی ترازو میں تلے گا، معمولی چیز تو بڑی ترازو کے پائنگ میں آجائے گی) اس کو چاہئے کہ مجلس کے ختم پر یہ دعا پڑھا کرے:

”سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝“ (الصُّفْتُ: ۸۰، ۸۱، ۸۲)

حدیث بالا میں برائیوں کے نیکیوں سے بدل دینے کی بشارت بھی ہے۔ قرآن پاک میں بھی سورہ فرقان کے ختم پر مومنین کی چند صفات ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے: ”فَأُولَٰئِكَ يَبْدِلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝“ (الفرقان: ۷۰) (پس یہی لوگ

ہیں جن کی برائیوں کو حق تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اس آیت شریفہ کے متعلق علمائے تفسیر کے چند اقوال ہیں:-

ایک یہ کہ سیئات معاف فرمادی جائیں گی اور حسنات باقی رہ جائیں گی، گویا یہ بھی تبدیلی ہے کہ سیئہ کوئی باقی نہیں رہی۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کو بجائے برے اعمال کرنے کے نیک اعمال کی توفیق حق تعالیٰ شانہ کے یہاں نصیب ہوگی جیسا کہ بولتے ہیں کہ گرمی کے بجائے سردی ہوگئی۔ تیسرے یہ کہ ان کی عادتوں کا تعلق بجائے بری چیزوں کے اچھی چیزوں کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ آدمی کی عادتیں طبعی ہوتی ہیں جو بدلتی نہیں۔ اسی وجہ سے ضرب المثل ہے ”جکل گزدِ دُ، چہلت نہ گردِ دُ“ اور یہ مثل بھی ایک حدیث سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے نکل گیا اور دوسری جگہ چلا گیا تو اس کی تصدیق کرلو، لیکن اگر سنو کہ طبیعت بدل گئی تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ گویا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عادات کا زائل ہونا پہاڑ کے زائل ہونے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس کے بعد پھر اشکال ہوتا ہے کہ صوفیہ اور مشائخ جو عادات کی اصلاح کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عادتیں نہیں بدلتیں بلکہ ان کا تعلق بدل جاتا ہے، مثلاً ایک شخص کے مزاج میں غصہ ہے وہ مشائخ کی اصلاح اور مجاہدوں سے ایسا ہو جائے کہ غصہ بالکل باقی نہ رہے یہ تو دشوار ہے۔ ہاں اس غصہ کا تعلق پہلے سے جن چیزوں کے ساتھ تھا مثلاً بے جا ظلم، تکبر وغیرہ اب بجائے ان کے اللہ کی نافرمانیوں پر، اس کے احکام کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے تھے، ایمان کے بعد حضور ﷺ کے فیض صحبت سے کفار و فاسق پر اسی طرح ٹوٹتے تھے، اسی طرح اور اخلاق کا بھی حال ہے۔

اس توضیح کے بعد اب مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ ایسے لوگوں کے اخلاق کا تعلق بجائے معاصی کے حسنات سے فرما دیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ شانہ ان کو اپنی برائیوں پر توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے پرانے پرانے گناہ یاد آ کر ندامت

اور توبہ کا سبب ہوتا ہے اور ہر گناہ کے بدلے ایک توبہ جو عبادت ہے اور نیکی ہے ثبوت ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ ہے کہ اگر مولائے کریم کو کسی کی کوئی ادا پسند ہو اور اس کو اپنے فضل سے برائیوں کے برابر نیکیاں دے تو کسی کے باپ کا کیا اجارہ ہے، وہ مالک ہے، بادشاہ ہے، قدرت والا ہے، اس کی رحمت کی وسعت کا کیا کہنا، اس کی مغفرت کا دروازہ کون بند کر سکتا ہے؟ اس کی عطا کو کون روک سکتا ہے؟ جو دے رہا ہے وہ اپنی ہی ملک سے دیتا ہے، اس کو اپنی قدرت کے مظاہر بھی دکھانا ہیں، اپنی مغفرت کے کرشمے بھی اسی دن ظاہر کرنا ہیں۔

احادیث میں محشر کا نظارہ اور حساب کی جانچ مختلف طریقوں سے وارد ہوئی ہے جس کو ”ہیجۃ النفوس“ نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حساب چند انواع پر منقسم ہوگا۔ ایک نوع یہ ہوگی کہ بعض بندوں سے نہایت مخفی رحمت کے پردہ میں مخاسبہ ہوگا اور ان کے گناہ ان کو گنوائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ تو نے فلاں وقت یہ گناہ کیا، فلاں وقت ایسا کیا اور اس کو اقرار بغیر چارہ کار نہ ہوگا، حتیٰ کہ وہ گناہوں کی کثرت سے یہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا تو ارشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں بھی تجھ پر ستاری کی، آج بھی ستاری کرتے ہیں اور معاف کرتے ہیں، چنانچہ جب یہ شخص اور اس جیسا جو ہوگا وہ حساب کے مقام سے واپس جائے گا تو لوگ دیکھ کر کہیں گے کہ یہ کیسا مبارک بندہ ہے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان کو اس کے گناہوں کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اسی طرح ایک نوع ایسی ہوگی کہ ان کے لئے چھوٹے بڑے گناہ ہوں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہوگا کہ اچھا ان کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو تو وہ جلدی سے کہیں گے کہ ابھی اور بھی گناہ ایسے ہیں جو یہاں ذکر نہیں کئے گئے۔ اسی طرح اور انواع کا ذکر کیا ہے کہ کس کس طرح سے پیشی اور حساب ہوگا۔

حدیث میں ایک قصہ آتا ہے نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے اخیر میں جہنم سے نکالا جائے گا اور سب سے اخیر میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ایک شخص کو بلایا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے بڑے بڑے گناہ تو ابھی ذکر نہ کئے جائیں، چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں، ان پر باز پرس کی جائے، چنانچہ یہ شروع ہو جائے گا اور ایک ایک گناہ وقت کے حوالہ کے

ساتھ اس کو جتایا جائے گا۔ وہ انکار کیسے کر سکتا ہے، اقرار کرتا جائے گا۔ اتنے میں ارشادِ ربی ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی جائے تو وہ جلدی سے کہے گا کہ ابھی تو اور بھی بہت سے گناہ باقی ہیں، ان کا تو ذکر ہی نہیں آیا۔ اس قصہ کو نقل فرماتے ہوئے حضور ﷺ کو بھی ہنسی آگئی۔

اس قصے میں اول تو جہنم میں سے سب سے اخیر میں نکلنا ہے، یہی کیا کم سزا ہے؟ دوسرے کیا معلوم کون خوش قسمت ایسا ہو سکتا ہے جس کے گناہوں کی تبدیلی ہو۔ اس لئے اللہ کی پاک ذات سے اُمید کرتے ہوئے فضل کا مانگتے رہنا بندگی کی شان ہے، لیکن اس پر مطمئن ہونا جرات ہے، البتہ سینکڑوں حسنات سے بدلنے کا سبب اخلاص سے مجالس ذکر میں حاضری حدیثِ بالا سے معلوم ہوتی ہی ہے، لیکن اخلاص بھی اللہ ہی کی عطا سے ہو سکتا ہے۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ جہنم سے اخیر میں نکلنے والے کے بارہ میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن ان میں کوئی اشکال نہیں۔ ایک معتد بہ جماعت اگر نکلے تو بھی ہر شخص اخیر میں نکلنے والا ہے اور جو قریب اخیر کے نکلے وہ بھی اخیر ہی کہلاتا ہے، نیز خاص خاص جماعت کا اخیر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس حدیث میں اہم مسئلہ اخلاص کا ہے اور اخلاص کی قید اور بھی بہت سی احادیث میں اس رسالہ میں نظر سے گزرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص ہی کی قدر ہے۔ جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کی عمل کی قیمت ہوگی۔ صوفیہ کے نزدیک اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ قال اور حال برابر ہوں۔ ایک حدیث میں آئندہ آرہا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ گناہوں سے روک دے۔ ”بُحْبُحَةُ النَّفُوسِ“ میں لکھا ہے: ایک بادشاہ کے لئے جو نہایت ہی جابر اور مُتَشَدِّد تھا ایک جہاز میں بہت سی شراب لائی جا رہی تھی۔ ایک صاحب کا اس جہاز پر گزر ہوا اور جس قدر ٹھکیاں شراب سے بھری ہوئی تھیں سب ہی توڑ دیں، ایک چھوڑ دی۔ کسی شخص کی ہمت ان کو روکنے کی نہ پڑی لیکن اس پر حیرت تھی کہ اس بادشاہ کے تشدد کا مقابلہ بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا، پھر اس نے کس طرح جرات کی۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی، اس کو بھی تعجب ہوا۔ اولاً اس بات پر کہ اس کے مال پر کس طرح ایک معمولی آدمی نے جرات کی اور پھر اس پر کہ ایک مٹکی کیوں چھوڑ دی۔ ان صاحب کو بلایا گیا، پوچھا

کہ یہ کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے دل میں اس کا تقاضا ہوا اس لئے ایسا کیا، تمہارا جو دل چاہے سزا دیدو۔ اس نے پوچھا کہ یہ ایک کیوں چھوڑ دی؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اولاً اسلامی غیرت کا تقاضا تھا اس لئے میں نے توڑیں، مگر جب ایک رہی تو میرے دل میں ایک خوشی سی پیدا ہوئی کہ میں نے ایک ناجائز کام کو منادیا تو مجھے اس کے توڑنے میں یہ شبہ ہوا کہ یہ حظ نفس، دل کی خوشی کی وجہ سے ہے اس لئے ایک کو چھوڑ دیا۔ بادشاہ نے کہا: اس کو چھوڑ دو، یہ مجبور تھا۔

”احیاء العلوم“ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا، ایک جماعت اس کے پاس آئی اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کو پوجتی ہے، یہ سن کر اس کو غصہ آیا اور کلہاڑا کندھے پر رکھ کر اس کو کاٹنے کے لئے چل دیا۔ راستہ میں شیطان ایک پیر مرد کی صورت میں ملا۔ عابد سے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: فلاں درخت کاٹنے جاتا ہوں۔ شیطان نے کہا: تمہیں اس درخت سے کیا واسطہ؟ تم اپنی عبادت میں مشغول رہو، تم نے اپنی عبادت کو ایک مہمل کام کے واسطے چھوڑ دیا۔ عابد نے کہا: یہ بھی عبادت ہے۔ شیطان نے کہا: میں نہیں کاٹنے دوں گا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا، وہ عابد اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے اپنے کو عاجز دیکھ کر خوشامد کی اور کہا: اچھا ایک بات سن لے، عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ شیطان نے کہا کہ اللہ نے تجھ پر اس کو فرض تو کیا نہیں، تیرا اس سے کوئی نقصان نہیں، تو اس کی پرستش نہیں کرتا۔ اللہ کے بہت سے نبی ہیں، اگر وہ چاہتا تو کسی نبی کے ذریعہ سے اس کو کٹوا دیتا۔ عابد نے کہا: میں ضرور کاٹوں گا۔ پھر مقابلہ ہوا، وہ عابد پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے کہا: اچھا سن، ایک فیصلہ والی بات تیرے نفع کی کہوں۔ اس نے کہا: کہہ۔ شیطان نے کہا: تو غریب ہے، دنیا پر بوجھ بنا ہوا ہے، تو اس کام سے باز آ، میں تجھے روزانہ تین دینار (اشرنی) دیا کروں گا جو روزانہ تیرے سرہانے رکھے ہوئے ملا کریں گے۔ تیری بھی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی۔ اپنے اعزہ پر بھی احسان کر سکے گا۔ فقیروں کی مدد کر سکے گا اور بہت سے ثواب کے کام کر سکے گا۔ اس میں ایک ہی ثواب ہو گا اور وہ بھی بیکار کہ وہ لوگ پھر دوسرا گالیں گے۔ عابد کی سمجھ میں

آگیا، قبول کر لیا۔ دو دن تو وہ ملے، تیسرے دن سے ندارد۔ عابد کو غصہ آیا اور کلہاڑا لے کر پھر چلا۔ راستہ میں وہ بوڑھا ملا، پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ عابد نے بتایا کہ اسی درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ بوڑھے نے کہا کہ تو اس کو نہیں کاٹ سکتا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا وہ بوڑھا غالب آگیا اور عابد کے سینہ پر چڑھ گیا۔ عابد کو بڑا تعجب ہوا، اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اس مرتبہ غالب ہو گیا؟ اس بوڑھے نے کہا کہ پہلی مرتبہ تیرا غصہ خالص اللہ کے واسطے تھا، اس لئے اللہ جلّ جلالہ نے مجھے مغلوب کر دیا تھا۔ اس مرتبہ اس میں دیناروں کا دخل تھا اس لئے تو مغلوب ہوا۔ حق یہ ہے کہ جو کام خالص اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے اس میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

(۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اکرم ﷺ كَا اِرْشَادِ هِی اللّٰہ کے ذکر رَسُولُ اللّٰہ ﷺ: مَا عَمِلَ اَدَمِيٌّ عَمَلًا سِوَا الَّذِي يَسْتَعِيْذُ بِہٖ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰہ سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذابِ قبر اَنْجِيْ لَہٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰہ سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔

اخرجه أحمد، كذا في الدر والي أحمد عزاء في الجامع الصغير بلفظ أنجي له من عذاب الله ورقم له بالصححة، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح إلا أن زياداً لم يدرك معاذاً، ثم ذكره بطريق آخر قال: رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح، قلت: وفي المشكوة عنه موقوفاً بلفظ "مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْجِيْ لَہٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰہ مِنْ ذِكْرِ اللّٰہ" وقال: رواه مالك والترمذي وابن ماجه، قلت: وهكذا رواه الحاكم وقال: صحيح الاسناد وقرره عليه الذهبي، وفي المشكوة برواية البيهقي في الدعوات عن ابن عمر مرفوعاً بمعناه، قال القاري: رواه ابن أبي شيبة وابن أبي الدنيا، وذكره في الجامع الصغير برواية البيهقي في الشعب ورقم له بالضعف وزاد في أوله "لِكُلِّ شَيْءٍ صِفَالَةٌ وَصِفَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللّٰہ" وفي مجمع الزوائد برواية جابر مرفوعاً نحوه، وقال: رواه الطبراني في الصغير والأوسط، ورجلها رجال الصحيح.

ف: عذابِ قبر کتنی سخت چیز ہے، اس سے وہی لوگ واقف ہیں جن کے سامنے وہ احادیث ہیں جو عذابِ قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت کے، دوزخ کے ذکر سے ایسا نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آ جانے سے روتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے جو شخص اس سے نجات پالے بعد کی سب منزلیں اس پر سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس سے نجات نہ پائے بعد کی منزلیں دشوار ہی ہوتی جاتی ہیں۔ پھر آپ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد سنایا کہ

حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ڈراور خوف کی وجہ سے مردوں کا دفن کرنا چھوڑ دو گے، ورنہ میں اس کی دعا کرتا کہ اللہ جلّ شأنا تمہیں بھی عذابِ قبر سنا دے۔ آدمیوں اور جنات کے سوا اور جاندار عذابِ قبر کو سنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی بدکنے لگی۔ کسی نے پوچھا: حضور کی اونٹنی کو کیا ہوا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے، اس کی آواز سے بدکنے لگی۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو اکثر یاد کیا کرو تو یہ بات نہ ہو۔ کوئی دن قبر پر ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ یہ اعلان نہیں کرتی کہ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، کیڑوں اور جانوروں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن (کامل ایمان والا) دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: تیرا آنا مبارک ہے۔ تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ آگیا۔ جتنے لوگ میری پشت پر (یعنی زمین پر) چلتے تھے، تو ان سب میں مجھے بہت محبوب تھا۔ آج تو میرے سپرد ہوا تو تو میرا حسن سلوک بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ منہبائے نظر تک کھل جاتی ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس میں کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوائیں خوشبوئیں وغیرہ پہنچتی رہتی ہیں اور جب کافر یا فاجر دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ تیرا آنا منحوس اور نامبارک ہے، کیا ضرورت تھی تیرے آنے کی۔ جتنے آدمی میری پشت پر چلتے تھے سب میں زیادہ بغض مجھے تجھ سے تھا۔ آج تو میرے حوالہ ہوا تو میرا معاملہ بھی دیکھے گا۔ اس کے بعد اس کو اس قدر زور سے بھینچتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں جس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اس کے بعد نوے یا ننانوے اڑدے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں جو اس کو نوچتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک اڑدہ بھی ان میں سے زمین پر پھنکار

مردے تو قیامت تک زمین میں گھاس نہ اُگے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر، یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گذر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو چغل خوری کے جرم میں، دوسرے کو پیشاب کی احتیاط نہ کرنے میں (کہ بدن کو اس سے بچاتا نہ تھا) ہمارے کتنے مہذب لوگ ہیں جو استنجے کو عیب سمجھتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ علماء نے پیشاب سے نہ بچنا گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں سب سے پہلے مطالبہ پیشاب کا ہوتا ہے۔ بالجملہ عذاب قبر نہایت سخت چیز ہے اور جیسا کہ اس کے ہونے میں بعض گناہوں کو خاص دخل ہے اسی طرح اس سے بچنے میں بھی بعض عبادات کو خصوصی شرافت حاصل ہے، چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ سورہ تبارک الذی کا ہر رات کو پڑھتے رہنا عذاب قبر سے نجات کا سبب ہے اور عذاب جہنم سے بھی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ کا ذکر کے بارے میں تو حدیث بالا ہے ہی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل ثنا بعض قوموں کا حشر ایسی طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوا ہوگا، وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے، لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے، وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہونگے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم ان کو پہچان لیں، حضور ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے مختلف

(۱۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيُعَذِّبُ اللَّهُ أَقْوَامًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي وُجُوهِهِمُ النُّورُ عَلَى مَنَابِرَ اللَّوْلُوءِ، يَغْبِطُهُمُ النَّاسُ، لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: حُلِيهِمْ لَنَا نَعْرِفُهُمْ، قَالَ: هُمُ الْمُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ قَبَائِلِ شَتَّى وَبِلَادٍ شَتَّى، يَجْتَمِعُونَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ يَذْكُرُونَهُ. (الخرجه الطبرانی باسناد حسن، كذا في الدرر وجمع الزوائد والترغيب للمنفرد، و

ذکر ایضاً لہ منابغة برواية عمرو بن عبسة عند الطبراني مرفوعاً، قال المنذري: واسناده

خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

مقارب لابأس به، ورقم لحديث عمرو بن عبسة في الجامع الصغير بالحسن، وفي مجمع الزوائد رجاله موثوقون، وفي مجمع الزوائد بمعنى هذا الحديث مطولاً وفيه "عَلَهُمْ لَنَا يَغْنَى صِفَهُمْ لَنَا شَكْلُهُمْ لَنَا فُسْرُ وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِسُؤَالِ الْأَعْرَابِيِّ" الْحَدِيثُ - قال: رواه أحمد والطبراني بنحوه ورجالهم وثقوا، قلت: وفي الباب عن أبي هريرة عند البيهقي في الشعب إن في الجنة لعمداً من ياقوت، عَلَيْهَا عُزْرَتٌ مِنْ زَبَرَجَدٍ، لَهَا أَبْوَابٌ مُفْتَحَةٌ تُضِيُّ كَمَا يُضِيُّ الْكَوْكَبُ الدَّرِّيُّ، يَسْكُنُهَا الْمُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ تَعَالَى، وَالْمُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ تَعَالَى وَالْمُتَلَفُّونَ فِي اللَّهِ، كَذَا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَرَقْمُ لَهُ بِالضَّعْفِ وَذَكَرَ فِي مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ لَهُ شَوَاهِدٌ، وَكَذَا فِي الْمَشْكُوتِ

دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہوں گے جن پر زبرجد (زمرّد) کے بالا خانے ہوں گے، ان میں چاروں طرف دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور ایسے چمکتے ہوں گے جیسے کہ نہایت روشن ستارہ چمکتا ہے۔ ان بالا خانوں میں وہ لوگ رہیں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے ایک جگہ اکٹھے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے آپس میں ملتے جلتے ہوں۔

ف: اس میں اطباء کا اختلاف ہے کہ زبرجد اور زمرّد ایک ہی پتھر کے دو نام ہیں یا ایک پتھر کی دو قسمیں ہیں یا ایک ہی نوع کے دو پتھر ہیں۔ بہر حال یہ ایک پتھر ہوتا ہے جو نہایت ہی روشن چمک دار ہوتا ہے۔

آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے، ہر طرف سے فقرے کے جاتے ہیں۔ آج انہیں جتنا دل چاہے برا بھلا کہہ لیں، کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ ان منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے، اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فَسَوْفَ تَرَى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ أَفْرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

(عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں،

یہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس پر جو سیکندہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، رحمت الہی ان کو ڈھانک لیتی ہے اور اللہ جلّ ثناؤ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ابورزین ایک صحابی ہیں، وہ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے تو دونوں جہان کی بھلائی کو پہنچے، وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں، ان کو مضبوط پکڑ اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے ان گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو چمکدار دیکھتے ہیں۔ یہ گھر جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسے منور اور روشن ہوتے ہیں کہ اپنے نور کی وجہ سے ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور جن کو اللہ جلّ ثناؤ نور کے دیکھنے کی آنکھیں عطا فرماتے ہیں وہ یہاں بھی ان کی چمک دیکھ لیتے ہیں۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو بزرگوں کا نور، ان کے گھروں کا نور اپنی آنکھوں سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں، چنانچہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسا چمکتے ہیں جیسا کہ چراغ۔ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ابھی قریب ہی زمانہ میں ایک بزرگ گذرے ہیں جو بالکل اُمّی تھے مگر قرآن شریف کی آیت، حدیث قدسی، حدیث نبوی اور موضوع حدیث کو علیحدہ علیحدہ بتا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ متکلم کی زبان سے جب لفظ نکلتے ہیں تو ان الفاظ کے نور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا کلام ہے کہ اللہ پاک کے کلام کا نور علیحدہ ہے اور حضور ﷺ کے کلام کا نور دوسرا ہے اور دوسرے کلاموں میں یہ دونوں نور نہیں ہوتے۔

تذکرۃ الخلیل یعنی سوانح حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ میں بروایت مولانا ظفر احمد صاحب لکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پانچویں حج میں جس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد حرام میں طوافِ قدوم کے لئے تشریف لائے تو احقر مولانا محبت الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(جو اعلیٰ حضرت مولانا الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف مشہور تھے) کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے: اس وقت حرم میں کون آگیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر مولانا کے پاس کو گزرے۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا کہ میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آگیا۔ مجالس ذکر کی فضیلت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ افضل ترین رباط نماز ہے اور ذکر کی مجالس۔ رباط کہتے ہیں دارالاسلام کی سرحد کی حفاظت کرنے کو تاکہ کفار اس طرف سے حملہ نہ کریں۔

(۱۳) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا، قَالَ: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: حَلَقُ الذِّكْرِ. (الخرجه احمد والترمذی وحسنه)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گزرو تو خوب چرو۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

وذكره في المشكوة برواية الترمذی، وزاد في الجامع الصغير والبيهقي في الشعب ورقم له بالصحة، وفي الباب عن جابر عند ابن أبي الدنيا والبخاري وأبي يعلى والحاكم وصححه، والبيهقي في الدعوات، كذا في الدر وفي الجامع الصغير برواية الطبراني عن ابن عباس بلفظ مجالس العلم، ورواية الترمذی عن أبي هريرة بلفظ المساجد محل حلق الذكر وزاد الرنع - سُبحَانَ اللَّهِ الْخَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ

ف: مقصود یہ ہے کہ کسی خوش قسمت کی ان مجالس، ان حلقوں تک رسائی ہو جائے تو اس کو بہت زیادہ غنیمت سمجھنا چاہئے کہ یہ دنیا ہی میں جنت کے باغ ہیں اور ”خوب چرو“ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے جانور جب کسی سبزہ زار یا کسی باغ میں چرنے لگتا ہے تو معمولی سے ہٹانے سے بھی نہیں ہٹتا، بلکہ مالک کے ڈنڈے وغیرہ بھی کھاتا رہتا ہے، لیکن ادھر سے منہ نہیں موڑتا۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو بھی دنیاوی تفکرات اور موانع کی وجہ سے ادھر سے منہ نہ موڑنا چاہئے، اور جنت کے باغ اس لئے فرمائے کہ جیسا کہ جنت میں کسی قسم کی آفت نہیں ہوتی اسی طرح یہ مجالس بھی آفات سے محفوظ رہتی ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر دلوں کی شفا ہے یعنی دل میں جس قسم کے امراض پیدا ہوتے ہیں تکبر، حسد، کینہ وغیرہ سب ہی امراض کا علاج ہے۔ صاحب الفوائد فی الصلوٰۃ والعوائد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آدمی ذکر پر مداومت سے تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم کرتا ہوں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پیچھے کوئی دشمن لگ جائے اور وہ اس سے بھاگ کر کسی قلعہ میں محفوظ ہو جائے اور ذکر کرنے والا اللہ جلّ ثنا کا ہمنشین ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہوگا کہ وہ مالک الملک کا ہمنشین ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس سے شرح صدر ہو جاتا ہے، دل منور ہو جاتا ہے، اس کے دل کی سختی دور ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ظاہری اور باطنی منافع ہوتے ہیں جن کو بعض علماء نے تو تک شمار کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے خواب میں دیکھا کہ جب بھی آپ اندر جاتے ہیں یا باہر آتے ہیں یا کھڑے ہوتے ہیں یا بیٹھتے ہیں تو فرشتے آپ کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تمہارا دل چاہے تو تمہارے لئے بھی وہ دعا کر سکتے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا“ سے ”رَحِيمًا“ تک۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت اور ملائکہ کی دعا تمہارے ذکر پر متفرع ہے، جتنا تم ذکر کرو گے اتنا ہی ادھر سے ذکر ہوگا۔

(۱۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ عَجَزَ مِنْكُمْ عَنِ اللَّيْلِ أَنْ يُكَابِدَهُ، وَبَحَلَ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ، وَجَبْنَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ يُجَاهِدَهُ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللَّهِ. (رواه الطبراني والبيهقي والبزار واللفظ له، وفي سنده أبو يحيى الفتات

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے اور بخل کی وجہ سے مال بھی نہ خرچ کیا جاتا ہو (یعنی نفلی صدقات) اور بزدلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کر سکتا ہو اس کو چاہئے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے۔

وبقية محتج بهم في الصحيح، كذا في الترغيب، قلت: هو من رواية البخاري في الأدب المفرد، والترمذي وأبي داود وابن ماجه، وثقه ابن معين وضعفه آخرون، وفي التقريب لابن الحديث، وفي مجمع الزوائد رواه

البزار والطبرانی وفيه الفتات فدونق وضعفه الجمهور، وبقية رجال البزار رجال الصحيح

ف: یعنی ہر قسم کی کوتاہی جو عباداتِ نفلیہ میں ہوتی ہے اللہ کے ذکر کی کثرت اس کی تلافی کر سکتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے اور نفاق سے براءت ہے اور شیطان سے حفاظت ہے اور جہنم کی آگ سے بچاؤ ہے اور انہیں منافع کی وجہ سے اللہ کا ذکر بہت سی عبادتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے، بالخصوص شیطان کے تسلط سے بچنے میں اس کو خاص دخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان گھٹنے جمائے ہوئے آدمی کے دل پر مسلط رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ عاجز و ذلیل ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ آدمی غافل ہوتا ہے تو یہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی لئے صوفیہ بکرام ذکر کی کثرت کراتے ہیں تاکہ قلب میں اس کے وساوس کی گنجائش نہ رہے اور وہ اتنا قوی ہو جائے کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہی راز ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور اقدس ﷺ کے فیضِ صحبت سے یہ قوتِ قلبیہ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی تو ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ سے جتنا بُعد (دوری) ہوتا گیا اتنی ہی قلب کے لئے اس مقوی قلبِ خمیرہ کی ضرورت بڑھتی گئی۔ اب قلوب اس درجہ ماؤف ہو چکے ہیں کہ بہت سے علاج سے بھی وہ درجہ قوت کا تو حاصل نہیں ہوتا، لیکن جتنا بھی ہو جاتا ہے وہی بسا غنیمت ہے کہ وبائی مرض میں جس قدر بھی کمی ہو بہتر ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اللہ جلّ ثنا سے دعا کی کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت ان پر منکشف ہو جائے کہ کس طرح ڈالتا ہے تو انہوں نے دیکھا کہ دل کے بائیں طرف مونڈھے کے پیچھے چھری کی شکل سے بیٹھا ہے۔ ایک لمبی سی سوئڈ منہ پر ہے جس کو سوئی کی طرح سے دل کی طرف لے جاتا ہے، اس کو ڈاکر پاتا ہے تو جلدی سے اس سوئڈ کو کھینچ لیتا ہے، غافل پاتا ہے تو اس سوئڈ کے ذریعہ سے وساوس اور گناہوں کا زہر انجکشن کے طریقہ سے دل میں بھرتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ شیطان اپنی ناک کا اگلا حصہ آدمی کے دل پر رکھے ہوئے بیٹھا رہتا ہے۔ جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ذلت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دل کو لقمہ بنا لیتا ہے۔

(۱۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ (رضی اللہ عنہ): حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریا کار کہنے لگیں۔

أحمد وأبو يعلى وابن حبان والحاكم في صحيحه

وقال: صحيح الاسناد، وروي عن ابن عباس مرفوعاً بلغظ "اذكروا الله ذكراً يقول المنافقون انكم مُراؤون" رواه الطبراني ورواه البيهقي عن أبي الجوزاء مرسلاً، كذا في الترغيب والمقاصد الحسنة للسخاوي، وهكذا في الدر المنثور للسيوطي، إلا أنه عزا حديث أبي الجوزاء إلى عبد الله بن أحمد في زوائد الزهد، وعزاه في الجامع الصغير إلى سعيد بن منصور في سننه، والبيهقي في الشعب ورقم له بالضعف وذكر في الجامع الصغير أيضاً برواية الطبراني عن ابن عباس مسنداً ورقم له بالضعف، وعزا حديث أبي سعيد إلى أحمد وأبي يعلى في مسنده و ابن حبان والحاكم والبيهقي في الشعب ورقم له بالحسن

ف: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بے وقوفوں کے ریا کار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہئے، بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہئے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں اور مجنون جب ہی کہا جائے گا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے، آہستہ میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے کوئی چیز بندوں پر ایسی فرض نہیں فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہ کر دی ہو اور پھر اس کے عذر کو قبول نہ فرمالیا ہو بجز اللہ کے ذکر کے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر فرمائی اور نہ عقل رہنے تک کسی کو معذور قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہے: "اذكروا الله ذكراً كثيراً" (اللہ جلّ و علا کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو) رات میں، دن میں، جنگل میں، دریا میں، سفر میں، حضر میں، فقر میں، توغمی میں، بیماری میں، صحت میں آہستہ اور پکار کر اور ہر حال میں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے "مُنْتَهَا" میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک کے ارشاد "وَكَانَ قَاحَةً كَنُزُ لُهُمَا" میں منقول ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں سات سطریں لکھی ہوئی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے: (۱) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو جانتا ہو، پھر بھی بنے۔ (۲) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا آخر ایک دن ختم ہونے والی ہے، پھر بھی اس میں رغبت

کرے۔ (۳) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مقدر سے ہے، پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔ (۴) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو، پھر بھی مال جمع کرے۔ (۵) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو، پھر بھی گناہ کرے۔ (۶) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو، پھر کسی اور چیز کا ذکر کرے۔ (۷) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو، پھر دنیا میں سے کسی چیز سے راحت پائے۔

بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے، پھر بھی اس کی اطاعت کرے۔ حافظ رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے اللہ کے ذکر کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ بغیر ذکر کے کوئی چیز نفع نہ دے گی۔

ان سب روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر کی جتنی بھی کثرت ممکن ہو دروغ نہ کرے۔ لوگوں کے مجنون یا ریاکار کہنے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ صوفیہ نے لکھا ہے کہ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ اول وہ ذکر سے اس خیال سے روکتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے، کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ۔ پھر شیطان کو روکنے کے لئے یہ ایک مستقل ذریعہ اور حیلہ مل جاتا ہے۔ اس لئے یہ تو ضروری ہے کہ دکھلانے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرے، لیکن اگر کوئی دیکھ لے تو بلا سے دیکھے، اس وجہ سے چھوڑنا بھی نہ چاہئے۔ حضرت عبداللہ ذوالجبارین رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں جو لڑکپن میں یتیم ہو گئے تھے، چچا کے پاس رہتے تھے۔ وہ بہت اچھی طرح رکھتا تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ چچا کو خبر ہو گئی تو اس نے غصہ میں بالکل ننگا کر کے نکال دیا، ماں بھی بیزار تھی لیکن پھر ماں بھی، ایک موٹی سی چادر ننگا دیکھ کر دے دی جس کو انہوں نے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر ڈھکا، دوسرا اوپر ڈال لیا۔ مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ کے دروازہ پر پڑے رہا کرتے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ شخص ریاکار ہے کہ اس طرح ذکر کرتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ اوابین میں ہے۔

غزوہ تبوک میں انتقال ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ رات کو قبروں کے قریب چراغ جل رہا ہے۔ قریب جا کر دیکھا کہ حضور ﷺ قبر میں اترے ہوئے ہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ لاؤ اپنے بھائی کو مجھے پکڑادو۔ دونوں حضرات نے نعش کو پکڑا دیا۔ دفن کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے تمنا ہوئی کہ یہ نعش تو میری ہوتی۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ جو اکابر صوفیہ میں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کو اس وجہ سے نہ کرنا کہ لوگ دیکھیں گے یہ بھی ریا میں داخل ہے اور اس وجہ سے کسی عمل کو کرنا تاکہ لوگ دیکھیں یہ شرک میں داخل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ذکر کی کنجیاں ہیں کہ جب ان کی صورت دیکھی جائے تو اللہ کا ذکر کیا جائے، یعنی ان کی صورت دیکھ کر ہی اللہ کا ذکر یاد آئے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے ولی ہیں وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں اور اس کے کلام سے علم میں ترقی ہوتی ہو اور اس کے اعمال سے آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی شخص کثرت سے ذکر کا عادی ہو۔ اور جس کو خود ہی توفیق نہ ہو اس کو دیکھ کر کیا کسی کو اللہ کی یاد آ سکتی ہے۔ بعض لوگ پکار کر ذکر کرنے کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں، یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب نے ایک رسالہ ”سَبَاحَةُ الْفِكْرِ“ اسی مسئلہ میں تصنیف فرمایا ہے جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں جن سے جہر (پکار کر) ثابت ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری امر ہے کہ شرائط کے ساتھ اپنی حدود کے اندر رہے، کسی کی اذیت کا سبب نہ ہو۔

(۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا اللَّهُ

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ہیں جن کو اللہ جلّ ثنا اپنے (رحمت کے) سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن

ظَلُّهُ: الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَالشَّابُّ نَشَافِي عِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَى ذَلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ، فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا ففَاضَتْ عَيْنَاهُ. (رواه البخاري ومسلم، وغيرهما، كذا في الترغيب والمشكوة، وفي الجامع الصغير برواية مسلم عن أبي هريرة وأبي سعيد معا، وذكر عدة طرقه أخرى)

اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک عادل بادشاہ۔ دوسرے وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو۔ تیسرے وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹک رہا ہو۔ چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو، اسی پر ان کا اجتماع ہو اسی پر جدائی۔ پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسب نسب والی حسین عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہدے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے۔ چھٹے وہ شخص جو ایسے مخفی طریق سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ ساتویں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

ف: آنسو بہنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دیدہ و دانستہ اپنے معاصی اور گناہوں کو یاد کر کے رونے لگے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلبہ شوق میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں۔ بروایت ثابت بنانی رحمہ اللہ علیہ ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ فرمانے لگے کہ جس دعا میں بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ ان سات آدمیوں میں جن کا ذکر حدیث پاک میں وارد ہوا ایک وہ شخص بھی ہے جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور رونے لگے۔ اس شخص میں دو خوبیاں جمع ہیں اور دونوں اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ ایک اخلاص کہ تنہائی میں اللہ کی یاد میں مشغول ہوا۔ دوسرا اللہ کا خوف یا شوق کہ دونوں میں رونا آتا ہے اور دونوں کمال ہیں۔

ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں

حدیث کے الفاظ ہیں ”رَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا“ (ایک وہ آدمی جو اللہ کا ذکر کرے اس حال میں کہ خالی ہو) صوفیہ نے لکھا ہے کہ خالی ہونے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ آدمیوں سے خالی ہو جس کے معنی تنہائی کے ہیں، یہ عام مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ دل اغیار سے خالی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل خلوت یہی ہے۔ اس لئے اکمل درجہ تو یہ ہے کہ دونوں خلوتیں حاصل ہوں، لیکن اگر کوئی شخص مجمع میں ہو اور دل غیروں سے بالکل خالی ہو اور ایسے وقت اللہ کے ذکر سے کوئی شخص روئے گئے تو وہ بھی اس میں داخل ہے کہ مجمع کا ہونا نہ ہونا اس کے حق میں برابر ہے۔ جب اس کا دل مجمع تو درکنار غیر اللہ کے التفات سے بھی خالی ہے تو اس کو مجمع کیا مبضر ہو سکتا ہے۔ اللہ کی یاد میں یا اس کے خوف سے رونا بڑی دولت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہ میسر فرمادیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جاسکتا جب تک دودھ تھنوں میں واپس جائے (اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے، پس ایسا ہی اس کا جہنم میں جانا بھی ناممکن ہے) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے حتیٰ کہ اس کے آنسوؤں میں سے کچھ زمین پر ٹپک جائے تو اس کو قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جو اسلام کی اور مسلمانوں کی کفار سے حفاظت کرنے میں جاگی ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئی ہو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور جو آنکھ اللہ کی راہ میں جاگی ہو اس پر بھی حرام ہے اور جو آنکھ ناجائز چیز (مثلاً نامحرم وغیرہ) پر پڑنے سے رک گئی ہو اس پر بھی حرام ہے اور جو آنکھ اللہ کی راہ میں ضائع ہو گئی ہو اس پر بھی جہنم کی آگ حرام ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے والا ہو وہ ایسا ہے جیسے اکیلا کفار کے مقابلہ میں چل دیا ہو۔

(۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُنَادِي مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَيْنَ أُولُوا الْأَلْبَابِ؟ قَالُوا: أَيُّ أُولَى الْأَلْبَابِ تُرِيدُ؟ قَالَ: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ عَقَدَ لَهُمْ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ الْقَوْمَ لَوَائِهِمْ، وَقَالَ لَهُمْ ادْخُلُوا هَاهُنَا خَالِدِينَ. (أَخْرَجَهُ الْأَصْبَهَانِيُّ فِي التَّرغِيبِ، كَذَا فِي الدَّر)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں؟ لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں؟ جواب ملے گا: وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے یہ سب بے فائدہ تو پیدا کیا ہی نہیں۔ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے لئے ایک جھنڈا بنایا جائے گا جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ف: آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں یعنی اللہ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب سوچتے ہیں جس سے اللہ جلّ جلالہ کی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

الہی یہ عالم ہے گلزار تیرا

ابن ابی الدُّنْیَا نے ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے جو چپ چاپ بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے، کس سوچ میں بیٹھے ہو؟ عرض کیا کہ مخلوقات الہیہ کی سوچ میں ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اللہ کی ذات میں غور نہ کیا کرو (کہ وہ وِزَاءُ الْوَرَاءِ ہے) اس کی مخلوقات میں غور کیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات شاد بچے۔ فرمایا: حضور ﷺ کی کوئی بات ایسی

تھی جو عجیب نہ تھی۔ ایک مرتبہ رات کو تشریف لائے، میرے بسترے پر میرے لحاف میں لیٹ گئے، پھر ارشاد فرمایا: چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر اٹھے، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک پر بہتے رہے، پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے، پھر سجدہ میں اسی طرح روتے رہے۔ ساری رات اسی طرح گزار دی حتیٰ کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بلانے کے لئے آگئے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ تو بخشنے بخشنے ہیں، پھر آپ اتنا کیوں روئے؟ ارشاد فرمایا: میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ پھر فرمایا: میں کیوں نہ روتا حالانکہ آج یہ آیتیں نازل ہوئیں (یعنی آیات بالا ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ سے ”فَقَدْ عَذَابَ النَّارِ“ تک) پھر فرمایا کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو ان کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے۔

عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے ایک سے، دو سے، تین سے نہیں (بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے) کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا اور آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا، پھر کہنے لگا، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کرنے والا بھی کوئی ضرور ہے، اے اللہ! تو میری مغفرت فرما دے۔ نظیر رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک ساعت کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں اتنی سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اُمّ ورداء رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی افضل ترین عبادت کیا تھی؟ فرمایا: غور و فکر۔ بروایت ابو ہریرہ حضور اقدس ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے، لیکن ان روایتوں کا یہ مطلب نہیں کہ پھر عبادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر عبادت اپنی جگہ جو درجہ رکھتی ہے فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا مستحب اس کے چھوڑنے پر اسی درجہ کی وعید، عذاب یا ملامت ہوگی جس درجہ کی وہ عبادت ہوگی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ غور و فکر کو افضل عبادات اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں معنی ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں، دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے: ایک اللہ کی معرفت، اس لئے کہ غور و فکر معرفت کی کنجی ہے۔ دوسری اللہ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے۔ یہی غور و فکر ہے جس کو صوفیہ مراقبہ سے بھی تعبیر فرماتے ہیں، بہت سی روایات سے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مسند ابویعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ذکر خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دو چند ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ تمام مخلوق کو حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور کراما کا تبیین اعمال نامے لے کر آئیں گے تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو کچھ اور باقی ہیں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ ہو تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمہارے علم میں نہیں، وہ ذکر خفی ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے ”شعب“ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذکر پر جس کو وہ سنیں، ستر درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہی مراد ہے اس شعر سے جس میں کہا گیا ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزے است کراما کا تبیین را ہم خبر نیست

کہ عاشق و معشوق میں ایسی رمز ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ایک لحظہ بھی غفلت نہیں ہوتی کہ ان کی ظاہری عبادات تو اپنے اپنے اجر و ثواب حاصل کریں ہی گی، یہ ہر وقت کا ذکر و فکر پوری زندگی کے اوقات میں ستر گنا مزید برآں، یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دق کر رکھا ہے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے، وہ کہنے لگا کہ یہ کوئی آدمی ہیں، آدمی وہ ہیں جو ”شونیزیہ“ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنہوں نے میرے بدن کو دبلا کر دیا اور میرے جگر کے کباب کر دیئے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ”شونیزیہ“ کی مسجد میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں، جب

انہوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ خبیث کی باتوں سے کہیں دھوکہ میں نہ پڑ جانا۔ مسوحی رحمہ اللہ علیہ سے بھی اس کے قریب ہی نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے شیطان کو ننگا دیکھا۔ انہوں نے کہا: تجھے آدمیوں کے درمیان اس طرح چلتے شرم نہیں آتی؟ کہنے لگا: خدا کی قسم! یہ آدمی نہیں۔ اگر یہ آدمی ہوتے تو میں ان کے ساتھ اس طرح نہ کھیلتا جس طرح لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں۔ آدمی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے بدن کو بیمار کر دیا اور صوفیہ کی جماعت کی طرف اشارہ کیا۔

ابوسعید خدری رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شیطان نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں لکڑی سے مارنے لگا۔ اس نے ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اس سے نہیں ڈرتا، یہ دل کے نور سے ڈرتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کیا ہے کہ بہترین ذکر ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو (یعنی نہ کم ہو کہ گذرنہ ہو سکے نہ زیادہ ہو کہ تکبر اور فواہش میں مبتلا کرے) ابن حبان اور ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ کو ذکر خامل سے یاد کیا کرو۔ کسی نے دریافت کیا کہ ذکر خامل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ مخفی ذکر، ان سب روایات سے ذکر خفی کی افضلیت معلوم ہوتی ہے اور ابھی قریب ہی وہ روایت گذر چکی جس میں مجنون کہنے کا ذکر گزرا ہے، دونوں مستقل چیزیں ہیں جو حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اس کو شیخ تجویز کرتا ہے کہ کس شخص کے لئے کس وقت کیا مناسب ہے۔

(۱۸) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ بْنِ حَنِيفٍ، قَالَ نَزَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ فِي بَعْضِ آيَاتِهِ، "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ" فَخَرَجَ يَلْتَمِسُهُمْ، فَوَجَدَ قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ فِيهِمْ نَائِرُ

حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں تھے کہ آیت "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ" نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے: "اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس (بیٹھنے کا) پابند کیجئے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔"

حضور اقدس ﷺ اس آیت کے نازل ہونے

الرَّأْسِ، وَجَافَ الْجِلْدُ، وَذُو الثُّوبِ پران لوگوں کی تلاش میں نکلے، ایک
الْوَحِيدِ، فَلَمَّا رَأَاهُمْ جَلَسَ مَعَهُمْ، وَقَالَ: جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي أَمْتِي مَنْ ہے، بعض لوگ ان میں بکھرے ہوئے
أَمَرَنِي أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ. (أَخْرَجَهُ بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور
ابن جرير والطبراني وابن مردويه: كذا في الدرر) صرف ایک کپڑے والے ہیں) (کہ ننگے

بدن ایک لنگی صرف ان کے پاس ہے) جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔

ف: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو تلاش فرمایا تو مسجد کے آخری حصہ میں بیٹھے ہوئے پایا کہ ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری زندگی ہی میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔ پھر فرمایا تم ہی لوگوں کے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے یعنی مرنے جینے کے ساتھی اور رفیق تم ہی لوگ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ذکر اللہ میں مشغول تھی، حضور ﷺ تشریف لائے تو یہ لوگ چپ ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم کیا کر رہے تھے؟ عرض کیا: ذکر الہی میں مشغول تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ رحمت الہی تم لوگوں پر اتر رہی ہے تو میرا بھی دل چاہا کہ آکر تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللہ جلّ ثناؤہ نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الَّذِينَ يَدْعُونَ سے مراد ذکرین کی جماعت ہے۔ ان ہی جیسے احکام سے صوفیہ نے استنباط کیا ہے کہ مشائخ کو بھی مریدین کے پاس بیٹھنا ضروری ہے کہ اس میں علاوہ فائدہ پہنچانے کے اختلاط سے شیخ کے نفس کے لئے بھی مجاہدہ تاملہ ہے کہ غیر مہذب لوگوں کی بدعنوانیوں کے تحلل اور برداشت سے نفس میں انقیاد پیدا ہوگا، اس کی قوت میں انکسار پیدا ہوگا۔ اس کے علاوہ قلوب کے اجتماع کو اللہ جلّ جلالہ کی رحمت اور

رافت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے۔ اسی وجہ سے جماعت کی نماز مشروع ہوئی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ عرفات کے میدان میں سب حجاج بیک حال ایک میدان میں اللہ کی طرف متوجہ کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ نے ”نجات اللہ البالغہ“ میں متعدد جگہ اس مضمون کو اہتمام سے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ سب اس جماعت کے بارے میں ہے جو اللہ کا ذکر کرنے والی ہو کہ احادیث میں کثرت سے اس کی ترغیب آئی ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کوئی شخص غافلین کی جماعت میں پھنس جائے اور اس وقت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو اس کے بارے میں بھی احادیث میں کثرت سے فضائل آئے ہیں۔ ایسے موقع پر آدمی کو اور بھی زیادہ اہتمام اور توجہ سے اللہ کی طرف مشغول رہنا چاہئے، تاکہ ان کی نحوست سے محفوظ رہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ غافلین کی جماعت میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں بھاگنے والوں کی جماعت میں سے کوئی شخص جم کر مقابلہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگنے والوں کی طرف سے کفار کا مقابلہ کرے۔

نیز وہ ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ، نیز وہ ایسا ہے جیسے پت جھڑ والے درختوں میں کوئی شاداب سرسبز درخت ہو۔ ایسے شخص کو حق تعالیٰ شانہ اس کا جنت کا گھر پہلے ہی دکھادیں گے اور ہر آدمی اور حیوان کے برابر اس کی مغفرت کی جاوے گی۔ یہ جب ہے کہ ان مجالس میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہو، ورنہ ایسی مجالس کی شرکت کی ممانعت آئی ہے، حدیث میں ہے کہ عیشیہ یعنی یارانہ کی مجالس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ عزیزی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں یعنی ایسی مجالس سے جن میں غیر اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہو، لغویات اور لہو لعب میں مشغولی ہوتی ہو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک مرتبہ بازار جا رہا تھا، ایک جشن باندی میرے ساتھ تھی۔ میں نے بازار میں ایک جگہ اس کو بٹھا دیا کہ میں واپسی میں اس کو لے لوں گا، وہ وہاں سے چلی آئی۔ جب میں نے واپسی پر اس کو وہاں نہ دیکھا تو مجھے غصہ آیا، میں گھر واپس آیا تو وہ باندی آئی اور کہنے لگی: میرے آقا خفگی میں جلدی نہ کریں۔ آپ مجھے ایسے لوگوں کے پاس چھوڑ گئے جو اللہ کے ذکر سے غافل تھے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ ان پر کوئی عذاب نازل نہ ہو، وہ زمین میں دھنس نہ جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ عذاب میں دھنس نہ جاؤں۔

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فِيمَا يَذْكُرُ عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، أَذْكُرُنِي بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الْفَجْرِ سَاعَةً، أَكْفِكَ فِيمَا بَيْنَهُمَا. (أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ، كَذَا فِي الدُرِّ)

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تو صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کر لیا کر، میں درمیانی حصہ میں تیری کفایت کروں گا (ایک حدیث میں آیا ہے

کہ اللہ کا ذکر کیا کر، وہ تیری مطلب براری میں معین ہوگا)

ف: آخرت کے واسطے نہ سہی دنیا کے واسطے ہم لوگ کیسی کیسی کوشش کر ڈالتے ہیں، کیا بگڑ جائے اگر تھوڑی سی دیر صبح اور عصر کے بعد اللہ کا ذکر بھی کر لیا کریں کہ احادیث میں کثرت سے ان دو وقتوں میں اللہ کے ذکر کے فضائل وارد ہوئے ہیں اور جب اللہ ﷻ کفایت کا وعدہ فرماتے ہیں، پھر کسی دوسری چیز کی کیا ضرورت باقی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں۔ اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کی نماز جماعت سے پڑھے پھر آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نفل پڑھے اس کو ایسا ثواب ملے گا جیسا کہ حج اور عمرہ پر ملتا ہے اور حج اور عمرہ بھی وہ جو کامل ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد سے آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک ایک ایسی جماعت کے ساتھ ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے۔ ان ہی وجوہ سے صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد اوراد کا معمول ہے اور حضرات صوفیہ کے یہاں تو ان دونوں وقتوں کا خاص اہتمام ہے کہ صبح کی نماز کے بعد عموماً اشغال میں اہتمام فرماتے ہیں اور عصر کے بعد اوراد کا اہتمام کرتے ہیں، بالخصوص

فجر کے بعد فقہاء بھی اہتمام فرماتے ہیں۔

”مُدُونٌ“ میں امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک باتیں کرنا مکروہ ہیں اور حنفیہ میں سے صاحب درمختار رحمہ اللہ نے بھی اس وقت باتیں کرنا مکروہ لکھا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد اسی ہیئت سے بیٹھے ہوئے بولنے سے قبل یہ دعاء مرتبہ پڑھے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، سہارا ملک دنیا اور آخرت کا اسی کا ہے اور جتنی خوبیاں ہیں وہ اس پاک ذات کے لئے ہیں، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں، دس برائیاں معاف فرمائی جائیں اور جنت میں دس درجے بلند کئے جائیں اور تمام دن شیطان سے اور مکروہات سے محفوظ رہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے جو صبح اور عصر کے بعد ”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ“ (میں اسی اللہ سے جو زندہ ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں) تین مرتبہ پڑھے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۲۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ وَ الْمَلْعُونُ مَا فِيهَا إِلَّا ذَكَرَ اللَّهَ وَ مَا وَآلَاهُ، وَ عَالِمًا وَ مُتَعَلِّمًا (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و البیہقی، و قال الترمذی: حدیث حسن، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون (اللہ کی رحمت سے دور) ہے، مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالب علم۔

کذا فی الترغیب، و ذکرہ فی الجامع الصغیر بروایۃ ابن ماجہ ورقمہ له بالحسن، و ذکرہ فی مجمع الزوائد بروایۃ الطبرانی فی الأوسط عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، و کذا السیوطی فی الجامع الصغیر، و ذکرہ بروایۃ البزار عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلفظ ”إِلَّا أَمْرًا بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرٍ لِلَّهِ“ رقم له بالصحة

ف: اس کے قریب ہونے سے مراد ذکر کے قریب ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ چیزیں مراد ہوں گی جو اللہ کے ذکر میں معین و مددگار ہوں جن میں کھانا پینا بھی بقدر ضرورت داخل ہے اور زندگی کے اسباب ضروریہ بھی اس میں داخل ہیں اور اس صورت میں اللہ کا ذکر ہر چیز کو جو عبادت کی قبیل سے ہو شامل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے قریب ہونے سے اللہ کا قرب مراد ہو، تو اس صورت میں ساری عبادتیں اس میں داخل ہوں گی اور اللہ کے ذکر سے مخصوص ذکر مراد ہوگا اور دونوں صورتوں میں علم ان میں خود داخل ہو گیا تھا۔ پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ علم ہی اللہ کے ذکر کے قریب لے جاتا ہے کہ ”بے علم نتواں خدا را شناخت“ (بغیر علم کے اللہ کو پہچان نہیں سکتا) اور دوسری صورت میں اس وجہ سے کہ علم سے بڑھ کر کون سی عبادت ہوگی، لیکن اس کے باوجود پھر عالم اور طالب علم کو علیحدہ اہتمام کی وجہ سے فرمایا کہ علم بہت ہی بڑی دولت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم کا صرف اللہ کے لئے سیکھنا اللہ کے خوف کے حکم میں ہے اور اس کی طلب (یعنی تلاش کے لئے کہیں جانا) عبادت ہے اور اس کا یاد کرنا تسبیح ہے اور اس کی تحقیقات میں بحث کرنا جہاد ہے اور اس کا پڑھنا صدقہ ہے اور اس کا اہل پر خرچ کرنا اللہ کے یہاں قربت ہے۔ اس لئے کہ علم جائز ناجائز کے پہچاننے کے لئے علامت ہے اور جنت کے راستوں کا نشان ہے، وحشت میں جی بہلانے والا ہے اور سفر کا ساتھی ہے (کہ کتاب کا دیکھنا دونوں کام دیتا ہے اسی طرح) تنہائی میں ایک محدث ہے، خوشی اور رنج میں دلیل ہے، دشمنوں پر ہتھیار ہے دوستوں کے لئے، حق تعالیٰ شانہ اسکی وجہ سے ایک جماعت (علماء) کو بلند مرتبہ کرتا ہے کہ وہ خیر کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں اور ایسے امام ہوتے ہیں کہ ان کے نشان قدم پر چلا جائے اور ان کے افعال کا اتباع کیا جائے، ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے۔ فرشتے ان سے دوستی کرنے کی رغبت کرتے ہیں۔ اپنے پروں کو (برکت حاصل کرنے کے لئے یا محبت کے طور پر) ان پر ملتے ہیں اور ہر تر اور خشک چیز دنیا کی ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتی ہے حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے درندے اور چوپائے اور زہریلے جانور (سانپ وغیرہ) تک بھی دعائے مغفرت کرتے

رہتے ہیں اور یہ سب اس لئے کہ علم دلوں کی روشنی ہے، آنکھوں کا نور ہے۔ علم کی وجہ سے بندہ امت کے بہترین افراد تک پہنچ جاتا ہے دنیا اور آخرت کے بلند مرتبوں کو حاصل کر لیتا ہے، اس کا مطالعہ روزوں کے برابر ہے، اس کا یاد کرنا تہجد کے برابر ہے۔ اُسی سے رشتے جوڑے جاتے ہیں اور اسی سے حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے، وہ عمل کا امام ہے اور عمل اس کا تابع ہے۔ سعید لوگوں کو اس کا الہام کیا جاتا ہے اور بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ اس حدیث پر مجموعی طور سے بعض نے کلام کیا ہے، لیکن جس قسم کے فضائل اس میں ذکر کئے گئے ہیں ان کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے، نیز ان کے علاوہ اور بہت سے فضائل حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں اس وجہ سے عالم اور طالب علم کو خاص طور سے حدیث بالا میں ذکر فرمایا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ ایک مشہور محدث ہیں، انہوں نے ایک مبسوط رسالہ عربی میں ”الْوَابِلُ الصَّيْبُ“ کے نام سے ذکر کے فضائل میں تصنیف کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں تنو سے بھی زیادہ فائدے ہیں، ان میں سے نمبر وار ۹۷ (اُناسی) فائدے انہوں نے ذکر فرمائے ہیں جن کو مختصراً اس جگہ ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے اور چونکہ بہت سے فوائد ان میں ایسے ہیں جو کئی کئی فائدوں کو شامل ہیں اس لحاظ سے یہ تنو سے زیادہ کو مشتمل ہیں:

- (۱) ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔
- (۲) اللہ جلّ جلالہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔
- (۳) دل سے فکر و غم کو دور کرتا ہے۔
- (۴) دل میں فرحت، سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔
- (۵) بدن کو اور دل کو قوت بخشتا ہے۔
- (۶) چہرہ اور دل کو منور کرتا ہے۔
- (۷) رزق کو کھینچتا ہے۔
- (۸) ذکر کرنے والے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے، یعنی اس کے دیکھنے سے رعب پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے اور سعادت اور نجات کا مدار ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اس کی رسائی ہو اس کو چاہئے کہ اس کے ذکر کی کثرت کرے۔ جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔

(۱۰) ذکر سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتا ہے، یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے گویا اللہ جلّ ثنا کو دیکھ رہا ہے (یہی مرتبہ صوفیہ کا منہج مقصد ہوتا ہے)۔

(۱۱) اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آ جاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالیٰ شانہ اس کی جائے پناہ اور ماویٰ و ملجأ بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

(۱۲) اللہ کا قرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔

(۱۳) اللہ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔

(۱۴) اللہ جلّ ثنا کی ہیبت اور اس کی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔

(۱۵) اللہ جلّ ثنا کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے، چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: ”فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْ كُرْتُكُمْ“ اور حدیث میں وارد ہے: ”مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ“ الحدیث، چنانچہ آیات اور احادیث کے بیان میں پہلے مفصل گزر چکا ہے، اگر ذکر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔

(۱۶) دل کو زندہ کرتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لئے ایسا ہے جیسا مچھلی کے لئے پانی۔ خود غور کر لو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔

(۱۷) دل اور روح کی روزی ہے اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کے روزی (یعنی کھانا) نہ ملے۔

(۱۸) دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے، ہر چیز پر اس کے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے، دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہیں، یہ اس کے لئے صفائی کا کام دیتا ہے۔

(۱۹) لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔

(۲۰) بندہ کو اللہ جل ثنا سے جو وحشت ہوتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔

(۲۱) جو اذکار بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (باب نمبر ۳ فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۱)۔

(۲۲) جو شخص راحت میں اللہ جل ثنا کا ذکر کرتا ہے اللہ جل علاہ مصیبت کے وقت اس کو یاد کرتا ہے۔

(۲۳) اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

(۲۴) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں (سکینہ کے معنی باب ہذا کی فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۸ میں گذر چکے ہیں)۔

(۲۵) اس کی برکت سے زبان غیبت، چغل خوری، جھوٹ، بدگوئی، لغو گوئی سے محفوظ رہتی ہے، چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان اشیاء سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات میں مبتلا رہتا ہے۔

(۲۶) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں، اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کر لے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔

(۲۷) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید (نیک بخت) ہوتا ہے اور اس کے پاس

بیٹھنے والا بھی، اور غفلت یا لغویات میں مبتلا ہونے والا خود بھی بد بخت ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی۔

(۲۸) قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رہتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔

(۲۹) ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہو جائے تو قیامت کے دن کی تپش اور گرمی میں جب کہ ہر شخص میدانِ حشر میں پلپلا رہا ہوگا، یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔

(۳۰) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتی ہیں، حدیث میں اللہ جلّ ثنا کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔

(۳۱) باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے، اس لئے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے اور تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے۔

(۳۲) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں (چنانچہ باب نمبر ۳ فصل ۲ حدیث نمبر ۴ میں مفصل آ رہا ہے)۔

(۳۳) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے، چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ تو امرتہ کسی دن پڑھے تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور توائکیاں اس کے لئے لکھی جاتی ہیں اور توائبرائیاں اس سے معاف کر دی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اس سے افضل نہیں ہوتا مگر وہ شخص کہ جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے (اور بہت سی ان میں سے اس رسالہ میں مذکور ہیں)۔

(۳۴) دوام ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے جو سبب ہے

دارین کی شقاوت کا۔ اس لئے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کے بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح کے بھلا دینے کا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ”وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“ (الحشر: ۱۹) (تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے اللہ سے بے پروائی کی، پس اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بے پرواہ کر دیا یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا) اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مصالح سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے، جیسا کہ کسی شخص کی کھیتی یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے، اس کی خبر گیری نہ کرے تو لا محالہ وہ ضائع ہوگا۔ اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تروتازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور سخت گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس، بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۳۵) ذکر آدمی کی ترقی کرتا رہتا ہے بسترہ پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی، اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو۔ حتیٰ کہ جس کا دل نور ذکر سے منور ہو جاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ جاتا ہے۔

(۳۶) ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ”أَوْ مَنْ كَانَ مُتًّا فَآحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا“ (الانعام: ۱۲۲) ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ یعنی مسلمان بنا دیا اور اس کو ایسا نور دے دیا کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے، یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، کیا

ایسا شخص بد حالی میں اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہو کہ ان سے نکلتے ہی نہیں پاتا۔ پس اول شخص مومن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اس کے ذکر سے منور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مہتمم بالشان چیز ہے اور اسی میں پوری کامیابی ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعا میں مبالغہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہر ہر جزو میں نور کو طلب فرماتے تھے، چنانچہ احادیث میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کے گوشت میں، ہڈیوں میں، پٹھوں میں، بال میں، کھال میں، کان میں، آنکھ میں، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے نور ہی نور کر دے حتیٰ کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھی کو سرتا پا نور بنادے کہ آپ کی ذات ہی نور بن جائے۔ اسی نور کے بقدر اعمال میں نور ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں کے نیک عمل ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ ان پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ایسا ہی نور ان کے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔

(۳۷) ذکر، تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیہ کے سب طریقوں میں رائج ہے۔ جس شخص کے لئے ذکر کا دروازہ کھل گیا ہے اس کے لئے اللہ جلّ ثناؤں تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جلّ ثناؤں تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جلّ ثناؤں کے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔

(۳۸) آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر کنبہ اور جماعت کے لوگوں کے دلوں میں عزت والا بنا دیتا ہے اور بغیر سلطنت کے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جو شخص ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ باوجود مال و دولت، کنبہ اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔

(۳۹) ذکر پر اگندہ کو مجتمع کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرتا ہے، دور کو قریب کرتا ہے اور

قریب کو دور کرتا ہے۔ پراگندہ کو مجتمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل میں جو متفرق ہوموم، غموم، تفکرات، پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمعیت خاطر پیدا کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکرات مجتمع ہیں ان کو متفرق کر دیتا ہے اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہو گئے ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مسلط ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور آخرت کو جو دور ہے قریب کر دیتا ہے اور دنیا کو جو قریب ہے دور کر دیتا ہے۔

(۴۰) ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے، غفلت سے چوکننا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔

(۴۱) ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھل لگتے ہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پر آئیں گے۔

(۴۲) ذکر اس پاک ذات کے قریب کر دیتا ہے جس کا ذکر کر رہا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ معیت نصیب ہو جاتی ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے: "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا" (اللہ جلّ ثناؤ متقیوں کے ساتھ ہے) اور حدیث میں وارد ہے: "أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي" (میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہے) ایک حدیث میں ہے کہ میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں، میں ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ ان کو گناہوں سے پاک کروں، نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ جلّ ثناؤ کی معیت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی معیت ہے جس کے برابر کوئی دوسری معیت نہیں ہے، نہ وہ زبان سے تعبیر ہو سکتی ہے نہ تحریر میں آ سکتی ہے، اس کی لذت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہو جاتی ہے (اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي مِنْهُ شَيْئًا)۔

(۴۳) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے، مالوں کے خرچ کرنے کے برابر ہے،

اللہ کے راستے میں جہاد کے برابر ہے (بہت سی روایات میں اس قسم کے مضامین گزر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی آنے والے ہیں)۔

(۴۴) ذکر شکر کی جڑ ہے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے اللہ جلّ جلالہ سے عرض کیا: آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں، مجھے طریقہ بتا دیجئے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں۔ اللہ جلّ جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کرو گے اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ! تیری شان کے مناسب شکر کس طرح ادا ہو؟ اللہ جلّ جلالہ نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تروتازہ رہے۔

(۴۵) اللہ کے نزدیک پرہیزگار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہوں اس لئے کہ تقویٰ کا مٹنا جنت ہے اور ذکر کا مٹنا اللہ کی معیت ہے۔

(۴۶) دل میں ایک خاص قسم کی قسوت (سختی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔

(۴۷) ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔

(۴۸) ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔

(۴۹) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کی کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔

(۵۰) ذکر کرنے والے پر اللہ کی صلوٰۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دعا) ہوتی ہے۔

(۵۱) جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے، کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔

(۵۲) ذکر کی مجالس فرشتوں کی مجالس ہیں (احادیث مذکورہ میں یہ مضمون مفصل گزر چکا ہے)۔

(۵۳) اللہ جلّ جلالہ ذکر کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔

(۵۴) ذکر پر مداومت کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوگا۔

- (۵۵) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔
- (۵۶) تمام اعمال میں وہی عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے، روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو، حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو۔ اسی طرح اور اعمال جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔
- (۵۷) یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کے قائم مقام ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مال دار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں، یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ اور جہاد میں ہم سے سبقت لے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ پڑھنے کو فرمایا (جیسا کہ باب نمبر ۳ فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۷ میں آرہا ہے) کہ حضور ﷺ نے حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے۔
- (۵۸) ذکر دوسری عبادات کے لئے بڑا معین و مددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔
- (۵۹) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خفت ہو جاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔
- (۶۰) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف و ہراس دور ہو جاتا ہے، ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرنے اور خوف کے زائل کرنے میں اللہ کے ذکر کو خصوصی دخل ہے اور اس کی یہ خاص تاثیر ہے، جتنی ہی ذکر کی کثرت ہوگی اتنا ہی اطمینان نصیب ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔
- (۶۱) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اس سے صادر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنی

نبی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب انہوں نے چکی کی مشقت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تو سوتے وقت سُبْحَانَ اللّٰہِ، الْحَمْدُ لِلّٰہِ، ۳۳، ۳۳ مرتبہ اور اللّٰہُ اکْبَرُ ۳۳ مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔

(۶۲) آخرت کے لئے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے، عمر مَوَلیٰ غُفرۃً رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہ کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مفرد لوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مر مٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔

(۶۳) ذکر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ شانہ تصدیق کرتے ہیں اور اس کو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔

(۶۴) ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں۔ جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر تم نے کیوں روک دی؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک آیا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اس کے لئے جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔

(۶۵) ذکر جہنم کے لئے آڑ ہے اگر کسی بد عملی کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پختہ آڑ ہوگی۔

(۶۶) ذکر کرنے والے کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سے ذکر کیا گیا ہے کہ جب بندہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کہتا ہے یا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کہتا ہے تو فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔

(۶۷) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دے کر پوچھتا ہے کہ کوئی ذکر کرنے والا تجھ پر آج گذرا ہے، اگر وہ کہتا ہے کہ گذرا ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے۔

(۶۸) ذکر کی کثرت نفاق سے بری ہونے کا اطمینان (اور سند) ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہ منافقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ”لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا“ (نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا) کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بری ہے۔

(۶۹) تمام نیک اعمال کے مقابلہ میں ذکر کے لئے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی اگر ذکر میں اس لذت کے سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اس کی فضیلت کے لئے کافی تھی۔ مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لذت پانے والے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لذت نہیں پاتے۔

(۷۰) ذکر کرنے والوں کے چہرہ پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔

(۷۱) جو شخص راستوں میں اور گھروں میں، سفر میں اور حضر میں کثرت سے ذکر کرے

قیامت میں اس کے گواہی دینے والے کثرت سے ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہ

قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں ”يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا“

(الزلزال: ۴) (اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لاعلمی ظاہر کی تو حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ جس مرد و عورت نے جو کام زمین پر کیا ہے وہ بتائے گی کہ فلاں دن

فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے (نیک ہو یا برا) اس لئے مختلف جگہوں میں کثرت

سے ذکر کرنے والوں کے گواہ بھی بکثرت ہوں گے۔

(۷۲) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی، اس لئے کہ زبان چپ تو رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی، ورنہ لغویات میں۔ اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔

(۷۳) شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح اس کو وحشت میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف سے اس کو گھیرے رہتے ہیں جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس کے دشمن ہر وقت اس کا محاصرہ کئے رہتے ہوں اس کا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک ان میں سے یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہنچا سکوں پہنچاؤں۔ ان لشکروں کو ہٹانے والی چیز ذکر کے سوا کوئی نہیں ہے۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی ایسی دعائیں متعدد ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ مصنف نے چھ نمبروں میں انواع ذکر کا تفاضل اور ذکر کی بعض کلی فضیلتیں ذکر کی ہیں اور اس کے بعد پچھتر فصلیں خصوصی دعاؤں میں جو خاص خاص اوقات میں وارد ہوئی ہیں ذکر کی ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے کہ توفیق والے کے لئے جو ذکر کیا گیا ہے یہ بھی کافی سے زیادہ ہے اور جس کو توفیق نہیں ہے اس کے لئے ہزار ہا فضائل بھی بیکار ہیں۔

”وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ“۔

دوسرا باب

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ جس کو کلمہ توحید بھی کہا جاتا ہے جس کثرت سے قرآن پاک اور حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے شاید ہی اس کثرت سے کوئی دوسری چیز ذکر کی گئی ہو اور جب کہ اصل مقصود تمام شرائع اور تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے توحید ہی ہے تو پھر جتنی کثرت سے اس کا بیان ہو وہ قرین قیاس ہے۔ قرآن پاک میں مختلف عنوانات اور مختلف ناموں سے اس پاک کلمہ کو ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ کلمہ طیبہ قول ثابت، کلمہ تقویٰ، مَقَالِیْدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں) وغیرہ الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ آیات میں آرہا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء میں نقل کیا ہے کہ یہ کلمہ توحید ہے، کلمہ اخلاص ہے، کلمہ تقویٰ ہے، کلمہ طیبہ ہے، عروۃ الوثقیٰ ہے، دعوۃ الحق ہے، ثمن الجنة ہے، اور چونکہ قرآن پاک میں مختلف عنوانات سے اس کو ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے اس باب کو تین فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں کلمہ طیبہ مراد ہے اور کلمہ طیبہ کا لفظ نہیں ہے، اس لئے ان آیات کی مختصر تفسیر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود سید البشر علیہ افضل الصلوات والسلام سے نقل کی گئی ہے۔ دوسری فصل میں ان آیات کا حوالہ ہے جن میں کلمہ طیبہ پورا یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تمام کا تمام ذکر کیا گیا ہے یا کسی معمولی تغیر کے ساتھ جیسے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اور چونکہ ان میں یہ کلمہ خود ہی موجود ہے یا اس کا ترجمہ دوسرے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے اس لئے ان آیات کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی، صرف حوالہ سورت اور رکوع پر اکتفا کیا گیا اور تیسری فصل میں ان احادیث کا ترجمہ اور مطلب ذکر کیا گیا جن میں اس پاک کلمہ کی ترغیب اور حکم فرمایا گیا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط

فصل اول

ان آیات میں جن میں لفظ کلمہ طیبہ کا نہیں ہے اور مراد کلمہ طیبہ ہے۔

(۱) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ ۖ بِإِذْنِ رَبِّهَا ط وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ (ابراہیم: ۲۵، ۲۶)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی اچھی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی کہ وہ مشابہ ہے ایک عمدہ پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ زمین کے اندر گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف جا رہی ہوں اور وہ درخت اللہ کے حکم سے ہر فصل میں پھل دیتا ہو (یعنی خوب پھلتا ہو) اور اللہ تعالیٰ مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں

تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ اور خبیث کلمہ (یعنی کلمہ کفر) کی ایسی مثال ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے اور اس کو زمین میں کچھ ثبات نہ ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ شہادت ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ مراد ہے جس کی جڑ مومن کے دل میں ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں کہ اس کی وجہ سے مومن کے اعمال آسمان تک جاتے ہیں اور کلمہ خبیثہ شرک ہے کہ اس کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر وقت پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو دن رات ہر وقت یاد کرتا ہو۔ حضرت قتادہ تابعی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مالدار (صدقات کی بدولت) سارا ثواب اڑا لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلا بتا تو سہی کہ اگر کوئی شخص سامان کو اوپر نیچے رکھتا چلا جائے تو کیا آسمان پر چڑھ جائے گا؟ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس کی جڑ زمین میں ہو اور شاخیں آسمان پر، ہر نماز کے بعد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَسُبْحَانَ

اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ“ دس دس مرتبہ پڑھا کر۔ اس کی جز زمین میں ہے اور شاخیں آسمان پر۔

(۲) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے (وہ اللہ ہی

جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ سے عزت حاصل کرے کیونکہ) ساری

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط (الفاطر: ۱۰) عزت اللہ ہی کے واسطے ہے، اسی تک

اچھے کلمے پہنچتے ہیں اور نیک عمل ان کو پہنچاتا ہے۔

ف: اچھے کلموں سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے جیسا کہ عام مفسرین نے نقل کیا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد کلمات تسبیح ہیں جیسا کہ دوسرے باب میں آئے گا۔

(۳) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا اور تیرے رب کا کلمہ سچائی اور انصاف

(والاعتدال) کے اعتبار سے پورا ہے۔ (الانعام: ۱۱۵)

ف: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رب کے کلمہ سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے کلام اللہ شریف مراد ہے۔

(۴) يَثْبِتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات (یعنی

الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ کلمہ طیبہ) سے دنیا اور آخرت دونوں میں

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ مضبوط رکھتا ہے اور کافروں کو دونوں جہان

میں بچلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت سے) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷)

ف: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قبر میں سوال ہوتا ہے تو مسلمان ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کی گواہی دیتا ہے، آیت شریفہ میں پکی بات سے یہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد قبر کا سوال جواب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مرتا ہے تو فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں، اس کو سلام کرتے ہیں، جنت کی خوشخبری

فضائل ذکر (دوسرا باب) ۵۲۸ وہ قرآنی آیات جن میں کلمہ طیبہ مراد ہے (فصل اول)

دیتے ہیں۔ جب وہ مرجاتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ جاتے ہیں، اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہیں اور جب دفن ہو جاتا ہے تو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال جواب ہوتے ہیں، جن میں یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ تیری گواہی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ یہی مراد ہے آیت شریفہ میں۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کئی بات سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے اور آخرت میں قبر کا سوال جواب مراد ہے۔ حضرت طاووس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

(۵) لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ط وَالَّذِينَ يَدْعُونَ
مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ
إِلَّا كِبَاسٌ مَاءٍ لَّهُمْ كَفِّهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ
فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ط وَمَا دُعَاءُ
الْكُفْرِيِّنَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ (الرعد: ۱۴)

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور خدا
کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی
درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں
کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو
منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی

طرف پھیلائے (اور اس پانی کو اپنی طرف بلائے) تاکہ وہ اس کے منہ تک آجائے اور وہ (پانی اڑ کر) اس کے منہ تک آنے والا کسی طرح بھی نہیں اور کافروں کی درخواست محض بے اثر ہے۔

ف: حضرت علی کریم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دَعْوَةُ الْحَقِّ سے مراد توحید یعنی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے کہ دَعْوَةُ الْحَقِّ سے شہادت ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی مراد ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

(۶) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ط فَإِنْ تَوَلَّوْا

(اے محمد!) آپ فرما دیجئے کہ اے
اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو
ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے
میں) برابر ہے، وہ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم

فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں

(آل عمران: ۶۴)

سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خداوند تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اس کے بعد بھی وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم لوگ تو مسلمان ہیں۔

ف: آیت شریفہ کا مضمون خود ہی صاف ہے کہ کلمہ سے مراد تو حید اور کلمہ طیبہ ہے۔ حضرت ابوالعالیہ اور مجاہد رحمہما سے صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ کلمہ سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔

(۷) كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ طَوَلُّوا أَمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ط مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَكَثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (آل عمران: ۱۱۰)

(اے امت محمد ﷺ!) تم لوگ (سب اہل مذاہب سے) بہترین جماعت ہو کہ وہ جماعت جو لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں (جو ایمان لے آئے) لیکن اکثر حصہ ان میں سے کافر ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ“ (اچھی بات کا حکم کرتے ہو) کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم کرتے ہو کہ وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی گواہی دیں اور اللہ کے احکام کا اقرار کریں اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ساری اچھی چیزوں میں سے بہترین چیز ہے اور سب سے بڑھی ہوئی۔

(۸) وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ ط إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذَلِكَ ذِكْرِي لِلَّذِينَ كَرِهُوا ۝ (ہود: ۱۱۴)

(اور محمد ﷺ!) آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں۔ بیشک نیک کام مٹا دیتے ہیں

(نامہ اعمال سے) بُرے کاموں کو، یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

ف: اس آیت شریفہ کی تفسیر میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں حضور ﷺ نے آیت شریفہ کی توضیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ نیکیاں (اعمال نامہ سے) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو، جب کوئی برائی صادر ہو جائے فوراً کوئی بھلائی اس کے بعد کرو تا کہ اس کی مکافات ہو جائے اور وہ زائل ہو جائے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ بھی نیکیوں میں شمار ہے یعنی اس کا ورد، اس کا پڑھنا بھی اس میں داخل ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو نیکیوں میں افضل ترین چیز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو بندہ رات میں یا دن میں کسی وقت بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھتا ہے اس کے اعمال نامہ سے برائیاں دھل جاتی ہیں۔

(۹) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
وَيَنْهَىٰ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُم
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (النحل: ۹۰)

بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں عدل کا
اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا
اور منع فرماتے ہیں فحش باتوں سے اور
بری باتوں سے اور کسی پر ظلم کرنے سے۔

حق تعالیٰ شائد تم کو نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت کو قبول کرو۔

ف: عدل کے معنی تفاسیر میں مختلف آئے ہیں۔ ایک تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے کہ عدل سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کرنا ہے اور احسان سے مراد فرائض کا ادا کرنا ہے۔

(۱۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی
(پکی) بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال
اچھے کر دے گا اور گناہ معاف فرما دے گا

يُطِيعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرات سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ”قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا“ کے معنی یہ ہیں کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ پکے اعمال تین چیزیں ہیں: ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا (غمی ہو یا خوشی، تنگی ہو یا فراخی)، دوسرے اپنے بارے میں انصاف کا معاملہ کرنا (یہ نہ ہو کہ دوسروں پر تو زور دکھلائے اور جب کوئی اپنا معاملہ ہو تو ادھر ادھر کی کہنے لگے)، تیسرے بھائی کے ساتھ مالی ہمدردی کرنا۔

(۱۱) فَبَشِّرْ عِبَادَ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (الزمر: ۱۷، ۱۸)

پس آپ میرے ایسے بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو اس کلام پاک کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔

ف: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم: یہ تینوں حضرات جاہلیت کے زمانہ ہی میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھا کرتے تھے اور یہی مراد ہے اس آیت شریفہ میں ”أَحْسَنَ الْقَوْلِ“ سے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے قریب ہی منقول ہے کہ یہ آیتیں ان تین آدمیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں جو جاہلیت کے زمانہ میں بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھا کرتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔

(۱۲) وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ ۖ وَعِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكُمْ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور جو لوگ (اللہ کی طرف سے یا اس کے رسول کی طرف سے) سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اس کی تصدیق کی (اس کو سچا

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ (الزمر: ۳۳، ۳۴، ۳۵)

جانا) تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں، یہ لوگ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بُرے اعمال کو ان سے دور کر دے (اور مُعاف کر دے) اور نیک کاموں کا بدلہ (ثواب) دے۔

ف: جو لوگ اللہ کی طرف سے لانے والے ہیں وہ انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جو لوگ اس کے رسول کی طرف سے لانے والے ہیں وہ علماء کرام ہیں (شُكْرَ اللَّهِ سَعِيَهُمْ)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سچی بات سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔ بعض مفسرین سے نقل کیا گیا ہے کہ ”الَّذِي جَاءَ بِالْصِّدْقِ“ (جو شخص سچی بات اللہ کی طرف سے لے کر آیا) سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں اور ”صَدَقَ بِهِ“ (وہ لوگ جنہوں نے اس کی تصدیق کی) سے مراد مومنین ہیں۔

(۱۳) إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ۝ نَزَّلْنَا مِنْ عَفْوَ رَحِيمٍ (تحم السجده: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ (جَلَّ جَلَالُہ) ہے، پھر مستقیم رہے (یعنی جھے رہے، اس کو چھوڑا نہیں) ان پر فرشتے اتریں گے (موت کے وقت اور قیامت میں یہ کہتے ہوئے) کہ نہ اندیشہ کرو، نہ رنج کرو اور خوشخبری لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے رفیق تھے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور آخرت میں تمہارے

لئے جس چیز کو تمہارا دل چاہے وہ موجود ہے اور وہاں جو تم مانگو گے وہ ملے گا (اور یہ سب انعام و اکرام) بطور مہمانی کے ہے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہ کی طرف سے (کہ تم اس کے مہمان ہو گے اور مہمان کا اکرام کیا جاتا ہے)

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ثُمَّ اسْتَقَامُوا“ کے معنی یہ ہیں کہ پھر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے اقرار پر قائم رہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت مجاہد رحمہما سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ پھر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پر مرنے تک قائم رہے، شرک وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوئے۔

(۱۴) وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿حَم السجده: ۳۳﴾

بات کی عمدگی کے لحاظ سے کون شخص اس سے اچھا ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ”دَعَا إِلَى اللَّهِ“ سے مؤذن کا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنا مراد ہے۔ عاصم بن یسیر رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تو اذان سے فارغ ہو تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ کہا کر۔

(۱۵) فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ﴿الفتح: ۲۶﴾

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینہ (سکون تحمل یا خاص رحمت) اپنے رسول پر نازل فرمائی اور مؤمنین پر اور ان کو تقویٰ کے کلمہ پر (تقویٰ کی بات پر) جمائے رکھا اور وہی

اسی تقویٰ کے کلمہ کے مستحق تھے اور اہل تھے۔

ف: تقویٰ کے کلمہ سے مراد اکثر روایات میں یہی وارد ہوا ہے کہ کلمہ طیبہ ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ و حضرت سلمہ رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے اور حضرت ابی بن کعب، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر وغیرہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی نقل کیا گیا ہے۔ عطاء خراسانی رحمہ اللہ علیہ سے پورا کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ بھی نقل کیا گیا ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔

(۱۲) هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ (الرحمن: ۶۱، ۶۰)

بھلا احسان کا بدلہ احسان کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے (جن و انس!) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر میں نے دنیا میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے کا انعام کیا بھلا آخرت میں جنت کے سوا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے؟ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے کا بدلہ جنت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

(۱۷) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ فَلَاحٌ كَوْبَحٌ گِیا وہ شخص جس نے تزکیہ کر لیا (پاک حاصل کی) (الاعلیٰ: ۱۷)

ف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تَزَكَّى سے مراد یہ ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کی گواہی دے اور بتوں کو خیر باد کہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تَزَكَّى کے معنی یہ ہیں کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

(۱۸) فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ فَسَيُسْرُهُ لَيْسُرَى ۝ دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی تو آسان کر دیں گے ہم اس کو آسانی کی چیز کے لئے۔

ف: آسانی کی چیز سے جنت مراد ہے کہ ہر قسم کی راحت اور سہولتیں وہاں میسر ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال کی توفیق اس کو دیں گے جس سے وہ اعمال سہولت سے ہونے لگیں گے جو جنت میں جلد پہنچا دینے والے ہوں۔ اکثر مفسرین سے نقل کیا گیا ہے کہ

یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اچھی بات کی تصدیق سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تصدیق مراد ہے۔ حضرت ابو عبد الرحمن سلمی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ اچھی بات سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ مراد ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بروایت ابو الزبیر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ”صَدَّقَ بِالْحُسْنَى“ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تصدیق کرے اور ”كَذَّبَ بِالْحُسْنَى“ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تکذیب کرے۔

(۱۹) مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَثْمَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (الأنعام: ۱۶۰)

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو (کم سے کم) دس حصے ثواب کے ملیں گے اور جو بُرا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیکی

درج نہ کی جائے یا بدی کو بڑھا کر لکھ دیا جائے)

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت شریفہ ”مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ“ نازل ہوئی تو کسی شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ بھی حَسَنہ (نیکی) میں داخل ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”حَسَنَةُ“ سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ مراد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غالباً حضور اقدس ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ ”حَسَنَةُ“ سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ مراد ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے جیسا کہ آیت نمبر ۸ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس گنا ثواب عوام کے لئے ہے، مہاجرین کے لئے سات سو گنا تک ثواب ہو جاتا ہے۔

(۲۰) حَمْدُ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ

یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے، جو

الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ
التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ط
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝
والا ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں،
(المومن: ۱۰، ۲۰، ۳۰)
نزدوست ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ
کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا
ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت (یا عطا)
والا ہے، اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ
گناہ کی مغفرت کرنے والا ہے اس شخص کے لئے جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہے، اور توبہ قبول
کرنے والا ہے اس شخص کی جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہے۔ سخت عذاب والا ہے اس شخص کے
لئے جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ نہ کہے۔ ذی الطَّوْلِ کے معنی غنا والا ہے۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ“ ردِے کفار قریش پر جو توحید کے قائل نہ تھے اور إِلَيْهِ الْمَصِيرُ کے معنی اسی کی طرف
لوٹنا ہے اس شخص کا جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہے تاکہ اس کو جنت میں داخل کرے اور اسی کی
طرف لوٹنا ہے اس شخص کا جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ نہ کہے تاکہ اس کو جہنم میں داخل کرے۔

(۲۱) فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ
فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى
لَا انْفِصَامَ لَهَا ط (البقرہ: ۲۵۶)
پس جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ
کے ساتھ خوش عقیدہ ہو تو اس نے بڑا مضبوط
حلقہ پکڑ لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عُرْوَةُ الْوُثْقَى (مضبوط حلقہ) پکڑ لیا
یعنی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا۔ سفیان رحمہ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ”عُرْوَةُ الْوُثْقَى“
سے مراد کلمہ اخلاص ہے۔

تکمیل

قُلْتُ، وَقَدْ وَرَدَ فِي تَفْسِيرِ آيَاتٍ أُخَرَ عِدِيدَةً أَيْضًا أَنَّ الْمُرَادَ بِبَعْضِ الْأَلْفَاظِ فِي هَذِهِ الْآيَاتِ كَلِمَةُ التَّوْحِيدِ عِنْدَ بَعْضِهِمْ، فَقَدْ قَالَ الرَّائِبُ فِي قَوْلِهِ فِي قِصَّةِ زَكْرِيَّا "مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ" قِيلَ: كَلِمَةُ التَّوْحِيدِ، وَكَذَا قَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: "أَنَا عَرْضْنَا الْأَمَانَةَ" الْآيَةَ، قِيلَ: هِيَ كَلِمَةُ التَّوْحِيدِ، وَاقْتَصَرْتُ عَلَى مَا مَرَّ لِلْإِخْتِصَارِ.

فصل دوم

میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں کلمہ طیبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اکثر جگہ پورا کلمہ مذکور ہے اور کہیں مختصر اور کہیں دوسرے الفاظ میں کلمہ طیبہ کے معنی مذکور ہیں کہ کلمہ طیبہ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کے معنی ہیں: کوئی معبود نہیں اللہ پاک کے سوا۔ یہی معنی "مَا مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ" کے ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے اس کے سوا۔ یہی معنی "لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ" کے ہیں اور یہی معنی قریب قریب ہیں "لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ" کے (نہیں عبادت کرتے ہم اللہ کے سوا کسی کی)۔ اور یہی معنی ہیں "لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ" کے کہ نہیں عبادت کرتے ہیں ہم اس کے سوا کسی کی۔ اسی طرح "إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ" کے معنی ہیں "اس کے سوا نہیں کہ معبود وہی ایک ہے" اسی طرح اور آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کلمہ طیبہ ہی کے ہم معنی ہے۔ ان آیات کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ پوری آیت کا ترجمہ کوئی دیکھنا چاہے تو مترجم قرآن شریف کو سامنے رکھ کر حوالوں سے دیکھتا رہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ سارا ہی کلام مجید کلمہ طیبہ کا مفہوم ہے کہ اصل مقصد تمام قرآن شریف کا اور تمام دین کا توحید ہی ہے، توحید ہی کی تعلیم کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے۔ توحید ہی سب مذاہب میں مشترک رہی ہے اور توحید کے اثبات کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے گئے ہیں اور یہی مفہوم کلمہ طیبہ کا ہے۔

(۱) وَاللَّهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ○ (البقرة: ۱۶۳)

(۲) اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (البقرة: ۲۵۵) (۳) اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (آل عمران: ۲) (۴) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلَكُ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ (آل عمران: ۱۸) (۵) لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (آل عمران: ۱۸) (۶) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۝ وَانَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (آل عمران: ۶۲) (۷) تَعَالَوْا اِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران: ۶۴) (۸) اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ لِيَجْمَعَنَّكُمْ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (النساء: ۸۷) (۹) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدٌ ۝ (المائدة: ۷۳) (۱۰) قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهُ وَاحِدٌ (الانعام: ۱۹) (۱۱) مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاتِيكُم بِهِ (الانعام: ۴۶) (۱۲) ذَلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الانعام: ۱۰۳) (۱۳) لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۱۰۶) (۱۴) قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْعِيْكُمْ اِلٰهًا (الاعراف: ۱۴۰) (۱۵) لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (الاعراف: ۱۵۸) (۱۶) وَمَا امْرُؤٌ اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَاحِدًا ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (التوبة: ۳۱) (۱۷) حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (التوبة: ۱۲۹) (۱۸) ذَلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (يونس: ۳) (۱۹) فَذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ (يونس: ۳۲) (۲۰) قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْ اٰمَنْتُ بِهِ بَنُوْاۤ اِسْرٰٓئِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (يونس: ۹۰) (۲۱) فَلَا اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (يونس: ۱۰۴) (۲۲) فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (هود: ۱۴) (۲۳) اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۝ (هود: ۲۶) (۲۴) قَالَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ (هود: ۵۰، ۶۱، ۸۴) (۲۵) اَلْاَرْبَابُ مُتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (يوسف: ۳۹) (۲۶) اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (يوسف: ۴۰) (۲۷) قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الرعد: ۳۰) (۲۸) وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهُ وَاحِدٌ (ابراهيم: ۵۲) (۲۹) اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ (النحل: ۲) (۳۰) اِلَهُكُمْ اِلٰهُ وَاحِدٌ (النحل: ۲۲)

(۳۱) اِنَّمَا هُوَ اِلٰهُ وَاحِدٌ (النحل: ۵۱) (۳۲) وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (بنی اسرائیل: ۳۹) (۳۳) قُلْ لَّوْكَانَ مَعَهُ اِلٰهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ (بنی اسرائیل: ۴۲) (۳۴) فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَدْعُوْهُ مِنْ دُوْنِهِ اِلٰهًا (الكهف: ۱۴)

(۳۷) هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا (الكهف: ۱۵) (۳۸) يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ (الكهف: ۱۱۰) (۳۹) وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ ط (مريم: ۳۶) (۴۰) اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط (طه: ۸) (۴۱) إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَأَعْبُدْنِي ط (طه: ۱۴) (۴۲) إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط (طه: ۹۸) (۴۳) لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ اللَّهِ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ع (الأنبياء: ۲۲) (۴۴) أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا (الأنبياء: ۲۴) (۴۵) إِلَّا نُوحِيْ إِلَىٰ إِلَهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا (الأنبياء: ۲۵) (۴۶) أَمْ لَهُمْ إِلَهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا (الأنبياء: ۲۴) (۴۷) أَفَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ (الأنبياء: ۶۶) (۴۸) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ (الأنبياء: ۸۷) (۴۹) إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ (الأنبياء: ۱۰۸) (۵۰) فَإِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا (الحج: ۳۴) (۵۱-۵۲) أَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (المؤمنون: ۳۲) (۵۳) وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ (المؤمنون: ۹۱) (۵۴) فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ع لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ع (المؤمنون: ۱۱۶) (۵۵) وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ (المؤمنون: ۱۱۷) (۵۶) ع إِلَهُ مَعَ اللَّهِ (پانچ مرتبہ سورہ نمل رکوع نمبر ۵ میں وارد ہے) (۵۷) وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ع لَهُ الْحَمْدُ (الفصل: ۷۰) (۵۸) مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بَلِيلٌ (القصص: ۷۲) (۵۹) وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَقَدْ (القصص: ۸۸) (۶۰) وَاللَّهُنَّ وَاللَّهُمُّ وَاحِدٌ (العنکبوت: ۲۶) (۶۱) لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَانِّي تُؤْفِكُونَ (فاطر: ۳) (۶۲) إِنَّ إِلَهُكُمُ لَوَاحِدٌ (الصف: ۴) (۶۳) إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ (الصف: ۳۵) (۶۴) أَجْعَلِ الْإِلَهَ إِلَهًا وَاحِدًا (ص: ۵) (۶۵) وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص: ۶۵) (۶۶) هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر: ۴) (۶۷) ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (الزمر: ۶) (۶۸) لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ط إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (المؤمن: ۳) (۶۹) لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَانِّي تُؤْفِكُونَ (المؤمن: ۶۲) (۷۰) هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ (المؤمن: ۶) (۷۱) يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ (خم السجدہ: ۶) (۷۲) إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ (خم السجدہ: ۱۴) (۷۳) اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (الشوری: ۱۵)

(۷۴) أَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهَةً يُعْبَدُونَ (الزخرف: ۴۵) (۷۵) رَبِّ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (الدخان: ۷) (۷۶) لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (الدخان: ۸)
(۷۷) إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ (الاحقاف: ۲۱) (۷۸) فَأَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (محمد: ۱۹)
(۷۹) وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ (الذريت: ۵۱) (۸۰) هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
(الحشر: ۲۲) (۸۱) إِنَّا بَرَاءُكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (الممتحنة: ۴)
(۸۲) اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (التغابن: ۱۳) (۸۳) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا
هُوَ (المزمل: ۹) (۸۴) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (الكافرون: ۲، ۳)
(۸۵) قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۱)

یہ پچاسی آیات ہیں جن میں کلمہ طیبہ یا اس کا مضمون وارد ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور
بھی آیات بکثرت ہیں جن میں اس کا معنی اور مفہوم وارد ہوا ہے اور جیسا میں اس فصل کے
شروع میں لکھ چکا ہوں تو حید ہی اصل دین ہے۔ اس لئے جتنا اس میں انہماک اور شغف ہوگا
دین میں پختگی پیدا ہوگی۔ اس لئے اس مضمون کو مختلف عبارات میں مختلف طریقوں سے
ذکر فرمایا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور اندرونِ دل میں پختہ ہو جائے اور دل
میں اللہ کے ماسوا کی کوئی جگہ باقی نہ رہے۔

فصل سوم

میں ان احادیث کا ذکر ہے جن میں کلمہ طیبہ کی ترغیب و فضائل ذکر فرمائے گئے
ہیں۔ اس مضمون میں جب آیات اتنی کثرت سے ذکر فرمائی ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا،
سب کا احاطہ ناممکن ہے، اس لئے چند احادیث بطور نمونہ کے ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: حُضُورِ اِقْدَسَ صَلَواتِہِ عَلَیْہِہِمْ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ تمام
أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَفْضَلُ اذْكَارٍ فِي فَضْلِ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے اور
الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ. تمام دعاؤں میں افضل "الْحَمْدُ لِلَّهِ" ہے۔

(کذا فی المشکوۃ بروایۃ الترمذی وابن ماجہ، وقال المنذری: رواہ ابن ماجہ والنسائی وابن حبان فی

صحیحہ والمحاکم، کلہم من طریق طلحہ بن خراش عنہ، وقال المحاکم: صحیح الاسناد، قلت: رواہ المحاکم بسندین و صحیحہما واقره علیہما الذہبی، و کذا رقم له بالصحة السيوطی فی الجامع)

ف: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا افضل ذکر ہونا تو ظاہر ہے اور بہت سی احادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے، نیز سارے دین کا مدار ہی کلمہ توحید پر ہے تو پھر اس کے افضل ہونے میں کیا تردد ہے اور الحمد للہ کو افضل دعا اس لحاظ سے فرمایا ہے کہ کریم کی ثنا کا مطلب سوال ہی ہوتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ کسی رئیس، امیر، نواب کی تعریف میں قصیدہ خوانی کا مطلب اس سے سوال ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھے، اس کے بعد اس کو ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ بھی کہنا چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں ”فَاذْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“ کے بعد ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ وارد ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چٹکی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیہ اور عارفین اسی کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سارے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربے سے اس میں جس قدر فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں، کسی دوسرے میں نہیں۔

چنانچہ سید علی بن میمون مغربی رحمہ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ جب شیخ علوان حموی رحمہ اللہ علیہ جو ایک متبحر عالم اور مفتی اور مدرس تھے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی تو ان کو سارے مشاغل، درس، تدریس، فتویٰ وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا۔ عوام کا تو کام ہی اعتراض اور گالیاں دینا ہے۔ لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ شیخ کے منافع سے دنیا کو محروم کر دیا اور شیخ کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ کچھ دنوں کے بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلام اللہ شریف کی تلاوت کرتے ہیں۔ سید صاحب نے اس کو بھی منع کر دیا، تو پھر تو پوچھنا ہی کیا، سید صاحب پر زندگی اور بددینی کا الزام لگنے لگا، لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہو گیا اور دل رنگ گیا تو سید صاحب نے

فرمایا کہ اب تلاوت شروع کر دو۔ کلام پاک جو کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ وہ علوم و معارف کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں نے خدا نخواستہ تلاوت کو منع نہیں کیا تھا بلکہ اس چیز کو پیدا کرنا چاہتا تھا۔

چونکہ یہ پاک کلمہ دین کی اصل ہے، ایمان کی جڑ ہے۔ اس لئے جتنی بھی اس کی کثرت کی جائے گی اتنی ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہوگی، ایمان کا مدار اسی کلمہ پر ہے بلکہ دنیا کے وجود کا مدار اسی کلمہ پر ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے والا کوئی زمین پر ہو۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا روئے زمین پر ہو قیامت نہیں ہوگی۔

(۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ قَالَ: قَالَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ:

يَا رَبِّ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهِ

وَأَدْعُوكَ بِهِ، قَالَ: قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ،

قَالَ: يَا رَبِّ! كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُ هَذَا،

قَالَ: قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، قَالَ: إِنَّمَا

أُرِيدُ شَيْئًا تَخْصُنِي بِهِ، قَالَ: يَا مُوسَى!

لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضَيْنِ

السَّبْعَ فِي كِفَّةٍ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي

كِفَّةٍ، مَالَتْ بِهِمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

(رواه الترمذی وابن حبان والحاکم، کلہم من

طریق دراج عن ابی الہیثم عنہ، وقال الحاکم:

صحیح الاسناد، کذا فی الترغیب، قلت: قال

الحاکم: صحیح الاسناد ولم یخرجاه وأقره علیہ

الذہبی، وأخرج فی مشکوٰۃ بروایۃ شرح السنۃ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک

مرتبہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے

اللہ جل جلالہ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ

مجھے کوئی ورد تعلیم فرما دیجئے جس سے آپ کو

یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔

ارشاد خداوندی ہوا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

کہا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: اے پروردگار!

یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے، ارشاد ہوا کہ

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا کرو۔ عرض کیا:

میرے رب! میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز

مانگتا ہوں جو مجھی کو عطا ہو۔ ارشاد ہوا کہ اگر

ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے

میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف ”لَا إِلَهَ إِلَّا

اللَّهُ“ کو رکھ دیا جائے تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا

اللَّهُ“ والا پلڑا جھک جائے گا۔

نحوہ، زاد فی منتخب الكنز أبایعلی والحکیم و ابانعم فی الحلیۃ والبیہقی فی الأسماء و سعید بن منصور فی

سننہ و فی مجمع الزوائد رواہ أبو یعلی و رجالہ وثقوا، وفیہم ضعف)

ف: اللہ جلّ جلالہ و عم نوالہ کی عادت شریفہ یہی ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام عطا کی جاتی ہے۔ ضروریات دنیویہ میں دیکھ لیا جائے کہ سانس، پانی، ہوا، کیسی عام ضرورت کی چیزیں ہیں، اللہ جلّ جلالہ نے ان کو کس قدر عام فرما رکھا ہے، البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ اللہ کے یہاں وزن اخلاص کا ہے، جس قدر اخلاص سے کوئی کام کیا جائے گا اتنا ہی وزنی ہوگا اور جس قدر اخلاص کی کمی اور بے دلی سے کیا جائے گا اتنا ہی ہلکا ہوگا۔ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی چلائے القلوب (دلوں کی صفائی) ہے۔ اسی وجہ سے حضرات صوفیہ اس کا ورد کثرت سے بتاتے ہیں اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کا معمول تجویز کرتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے عرض کیا تھا کہ میں ذکر کرتا ہوں، مگر دل غافل رہتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ ذکر برابر کرتے رہو اور اس پر اللہ کا شکر کرتے رہو کہ اس نے ایک عضو یعنی زبان کو اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ سے دل کی توجہ کے لئے دعا کرتے رہو۔ اس قسم کا واقعہ ”احیاء العلوم“ میں بھی ابو عثمان مغربی رحمہ اللہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ ان سے کسی مرید نے شکایت کی تھی جس پر انہوں نے یہ جواب دیا تھا۔ یہ درحقیقت بہترین نسخہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا کلام پاک میں ارشاد ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اضافہ کروں گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ذکر اس کی بڑی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کیا کرو کہ اللہ نے ذکر کی توفیق عطا فرمائی۔

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہوگا؟

هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدُ أَوَّلِ مِنْكَ لَمَّا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ. (رواه البخاری وقد أخرجه الحاكم بمعناه، وذكر صاحب بهجة النفوس في الحديث أربعاً وثلاثين بحثاً)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے احادیث پر تمہاری حرص دیکھ کر یہی گمان تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی دوسرا شخص نہ پوچھے گا۔ (پھر حضور ﷺ نے سوال کا جواب ارشاد فرمایا) کہ سب سے زیادہ سعادت مند اور نفع اٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہے۔

ف: سعادت کہتے ہیں کہ آدمی کو خیر کی طرف پہنچانے کے لئے توفیق الہی کے شامل حال ہونے کو۔ اب اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھنے والے کا سب سے زیادہ مستحق شفاعت ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس حدیث سے وہ شخص مراد ہے جو اخلاص سے مسلمان ہو اور کوئی نیک عمل بجز کلمہ طیبہ پڑھنے کے اس کے پاس نہ ہو، اس صورت میں ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ سعادت اس کو شفاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنے پاس تو کوئی عمل نہیں ہے۔ اس مطلب کے موافق یہ حدیث ان احادیث کے قریب قریب ہوگی جن میں ارشاد ہے کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے، لیکن کلمہ طیبہ کی برکت سے حضور ﷺ کی شفاعت ان کو نصیب ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو اخلاص سے اس کلمہ کا ورد رکھیں اور نیک اعمال ہوں۔ ان کے سب سے زیادہ سعادت مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ نفع حضور ﷺ کی شفاعت سے ان کو پہنچے گا کہ ترقی درجات کا سبب بنے گی۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شفاعت قیامت کے دن چھ طریقہ سے ہوگی: اول میدانِ حشر کی قید سے خلاصی ہوگی کہ حشر میں ساری مخلوق طرح طرح کے مصائب میں مبتلا پریشان حال یہ کہتی ہوئی ہوگی کہ ہم کو جہنم ہی میں ڈال دیا جائے مگر ان مصائب سے تو خلاصی ہو۔ اس وقت جلیل القدر انبیاء علیہم السلام

کی خدمت میں یکے بعد دیگرے حاضری ہوگی کہ آپ ہی اللہ کے یہاں سفارش فرمائیں، مگر کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ سفارش فرمائیں۔ بالآخر حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے یہ شفاعت تمام عالم، تمام مخلوق جن و انس، مسلم کا فرسب کے حق میں ہوگی اور سب ہی اس سے مُنْتَفِع ہوں گے۔ احادیث قیامت میں اس کا مفصل قصہ مذکور ہے۔ دوسری شفاعت بعض کفار کے حق میں تخفیف عذاب کی ہوگی جیسا ابوطالب کے بارے میں صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔ تیسری شفاعت بعض مومنوں کو جہنم سے نکالنے کے بارہ میں ہوگی جو اس میں داخل ہو چکے ہیں۔ چوتھی شفاعت بعض مومن جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہونے کے مستحق ہو چکے ہیں، ان کی جہنم سے معافی اور جہنم میں نہ داخل ہونے کے بارے میں ہوگی۔ پانچویں شفاعت بعض مومنین کے بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونے میں ہوگی۔ اور چھٹی شفاعت مومنین کے درجات بلند ہونے میں ہوگی۔

(۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قِيلَ: وَمَا إِخْلَاصُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَحْجِزَهُ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ. (رواه الطبرانی في الأوسط والكبير)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں جو شخص اخلاص کے ساتھ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

ف: اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرام کاموں سے رک جائے گا اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا قائل ہوگا تو اس کے سیدھا جنت میں جانے میں کیا تردد ہے، لیکن اگر حرام کاموں سے نہ بھی رکے تب بھی اس کلمہ پاک کی یہ برکت تو بلا تردد ہے کہ اپنی بد اعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہوگا، البتہ اگر خدا نخواستہ بد اعمالیوں کی بدولت اسلام و ایمان ہی سے محروم ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ علیہ ”تنبیہ الغافلین“ میں لکھتے ہیں: ہر شخص کے

لئے ضروری ہے کہ کثرت سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھتا رہا کرے اور حق تعالیٰ شانہ سے ایمان کے باقی رہنے کی دعا بھی کرتا رہے اور اپنے کو گناہوں سے بچاتا رہے۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گناہوں کی نحوست سے آخر میں ان کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اور دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام ساری عمر مسلمانوں کی فہرست میں رہا ہو، مگر قیامت میں وہ کافروں کی فہرست میں ہو، یہ حقیقی حسرت اور کمال حسرت ہے۔ اس شخص پر افسوس نہیں ہوتا جو گرجا یا بُت خانہ میں ہمیشہ رہا ہو اور وہ کافروں کی فہرست میں آخر میں شمار کیا جائے۔ افسوس اس پر ہے جو مسجد میں رہا ہو اور کافروں میں شمار ہو جائے اور یہ بات گناہوں کی کثرت سے اور تنہائیوں میں حرام کاموں میں مبتلا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس دوسروں کا مال ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسروں کا ہے، مگر دل کو سمجھاتے ہیں کہ میں کسی وقت اس کو واپس کر دوں گا اور صاحب حق سے معاف کرالوں گا، مگر اس کی نوبت نہیں آتی اور موت اس سے قبل آ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں کہ بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے اور وہ اس کو سمجھتے ہیں، مگر پھر بھی اس سے ہم بستری کرتے ہیں اور اسی حالت میں موت آ جاتی ہے کہ توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ ایسے ہی حالات میں آخر میں ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

”اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ“۔ حدیث کی کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک نوجوان کا انتقال ہونے لگا۔ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اس سے کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور اس سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک قفل سادل پر لگا ہوا ہے۔ تحقیق حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے اور اس نے ماں کو ستایا ہے۔ حضور ﷺ نے ماں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اگر کوئی شخص بہت سی آگ جلا کر اس تمہارے لڑکے کو اس میں ڈالنے لگے تو تم سفارش کرو گی؟ اس نے عرض کیا: ہاں حضور! کروں گی، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہے تو اس کا قصور معاف کر دے، انہوں نے سب معاف کر دیا۔ پھر اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو فوراً پڑھ لیا۔ حضور ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضور ﷺ کی وجہ سے انہوں نے آگ سے

نجات پائی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں کہ ہم لوگ ایسے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جن کی نحوست دین اور دنیا دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے۔ صاحب احیاء رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے خطبہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو اس طرح سے کہے کہ خَلَطَ مَلَطَ نہ ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! اس کو واضح فرمادیں، خلط ملط کا کیا مطلب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور اس کی طلب میں لگ جانا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی سی باتیں کرتے ہیں اور متکبر اور جابر لوگوں کے سے عمل کرتے ہیں، اگر کوئی اس کلمہ کو اس طرح کہے کہ یہ کام نہ کرتا ہو، تو جنت اس کے لئے واجب ہے۔

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، حَتَّى يُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكِبَائِرَ. (رواه الترمذی وقال: حدیث حسن غریب، کذا فی)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

الترغیب، وہ کذا فی مشکوٰۃ، لکن لیس فیہا حسن بل غریب فقط، قال القاری: ورواہ النسائی وابن حبان، وعزاه السیوطی فی الجامع الی الترمذی ورقم نہ بالحسن، وحکاه السیوطی فی الدرر من طریق ابن مردودہ عن أبی ہریرۃ، ولس فیہ ما اجتنب الکبائر، وفی الجامع الصغیر بروایۃ الطبرانی عن معقل بن یسار ”لکل شیء مفتاح، ومفتاح السموات قول ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ورقم نہ بالضعف)

ف: کتنی بڑی فضیلت ہے اور قبولیت کی انتہا ہے کہ یہ کلمہ براہ راست عرش معلیٰ تک پہنچتا ہے اور یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ساتھ بھی کہا جائے تو نفع سے اس وقت بھی خالی نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبار سے بچنے کی شرط قبول کی جلدی اور آسمان کے سب دروازے کھلنے کے اعتبار سے ہے، ورنہ ثواب اور قبول سے کبار کے ساتھ بھی خالی نہیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ ایسے شخص کے واسطے مرنے

کے بعد اس کی رُوح کے اعزاز میں آسمان کے سب دروازے کھل جائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: دو کلمے ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک کے لئے عرش سے نیچے کوئی منعہا نہیں۔ دوسرا آسمان اور زمین کو (اپنے نور یا اپنے اجر سے) بھر دے: ایک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دوسرا اللَّهُ أَكْبَرُ۔

(۶) عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادٍ قَالَ، حَدَّثَنِي أَبِي شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ وَعِبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ حَاضِرٌ يُصَدِّقُ، قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: هَلْ فِيكُمْ غَرِيبٌ يَعْنِي أَهْلَ الْكِتَابِ؟ قُلْنَا: لَا، يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَأَمَرَ بِغُلَقِ الْأَبْوَابِ، وَقَالَ: ارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ وَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَرَفَعْنَا أَيْدِيَنَا سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ اللَّهُمَّ إِنَّكَ بَعَثْتَنِي بِهَذِهِ الْكَلِمَةِ، وَوَعَدْتَنِي عَلَيْهَا الْجَنَّةَ، وَأَنْتَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ، ثُمَّ قَالَ: أَبَشِّرُوا، فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ.

(رواہ احمد یاسناد حسن والطبرانی وغیرہما، کذا فی الترغیب، قلت: وأخرجه الحاكم، وقال: اسمعيل بن عياش أحد أئمة أهل الشام وقد نسب إلى سوء الحفظ: وأنا على شرطی فی أمثاله، وقال الذهبي: راشد ضعفه الدارقطني وغيره ووثقه رحيم . وفي

حضرت شداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں؟ ہم نے عرض کیا: کوئی نہیں۔ ارشاد فرمایا: کواڑ بند کر دو، اس کے بعد ارشاد فرمایا: ہاتھ اٹھاؤ اور کہو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے اور کلمہ طیبہ پڑھا۔ پھر فرمایا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ، اللہ نے تمہاری مغفرت فرمادی۔

مجمع الزوائد: رواه أحمد والطبرانی والبخاری وموتقون .

ف: غالباً اجنبی کو اسی لئے دریافت فرمایا تھا اور اسی لئے کواڑ بند کرائے تھے کہ ان لوگوں کے کلمہ طیبہ پڑھنے پر تو حضور اقدس ﷺ کو مغفرت کی بشارت کی امید ہوگی،

اوروں کے متعلق یہ امید نہ ہو۔ صوفیہ نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدین کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے: حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو جماعت اور منفرداً ذکر تلقین کرنا ثابت ہے۔ جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس صورت میں کواڑوں کا بند کرنا مستفیدین کی توجہ کے تام کرنے کی غرض سے ہو، اور اسی وجہ سے اجنبی کو دریافت فرمایا کہ غیر کا مجمع میں ہونا حضور ﷺ پر تشکیک کا سبب اگرچہ نہ ہو لیکن مستفیدین کے تشکیک کا احتمال تو تھا ہی۔

چہ خوش است با تو بزمِ نہفتہ ساز کردن در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

(کیسی مزے کی چیز ہے تیرے ساتھ خفیہ ساز کر لینا، گھر کا دروازہ بند کر لینا اور بوتل کا منہ کھول دینا)

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: جَدِّدُوا إِيمَانَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ نُجَدِّدُ إِيمَانَنَا؟ قَالَ: اكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه أحمد والطبرانی واسناد أحمد حسن، كذا في الترغيب، قلت: ورواه الحاكم في صحيحه،

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، یعنی تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

وقال: صحيح الاسناد، وقال الذهبي: صدقة (الروای) ضعفه، قلت: هو من رواية أبي داود والترمذي وأخرج له البخاري في الأدب المفرد، وقال في التريب: صدوق، له إوهام، وذكره السيوطي في الجامع الصغير برواية أحمد والحاكم ورقم له بالنسخة، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد واسناده جيد، وفي موضع آخر رواه أحمد والطبرانی ورجال أحمد ثقات)

ف: ایک روایت میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ایمان پرانا ہو جاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ جل ثنا سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو۔ پرانے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی سے قوتِ ایمانیہ اور نورِ ایمان جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نشان (دھبہ) اس

کے دل میں ہو جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان دھل جاتا ہے، ورنہ جمار ہوتا ہے اور پھر جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نشان ہو جاتا ہے، اسی طرح سے آخر دل بالکل کالا ہو جاتا ہے اور رنگ آلود ہو جاتا ہے، جس کو حق تعالیٰ شانہ نے سورۃ تطفیف میں ارشاد فرمایا ہے: ”كَأَلَّا بِلُحْ وَرَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ (التطفیف: ۱۳) اس کے بعد اس کے دل کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ حق بات اس میں اثر اور سرایت ہی نہیں کرتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ چار چیزیں آدمی کے دل کو برباد کر دیتی ہیں: احمقوں سے مقابلہ، گناہوں کی کثرت، عورتوں کے ساتھ کثرت اختلاط اور مردہ لوگوں کے پاس کثرت سے بیٹھنا۔ کسی نے پوچھا کہ مردوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ہر وہ مالدار جس کے اندر مال نے اکثر پیدا کر دی ہو۔

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَكْثَرُوا مِنْ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَبْلَ أَنْ يُحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنُهَا. (رواه أبو يعلى بإسناد جيد قوى، نہ کہہ سکو۔)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کثرت سے کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ ایسا وقت آئے کہ تم اس کلمہ کو

کذا فی الترغیب، وعزاه فی الجامع إلی أُمی یعلی وابن عدی فی الکامل ورقم له بالضعف وزاد: ”لقنوها موناکم“ وفی مجمع الزوائد رواه أبو یعلی، ورجاله رجال الصحیح غیر ضمام وهو ثقة)

ف: یعنی موت حائل ہو جائے کہ اس کے بعد کسی عمل کا بھی وقت نہیں رہتا۔ زندگی کا زمانہ بہت ہی تھوڑا سا ہے اور یہ ہی عمل کرنے کا اور تخم بولینے کا وقت ہے اور مرنے کے بعد کا زمانہ بہت ہی وسیع ہے، اور وہاں وہی مل سکتا ہے جو یہاں بودیا گیا۔

(۹) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهِ، فَيَسُوتُ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا حَرَّمَ عَلَى النَّارِ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (رواه الحاكم)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ دل سے حق سمجھ کر اس کو پڑھے اور اسی حال میں مر جائے مگر وہ جہنم پر حرام ہو جائے، وہ کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔

وقال: صحيح على شرطهما، ورواه بنحوه كذا في الترغيب)

ف: بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، ان سب سے اگر یہ مراد ہے کہ وہ مسلمان ہی اس وقت ہوا ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ اسلام لانے کے بعد کفر کے گناہ بالاتفاق معاف ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ پہلے سے مسلمان تھا اور اخلاص کے ساتھ اس کلمہ کو کہہ کر مراد ہے تب بھی کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف سے سارے ہی گناہ معاف فرمادیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا تو خود ہی ارشاد ہے کہ شرک کے علاوہ سارے ہی گناہ جس کے چاہیں گے معاف فرمادیں گے۔ مولا علی قاری رحمہ اللہ نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اور اس قسم کی احادیث اس وقت کے اعتبار سے ہیں جب تک دوسرے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد اس کلمہ کو اس کے حق کی ادائیگی کے ساتھ کہنا جیسا کہ پہلے حدیث نمبر ۴ میں گذر چکا ہے۔ حضرت بصری رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کی بھی یہی رائے ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ندامت کے ساتھ اس کلمہ کو کہا ہو کہ یہی حقیقت توبہ کی ہے اور پھر اسی حال پر انتقال ہوا ہو۔ مولا علی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ جہنم میں رہنے کی حرمت مراد ہے۔ ان سب کے علاوہ ایک کھلی ہوئی بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ کسی چیز کا کوئی خاص اثر ہونا اس کے منافی نہیں کہ کسی عارض کی وجہ سے وہ اثر نہ کر سکے۔ سقمونیا کا اثر اسہال ہے، لیکن اگر اس کے بعد کوئی سخت قابض چیز کھالی جائے تو یقیناً سقمونیا کا اثر نہ ہوگا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس دوا کا وہ اثر نہیں رہا، بلکہ اس عارض کی وجہ سے اس شخص پر اثر نہ ہو سکا۔

(۱۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ "إِلَّا اللَّهُ" كَاثِرًا كَرْنًا جَنَّتْ كِي كَتِيَا هِي۔
شَهَادَةُ "أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"۔

(رواه أحمد، كذا في المشكوة والجامع الصغير ورفق له بالضعف، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله وثقوا، إلا أن شهرًا لم يسمعه عن معاذ، ورواه البزار كذا في الترغيب، وزاد السيوطي في الدر ابن مردويه والبيهقي وذكره في المقاصد الحسنة برواية أحمد بلفظ "مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" واختلف في وجه حمل الشهادة و

ہی مفرد علی المفاتیح وہی جمع علی أقوال، أوجهها عندی أنها لما كانت مفتاحاً لكل باب من أبوابه،
صارت كالمفاتيح)

ف: کنجیاں اس لحاظ سے فرمایا کہ ہر دروازہ کی اور ہر جنت کی کنجی یہ ہی کلمہ ہے، اس لئے ساری کنجیاں یہی کلمہ ہوا، یا اس لحاظ سے کہ یہ کلمہ بھی دو جزو لئے ہوئے ہے: ایک ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار، دوسرے ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کا اقرار۔ اس لئے دو ہو گئے کہ دونوں کے مجموعہ سے کھل سکتا ہے۔ اور بھی ان روایات میں جہاں جہاں جنت کے دخول یا جہنم کے حرام ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد پورا ہی کلمہ ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی قیمت ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔

(۱۱) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ، إِلَّا طُمِسَتْ مَا فِي الصُّحُفَةِ مِنَ السَّيِّئَاتِ، حَتَّى تَسْكُنَ إِلَى مِثْلِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ. (رواه أبو يعلى، كذا في الترغيب، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی بندہ کسی وقت بھی دن میں یا رات میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہتا ہے تو اعمال نامہ میں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں، اور ان کی جگہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

وفى مجمع الزوائد فيه عثمان بن عبد الرحمن الزهري وهو متروك.)

ف: برائیاں مٹ کر نیکیاں لکھی جانے کے متعلق باب اول فصل ثانی کے نمبر ۱۰ پر مفصل گزر چکا ہے اور اس قسم کی آیات اور روایات کے چند معنی لکھے گئے ہیں۔ ہر معنی کے اعتبار سے گناہوں کا اس حدیث میں اعمال نامہ سے مٹانا تو معلوم ہوتا ہی ہے، البتہ اخلاص ہونا ضروری ہے اور کثرت سے اللہ کا پاک نام لینا اور کلمہ طیبہ کا کثرت سے پڑھنا خود بھی اخلاص پیدا کرنے والا ہے، اسی لئے اس پاک کلمہ کا نام کلمہ اخلاص ہے۔

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَمُودًا مِنْ نُورٍ بَيْنَ يَدَيِ الْعَرْشِ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اهْتَزَّ ذَلِكَ الْعَمُودُ، فَيَقُولُ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ عرش کے سامنے نور کا ایک ستون ہے جب کوئی شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہتا ہے تو وہ ستون ہلنے لگتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ٹھہر جا۔ وہ

اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَسْكُنْ، فَيَقُولُ: عرض کرتا ہے: کیسے ٹھہروں حالانکہ کلمہ طیبہ
كَيْفَ أَسْكُنُ وَلَمْ تُغْفَرْ لِقَائِهَا؟ پڑھنے والے کی ابھی تک مغفرت نہیں ہوئی؟
فَيَقُولُ: إِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ، فَيَسْكُنُ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا میں نے اس کی مغفرت
عِنْدَ ذَلِكَ. (رواہ البزار وهو غریب، کر دی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔

كذبا في الترغيب، وفي مجمع الزوائد فيه عبد الله بن ابراهيم بن ابي عمرو وهو ضعيف جداً، قلت:
وبسط السيوطي في اللآلي على طريقة وذكر له شواهد)

ف: محدثین حضرات کو اس روایت میں کلام ہے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ روایت کئی طریقوں سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے، بعض روایتوں میں اس کے ساتھ اللہ جل ثنا کا یہ بھی ارشاد وارد ہے کہ میں نے کلمہ طیبہ اس شخص کی زبان پر اسی لئے جاری کر دیا تھا کہ اس کی مغفرت کروں۔ کس قدر لطف و کرم ہے اللہ کا کہ خود ہی توفیق عطا فرماتے ہیں اور پھر خود ہی اس لطف کی تکمیل میں مغفرت فرماتے ہیں۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے۔ وہاں ایک دیوانی باندی فروخت ہو رہی تھی۔ انہوں نے خرید لی۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو وہ دیوانی اٹھی اور وضو کر کے نماز شروع کر دی اور نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ آنسوؤں سے دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا: اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! مجھ پر رحم فرما دیجئے۔ عطاء رحمہ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ لونڈی! یوں کہہ: اے اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم، یہ سن کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگی: اس کے حق کی قسم! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں یوں میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں کھڑا نہ کرتا۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے۔

الْكُرْبُ مُجْتَمِعٌ وَالْقَلْبُ مُحْتَرِقٌ وَالصَّبْرُ مُفْتَرِقٌ وَالذَّمُّ مَعَ مُسْتَبِقِ
كَيْفَ الْقَرَارُ عَلَى مَنْ لَا قَرَارَ لَهُ مِمَّا جَنَاهُ الْهَوَى وَالشَّوْقُ وَالْقَلْقُ
يَا رَبِّ! إِنْ كَانَ شَيْءٌ فِيهِ لِي فَرَجٌ فَامْنُنْ عَلَيَّ بِهِ مَا دَامَ بِي دَمَقُ

ترجمہ: بے چینی جمع ہو رہی ہے اور دل جل رہا ہے۔ اور صبر جدا ہو گیا اور آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس کو کس طرح قرار آ سکتا ہے جس کو عشق و شوق اور بے چینی کے حملوں کی وجہ سے

ذرا بھی سکون نہیں۔ اے اللہ! اگر کوئی چیز ایسی ہو سکتی ہے جس میں غم سے نجات ہو تو زندگی میں اس کو عطا فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ اس کے بعد اس نے کہا: اے اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب راز میں نہیں رہا، مجھے اٹھا لیجئے، یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور مر گئی۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ توفیق جب تک شامل حال نہ ہو کیا ہو سکتا ہے۔ ”وَمَا تَشَاءُ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ“ (التکویر: ۲۹) (اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے، کچھ نہیں چاہ سکتے ہو)۔

(۱۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيْسَ عَلَى أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحُشَّةٌ فِي قُبُورِهِمْ وَلَا مَنْشَرِهِمْ، وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَهُمْ يَنْفُضُونَ التُّرَابَ عَنْ رُؤُوسِهِمْ وَيَقُولُونَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ. وَفِي رِوَايَةٍ لَيْسَ عَلَى أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحُشَّةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْرِ. (رواه الطبرانی والبيهقي كلاهما من رواية يحيى بن عبد الحميد الحماني وفي متنه نكارة، كذا في

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ والوں پر نہ قبروں میں وحشت ہے، نہ میدانِ حشر میں، اس وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ جب وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے (قبروں سے) اٹھیں گے اور کہیں گے کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے (ہمیشہ کے لئے) رنج و غم دور کر دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر کے وقت۔

الترغیب، و ذکرہ فی الجامع الصغیر بروایۃ الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ورقم له بالضعف، وفي أسنى المطالب رواه الطبرانی وأبو يعلى بسند ضعيف، وفي مجمع الزوائد رواه الطبرانی. وفي رواية ”لَيْسَ عَلَى أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحُشَّةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْرِ“ في الأولى يحيى الحماني وفي الأخرى مجاشع بن عمر وكلاهما ضعيف. وقال السخاوي في المقاصد الحسنة: رواه أبو يعلى والبيهقي في الشعب والطبرانی بسند ضعيف عن ابن عمر رضی اللہ عنہما. قلت: وما حكم عليه المتنري بالنكارة مبناه أنه حمل أهل لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى الظاهر على كُلِّ مُسْلِمٍ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ بَعْضَ الْمُسْلِمِينَ يُعَدُّونَ فِي الْقَبْرِ وَالْحَشْرِ، فَيَكُونُ الْحَدِيثُ مُخَالِفًا لِلْمَعْرُوفِ، فَيَكُونُ مُنْكَرًا، لِكُنْهٖ إِنْ أُرِيدَ بِهِ الْمَخْصُوصُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ، فَيَكُونُ مُوَافِقًا لِلنُّصُوصِ الْكَثِيرَةِ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ، وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يَأْخُذُ اللَّهُ بِهِ وَيَسْعَوْنَ أَلْعَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَغَيْرُ

ذَلِكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالرَّايَاتِ فَأَلْحَدِيْتُ مُوَافِقَ لَهَا لَا مُخَالَفَ، فَيَكُونُ مَعْرُوفًا لَا مُنْكَرًا، وَذَكَرَ السَّيُوطِيُّ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَوَايَةِ ابْنِ مَرْدُويه وَابْنِ بَيْهَقِي فِي الْبَعْثِ عَنْ عُثْمَانَ بَلْفُظٍ "سَابِقُنَا سَابِقُ، وَمُقْتَصِدُنَا نَاجٍ، وَظَالِمُنَا مَغْفُورٌ لَهُ" وَرَقْمَ لَهُ بِالْحَسَنِ، قُلْتُ: وَيُؤَيِّدُهُ حَدِيثٌ "سَبَقَ الْمُفَرَّقُونَ الْمُسْتَهْتَرُونَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ، يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ، فَيَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافًا، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالطَّبْرَانِيُّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، كَذَا فِي الْجَامِعِ وَرَقْمَ لَهُ بِالصَّحَّةِ، وَفِي الْإِتْحَافِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مَوْفُوقًا "الَّذِينَ لَا تَزَالُ أَلْسِنَتُهُمْ رَطْبَةً مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَهُمْ يَضْحَكُونَ" وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِرَوَايَةِ الْحَاكِمِ وَرَقْمَ لَهُ بِالصَّحَّةِ "السَّابِقُ وَالْمُقْتَصِدُ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ" وَالظَّالِمُ لِنَفْسِهِ يَحَاسِبُ حِسَابًا بَاسِيرًا، ثُمَّ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ

ق: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کو رنجیدہ اور غمگین دیکھ رہا ہوں، یہ کیا بات ہے؟ (حالانکہ حق تعالیٰ شائے دلوں کے بھید جاننے والے ہیں، لیکن اکرام و اعزاز اور اظہار شرافت کے واسطے اس قسم کے سوال کرائے جاتے تھے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل! مجھے اپنی امت کا فکر بہت بڑھ رہا ہے کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کفار کے بارے میں یا مسلمانوں کے بارے میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے بارے میں فکر ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیا اور ایک مقبرہ پر تشریف لے گئے جہاں قبیلہ بنو سلمہ کے لوگ دفن تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک قبر پر ایک پر مارا اور ارشاد فرمایا کہ "قُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ" (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا) اس قبر سے ایک شخص نہایت حسین خوبصورت چہرہ والا اٹھا اور کہہ رہا تھا "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" حضرت جبریل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جگہ لوٹ جا، وہ چلا گیا۔ پھر دوسری قبر پر دوسرا پر مارا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔ اس میں سے ایک شخص نہایت بد صورت، کالا منہ، کیری آنکھوں والا کھڑا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا: ہائے افسوس! ہائے شرمندگی! ہائے مصیبت!! پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اپنی جگہ لوٹ جا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس حالت پر یہ لوگ مرتے ہیں اسی حالت پر اٹھیں گے۔

حدیث بالا میں "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" والوں سے بظاہر وہ لوگ مراد ہیں جن کو اس

کلمہ پاک کے ساتھ خصوصی لگاؤ، خصوصی مناسبت، خصوصی اشتغال ہو۔ اس لئے کہ دودھ والا، جوتوں والا، موتی والا، برف والا وہی شخص کہلاتا ہے جس کے ہاں ان چیزوں کی خصوصی بکری اور خصوصی ذخیرہ موجود ہو۔ اس لئے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ والوں کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی اشکال نہیں۔ قرآن پاک میں سورہ فاطر میں اس امت کے تین طبقے بیان فرمائے ہیں: ایک طبقہ ”سَابِقُ الْبِالْخَيْرَاتِ“ کا بیان فرمایا جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص سو مرتبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھا کرے اس کو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کا چہرہ روشن ہوگا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہیں وہ جنت میں ہستے ہوئے داخل ہوں گے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر تمام دنیا کے سامنے بلائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کے کھولیں گے، ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ منتہائے نظر تک (یعنی جہاں تک نگاہ جاسکے وہاں تک) پھیلا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا جائے گا کہ ان اعمال ناموں میں سے تو کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے ان فرشتوں نے جو اعمال لکھنے پر متعین تھے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے؟ (کہ کوئی گناہ بغیر کئے ہوئے لکھ لیا ہو یا کرنے سے زیادہ لکھ لیا ہو)۔ وہ عرض کرے

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ يَسْتَخْلِصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ، فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةَ وَتِسْعِينَ سَجَلًا، كُلُّ سَجَلٍ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا؟ أَظْلَمَكَ كَتَبْتَنِي الْخَفِظُونَ؟ فَيَقُولُ: لَا، يَا رَبِّ! فَيَقُولُ: أَفَلَاكَ عُذْرٌ؟ فَيَقُولُ: لَا، يَا رَبِّ! فَيَقُولُ: اللَّهُ تَعَالَى: بَلَى! إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً، فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ، فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٍ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

وَرَسُولُهُ، فَيَقُولُ: أَحْضَرُ وَزَنَكَ
فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ
هَذِهِ السَّجَّلَاتِ؟ فَقَالَ: فَإِنَّكَ
لَا تُظْلَمُ الْيَوْمَ، فَتُوضَعُ السَّجَّلَاتُ
فِي كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ، فَطَاشَتْ
السَّجَّلَاتُ، وَثَقَلَتِ الْبِطَاقَةُ، فَلَا
يَثْقُلُ مَعَ اللَّهِ شَيْءٌ. (رواه الترمذی وقال: حسن

غریب، وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی،
و الحاکم وقال: صحیح علی شرط مسلم، کذا فی
الترغیب، قلت: کذا قال الحاکم فی کتاب الایمان،
والخرجه ایضاً فی کتاب الدعوات، وقال: صحیح الاسناد
وافره فی الموضوعین الذہبی، وفی مشکوٰۃ
الخرجه بروایۃ الترمذی وابن ماجہ، وزاد
السیوطی فی السرفین عزاء الیہم احمد وابن
مردویہ واللالکائی والبیہقی فی البعث وفیہ
اختلاف، وفی بعض الالفاظ کقولہ فی اول
الحديث "يُضَاحَ بِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُوسِ

گا: نہیں) نہ انکار کی گنجائش ہے نہ فرشتوں
نے ظلم کیا۔ پھر ارشاد ہوگا کہ تیرے پاس
ان بد اعمالیوں کا کوئی عذر ہے؟ وہ عرض
کرے گا: کوئی عذر بھی نہیں۔ ارشاد ہوگا:
اچھا! تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، آج
تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے، پھر ایک کاغذ کا پرزہ
نکالا جائے گا۔ جس میں "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ" لکھا ہوا ہوگا، ارشاد ہوگا کہ جا،
اس کو ٹکوا لے۔ وہ عرض کرے گا کہ اتنے
دفتروں کے مقابلے میں یہ پرزہ کیا کام
دے گا؟ ارشاد ہوگا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا،
پھر ان سب دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھ
دیا جائے گا اور دوسری جانب وہ پرزہ ہوگا تو
دفتروں والا پلڑا اڑنے لگے گا اس پرزہ کے
وزن کے مقابلے میں۔ پس بات یہ ہے کہ
اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں۔

الْخَلَائِقِ، وفیہ ایضاً فَيَقُولُ: أَفَلَاكَ عَذْرٌ أَوْ حَسَنَةٌ، قَبَّهَاتِ الرَّجُلُ فَيَقُولُ: لَا يَا رَبِّ! فَيَقُولُ: بَلَى! إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا
حَسَنَةً الْحَدِيثِ، وعلم منه ان الاستدراك في الحديث على محله، ولا حاجة اذاً الى ما أوله القارى في المرفقة،
وذكر السيوطي ما يؤكد الرواية من الروايات الاخر

ف: یہ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ ایک مرتبہ کلمہ طیبہ اخلاص کے ساتھ کا پڑھا ہوا ان
سب دفتروں پر غالب آگیا۔ اسی لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی مسلمان کو بھی حقیر نہ سمجھے اور
اپنے کو اس سے افضل نہ سمجھے، کیا معلوم کہ اس کا کون سا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہو جائے جو
اس کی نجات کے لئے کافی ہو جائے اور اپنا حال معلوم نہیں کہ کوئی عمل قابل قبول ہوگا یا نہیں۔

حدیث شریف میں ایک قصہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے: ایک عابد تھا، دوسرا گنہگار۔ وہ عابد اس گنہگار کو ہمیشہ ٹوکا کرتا تھا، وہ کہہ دیتا کہ مجھے میرے خدا پر چھوڑ۔ ایک دن اس عابد نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ خدا کی قسم! تیری مغفرت کبھی نہیں ہوگی۔ حق تعالیٰ شانہ نے عالم ارواح میں دونوں کو جمع فرمایا اور گنہگار کو اس لئے کہ وہ رحمت کا امیدوار تھا معاف فرمادیا اور عابد کو اس قسم کھانے کی پاداش میں عذاب کا حکم فرمادیا اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ قسم نہایت سخت تھی۔ خود حق تعالیٰ شانہ تو ارشاد فرمائیں ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“ (النساء: ۴۸) (حق تعالیٰ شانہ کفر و شرک کی مغفرت نہیں فرماویں گے، اس کے علاوہ ہر گناہ کی جس کے لئے چاہیں گے مغفرت فرمادیں گے) تو کسی کو کیا حق ہے کہ یہ کہنے کا کہ فلاں کی مغفرت نہیں ہو سکتی، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ معاصی پر، گناہوں پر، ناجائز باتوں پر گرفت نہ کی جائے، ٹوکا نہ جائے۔ قرآن و حدیث میں سینکڑوں جگہ اس کا حکم ہے، نہ ٹوکنے پر وعید ہے۔ احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ جو لوگ کسی کو گناہ کرتے دیکھیں اور اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو وہ خود اس کی سزا میں مبتلا ہوں گے، عذاب میں شریک ہونگے۔ اس مضمون کو میں اپنے رسالہ ”فضائل تبلیغ“ میں مفصل لکھ چکا ہوں، جس کا دل چاہے اس کو دیکھے۔ یہاں ایک ضروری چیز یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جہاں دینداروں کا گنہگاروں کو قطعی جہنمی سمجھ لینا مہلک ہے وہاں جہلاء کا ہر شخص کو مقتدا اور بڑا بنا لینا خواہ کتنے ہی کفریات بکے، سم قاتل اور نہایت مہلک ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کرتا ہے۔ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں دجال، مکار، کذاب پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث تم کو سناویں گے جو تم نے نہ سنی ہوں گی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور فتنہ میں ڈال دیں۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس پاک ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمام آسمان و زمین، اور جو لوگ ان

(۱۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ جِئْتُ بِالسَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ

فِيهِمْ وَمَا بَيْنَهُمْ وَمَا تَحْتَهُمْ،
فَوُضِعَ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ وَوُضِعَتْ
شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي الْكِفَّةِ
الْأُخْرَى، لَرَجَحَتْ بِهِنَّ. (اخرجه الطبرانی،
كلنا في الدرر، وهكنا في مجمع الزوائد، وزاد في أوله
”لَقِفْنَا مَوَاتِكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَهَا
عِنْدَ مَوْتِهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَمَنْ قَالَهَا فِي صِحَّتِهِ؟ قَالَ: بَلَّكَ أَوْجَبَ وَأَوْجَبَ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي
فَفَسِي بِكَ“ الْحَدِيثُ، قَالَ: رواه الطبرانی، ورجاله ثقات الا ابن ابی طلحة لم يسمع من ابن عباس)

کے درمیان میں ہیں وہ سب، اور جو چیزیں
ان کے درمیان میں ہیں وہ سب کچھ، اور جو
کچھ ان کے نیچے ہے وہ سب کا سب، ایک
پلڑے میں رکھ دیا جائے اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ“ کا اقرار دوسری جانب ہو تو وہی تول
میں بڑھ جائے گا۔

ف: اس قسم کا مضمون بہت سی مختلف روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔ بد قسمتی اور محرومی ہے ان لوگوں کی جو اس کو
ہلکا سمجھتے ہیں، البتہ اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی
یہ پاک نام ہو سکتا ہے۔ اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی
کرنا پڑتی ہیں۔ ایک حدیث میں اس ارشادِ نبوی سے پہلے ایک اور مضمون مذکور ہے، وہ یہ
کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میت کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ تلقین کیا کرو۔ جو شخص مرتے
وقت اس پاک کلمہ کو کہتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض
کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی تندرستی ہی میں کہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر تو اور بھی زیادہ
جنت کو واجب کرنے والا ہے۔ اس کے بعد یہ قسمیہ مضمون ارشاد فرمایا جو اوپر ذکر کیا گیا۔

(۱۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ
النَّخَامُ ابْنُ زَيْدٍ، وَقُرْدُ بْنُ كَعْبٍ
وَبَحْرِيُّ ابْنُ عَمْرٍو، فَقَالُوا:
يَا مُحَمَّدًا مَا تَعْلَمُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا غَيْرَهُ؟
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
بِذَلِكَ بُعِثْتُ، وَإِلَى ذَلِكَ أَدْعُو،

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک
مرتبہ تین کافر حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اے
محمد! تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو
نہیں جانتے (نہیں مانتے)؟ حضور ﷺ
نے ارشاد فرمایا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (نہیں
کوئی معبود اللہ کے سوا) اسی کلمہ کے ساتھ

فَإَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَوْلِهِمْ "قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً" ط (الأنعام: ۱۹) میں مبعوث ہوا ہوں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں، اسی بارہ میں آیت "قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً" نازل ہوئی۔
اخرجه ابن اسحاق وابن المنذر وابن أبي حاتم وأبو الشيخ، كذا في الدر المنثور

ف: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی کلمہ کے ساتھ میں مبعوث ہوا ہوں، یعنی نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کلمہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ کی اس میں خصوصیت ہے، بلکہ سارے ہی نبی اسی کلمہ کے ساتھ نبی بنا کر بھیجے گئے اور سب ہی انبیاء علیہم السلام نے اسی کلمہ کی طرف دعوت دی ہے۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سے لے کر ختم الانبیاء فخر رسل ﷺ تک کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جو اس مبارک کلمہ کی دعوت نہ دیتا ہو۔ کس قدر بابرکت اور مہتم بالشان کلمہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام اور سارے سچے مذہب اسی پاک کلمہ کی طرف بلانے والے اور اسی کے شائع کرنے والے رہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ اس سے کوئی بھی سچا مذہب خالی نہیں۔ اسی کلمہ کی تصدیق میں قرآن پاک کی آیت "قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً" (الأنعام: ۱۹) نازل ہوئی جس میں نبی اکرم ﷺ کی تصدیق میں حق تعالیٰ شانہ کی گواہی کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں میرے بندہ نے سچ کہا ہے، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۱۷) عَنْ لَيْثٍ قَالَ: قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أُمَّةٌ مُحَمَّدٌ (ﷺ) أَثْقَلُ النَّاسِ فِي الْمِيزَانِ ذُلْتُ أَلِسْتُهُمْ بِكَلِمَةٍ، ثَقُلْتُ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (الخرج الاصبهانی فی الترغیب، كذا فی الدر)

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کی امت کے اعمال (حشر کی ترازو میں اس لئے) سب سے زیادہ بھاری ہیں کہ ان کی زبانیں ایک ایسے کلمہ کے ساتھ مانوس ہیں جو ان سے پہلی امتوں پر بھاری تھا۔ وہ کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے۔

ف: یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا آلف ألف صلوة و تحیۃ کے

درمیان کلمہ طیبہ کا جتنا زور اور کثرت ہے کسی امت میں بھی اتنی کثرت نہیں ہے۔ مشائخ سلوک کی لاکھوں نہیں کروڑوں کی مقدار ہے اور پھر ہر شیخ کے کم و بیش سینکڑوں مرید اور تقریباً سب ہی کے یہاں کلمہ طیبہ کا ورد ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کے معمولات میں داخل ہے۔ ”جامع الاصول“ میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کم از کم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں اور صوفیہ کے لئے کم از کم پچیس ہزار روزانہ۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی مقدار کے متعلق لکھا ہے کہ کم از کم پانچ ہزار روزانہ ہو۔ یہ مقداریں مشائخ سلوک کی تجویز کے موافق کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔ میرا مقصود حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی تائید میں مشائخ کا انداز بیان کرنا ہے کہ ایک ایک شخص کے لئے روزانہ کی مقداریں کم از کم یہ بتائی گئی ہیں۔

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ”قول جمیل“ میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ دو سو مرتبہ کہا کرتا تھا۔

شیخ ابو یزید قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا اور کئی نصاب خود اپنے لئے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے۔ جنت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے۔ مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعۃً اس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے، اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا۔ میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی، مگر وہ نوجوان

فوراً کہنے لگا کہ چچا! میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس قصہ سے دو فائدے ہوئے: ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔

یہ ایک واقعہ ہے، اس قسم کے نامعلوم کتنے واقعات اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ایک معمولی چیز ”پاسِ آنفاس“ ہے، یعنی اس کی مشق کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر بغیر نہ اندر جائے نہ باہر آئے۔ امت محمدیہ کے کروڑوں افراد ایسے ہیں جن کو اس کی مشق حاصل ہے تو پھر کیا تردد ہے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے اس ارشاد میں کہ ان کی زبانیں اس کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی ساتھ مانوس اور متقاد ہو گئیں۔

(۱۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَضَرَ اَقْدَسَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جنت قَالَ: مَكْتُوبٌ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ: اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اَنَا، لَا اُعَذِّبُ مَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اَنَا، لَا اُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا (بے شک) میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی

قَالَهَا. (اخرجه ابو الشیخ، کذا فی الدرر)

معبود نہیں، جو شخص اس (کلمہ) کو کہتا رہے گا میں اس کو عذاب نہیں کروں گا۔

ف: گناہوں پر عذاب کا ہونا دوسری احادیث میں بکثرت آیا ہے، اس لئے اس سے اگر دائمی عذاب مراد ہو تو کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی خوش قسمت ایسے اخلاص سے اس جملہ کا ورد رکھنے والا ہو کہ باوجود گناہوں کے اس کو بالکل عذاب نہ کیا جائے یہ بھی رحمتِ خداوندی سے بعید نہیں ہے، جیسا حدیث نمبر ۱۴ میں گذرا۔ اس کے علاوہ نمبر ۹ میں بھی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱۹) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ جَبْرِئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اَنَا فَاَعْبُدْنِيْ، مَنْ جَاءَ فِیْ حَضَرَ اَقْدَسَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم حضرت جبریل علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا میری ہی عبادت کیا کرو، جو

مِنْكُمْ بِشَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
بِالْإِخْلَاصِ، دَخَلَ فِي حِصْنِي. وَمَنْ
دَخَلَ حِصْنِي، أَمِنَ عَذَابِي. (اخرجه ابو
نعيم في الحلية، كذا في الدرر ابن عساكر، كذا
في الجامع الصغير وفيه ايضا برواية الشيرازي
عن علي ورقم له بالصححة، وفي الباب عن عتيان ابن مالك بلفظ "إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ، يَتَّبِعِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ" رواه الشيخان وعن ابن عمر بلفظ "إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ مَنْ عِبَادَهُ إِلَّا الْعَمَارَةَ الْمُفْرَدَةَ،
الَّذِي يَتَمَرَّدُ عَلَى اللَّهِ، وَأَنَّى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" رواه ابن ماجه)

ف: اگر یہ بھی کبائر سے بچنے کے ساتھ مشروط ہو جیسا کہ حدیث نمبر ۵ میں گذر چکا
تب تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر کبائر کے باوجود یہ کلمہ کہے تو پھر قواعد کے موافق تو عذاب
سے مراد دائمی عذاب ہے، ہاں اللہ جل ثنا کی رحمت قواعد کی پابند نہیں۔ قرآن پاک کا صاف
ارشاد ہے کہ اللہ جل ثنا شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے
معاف کر دیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اسی شخص کو عذاب کرتے
ہیں جو اللہ پر تمرد (ہیکڑی) کرے اور "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہنے سے انکار کرے۔ ایک حدیث
میں آیا ہے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" حق تعالیٰ شانہ کے غصہ کو دور کرتا رہتا ہے جب تک کہ دنیا کو
دین پر ترجیح نہ دیے لگیں اور جب دنیا کو دین پر ترجیح دیے لگیں اور "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہتے
رہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہو۔

(۲۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ
النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْإِسْتِغْفَارُ،
ثُمَّ قَرَأَ: "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ". (محمد: ۱۹)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام
ذکروں میں افضل "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے
اور تمام دعاؤں میں افضل استغفار ہے، پھر
اس کی تائید میں سورہ محمد کی آیت "فَاعْلَمْ
أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" تلاوت فرمائی۔

(اخرجه الطبرانی وابن مردويه والديلمي، كذا في الدرر وفي الجامع الصغير برواية الطبرانی "مَا مِنْ الذِّكْرِ
أَفْضَلُ مِنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَا مِنْ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ مِنَ الْإِسْتِغْفَارِ" ورقم له بالحسن)

ف: اس فصل کی سب سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سب اذکار سے افضل ہے جس کی وجہ صوفیہ نے یہ لکھی ہے کہ دل کے پاک ہونے میں اس ذکر کو خاص مناسبت ہے۔ اس کی برکت سے دل ساری ہی گندگیوں سے پاک ہو جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ استغفار بھی شامل ہو جائے تو پھر کیا ہی کہنا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے کھالیا تھا تو اس کے پیٹ میں ان کی دعا یہ تھی: ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ جو شخص بھی ان الفاظ سے دعا مانگے گا وہ ضرور قبول ہوگی۔ اس فصل کی سب سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گزرا ہے کہ سب سے افضل اور بہترین ذکر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے، لیکن وہاں سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ ارشاد ہوا تھا اور یہاں استغفار وارد ہے۔ اس قسم کا اختلاف حالات کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ ایک متقی پرہیزگار ہے اس کے لئے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ سب سے افضل ہے۔ ایک گناہ گار ہے، وہ توبہ و استغفار کا بہت محتاج ہے، اس کے حق میں استغفار سب سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ افضلیت بھی مختلف وجوہ سے ہوتی ہے۔ منافع کے حاصل کرنے کے واسطے اللہ کی حمد و ثنا سب سے زیادہ نافع ہے اور مضرّاتیں اور تنگیاں دور کرنے کے لئے استغفار سب سے زیادہ مفید ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی وجوہ اس قسم کے اختلاف کی ہوتی ہیں۔

(۲۱) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: عَلَيْكُمْ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْإِسْتِغْفَارِ، فَاتَّخِذُوا مِنْهُمَا، فَإِنَّ إِبْلِيسَ قَالَ: أَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالدُّنُوبِ، وَأَهْلَكُونِي بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْإِسْتِغْفَارِ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ أَهْلَكْتُهُمْ بِالْأَهْوَاءِ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ. (أخرجه

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور ”استغفار“ کو بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور ”استغفار“ سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے دیکھا (کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) تو میں نے ان کو ہوائے نفس

أبو يعلى، كذا في الدر والجامع الصغير ورقم له (یعنی بدعات) سے ہلاک کیا اور وہ اپنے کو ہدایت پر سمجھتے رہے۔ (بالضعف)

ق: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور ”استغفار“ سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا منتہائے مقصد دل پر اپنا زہر چڑھانا ہے جس کا ذکر باب اول فصل دوم کے نمبر ۱۴ پر گذر چکا اور یہ زہر جب ہی چڑھتا ہے جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہو، ورنہ شیطان کو ذلت کے ساتھ دل سے واپس ہونا پڑتا ہے اور اللہ کا ذکر دلوں کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک صفائی ہوتی ہے، دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح استغفار کے بارہ میں کثرت سے احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ دلوں کے میل اور زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ ابو علی دقاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب بندہ اخلاص سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہتا ہے تو ایک دم دل صاف ہو جاتا ہے (جیسا آئینہ پر بھگا ہوا کپڑا پھیرا جائے)۔ پھر وہ ”إِلَّا اللَّهُ“ کہتا ہے تو صاف دل پر اس کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان کی ساری ہی کوشش بے کار ہوگئی اور ساری محنت رائیگاں گئی۔

ہوائے نفس سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ناحق کو حق سمجھنے لگے اور جو دل میں آجائے اسی کو دین اور مذہب بنالے۔ قرآن شریف میں کئی جگہ اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ”أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاءً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ“ (الحجۃ: ۶۳) کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفس کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا (کہ حق بات کو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ دل میں اترتی ہے)۔ پس اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت کر سکتا ہے، پھر بھی تم نہیں سمجھتے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ“ (الفصل: ۵۰) (ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اللہ کی طرف سے (اس

کے پاس) ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ اور بھی متعدد جگہ اس قسم کا مضمون وارو ہوا ہے، یہ شیطان کا بہت ہی سخت حملہ ہے کہ وہ غیر دین کو دین کے لباس میں سمجھا دے اور آدمی اس کو دین سمجھ کر کرتا رہے اور اس پر ثواب کا امیدوار بنا رہے۔ اور جب وہ اس کو عبادت اور دین سمجھ کر کر رہا ہے تو اس سے توبہ کیونکر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص زنا کاری، چوری وغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو تو کسی نہ کسی وقت توبہ اور چھوڑ دینے کی امید ہے، لیکن جب کسی ناجائز کام کو وہ عبادت سمجھتا ہے تو اس سے توبہ کیوں کرے اور کیوں اس کو چھوڑے، بلکہ دن بدن اس میں ترقی کرے گا۔ یہی مطلب ہے شیطان کے اس کہنے کا کہ میں نے گناہوں میں مبتلا کیا لیکن ذکر اذکار، توبہ، استغفار سے وہ مجھے دق کرتے رہے تو میں نے ایسے جال میں پھانس دیا کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتے۔ اس لئے دین کے ہر کام میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو اپنا رہبر بنانا بہت ہی ضروری امر ہے اور کسی ایسے طریقہ کو اختیار کرنا جو خلاف سنت ہو، نیکی برباد گناہ لازم ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ میں نے امت محمدیہ کے سامنے گناہوں کو زیب و زینت کے ساتھ پیش کیا، مگر ان کے استغفار نے میری کمر توڑ دی تو میں نے ایسے گناہ ان کے پاس پیش کئے جن کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے کہ ان سے استغفار کریں اور وہ اُنہو یعنی بدعات ہیں کہ وہ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر، تو شیطان کو مجموعوں میں لعنت کرتا ہے اور چپکے سے اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے۔ بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جیسے محسن کے احسانات معلوم ہونے کے بعد اور ان کے اقرار کے بعد اس کی نافرمانی کی جائے اور شیطان کی دشمنی کے باوجود، اس کی عیاری اور سرکشی معلوم ہونے کے باوجود اس کی اطاعت کی جائے۔

(۲۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا يَمُوتُ عَبْدٌ حَضُورِ اَقْدَسِ رَسُوْلِهِ ﷺ كَاِِرْشَادِهِ كَمَا جُوْشَخْصُ
بھی اس حال میں مرے کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

ایسے ایسے کام کئے۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ فرمایا: اور کیا حدیث پہنچی؟ عرض کیا: مجھ سے عبدالرزاق نے کہا، اس سے معمر نے کہا، ان سے زہری نے کہا، ان سے عروہ نے کہا، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ان سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ان سے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، ان سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو اور میں اس کو (اس کے اعمال کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں لیکن اس کے بڑھاپے سے شرما کر معاف کر دیتا ہوں اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ عبدالرزاق نے سچ کہا، اور معمر نے بھی سچ کہا، اور زہری نے بھی سچ کہا، عروہ نے بھی سچ نقل کیا، عائشہ نے بھی سچ کہا، اور نبی ﷺ نے بھی سچ کہا اور جبریل نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی سچی بات کہی۔ یحییٰ بن النعمان علیہ السلام کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے جنت میں داخلہ کا ارشاد فرمادیا۔

(۲۳) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَيْسَ شَيْءٌ إِلَّا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ إِلَّا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَدُعَاءُ الْوَالِدِ. (اخرجه ابن مردويه كذا في الدرر، وفي الجامع الصغير)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کے لئے اللہ کے یہاں پہنچنے کے لئے درمیان میں حجاب ہوتا ہے مگر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور باپ کی دعا بیٹے کے لئے ان دونوں کے لئے کوئی حجاب نہیں۔

بروایہ ابن النجار و رقم له بالضعف، وفي الجامع الصغير بروایہ الترمذی عن ابن عمر و رقم له بالضعفة
”الْتَسْبِيْحُ يَصْفُ الْمِيْزَانَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُهُ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَيْسَ لَهَا ذُوْنَ اللَّهِ حِجَابٌ حَتَّى تَخْلُصَ إِلَيْهِ“

ف: پردہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کے قبول ہونے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگتی، اور امور کے درمیان میں قبول تک اور بھی واسطے حائل ہوتے ہیں، لیکن یہ چیزیں براہ راست بارگاہ الہی تک فوراً پہنچتی ہیں۔

ایک کافر بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ نہایت مُتَعَصِّب تھا، اتفاق سے مسلمانوں کی ایک لڑائی میں گرفتار ہو گیا، چونکہ مسلمانوں کو اس سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے انتقام

کا جوش ان میں بھی بہت تھا، اس کو ایک دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا۔ اس نے اول اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا اور مدد چاہی، جب کچھ بن نہ پڑا تو وہیں مسلمان ہوا اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا ورد شروع کیا، لگا تار پڑھ رہا تھا، اور ایسی حالت میں جس خلوص اور جوش سے پڑھا جاسکتا ہے ظاہر ہے۔ فوراً اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے مدد ہوئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ وہ ساری آگ بھی بجھ گئی اور دیگ بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ اس کے بعد زور سے آندھی چلی جس سے وہ دیگ اڑی اور دور کسی شہر میں جہاں سب ہی کافر تھے جا کر گری۔ یہ شخص لگا تار کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور انجوبہ دیکھ کر متحیر تھے، اس سے حال دریافت کیا، اس نے اپنی سرگذشت سنائی جس سے وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

(۲۳) عَنْ عُثْبَانَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَضَرَ اِقْدَسَ صَلَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَا اِرْشَادِ هِيَ: نَهَيْس
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَنْ يُؤَافِيَ عَبْدٌ آئے گا کوئی شخص قیامت کے دن کہ ”لَا
يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَنْجُو إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو اس طرح سے کہتا ہو کہ
بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ. اللہ کی رضا کے سوا کوئی مقصود نہ ہو مگر جہنم
(اخرجه احمد والبخاری ومسلم وابن ماجه، اس پر حرام ہوگی۔

والبيهقي في الاسماء والصفات، كذا في الدرر)

ف: جو شخص اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ کا ورد کرتا رہا ہو اس پر جہنم کی آگ کا حرام ہونا ظاہری قواعد کے موافق تو مقید ہے کیا بزرگناہ نہ ہونے کے ساتھ، یا جہنم کے حرام ہونے سے اس میں ہمیشہ کا رہنا مراد ہے، لیکن اللہ جل ثناہ اس پاک کلمہ کو اخلاص سے پڑھنے والے کو باوجود گناہوں کے بالکل ہی جہنم سے معاف فرمادیں تو کون روکنے والا ہے۔ احادیث میں ایسے بندوں کا بھی ذکر آتا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ، بعض لوگوں کو فرمائیں گے تو نے فلاں گناہ کیا، فلاں کیا۔ اس طرح جب بہت سے گناہ گنوائے جا چکیں گے اور وہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا اور اقرار بغیر چارہ کار نہ ہوگا تو ارشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں تیری ستاری کی، آج بھی ستاری کرتے ہیں، تجھے معاف کر دیا۔ اس نوع کے بہت سے واقعات احادیث میں موجود ہیں۔ اس لئے ان ذاکرین کے لئے بھی اس قسم کا معاملہ ہو تو بعید نہیں

ہے۔ اللہ کے پاک نام میں بڑی برکت اور بہبودی ہے۔ اس لئے جتنی بھی کثرت ہو سکے دریغ نہ کرنا چاہئے۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ مبارک ہستیاں جنہوں نے اس پاک کلمہ کی برکات کو سمجھا اور اس کے درمیں عمریں ختم کر دیں۔

(۲۵) عَنْ يَحْيَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ طَلْحَةَ حَزِينًا، فَقِيلَ لَهُ: مَا لَكَ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ عِنْدَ مَوْتِهِ، إِلَّا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَتَهُ، وَأَشْرَقَ لَوْنُهُ وَرَأَى مَا يَسُرُّهُ، وَمَا مَنَعْنِي أَنْ أَسْأَلَهُ عَنْهَا إِلَّا الْقُدْرَةُ عَلَيْهِ، حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنِّي لَا أَعْلَمُهَا، قَالَ: فَمَا هِيَ؟ قَالَ: لَا نَعْلَمُ كَلِمَةً هِيَ أَعْظَمُ مِنْ كَلِمَةِ أَمْرٍ بِهَا عَمَّةٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ: فَهِيَ وَاللَّهِ هِيَ. (أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي عَرَبَةَ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالصِّفَاتِ كُنَا فِي الْمَدِينَةِ، قُلْتُ: أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ: صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَأَقْرَبُهُ عَلَيْهِ لَذَهَبِي، وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَخْرَجَ أَيْضًا مِنْ مُسْنَدِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِمَعْنَاهُ بَرِيْدَةٌ فِيهِمَا، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ طَلْحَةَ

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ نہایت غمگین بیٹھے ہیں۔ کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ جو شخص مرتے وقت اس کو کہے تو موت کی تکلیف اس سے ہٹ جائے اور رنگ چمکنے لگے اور خوشی کا منظر دیکھے، مگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کلمہ کے پوچھنے کی قدرت نہ ہوئی (اس کا رنج ہو رہا ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (خوش ہو کر) کہنے لگے: کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں معلوم ہے کہ کوئی کلمہ اس سے بڑھا ہوا نہیں ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابوطالب) پر پیش کیا تھا اور وہ ہے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ فرمایا: واللہ! یہی ہے، واللہ! یہی ہے۔

عن امه، وفي شرح الصدور للسيوطي و أخرج أبو يعلى والحاكم بسند صحيح عن طلحة وعمر قالوا: سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إني أعلم كلمة، الحديث)

ف: کلمہ طیبہ کا سراسر نور و سرور ہونا بہت سی روایات سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ”مئیدات“ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

اندھیرے پانچ ہیں اور پانچ ان کے لئے چراغ ہیں: دنیا کی محبت اندھیرا ہے جس کا چراغ تقویٰ ہے، اور گناہ اندھیرا ہے جس کا چراغ توبہ ہے، اور قبر اندھیرا ہے جس کا چراغ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ ہے، اور آخرت اندھیرا ہے جس کا چراغ نیک عمل ہے، اور پل صراط اندھیرا ہے جس کا چراغ یقین ہے۔ رابعہ عذ و یہ رحمۃ اللہ علیہا مشہور قریہ ہیں، رات بھر نماز میں مشغول رہتیں، صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر سورتیں اور جب صبح کا چاندنا اچھی طرح ہو جاتا تو گھبرا کر اٹھتیں اور نفس کو ملامت کرتیں کہ کب تک سوتا رہے گا۔ عنقریب قبر کا زمانہ آنے والا ہے جس میں صور پھونکنے تک سونا ہی ہوگا۔ جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک خادمہ کو وصیت فرمائی کہ یہ اوئی گدڑی جس کو وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں اس میں مجھے کفن دے دینا اور کسی کو میرے مرنے کی خبر نہ کرنا۔ چنانچہ حسب وصیت تجہیز و تکفین کر دی گئی، بعد میں اس خادمہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہے اس نے دریافت کیا کہ وہ آپ کی گدڑی کیا ہوئی جس میں کفن دیا گیا تھا؟ فرمایا کہ لپیٹ کر میرے اعمال کے ساتھ رکھ دی گئی۔ انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، کہا کہ اللہ کا ذکر جتنا بھی کر سکو کرتی رہو کہ اس کی وجہ سے تم قبر میں قابل رشک بن جاؤ گی۔

(۲۶) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تَوَفَّيَ حَزَنُوا عَلَيْهِ، حَتَّى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوسَّوسُ، قَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَكُنْتُ مِنْهُمْ، فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ عَلِيٍّ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَلَّمَ، فَلَمْ أَشْعُرْ بِهِ فَاسْتَكْبَى عُمَرُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى سَلَّمَ عَلَيَّ جَمِيعًا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ لَا تَرُدَّ عَلَيَّ أَخِيكَ عُمَرُ سَلَامَةً؟

حضور اقدس ﷺ (رُؤُوحِ قِدَاة) کے وصال کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس قدر سخت صدمہ تھا کہ بہت سے مختلف طور کے وساوس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں تھا جو وساوس میں گھرے ہوئے تھے۔ حضرت عمر میرے پاس تشریف لائے، مجھے سلام کیا، مگر مجھے مطلق پتہ نہ چلا، انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ

قُلْتُ: مَا فَعَلْتُ، فَقَالَ عُمَرُ: بَلَى وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتَ، قَالَ: قُلْتُ: وَاللَّهِ مَا شَعَرْتُ أَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: صَدَقَ عُمَانُ، قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذَلِكَ أَمْرٌ؟ قُلْتُ: أَجَلُ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قُلْتُ: تَرَوْنِي اللَّهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ ﷺ قَبْلَ أَنْ نُسْأَلَهُ عَنْ نَجَاةِ هَذَا الْأَمْرِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: قَدْ سَأَلْتَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقُمْتُ إِلَيْهِ، وَقُلْتُ لَهُ: يَا بِيَّ أَنْتَ وَأُمِّي، أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا، قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا نَجَاةُ هَذَا الْأَمْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُ عَلَى عَمِّي فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ. (رواه أحمد، كذا في المشكوة، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد والطبرانی في الأوسط باختصار وأبو يعلى بتمامه، والبخاري نحوه وفيه رجل لم يسم، لكن الزهري وثقه وإبهمه. قلت: وذكر في مجمع

الزوائد: له متابعات بالفاظ متقاربة)

سے شکایت کی (کہ عثمان بھی بظاہر خفا ہیں کہ میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب بھی نہ دیا)۔ اس کے بعد دونوں حضرات اکٹھے تشریف لائے اور سلام کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے بھائی عمر رضی اللہ عنہ کے سلام کا بھی جواب نہ دیا؟ (کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: ایسا ہی ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو آپ کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی کہ کب آئے، نہ سلام کا پتہ چلا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: سچ ہے، ایسا ہی ہوا ہوگا۔ غالباً تم کسی سوچ میں بیٹھے ہو گے، میں نے عرض کیا: واقعی میں ایک گہری سوچ میں تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اور ہم نے یہ بھی نہ پوچھ لیا کہ اس کام کی نجات کس چیز میں ہے۔ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں پوچھ چکا ہوں۔ میں اٹھا اور میں نے کہا: تم پر میرے ماں باپ قربان، واقعی تم ہی زیادہ مستحق تھے اسکے دریافت کرنے کے (کہ دین کی ہر چیز میں آگے بڑھنے والے ہو)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ اس کام کی نجات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس کلمہ کو قبول کر لے جس کو میں نے اپنے چچا (ابوطالب پر ان کے انتقال کے وقت) پیش کیا تھا اور

انہوں نے رد کر دیا تھا، وہی کلمہ نجات ہے۔

ف: وساوس میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت رنج و غم کی شدت میں ایسے پریشان ہو گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر بہادر تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے تھے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور ﷺ تو اپنے رب سے ملنے تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دین اب ختم ہو چکا۔ بعض اس سوچ میں تھے کہ اب دین کے فروغ کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ بعض بالکل گم تھے کہ ان سے بولا ہی نہیں جاتا تھا۔ ایک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دم تھا جو حضور ﷺ کے ساتھ کمال عشق اور کمال محبت کے باوجود اس وقت ثابت قدم اور جے ہوئے قدم سے کھڑے تھے۔ انہوں نے لکار کر خطبہ پڑھا جس میں ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ“ والی آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے کہ محمد ﷺ نرے رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں ہیں جسے موت آ ہی نہ سکے)۔ پس اگر وہ مرجائیں یا شہید ہو جائیں تو تم لوگ (دین سے) پھر جاؤ گے اور جو شخص (دین سے) پھر جائے گا وہ خدا کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھو دیگا)۔ مختصر طور پر اس قصہ کو میں اپنے رسالہ ”حکایات صحابہ“ میں لکھ چکا ہوں۔ آگے جو ارشاد ہے کہ اس کام کی نجات کیا ہے۔ اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ دین کے کام تو بہت سے ہیں، ان سب کاموں میں مدار کس چیز پر ہے کہ جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو۔ اس مطلب کے موافق جواب ظاہر ہے کہ دین کا سارا مدار کلمہ شہادت پر ہے اور اسلام کی جڑ ہی کلمہ طیبہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کام یعنی دین میں دقتیں بھی پیش آتی ہیں، وساوس بھی گھیرتے ہیں، شیطان کی رختہ اندازی بھی مستقل ایک مصیبت ہے، دنیاوی ضروریات بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں، اس صورت میں مطلب ارشاد نبوی کا یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی کثرت ان سب چیزوں کا علاج ہے کہ وہ اخلاص پیدا کرنے والا ہے، دلوں کا صاف کرنے والا ہے، شیطان کی ہلاکت کا سبب ہے، جیسا کہ ان سب روایات میں اس کے اثرات بہت سے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے جن میں سب سے کم غم ہے جو ہر

وقت آدمی پر سوار رہتا ہے۔

(۲۷) عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهِ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ: أَنَا أُحَدِّثُكَ مَا هِيَ كَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ الَّتِي أَعَزَّ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بِهَا مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ، وَهِيَ كَلِمَةُ التَّقْوَى الَّتِي الْإِصَ عَلَيْهَا نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ عَمَّةُ أَبِطَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه أحمد وأخرجه الحاكم بهذا اللفظ وقال: صحيح على شرطهما وأقره عليه الذهبي، وأخرجه الحاكم برواية عثمان رضی اللہ عنہ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوعًا إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهِ، فَيَمُوتُ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" وَقَالَ: هَذَا صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِهِمَا، ثُمَّ ذَكَرَ لَهُ شَاهِدَيْنِ مِنْ حَدِيثِهِمَا)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو شخص اس کو حق سمجھ کر اخلاص کے ساتھ دل سے (یقین کرتے ہوئے) اس کو پڑھے تو جہنم کی آگ اس پر حرام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بتاؤں وہ کلمہ کیا ہے؟ وہ وہی کلمہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اور اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عزت دی۔ وہ وہی تقویٰ کا کلمہ ہے جس کی حضور اقدس ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے ان کے انتقال کے وقت خواہش کی تھی۔ وہ شہادت ہے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کی۔

ف: حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کا قصہ حدیث، تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں مشہور معروف ہے کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو چونکہ ان کے احسانات نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں پر کثرت سے تھے اس لئے نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے چچا! "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہہ لیجئے، تاکہ مجھے قیامت کے دن آپ کی سفارش کا موقع مل سکے اور میں اللہ کے یہاں آپ کے اسلام کی گواہی دے سکوں۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگ مجھے یہ طعنہ دیں گے کہ موت کے ڈر سے بھیجے کا دین قبول کر لیا۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس وقت اس کلمہ کو کہنے سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

اس پر حضور ﷺ رنجیدہ واپس تشریف لائے۔ اسی قصہ میں قرآن پاک کی آیت ”إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ“ (الفصل: ۵۶) نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں فرما سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں، خدا اور اس کے رسول ﷺ سے بیگانہ رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کسی عزیز قریب بزرگ کی دعا سے بیڑا پار ہو جائے گا غلطی میں مبتلا ہیں، کام چلانے والا صرف اللہ ہی ہے، اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اسی سے سچا تعلق قائم کرنا ضروری ہے، البتہ اللہ والوں کی صحبت، ان کی دعا، ان کی توجہ معین و مددگار بن سکتی ہے۔

(۱۸) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ، رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِي، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ: مَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: تَبَارَكَ اسْمُكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتَ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا عَمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! إِنَّهُ آخِرُ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَلَوْلَا هُوَ مَا خَلَقْتُكَ. (اخرجه الطبرانی في الصغير والحاكم وابو نعیم والبيهقی كلاهما في الدلائل، وابن عساکر في الدرر، وفي مجمع الزوائد رواه الطبرانی في الاوسط)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم (علی نبینا وعلیہ السلام) سے جب وہ گناہ صادر ہو گیا (جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے تو ہر وقت روتے رہتے تھے اور دعا و استغفار کرتے رہتے تھے)۔ ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا: یا اللہ! محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں، وحی نازل ہوئی کہ محمد کون ہیں (جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی)؟ عرض کیا: جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد (ﷺ) سے اونچی ہستی کوئی نہیں ہے جن کا نام تم نے اپنے نام کے ساتھ رکھا۔

والصغیر وفيه من لم اعرفهم، قلت: ويؤيد الآخر الحديث المشهور "وَلَوْ لَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَاقَ" قَالَ الْقَارِي فِي الْمَوْضُوعَاتِ الْكَبِيرِ: مَوْضُوع

وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

لكن معناه صحيح، وفي النشرف معناه ثابت، ويؤيد الاول ما ورد في غير رواية من انه مكتوب على العرش واوراق الجنة "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ" كما بسط طرقه السيوطي في مناقب اللآلئ في غير موضع، وبسط له شواهد ايضاً في تفسيره في سورة الم نشرح

ف: حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام نے اس وقت کیا کیا دعائیں کیں اور کس کس طرح سے گزر گئے؟ اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں جس پر مالک کی ناراضگی، آقا کی خفگی ہوئی ہو وہی جانتا ہے۔ ان بے حقیقت آقاؤں کی ناراضگی کی وجہ سے نوکروں اور خادموں پر کیا کچھ گزر جاتا ہے اور وہاں تو مالک الملک، رزاق عالم اور مختصر یہ کہ خدا کا کتاب تھا اور گزر کس پر رہی تھی؟ اس شخص پر جس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا، اپنا مقرب بنایا، جو شخص جتنا ہی مقرب ہوتا ہے اتنا ہی عتاب کا اس پر اثر ہوتا ہے، بشرطیکہ کمینہ نہ ہو اور وہ تو نبی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں کا رونا اگر جمع کیا جائے تو ان کے برابر نہیں ہو سکتا، چالیس برس تک سراپہ نہیں اٹھایا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کا تمام دنیا کے رونے سے مقابلہ کیا جائے تو ان کا رونا بڑھ جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے اگر ان کے آنسوؤں کو ان کی تمام اولاد کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو ان کے آنسو بڑھ جائیں گے۔ ایسی حالت میں کس کس طرح زاری فرمائی ہوگی ظاہر ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

اس لئے جو روایات میں ذکر کیا گیا ان سب کے مجموعہ میں کوئی اشکال نہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار فرمایا۔ دوسرا مضمون عرش پر "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ" لکھا ہوا ہونا، یہ اور بھی بہت سی مختلف روایتوں میں آیا ہے۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس کی دونوں جانبوں میں تین سطریں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں: پہلی سطر میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ لکھا تھا۔ دوسری سطر میں ”مَا قَدْ مُنَا وَجَدْنَا وَمَا أَكَلْنَا رَبِّحْنَا، وَمَا خَلَفْنَا خَسِرْنَا“ تھا (جو ہم نے آگے بھیج دیا یعنی صدقہ وغیرہ کر دیا وہ پالیا اور جو دنیا میں کھایا وہ نفع میں رہا اور جو کچھ چھوڑ آئے وہ نقصان رہا) اور تیسری سطر میں تھا ”أُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ، وَرَبُّ غَفُورٌ“ (امت گناہ گار اور مالک بخشش والا)۔ ایک بزرگ کہتے ہیں: میں ہندوستان کے ایک شہر میں پہنچا تو میں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس کے پھل بادام کے مشابہ ہوتے ہیں، اس کے دو چھلکے ہوتے ہیں، جب ان کو توڑا جاتا ہے تو ان کے اندر سے ایک سبز پتہ لیٹا ہوا نکلتا ہے، جب اس کو کھولا جاتا ہے تو سُرخ سی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ لکھا ہوا ملتا ہے۔ میں نے اس قصہ کو ابو یعقوب شکاری رحمہ اللہ سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا: تعجب کی بات نہیں، میں نے ”ایلہ“ میں ایک مچھلی شکار کی تھی، اس کے ایک کان پر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اور دوسرے پر ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ لکھا ہوا تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ اللہ کا سب سے بڑا نام (جو اسم اعظم کے نام سے عام طور پر مشہور ہے) ان دو آیتوں میں ہے (بشرطیکہ اخلاص سے پڑھی جائیں) وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ ط لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (البقرة: ۱۶۳) اور اَللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (ال عمران: ۲۰)

(۲۹) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ بْنِ السَّكَنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: اِسْمُ اللَّهِ الْأَعْظَمُ فِي هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ: وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ ط لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ (و) اَللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ. (أخرجہ ابن ابی شیبہ وأحمد والدارمی وأبو داود والترمذی وصححه، وابن ماجہ وأبو مسلم الکجی فی السنن، وابن الضریس وابن ابی حاتم والبیہقی فی الشعب، کذا فی الدر)

ف: اسم اعظم کے متعلق روایات حدیث میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں کہ جو دعا بھی اس کے بعد مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

البتہ اسم اعظم کی تعین میں روایات مختلف وارد ہوئی ہیں اور یہ عادت اللہ ہے کہ ہر ایسی مہتمم بالشان چیز میں اخفا کی وجہ سے اختلاف پیدا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ شب قدر کی تعین میں، جمعہ کے دن دعا قبول ہونے کے خاص وقت میں اختلاف ہوا۔ اس میں بہت سی مصالح ہیں جن کو میں اپنے رسالہ ”فضائل رمضان“ میں لکھ چکا ہوں۔ اسی طرح اسم اعظم کی تعین میں بھی مختلف روایات وارد ہوئیں۔ مجملہ ان کے یہ روایت بھی ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔ اور بھی روایات میں ان آیتوں کے متعلق ارشاد وارد ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ متمرّد اور شرّی شیاطین پر ان دو آیتوں سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں، وہ دو آیتیں ”وَالْهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ“ سے شروع ہیں۔ ابراہیم بن وسمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجنونانہ حالت نظر کے لئے ان آیات کا پڑھنا مفید ہے۔ جو شخص ان آیات کے پڑھنے کا اہتمام رکھے اس قسم کی چیزوں سے محفوظ ہے۔ ”وَالْهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ“ پوری آیت (البقرہ: ۱۶۳) ”اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ آیۃ الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخر آیت اور ”إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ مِنْ مَّحْسِنِينَ“ تک (الاعراف: ۵۴) اور سورۃ حشر کی آخری آیتیں (هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ) ہمیں یہ بات پہنچی کہ سب آیات (جن کو گنوا یا) عرش کے کونوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ اور ابراہیم رضی اللہ عنہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ بچوں کو اگر ڈر لگتا ہو یا نظر کا اندیشہ ہو تو یہ آیات ان کے لئے لکھ دیا کرو۔ علامہ شامی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اسم اعظم لفظ ”اللہ“ ہے اور لکھا ہے کہ یہی قول علامہ طحاوی رضی اللہ عنہ اور بہت سے علماء سے نقل کیا گیا ہے اور اکثر عارفین (اکابر صوفیہ) کی یہی تحقیق ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک ذکر بھی اسی پاک نام کا کثرت سے ہوتا ہے۔ سید الطائفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ اسم اعظم ”اللہ“ ہے، بشرطیکہ جب تو اس پاک نام کو لے تو تیرے دل میں اس کے سوا کچھ نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ عوام کے لئے اس پاک نام کو اس طرح لینا چاہئے کہ جب یہ زبان پر جاری ہو تو عظمت اور خوف کے ساتھ ہو، اور خواص کے لئے اس طرح ہو کہ اس پاک نام والے کی ذات و صفات کا بھی استحضار ہو، اور اخص الخواص کے لئے یہ ضروری

ہے کہ اس پاک ذات کے سوا دل میں کوئی چیز بھی نہ ہو، کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں بھی یہ مبارک نام اتنی کثرت سے ذکر کیا گیا کہ حد نہیں جس کی مقدار دو ہزار تین سو ساٹھ بتاتے ہیں۔

شیخ اسماعیل فرغانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک عرصہ سے اسم اعظم سیکھنے کی تمنا تھی، مجاہدے بہت کرتا تھا، کئی کئی دن فاقے کرتا حتیٰ کہ فاقوں کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ ایک روز میں دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ دو آدمی مسجد میں داخل ہوئے اور میرے قریب کھڑے ہو گئے، مجھے ان کو دیکھ کر خیال ہوا کہ یہ فرشتے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: کیا تو اسم اعظم سیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں بتا دیجئے۔ میں یہ گفتگو سن کر غور کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ وہ لفظ ”اللہ“ ہے بشرطیکہ صدق لجا سے ہو۔ شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صدق لجا کا مطلب یہ ہے کہ کہنے والے کی حالت اس وقت ایسی ہو کہ جیسا کوئی شخص دریا میں غرق ہو رہا ہو اور کوئی بھی اس کا بچانے والا نہ ہو تو ایسے وقت جس خلوص سے نام لیا جائے گا وہ حالت مراد ہے۔ اسم اعظم معلوم ہونے کے لئے بڑی اہلیت اور بڑے ضبط و تحمل کی ضرورت ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کو اسم اعظم آتا تھا۔ ایک فقیر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تمنا و استدعا کی کہ مجھے بھی سکھا دیجئے۔ اُن بزرگ نے فرمایا: تم میں اہلیت نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے، تو بزرگ نے فرمایا کہ اچھا فلاں جگہ جا کر بیٹھ جاؤ اور جو واقعہ وہاں پیش آوے اس کی مجھے خبر دو۔ فقیر اس جگہ گئے، دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص گدھے پر لکڑیاں لاوے ہوئے آ رہا ہے۔ سامنے سے ایک سپاہی آیا جس نے اس بوڑھے کو مار پیٹ کی اور لکڑیاں چھین لیں۔ فقیر کو اس سپاہی پر بہت غصہ آیا، واپس آ کر بزرگ سے سارا قصہ سنایا اور کہا کہ مجھے اگر اسم اعظم آ جاتا تو اس سپاہی کے لئے بددعا کرتا۔ بزرگ نے کہا کہ اس لکڑی والے ہی سے میں نے اسم اعظم سیکھا تھا۔

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: حُضُورُ صَلَاتِي كَالْإِيمَانِ كَامِلٍ كَمَا أُرْشَدُ بِهِ كَمَا (قیامت کے

يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَخْرِجُوا دُن) حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرمائیں گے کہ

مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لو جس نے ”لا

وَفِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِيمَانِ. إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا ہوا اور اس کے دل میں
 أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا
 اللَّهُ، أَوْ ذَكَرَنِي، أَوْ خَافَنِي فِي مَقَامٍ
 (آخر جہ الحاکم بروایۃ المؤمنین عن المبارک
 بن فضالہ، وقال: صحيح الاسناد وأقره
 موقعہ پر مجھ سے ڈرا ہو۔
 ہو یا مجھے (کسی طرح بھی) یاد کیا ہو یا کسی

علیہ الذہبی وقال الحاکم: قد تابع أبو داود مؤملاً علی روايته واختصره)

ف: اس پاک کلمہ میں حق تعالیٰ شانہ نے کیا کیا برکات رکھی ہیں۔ اس کا معمولی سا
 اندازہ اتنی ہی بات سے ہو جاتا ہے کہ سو برس کا بوڑھا جس کی تمام عمر کفر و شرک میں گزری
 ہو، ایک مرتبہ اس پاک کلمہ کو ایمان کے ساتھ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے اور عمر بھر کے
 سارے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد اگر گناہ بھی کئے ہوں تب بھی
 اس کلمہ کی برکت سے کسی نہ کسی وقت جہنم سے ضرور نکلے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ (جو
 حضور اقدس ﷺ کے رازدار ہیں) فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:
 (ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے) کہ اسلام ایسا دھندلا رہ جائے گا جیسے کپڑے کے نقش و نگار
 (پرانے ہو جانے سے) دھندلے ہو جاتے ہیں کہ نہ کوئی روزہ کو جانے گا، نہ حج کو، نہ زکوٰۃ
 کو، آخر ایک رات ایسی ہوگی کہ قرآن پاک بھی اٹھالیا جائے گا، کوئی آیت اس کی باقی نہ
 رہے گی۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی کہ ہم نے اپنے بڑوں کو کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“
 پڑھتے سنا تھا، ہم بھی اسی کو پڑھیں گے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے عرض کیا
 کہ جب زکوٰۃ، حج، روزہ کوئی رکن نہ ہوگا تو یہ کلمہ ہی کیا کام دے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ
 نے سکوت فرمایا۔ انھوں نے پھر یہی عرض کیا۔ تیسری مرتبہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے
 فرمایا کہ (کسی نہ کسی وقت) جہنم سے نکالے گا، جہنم سے نکالے گا، جہنم سے نکالے گا، یعنی
 ارکان اسلام کے ادا نہ کرنے کا عذاب بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت اس کلمہ کی برکت سے
 نجات پائے گا۔ یہی مطلب ہے حدیث بالا کا کہ اگر ایمان کا ذرا سا حصہ بھی ہے تب بھی
 جہنم سے کسی نہ کسی وقت نکالا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

پڑھے وہ اس کو کسی نہ کسی دن ضرور کام دے گا، گو اس کو کچھ نہ کچھ سزا بھگتنا پڑے۔

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص گاؤں کا رہنے والا آیا جو ریشمی جبہ پہن رہا تھا اور اس کے کناروں پر دیباچ کی گوٹ تھی۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کر کے) کہنے لگا کہ تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) یہ چاہتے ہیں کہ ہر چرواہے (بکری چرانے والے) اور چرواہے زادے کو بڑھا دیں اور شہسوار اور شہسواروں کی اولاد کو گرا دیں۔ حضور ﷺ ناراضگی سے اٹھے اور اس کے کپڑوں کو گریبان سے پکڑ کر ذرا کھینچا اور ارشاد فرمایا کہ (تو ہی بتا) تو بیوقوفوں کے سے کپڑے نہیں پہن رہا ہے، پھر اپنی جگہ واپس آ کر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ السلام کا جب انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں (آخری) وصیت کرتا ہوں جس میں دو چیزوں سے روکتا ہوں اور دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں۔ جن سے روکتا ہوں ایک شرک ہے، دوسرا تکبر اور جن چیزوں کا حکم کرتا ہوں ایک ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے کہ تمام آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ، عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ طَيِّالَسَةٍ، مَكْفُوفَةٌ بِالْذِّيَّاجِ، فَقَالَ: إِنَّ صَاحِبَكُمْ هَذَا يُرِيدُ أَنْ يَرْفَعَ كُلَّ رَاعٍ وَابْنِ رَاعٍ، وَيَضَعَ كُلَّ فَارِسٍ وَابْنِ فَارِسٍ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُغَضَّبًا، فَأَخَذَ بِمَجَامِعِ ثَوْبِهِ فَاجْتَذَبَهُ، وَقَالَ: أَلَا أَرَى عَلَيْكَ ثِيَابَ مَنْ لَا يَعْقِلُ، ثُمَّ رَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَجَلَسَ، فَقَالَ: إِنَّ نَوْحًا لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَعَا ابْنَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّي قَاصٌّ عَلَيْكُمَا الْوَصِيَّةَ، أَمْرُكُمَا بِالنِّسَنِ وَأَنْهَاكُمَا عَنِ النِّسَنِ، أَنْهَاكُمَا عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ، وَأَمْرُكُمَا بِالْإِلَهِ إِلَّا اللَّهُ، فَإِنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا فِيهِمَا لَوْ وُضِعَتْ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ وَوُضِعَتْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي الْكِفَّةِ الْآخِرَى، كَانَتْ أَرْجَحَ مِنْهُمَا، وَلَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا فِيهِمَا كَانَتْ حَلَقَةً، فَوُضِعَتْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَيْهَا، لَقَصَمَتْهَا وَأَمْرُكُمَا بِسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، فَإِنَّهُمَا صَلَوَةُ كُلِّ شَيْءٍ، وَبِهِمَا يُرْزَقُ كُلُّ شَيْءٍ. (أخرجہ الحاکم

وفال: صحيح الإسناد ولم يخرجه للصنع
ابن زهير، فانه ثقة قليل الحديث . واقره
عليه الذهبي وقال: الصنع ثقة ورواه ابن
عجلان عن زيد بن اسلم مرسل . قلت:
ورواه أحمد في مسنده بزيادة فيه بطرق وفي
بعض منها: "فإن السموات السبع والأرضين
السبع كن حلقة مهنمة قصمتهن لا إله إلا
الله" وذكره المنذرى في الترغيب عن ابن
عمر رضي الله عنه مختصراً، وفيه "لو كانت حلقة
لقصمتهن حتى تخلص إلى الله" ثم قال: رواه
البزار ورواه محتج بهم في الصحيح إلا ابن

اگر سب ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور
دوسرے میں (اخلاص سے کہا ہوا) "لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ" رکھ دیا جائے تو وہی پلڑا جھک
جائے گا اور اگر تمام آسمان و زمین اور جو
کچھ ان میں ہے ایک حلقہ بنا کر اس پاک
کلمہ کو اس پر رکھ دیا جائے تو وہ وزن سے
ٹوٹ جائے اور دوسری چیز جس کا حکم کرتا
ہوں وہ "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ" ہے
کہ یہ دو لفظ ہر مخلوق کی نماز ہیں اور
انہیں کی برکت سے ہر چیز کو رزق عطا فرمایا
جاتا ہے۔

اسحاق، وهو في النسائي عن صالح بن سعيد رفعه إلى سليمان بن يسار، إلى رجل من الأنصار لم
يسمه ورواه الحاكم عن عبد الله وقال: صحيح الاسناد ثم ذكر لفظه، قلت: وحديث سليمان بن يسار يأتي في
يسان التميمي، وفي مجمع الزوائد رواه أحمد، ورواه الطبراني بنحوه ورواه البزار من حديث ابن عمر رضي الله عنه،
ورجال أحمد ثقات وقال في رواية البزار محمد بن اسحاق وهو مدلس وهو ثقة

ف: حضور اقدس ﷺ کا کپڑوں کے متعلق ارشاد فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ
ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے، جس شخص کا ظاہر حال خراب ہے اس کے باطن کا
حال بھی بظاہر ویسا ہی ہے۔ اس لئے ظاہر کو بہتر رکھنے کی سعی کی جاتی ہے کہ باطن اس کے تابع
ہوتا ہے۔ اسی لئے صوفیہ کرام ظاہری طہارت و وضو وغیرہ کا اہتمام کراتے ہیں تاکہ باطن کی
طہارت حاصل ہو جائے۔ جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں: اچی!! باطن اچھا ہوتا چاہئے،
ظاہر چاہئے کیسا ہی ہو، صحیح نہیں۔ باطن کا اچھا ہونا مستقل مقصود ہے اور ظاہر کا بہتر ہونا مستقل۔
نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں میں ہے: "اللَّهُمَّ اجْعَلْ سَرِيرَتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ
عَلَانِيَتِي صَالِحَةً" (اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے زیادہ بہتر بنا اور میرے ظاہر کو
صالح اور نیک بنادے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا

تعلیم فرمائی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں رنجیدہ سے ہو کر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ میں تمہیں رنجیدہ دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ گزشتہ شب میرے چچا زاد بھائی کا انتقال ہو گیا، میں نزع کی حالت میں ان کے پاس بیٹھا تھا (اس منظر سے طبیعت پر اثر ہے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین بھی کی تھی؟ عرض کیا: کی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تھا؟ عرض کیا کہ پڑھ لیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ جنت اس کے لئے واجب ہو گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! زندہ لوگ اس کلمہ کو پڑھیں تو کیا ہو؟ حضور ﷺ نے دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ کلمہ ان کے گناہوں کو بہت ہی منہدم کر دینے والا ہے (یعنی بالکل ہی مٹا دینے والا ہے)۔

(۳۲) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ كَنِيبٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: مَا لِي أُرَاكَ كَنِيبًا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ! كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَمِّ لِي الْبَارِحَةَ فَلَانٌ، وَهُوَ يَكِيدُ بِنَفْسِهِ، قَالَ: فَهَلْ لَقِيتَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: فَقَالَهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ! كَيْفَ هِيَ لِلْأَحْيَاءِ، قَالَ: هِيَ أَهْلُهُمُ لِلدُّنُوبِ، هِيَ أَهْلُهُمُ لِلدُّنُوبِ. (رواه أبو يعلى والبزار وفيه زائدة بن أبي الرقاد وثقه القواريري وضعفه البخاري وغيره، كذا في مجمع الزوائد وأخرج بمعناه عن ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قُتِلَ: وَرَوَى عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا ”مَنْ قَالَ إِذَا مَرَّ بِالْمَقَابِرِ أَسْلَامٌ عَلَى أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ أَهْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، كَيْفَ وَجَدْتُمْ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، غُفِرَ لِمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَخْشَرْنَا فِي رُومَةٍ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، غُفِرَ لَهُ دُثُوبٌ خَمْسِينَ سَنَةً، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ دُثُوبٌ خَمْسِينَ سَنَةً؟ قَالَ: لِوَالِدَيْهِ وَلِقَرَاتِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ“ رواه الديلمي في تاريخ همدان والرافعي وابن النجار، كذا في منتخب كنز العمال، لكن روى نحوه السيوطي في ذيل اللآلئ وتكلم على سنده، وقال: الاسناد كله ظلمات، ورمى رجاله بالكذب، وفي تنبيه الغافلين: وروى عن بعض الصحابة ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ خَالِصًا، وَمَدَّهَا بِالتَّعْظِيمِ، كَفَّرَ اللَّهُ عَنْهُ أَرْبَعَةَ أَهْلِ دَنْبٍ

رُومَةٍ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، غُفِرَ لَهُ دُثُوبٌ خَمْسِينَ سَنَةً، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ دُثُوبٌ خَمْسِينَ سَنَةً؟ قَالَ: لِوَالِدَيْهِ وَلِقَرَاتِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ“ رواه الديلمي في تاريخ همدان والرافعي وابن النجار، كذا في منتخب كنز العمال، لكن روى نحوه السيوطي في ذيل اللآلئ وتكلم على سنده، وقال: الاسناد كله ظلمات، ورمى رجاله بالكذب، وفي تنبيه الغافلين: وروى عن بعض الصحابة ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ خَالِصًا، وَمَدَّهَا بِالتَّعْظِيمِ، كَفَّرَ اللَّهُ عَنْهُ أَرْبَعَةَ أَهْلِ دَنْبٍ

مِنَ الْكِبَائِرِ، قِيلَ: إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَرْبَعَةُ آلَافِ ذَنْبٍ؟ قَالَ: يُغْفَرُ مِنْ ذُنُوبِ أَهْلِهِ وَحِجْرَانِهِ“، قُلْتُ: وَرَوَى بِمَعْنَاهُ مَرْفُوعًا، لَكُنْهُمْ حَكَمُوا عَلَيْهِ بِالْوَضْعِ كَمَا فِي ذِيلِ اللَّالِي، نَعَمْ يُؤَيِّدُهُ الْأَمْرُ بِدَفْنِ جَوَارِ الصَّالِحِ وَتَأْذِيهِ بِجَوَارِ السَّوِّ، ذَكَرَهُ السَّيُوطِيُّ فِي اللَّالِي بِطَرَقٍ وَوَرَدَ السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ بِالْفَافِ مُخْتَلَفَةً فِي كُنْزِ الْعَمَالِ وَغَيْرِهِ)

ف: مقابر میں اور میت کے قریب کلمہ طیبہ پڑھنے کے متعلق بھی کثرت سے احادیث میں ارشاد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنازہ کے ساتھ کثرت سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کا شعار (نشان) جب وہ پل صراط پر چلیں گے تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ“ ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کا نشان ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ“ ہوگا۔ تیسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے اندھیروں میں اُن کا نشان ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ“ ہوگا۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو کثرت سے پڑھنے کی برکتیں مرنے سے پہلے بھی بسا اوقات نزع کے وقت سے محسوس ہو جاتی ہیں اور بعض اللہ کے بندوں کو اس سے بھی پہلے ظاہر ہو جاتی ہیں۔

ابو العباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے شہر ”اشبیلہ“ میں بیمار پڑا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ بہت سے پرند بڑے بڑے اور مختلف رنگ کے سفید، سرخ، بہتر ہیں جو ایک ہی دفعہ سب کے سب پر سمیٹ لیتے ہیں اور ایک ہی مرتبہ کھول دیتے ہیں اور بہت سے آدمی ہیں جن کے ہاتھ میں بڑے بڑے طباق ڈھکے ہوئے ہیں جن کے اندر کچھ رکھا ہوا ہے۔ میں اس سب کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ موت کے تحفے ہیں۔ میں جلدی جلدی کلمہ طیبہ پڑھنے لگا۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمہارا وقت ابھی نہیں آیا۔ یہ ایک اور مومن کے لئے تحفہ ہے جس کا وقت آگیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا مجھے بٹھا دو، لوگوں نے بٹھا دیا، پھر فرمایا: (یا اللہ! تو نے مجھے بہت سے کاموں کا حکم فرمایا، مجھ سے اس میں کوتاہی ہوئی۔ تو نے مجھے بہت سی باتوں سے منع فرمایا، مجھ سے اس میں نافرمانی ہوئی، تین مرتبہ یہی کہتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا: لیکن ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یہ فرما کر ایک جانب غور سے دیکھنے لگے۔ کسی نے پوچھا: کیا دیکھتے ہو؟ فرمایا: کچھ سبز چیزیں ہیں کہ نہ وہ آدمی ہیں نہ جن، اس کے بعد انتقال فرمایا۔ زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا کو کسی نے خواب میں

دیکھا، اس سے پوچھا: کیا گزری؟ اس نے کہا کہ ان چار کلموں کی بدولت میری مغفرت ہو گئی: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَفْنَىٰ بِهَا عُمْرِي، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَدْخُلُ بِهَا قَبْرِي، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَخْلُو بِهَا وَحْدِي، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَلْقَىٰ بِهَا رَبِّي“ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے ساتھ اپنی عمر کو ختم کروں گی اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہی کو قبر میں لے کر جاؤں گی اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہی کے ساتھ تنہائی کا وقت گزاروں گی اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہی کو لے کر اپنے رب کے پاس جاؤں گی۔

(۳۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ: أَوْصِنِي، قَالَ: إِذَا عَمِلْتَ

مَسِنَّةً فَاتَّبَعَهَا حَسَنَةً تَمَحُّهَا، قُلْتُ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَمِنَ الْحَسَنَاتِ لَا إِلَهَ

إِلَّا اللَّهُ؟ قَالَ: هِيَ أَفْضَلُ الْحَسَنَاتِ.

(رواه أحمد وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله

ثقات إلا أن شمر بن عطية حدثه عن أشياخه، ولم

يسم أحدا منهم، قال السيوطي في الدر:

أخرجه أيضاً ابن مردويه، والبيهقي في

الأسماء والصفات، قلت: وأخرجه الحاكم بلفظ ”يَا أَبَا ذَرٍّ! اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُ كُنْتَ وَاتَّبِعِ الشَّيْئَةَ

الْحَسَنَةَ تَمَحُّهَا وَخَالِقِ النَّاسِ بِخُلُقٍ حَسَنٍ“ وقال: صحيح على شرطهما وأقره عليه الذهبي، وذكره

السيوطي في الجامع مختصراً ورقم له بالصحة)

ف: برائی اگر گناہِ صغیرہ ہے تو نیکی سے اس کا محو ہو جانا اور مٹ جانا ظاہر ہے اور اگر کبیرہ ہے تو قواعد کے موافق توبہ سے محو ہو سکتی ہے یا محض اللہ کے فضل سے، جیسا پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بہر صورت محو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ گناہ نہ اعمالِ نامہ میں رہتا ہے، نہ کہیں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ وہ گناہ کراما کا تبین کو بھلا دیتے ہیں اور اس گناہ گار کے ہاتھ پاؤں کو بھی

حضرت ابو ذر غفاری رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے،

ارشاد ہوا کہ جب کوئی برائی سرزد ہو جائے

تو کفارہ کے طور پر فوراً کوئی نیک کام کر لیا

کرو (تاکہ برائی کی نحوست دھل جائے)

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لَا إِلَهَ إِلَّا

اللَّهُ پڑھنا بھی نیکیوں میں داخل ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو ساری نیکیوں

میں افضل ہے۔

بھلا دیتے ہیں اور زمین کے اس حصہ کو بھی جس پر وہ گناہ کیا گیا ہے، حتیٰ کہ کوئی بھی اس گناہ کی گواہی دینے والا نہیں رہتا۔ گواہی کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں آدمی کے ہاتھ پاؤں اور بدن کے دوسرے حصے نیک یا بد اعمال جو بھی کئے ہوں ان کی گواہیاں دیں گے، جیسا کہ باب سوم فصل دوم حدیث نمبر ۱۸ کے تحت میں آ رہا ہے۔ حدیث بالا کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ گناہ کیا ہی نہیں۔ یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ توبہ اس کو کہتے ہیں کہ گناہ ہو چکا، اس پر انتہائی ندامت اور شرم ہو اور آئندہ کے لئے پکا ارادہ ہو کہ پھر کبھی اس گناہ کو نہیں کروں گا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور ایسے اخلاص سے عمل کیا کر جیسا کہ وہ پاک ذات تیرے سامنے ہو اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر اور اللہ کی یاد ہر پتھر اور ہر درخت کے قریب کر (تاکہ بہت سے گواہ قیامت کے دن ملیں) اور جب کوئی برائی ہو جائے تو اس کے کفارہ میں کوئی نیکی کیا کر۔ اگر برائی مخفی کی ہے تو نیکی بھی مخفی ہو اور اگر برائی کو علی الاعلان کیا ہے تو اس کے کفارہ میں نیکی بھی علی الاعلان ہو۔

(۳۴) عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : حُضُورُ صَلَاتِكَ كَأَنَّكَ تَرَى اللَّهَ وَتَسْمَعُ لَهُ قَوْلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : مَنْ قَالَ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدًا أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوءًا" يَتَّخِذُ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوءًا أَحَدًا" عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَتْ

لَهُ أَرْبَعُونَ أَلْفَ حَسَنَةٍ. (أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ قُلْتُ أَخْرَجَ الْحَاكِمُ شَوَاهِدَهُ بِالْفَافِ مُخْتَلَفَةً)

ف: کلمہ طیبہ کی خاص خاص مقدار پر بھی حدیث کی کتابوں میں بڑی فضیلتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جب تم فرض نماز پڑھا کرو تو ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدًا لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے کہ جیسے ایک غلام آزاد کیا۔

(۳۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص
 قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَالَ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
 "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ
 أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ يَكُنْ لَهُ كُفُوءًا أَحَدٌ" پڑھے اس کے
 وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوءًا أَحَدٌ" كَتَبَ اللَّهُ لَهُ لئے بیس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔

أَلْفِي أَلْفٍ حَسَنَةٍ. (رواه الطبرانی، كذا في الترغيب وفي مجمع الزوائد فيه فائدة أبو الورقاء، متروك)

ف: کس قدر اللہ جلّ ثناؤ کی طرف سے انعام و احسان کی بارش ہے کہ ایک معمولی سی چیز کے پڑھنے پر جس میں نہ مشقت نہ وقت خرچ ہو، پھر بھی ہزار ہزار، لاکھ لاکھ نیکیاں عطا ہوتی ہیں، لیکن ہم لوگ اس قدر غفلت اور دنیاوی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ان الطاف کی بارشوں سے کچھ بھی وصول نہیں کرتے۔ اللہ جلّ ثناؤ کے یہاں ہر نیکی کے لئے کم از کم دس گنا ثواب تو متعین ہی ہے، بشرطیکہ اخلاص سے ہو۔ اس کے بعد اخلاص ہی کے اعتبار سے ثواب بڑھتا رہتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام لانے سے جتنے گناہ حالت کفر میں کئے ہیں وہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کے بعد پھر حساب ہے۔ ہر نیکی دس گنے سے لے کر سات سو تک اور جہاں تک اللہ چاہیں لکھی جاتی ہے اور برائی ایک ہی لکھی جاتی ہے، اور اگر اللہ جلّ ثناؤ اس کو معاف فرمادیں تو وہ بھی نہیں لکھی جاتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ سے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں سات سو تک اور اس کے بعد جہاں تک اللہ تعالیٰ شانہ چاہیں لکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کی اور بھی احادیث بکثرت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جلّ ثناؤ کے یہاں دینے میں کمی نہیں، کوئی لینے والا ہو، یہی چیز اللہ والوں کی نگاہ میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی ان کو نہیں لبھا سکتی۔
 اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْهُمْ -

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال چھ طریقے کے ہیں اور آدمی چار طریقے کے: دو عمل تو واجب کر نیوالے ہیں، اور دو برابر سراہے، اور ایک دس گنا، اور ایک سات سو گنا۔ دو عمل

جو واجب کرنے والے ہیں: ایک یہ کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ شرک نہ کرتا ہو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، دوسرے جو شخص شرک کی حالت میں مرے ضرور جہنم میں جائے گا۔ اور جو عمل برابر برابر ہے وہ نیکی کا ارادہ ہے کہ دل اس کے لئے پختہ ہو گیا ہو (مگر اس عمل کی نوبت نہ آئی ہو)، اور دس گنا اجر ہے اگر عمل بھی کر لے، اور اللہ کے راستہ میں (جہاد وغیرہ میں) خرچ کرنا سات سو درجہ کا اجر رکھتا ہے۔ اور گناہ اگر کرے تو ایک کا بدلہ ایک ہی ہے۔ اور چار قسم کے آدمی یہ ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن پر دنیا میں وسعت ہے، آخرت میں تنگی ہے، بعض ایسے ہیں جن پر دنیا میں تنگی ہے آخرت میں وسعت، بعض ایسے ہیں کہ جن پر دونوں جگہ تنگی ہے (کہ دنیا میں فقر، آخرت میں عذاب ہے)۔ بعض ایسے ہیں کہ دونوں جہان میں وسعت ہے۔ ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے سنا ہے آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل ثنا بعض نیکیوں کا بدلہ دس لاکھ گنا عطا فرماتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں نے، خدا کی قسم! ایسا ہی سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ بعض نیکیوں کا ثواب بیس لاکھ تک ملتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہ ”يُضَاعِفُهَا وَيُؤْتِي مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا“ (النساء: ۷۰) ارشاد فرمائیں (اس کے ثواب کو بڑھاتے ہیں اور اپنے پاس سے بہت سا اجر دیتے ہیں) جس چیز کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم فرمائیں اس کی مقدار کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثواب کی اتنی بڑی مقداریں جب ہی ہو سکتی ہیں جب ان الفاظ کے معانی کا تصور اور لحاظ کر کے پڑھے کہ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کی اہم صفات ہیں۔

(۳۶) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْكُمْ مَنْ أَحَدٌ يَتَوَضَّأُ، فَيُبَلِّغُ أَوْ فَيَسْبِغُ الْوُضُوءَ، ثُمَّ يَقُولُ: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ حُضُورًا قَدَسَ ﷺ كَا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے (یعنی سنتوں اور آداب کی پوری رعایت کرے) پھر یہ دعا پڑھے: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" اس کے لئے

الثَّمَانِيَّةُ، يَدْخُلُ مِنْ أَيْهَا شَاءَ“ (رواہ مسلم) جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں
وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ: "فَيُخَيَّرُ الْوُضُوءُ" زَادَ جس دروازے سے دل چاہے داخل ہو۔

أَبُو دَاوُدَ "لَمْ يُرَفَّعْ طَرَفُهُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ يَقُولُ" فَذَكَرَهُ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ كَأَبَى دَاوُدَ وَزَادَ "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْقَوَائِمِ
وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ" الْحَدِيثُ وَتَكَلَّمَ فِيهِ، كَذَا فِي التَّرْغِيبِ، زَادَ السَّيُوطِيُّ فِي الدَّرَرِ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالدَّارِمِيُّ

ف: جنت میں داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ بھی کافی ہے، پھر آٹھوں کا کھل جانا یہ غایت اعزاز و اکرام کے طور پر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اور ناحق کسی کا خون نہ کیا ہو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

(۳۷) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِائَةَ مَرَّةٍ إِلَّا بَعَثَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجْهَهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَلَمْ يُرَفَّعْ لِأَحَدٍ يَوْمَئِذٍ عَمَلٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمَلِهِ إِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ قَوْلِهِ أَوْ زَادَ.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سو مرتبہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پڑھا کرے حق تعالیٰ شلہ قیامت کے دن اس کو ایسا روشن چہرہ والا اٹھائیں گے جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور جس دن یہ تسبیح پڑھے اس دن اس سے افضل عمل والا وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس سے زیادہ پڑھے۔

(رواہ الطبرانی وفيہ عبد الوہاب بن ضحاک)

متروك، كذا في مجمع الزوائد، قلت: هو من رواية ابن ماجه ولا شك أنهم ضعفوه جداً، إلا أن معناه مؤيد بروايات، منها ما تقدم من روايات يحيى بن طلحة ولا شك أنه أفضل الذكر، وله شاهد من حديث أم هانئ (الأنبي).

ف: متعدد آیات و روایات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" دل کے لئے بھی نور ہے اور چہرے کے لئے بھی نور ہے اور یہ تو مشاہدہ بھی ہے کہ جن اکابر کا اس کلمہ کی کثرت معمول ہے ان کا چہرہ دنیا میں ہی نورانی ہوتا ہے۔

(۳۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: افْتَحُوا عَلَيَّ صَبِيَانَكُمْ أَوَّلَ كَلِمَةٍ بَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَقِّنُوهُمْ

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بچہ کو شروع میں جب وہ بولنا سکھنے لگے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" یاد کراؤ اور جب مرنے کا وقت آئے جب

عِنْدَ الْمَوْتِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّهُ
مَنْ كَانَ أَوَّلُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ،
وَأَخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ثُمَّ عَاشَ
أَلْفَ سَنَةٍ لَمْ يُسْأَلْ عَنْ ذَنْبٍ وَاحِدٍ.
(موضوع، ابن محبوب و أبوه مجهولان، وقد
ضعف البخاری ابراہیم بن مہاجر، حکاکہ
السیوطی، عن ابن الجوزی، ثم تعقبه بقوله
الحديث في المستدرک، وأخرجه البيهقي في
الشعب عن الحاكم وقال: متن غريب لم
نكتبه إلا بهذا الاسناد و أورده الحافظ ابن حجر في
اماليه ولم يقدح فيه بشيء، إلا أنه قال: ابراہیم فيہ لیں، وقد اخرج له مسلم في المتابعات، كذا في
اللائلی، وذكره السيوطی فی شرح الصدور ولم يقدح فيه بشيء، قلت: وقد ورد في التلقين أحاديث
كثيرة ذكرها الحافظ في التلخيص، وقال في جملة من رواها وعن عروة بن مسعود الثقفي رواه
العقيلي باسناد ضعيف، ثم قال: روى في الباب أحاديث صحاح عن غير واحد من الصحابة، ورواه
ابن أبي الدنيا في كتاب المحتضرين من طريق عروة بن مسعود، عن أبيه عن حذيفة "بلفظ لَقِنُوا
مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَفَاتَهَا تَهْدِمُ مَا قَبْلَهَا مِنَ الْخَطَايَا" وروى فيه أيضا عن عمر وعثمان وابن
مسعود و أنس وغيرهم رضي الله عنهم وفي الجامع الصغير وفي الجامع الصغير برواية أحمد وأبي داود والحاكم عن
الأربعة عن أبي سعيد و مسلم وابن ماجه عن أبي هريرة والنسائي عن عائشة و رقم له بالصحة.
وفي الحصن: إِذَا أَفْضَحَ الْوَلَدُ فَلْيُعَلِّمَهُ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" وفي الحرز رواه ابن السني عن عمرو بن العاص.
قلت: ولفظه في عمل اليوم والليلة عن عمرو بن شعيب وحدث في كتاب حذی الذی حدثه عن
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَفْضَحَ أَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ثُمَّ لَا تَبَالُوا مَتَى
مَاتُوا وَإِذَا أَنْفَرُوا فَمُرُّوهُمْ بِالصَّلَاةِ" وفي الجامع الصغير برواية أحمد وأبي داود والحاكم عن
مُعَاذٍ رضي الله عنه "مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" و رقم له بالصحة وفي مجمع الزوائد عن
عَلِيٍّ رضي الله عنه رَفَعَهُ "مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ" وفي غير رواية مرفوعة "مَنْ لَقِنَ
عِنْدَ الْمَوْتِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ".

بھی "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" تلقین کرو۔ جس شخص
کا اول کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہو اور آخری
کلمہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہو وہ ہزار برس بھی
زندہ رہے تو (ان شاء اللہ) کسی گناہ کا اس
سے مطالبہ نہیں ہوگا (یا اس وجہ سے کہ گناہ
صادر نہ ہوگایا اگر صادر ہوا تو توبہ وغیرہ سے
معاف ہو جائے گا یا اس وجہ سے کہ اللہ جل جلالہ
اپنے فضل سے معاف فرمائیں گے)۔

ف: تلقین اس کو کہتے ہیں کہ مرتے وقت آدمی کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھا جائے تاکہ
اس کو سن کر وہ بھی پڑھنے لگے۔ اس پر اس وقت جبر یا تقاضا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ
شدت تکلیف میں ہوتا ہے۔ اخیر وقت میں کلمہ تلقین کرنے کا حکم اور بھی بہت سی احادیث صحیحہ

میں وارد ہوا ہے۔ متعدد حدیثوں میں یہ بھی ارشاد نبوی وارد ہے کہ جس شخص کو مرتے وقت ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ نصیب ہو جائے اس کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے سیلاب کی وجہ سے تعمیر۔ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جس شخص کو مرتے وقت یہ مبارک کلمہ نصیب ہو جاتا ہے تو پچھلی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ منافق کو اس کلمہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے مُردوں کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا توشہ دیا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی بچہ کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے لگے، اس سے حساب معاف ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے مرنے کے وقت ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے جو شیطان کو دور کر دیتا ہے اور مرنے والے کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ تلقین کرتا ہے۔ ایک بات کثرت سے تجربہ میں آئی ہے کہ اکثر و بیشتر تلقین کا فائدہ جب ہی ہوتا ہے کہ زندگی میں بھی اس پاک کلمہ کی کثرت رکھتا ہو۔ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ بھٹس فروخت کیا کرتا تھا، جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو لوگ اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ کہتا تھا کہ یہ گٹھا اتنے کا ہے اور یہ اتنے کا ہے۔ اسی طرح اور بھی متعدد واقعات ”تَوْبَةُ الْبَسَاتِين“ میں بھی لکھے ہیں اور مشاہدہ میں بھی آتے ہیں۔

بسا اوقات کسی گناہ کا کرنا بھی اس کا سبب بن جاتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ نصیب نہیں ہوتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایون کھانے میں ستر نقصان ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اس کے بالمقابل مسواک میں ستر فائدے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ یاد آتا ہے۔ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ مرتے وقت اس کو کلمہ شہادت تلقین کیا گیا، وہ کہنے لگا کہ اللہ سے دعا کرو میری زبان سے نکلتا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں تو لنے میں بے احتیاطی کرتا تھا۔ ایک دوسرے شخص کا قصہ ہے کہ جب اس کو تلقین کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھ سے کہا نہیں جاتا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: کہ ایک عورت مجھ سے تولیہ خریدنے آئی تھی، مجھے وہ اچھی لگی، میں اس کو دیکھتا رہا۔ اور بھی بہت سے واقعات اس نوع کے ہیں جن میں سے بعض ”تذکرہ قرطبیہ“

میں بھی لکھے ہیں۔ بندہ کا کام ہے کہ گناہوں سے توبہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ شانہ سے توفیق کی دعا کرتا رہے۔

(۳۹) عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" لَا يَسْبِقُهَا عَمَلٌ وَلَا تَتْرُكُ ذَنْبًا. نَهَى كَلِمَةً كَسَى گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔

(رواہ ابن ماجہ، کذا فی منتخب کنز العمال، قلت: وأخرجه الحاكم في حديث طويل وصححه، ولفظه "قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَتْرُكُ ذَنْبًا وَلَا يَسْبِقُهَا عَمَلٌ"، وتعقب عليه الذهبي بأن ذكرها ضعيف، وسقط بين محمد وأُمِّ هاني، وذكره في الجامع برواية ابن ماجه ورقم له بالضعف)

ف: کسی عمل کا اس سے نہ بڑھ سکتا تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے جو بغیر کلمہ طیبہ پڑھے کا رآمد ہو سکتا ہو۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض ہر عمل ایمان کا محتاج ہے۔ اگر ایمان ہے تو وہ اعمال بھی مقبول ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں اور کلمہ طیبہ جو خود ایمان لانا ہی ہے وہ کسی عمل کا بھی محتاج نہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص فقط ایمان رکھتا ہو اور ایمان کے علاوہ کوئی عمل صالح نہ ہو تو بھی وہ کسی نہ کسی وقت ان شاء اللہ جنت میں ضرور جائے گا اور جو شخص ایمان نہ رکھتا ہو خواہ وہ کتنے ہی پسندیدہ اعمال کرے نجات کے لئے کافی نہیں۔ دوسرا جزو کسی گناہ کو نہ چھوڑنا ہے، اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ جو شخص آخری وقت میں مسلمان ہو اور کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد فوراً ہی مر جائے تو ظاہر ہے کہ اس ایمان لانے سے پہلے کفر کی حالت میں جتنے گناہ کئے تھے وہ سب بالاجماع جاتے رہے۔ اور اگر پہلے سے پڑھنا مراد ہو تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ دلوں کی صفائی اور صیقل ہونے کا ذریعہ ہے۔ جب اس پاک کلمہ کی کثرت ہوگی تو دل کی صفائی کی وجہ سے توبہ کئے بغیر چین ہی نہ پڑے گا اور آخر کار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو سونے کے وقت اور جاگنے کے وقت "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا اہتمام ہو اس کو دنیا بھی آخرت پر مستعد کرے گی اور مصیبت سے اس کی حفاظت کرے گی۔

(۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ.

(رواه الستة وغيرهم بالفاظ مختلفة واختلاف يسير في العدد وغيره، وهذا آخر ما اردت إيراده)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں (بعض روایات میں ستر آئی ہیں) ان میں سب سے افضل ”لا الہ الا اللہ“ کا پڑھنا ہے اور سب سے کم درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز (اینٹ لکڑی کانٹے وغیرہ) کا ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایک خصوصی شعبہ ہے ایمان کا۔

فی هذا الفصل رعاية لعدد الأربعين، والله الموفق لما يحب ويرضى

ف: حیا کو خصوصی اہتمام کی وجہ سے ذکر فرمایا کہ یہ بہت سے گناہوں زنا، چوری، فحش گوئی، تنگ ہونا، گالی گلوچ وغیرہ سے بچنے کا سبب ہے۔ اسی طرح رسوائی کے خیال سے بہت سے نیک کام کرنے ضروری ہو جاتے ہیں، بلکہ دنیا اور آخرت کی شرم سارے ہی نیک کاموں پر ابھارتی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ تو ظاہر ہیں، اسی طرح سے اور بھی تمام احکام بجالانے کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے مثل مشہور ہے ”توبہ حیا باش و ہرچہ خواہی کن“ توبہ غیرت ہو جا، پھر جو چاہے کر۔ اس معنی میں صحیح حدیث بھی وارد ہے: ”إِذَا لَمْ تَسْتَخْصِي فَاَصْنَعْ مَا شِئْتَ“ جب توبہ حیا دار نہ رہے تو پھر جو چاہے کر، ساری فکر غیرت اور شرم ہی کی ہے، اگر حیا ہے تو یہ خیال بھی ضروری ہے کہ نماز نہ پڑھوں گا تو آخرت میں کیا منہ دکھلاؤں گا اور شرم نہیں ہے تو پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی کہہ کر کیا کرے گا۔

تنبیہ: اس حدیث شریف میں ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اس بارے میں روایات مختلف وارد ہوئی ہیں اور متعدد روایات میں ستر کا عدد آیا ہے، اسی لئے ترجمہ میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ ان ستر کی تفصیل میں علماء نے بہت سی مستقل تصانیف فرمائی ہیں۔ امام ابو حاتم بن حبان رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کا مطلب ایک مدت تک سوچتا رہا۔ جب عبادتوں کو گنتا تو وہ ستر سے بہت زیادہ ہو جاتیں۔ احادیث کو تلاش کرتا اور حدیث شریف میں جن چیزوں کا خاص طور سے ایمان کی شاخوں

کے ذیل میں ذکر کیا ہے ان کو شمار کرتا تو وہ اس عدد سے کم ہو جاتیں۔ میں قرآن پاک کی طرف متوجہ ہوا اور قرآن شریف میں جن چیزوں کو ایمان کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ ان کو شمار کیا تو وہ بھی اس عدد سے کم تھیں، تو میں نے قرآن اور حدیث شریف دونوں کو جمع کیا اور دونوں میں جن چیزوں کو ایمان کا جزو قرار دیا، اُن کو شمار کر کے جو چیزیں دونوں میں مشترک تھیں ان کو ایک ایک عدد شمار کر کے میزان دیکھی، تو دونوں کا مجموعہ مکررات کو نکال کر اس عدد کے موافق ہو گیا، تو میں سمجھا کہ حدیث شریف کا مفہوم یہی ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے ان شاخوں کی تفصیل بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اجتہاد سے ان تفصیلات کے مراد ہونے کا حکم لگایا ہے۔ حالانکہ اس مقدار کی خصوصی تفصیل نہ معلوم ہونے سے ایمان میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا جب کہ ایمان کے اصول و فروع سارے بالتفصیل معلوم و محقق ہیں۔ خطابی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تعداد کی تفصیل اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے علم میں ہے اور شریعت مظہرہ میں موجود ہے تو اس تعداد کے ساتھ تفصیل کا علم نہ ہونا کچھ مضر نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان شاخوں میں سب سے اعلیٰ توحید یعنی کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کو قرار دیا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان میں سب سے اوپر اس کا درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی چیز ایمان کی شاخ نہیں ہے، جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اصل توحید ہے جو ہر مکلف پر ضروری ہے اور سب سے نیچے دفع کرنا ہے اس چیز کا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا احتمال رکھتی ہو۔ باقی سب شاخیں ان کے درمیان ہیں جن کی تفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں، اجمالاً ان پر ایمان لانا کافی ہے جیسا کہ سب فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن ان کی تفصیل اور ان کے نام ہم نہیں جانتے لیکن ایک جماعت محدثین نے ان سب شاخوں کی تفصیل میں مختلف تصانیف فرمائی ہیں۔ چنانچہ ابو عبد اللہ حلیسی رحمہ اللہ علیہ نے ایک کتاب اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ”فوائد المؤمنین“ رکھا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہی ”شُعَبُ الْإِيمَان“ رکھا ہے۔ اسی طرح شیخ عبد الجلیل رحمہ اللہ علیہ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام

بھی ”شُعْبُ الْإِيمَان“ رکھا ہے اور اسحاق بن قرطبی رحمہ اللہ نے ”کتاب التصالح“ اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہے اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نام ”وصف الایمان و شُعْبُهُ“ رکھا ہے۔ شُرَاح بخاری نے اس باب میں مختلف تصانیف سے تلخیص کرتے ہوئے ان کو مختصر طور پر جمع فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دراصل ایمان کامل تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے: اول تصدیق قلبی، یعنی دل سے جملہ امور کا یقین کرنا۔ دوسرے زبان کا اقرار و عمل۔ تیسرے بدن کے اعمال، یعنی ایمان کی جملہ شاخیں تین حصوں پر منقسم ہیں: اول وہ جن کا تعلق نیت و اعتقاد اور عمل قلبی سے ہے۔ دوسرے وہ جن کا تعلق زبان سے ہے۔ تیسرے وہ جن کا تعلق باقی حصہ بدن سے ہے۔ ایمان کی جملہ چیزیں ان تین میں داخل ہیں۔ پہلی قسم: جو تمام عقائد کو شامل ہے اس کا خلاصہ تین چیزیں ہیں۔

- (۱) اللہ پر ایمان لانا جس میں اس کی ذات، اس کی صفات پر ایمان لانا داخل ہے اور اس کا یقین بھی کہ وہ پاک ذات ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی مثل ہے۔
- (۲) اللہ کے ماسوا سب چیزیں بعد کی پیداوار ہیں۔ ہمیشہ سے وہی ایک ذات ہے۔
- (۳) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۵) اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا کہ بھلی ہو یا بُری، سب اللہ کی طرف سے ہے۔
- (۷) قیامت کے حق ہونے پر ایمان لانا جس میں قبر کا سوال جواب، قبر کا عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب ہونا، اعمال کا ٹلنا اور پل صراط پر گزرنا سب ہی داخل ہے۔ (۸) جنت کا یقین ہونا اور یہ کہ مؤمن ان شاء اللہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔
- (۹) جہنم کا یقین ہونا اور یہ کہ اس میں سخت سے سخت عذاب ہیں اور وہ بھی ہمیشہ رہے گی۔
- (۱۰) اللہ تعالیٰ شانہ سے محبت رکھنا۔ (۱۱) اللہ کے واسطے دوسروں سے محبت رکھنا، اور اللہ ہی کے واسطے بغض رکھنا (یعنی اللہ والوں سے محبت رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے بغض رکھنا) اور اسی میں داخل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، بالخصوص مہاجرین اور انصار کی محبت اور آل رسول ﷺ کی محبت۔ (۱۲) حضور اقدس ﷺ سے محبت رکھنا جس میں آپ کی تعظیم بھی آگئی اور حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا بھی اور آپ کی سنتوں کا اتباع کرنا بھی داخل ہے۔

(۱۳) اخلاص، جس میں ریا نہ کرنا اور نفاق سے بچنا بھی داخل ہے۔ (۱۴) توبہ یعنی دل سے گناہوں پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔ (۱۵) اللہ کا خوف۔ (۱۶) اللہ کی رحمت کا امید وار ہونا۔ (۱۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ (۱۸) شکر گزاری۔ (۱۹) وفا (۲۰) صبر (۲۱) تواضع جس میں بڑوں کی تعظیم بھی داخل ہے۔ (۲۲) شفقت و رحمت، جس میں بچوں پر شفقت کرنا بھی داخل ہے۔ (۲۳) مقدر پر راضی ہونا۔ (۲۴) توکل (۲۵) خود بینی اور خود ستانی کا چھوڑنا جس میں اصلاح نفس بھی داخل ہے۔ (۲۶) کینہ اور خلش نہ رکھنا جس میں حسد بھی داخل ہے۔ (۲۷) ”یعنی“ میں یہ نمبر رہ گیا ہے میرے خیال میں اس جگہ حیا کرنا ہے، جو کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے۔ (۲۸) غصہ نہ کرنا (۲۹) فریب نہ دینا جس میں بدگمانی نہ کرنا اور کسی کے ساتھ مکر نہ کرنا بھی داخل ہے۔ (۳۰) دنیا کی محبت دل سے نکال دینا جس میں مال کی اور جاہ کی محبت بھی داخل ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امورِ بالا میں دل کے تمام اعمال داخل ہیں۔ اگر کوئی چیز بظاہر خارج معلوم ہو تو وہ غور سے ان نمبروں میں سے کسی نہ کسی نمبر میں داخل ہوگی۔

دوسری قسم: زبان کا عمل تھا، اس کے سات شعبے ہیں:

(۱) کلمہ طیبہ کا پڑھنا (۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنا (۳) علم سیکھنا (۴) علم دوسروں کو سکھانا (۵) دعا کرنا (۶) اللہ کا ذکر، جس میں استغفار بھی داخل ہے (۷) لغو باتوں سے بچنا۔
تیسری قسم: باقی بدن کے اعمال ہیں، یہ کل چالیس ہیں جو تین حصوں پر منقسم ہیں۔
پہلا حصہ: اپنی ذاتوں سے تعلق رکھتا ہے، یہ سولہ شاخیں ہیں:

(۱) پاکی حاصل کرنا، جس میں بدن کی پاکی، کپڑے کی پاکی، مکان کی پاکی، سب ہی داخل ہیں اور بدن کی پاکی میں وضو بھی داخل ہے اور حیض و نفاس اور جنابت کا غسل بھی (۲) نماز کی پابندی کرنا، اس کو قائم کرنا، جس میں فرض، نفل، اداء، قضا، واجب سب داخل ہے۔ (۳) صدقہ جس میں زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ بھی داخل ہے اور بخشش کرنا، لوگوں کو کھانا

۱۔ نماز کا قائم کرنا اسکے آداب و شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کا نام ہے جیسا کہ فضائل نماز کے تیسرے باب میں مذکور ہے۔

کھلانا، مہمان کا اکرام کرنا اور غلاموں کا آزاد کرنا بھی داخل ہے۔ (۴) روزہ، فرض ہو یا نفل (۵) حج کرنا، فرض ہو یا نفل اور اسی میں عمرہ بھی داخل ہے اور طواف بھی۔ (۶) اعتکاف کرنا، جس میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنا بھی داخل ہے۔ (۷) دین کی حفاظت کے لئے گھر چھوڑنا جس میں ہجرت بھی داخل ہے۔ (۸) نذر کا پورا کرنا۔ (۹) قسموں کی نگہداشت رکھنا۔ (۱۰) کفاروں کا ادا کرنا۔ (۱۱) ستر کا نماز میں اور نماز کے علاوہ ڈھانکنا۔ (۱۲) قربانی کرنا اور قربانی کے جانوروں کی خبر گیری کرنا، اور ان کا اہتمام کرنا۔ (۱۳) جنازہ کا اہتمام کرنا، اس کے جملہ امور کا انتظام کرنا۔ (۱۴) قرض کا ادا کرنا۔ (۱۵) معاملات کا درست کرنا، سود سے بچنا۔ (۱۶) سچی بات کی گواہی دینا، حق کو نہ چھپانا۔

دوسرا حصہ: کسی دوسرے کے ساتھ کے برتاؤ کا ہے۔ اس کی چھ شاخیں ہیں:

(۱) نکاح کے ذریعہ سے حرام کاری سے بچنا۔ (۲) اہل و عیال کے حقوق کی رعایت کرنا اور ان کا ادا کرنا، اس میں نوکروں اور خادموں کے حقوق بھی داخل ہیں۔ (۳) والدین کے ساتھ سلوک کرنا، نرمی برتنا، فرمانبرداری کرنا۔ (۴) اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔ (۵) صلہ رحمی کرنا (۶) بڑوں کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔

تیسرا حصہ: حقوقِ عامہ کا ہے جو اٹھارہ شعبوں پر منقسم ہے:

(۱) عدل کے ساتھ حکومت کرنا (۲) حقانی جماعت کا ساتھ دینا (۳) حکام کی اطاعت کرنا (بشرطیکہ خلافِ شرع حکم نہ ہو) (۴) آپس کے معاملات کی اصلاح کرنا جس میں مفسدوں کو سزا دینا، باغیوں سے جہاد کرنا بھی داخل ہے۔ (۵) نیک کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا (۶) نیک کاموں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا، جس میں وعظ و تبلیغ بھی داخل ہے۔ (۷) حدود کا قائم کرنا (۸) جہاد کرنا، جس میں مورچوں کی حفاظت بھی داخل ہے (۹) امانت کا ادا کرنا، جس میں خمس جو غنیمت کے مالوں میں ہوتا ہے وہ بھی داخل ہے (۱۰) قرض کا دینا اور ادا کرنا (۱۱) پڑوسیوں کا حق ادا کرنا، ان کا اکرام کرنا۔ (۱۲) معاملہ اچھا کرنا، جس میں جائز طریقہ سے مال کا جمع کرنا بھی داخل ہے (۱۳) مال کا اپنے

محل (موقع) پر خرچ کرنا، اسراف اور بخل سے بچنا بھی اس میں داخل ہے۔ (۱۴) سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا (۱۵) چھینکنے والے کو ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہنا (۱۶) دنیا کو اپنے نقصان سے اپنی تکلیف سے بچانا (۱۷) لہو و لعب سے بچنا (۱۸) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا۔

یہ ستر شاخیں ہوتیں، ان میں بعض کو ایک دوسرے میں منضم بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ اچھے معاملہ میں مال کا جمع کرنا اور خرچ کرنا دونوں داخل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سے غور سے اور بھی اعداد کو کم کیا جاسکتا ہے اور اس لحاظ سے ستر والی روایت یا ستر سٹھ والی روایت کے تحت میں بھی یہ تفصیل آ سکتی ہے۔ اس تفصیل میں بندہ نے علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ کے کلام کو جو بخاری شریف کی شرح میں ہے اصل قرار دیا ہے کہ انہوں نے نمبر وار ان چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کی ”فتح الباری“ اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ”مرقات“ سے توضیح و اضافہ کیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایمان کے سارے شعبے مجملہ یہ ہیں جو مذکور ہوئے۔ آدمی کو چاہئے کہ ان میں غور و فکر کرے جو اوصاف اس میں ان میں سے پائے جاتے ہیں ان پر اللہ جل ثنا کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق و لطف سے ہر بھلائی حاصل ہو سکتی ہے اور جن اوصاف میں کمی ہو ان کے حاصل کرنے کی سعی کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حصول کی توفیق مانگتا رہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

تیسرا باب

کلمہ سوم کے فضائل میں

یعنی ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ اور بعض روایات میں ان کلمات کے ساتھ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ بھی وارد ہوا ہے۔ احادیث میں ان کلمات کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، یہ کلمات تسبیحاتِ فاطمہ ؑ کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس لئے کہ یہ کلمات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ لاڈلی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ ؑ کو بھی تعلیم فرمائے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اس باب میں بھی چونکہ کلام پاک کی آیات اور احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں اس لئے دو فصلوں پر اس کو منقسم کر دیا: پہلی فصل آیاتِ قرآنیہ میں، دوسری احادیثِ نبویہ میں۔

فصل اول

ان آیات کے بیان میں جن میں ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ کا مضمون ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو چیز جتنی مہتم بالشان ہوتی ہے اتنے ہی اہتمام سے ذکر کی جاتی ہے اور مختلف طریقہ سے ذہن نشین کی جاتی ہے۔ چنانچہ ان کلمات کا مفہوم بھی قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان میں سب سے پہلا کلمہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ ہے۔ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کے معنی ہیں اللہ جلّ ثناہ عیب اور برائی سے پاک ہے۔ میں اس کی پاکی کا پورا پورا اقرار کرتا ہوں، اس مضمون کو حکم سے بھی ذکر فرمایا ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرو۔ خبر سے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ فرشتے اور دوسری مخلوقات اللہ کی پاکی کا اقرار و بیان کرتی رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دوسرے الفاظ کا بھی یہی حال ہے کہ مختلف عنوانات سے کلام اللہ شریف میں ان مضامین کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ (فرشتوں کا مقولہ انسان کی پیدائش کے

لَكَ ط (البقرة: ۳۰) وقت) ہم بحمد اللہ آپ کی تسبیح کرتے

رہتے ہیں اور آپ کی پاکی کا دل سے اقرار کرتے رہتے ہیں۔

(۲) قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝
اس کے سوا کچھ بھی علم نہیں جتنا آپ نے بتا
(البقرة: ۳۲)

دیا ہے۔ بیشک آپ بڑے علم والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔

(۳) وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ
بِالْعُشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (آل عمران: ۴۱)
اور اپنے رب کو بکثرت یاد کیجیو اور اس کی تسبیح
کیجیو دن ڈھلے بھی اور صبح کے وقت بھی۔

(۴) رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا
سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
(سمجھ دار لوگ جو اللہ کے ذکر میں ہر وقت
مشغول رہتے ہیں اور قدرت کے
کارناموں میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں)
(آل عمران: ۱۹۱)

یہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا نہیں کیا ہے (بلکہ بڑی
حکمتیں اس میں ہیں) آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں،
آپ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا دیجئے۔

(۵) سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۝
وہ ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے
اولاد ہو۔
(النساء: ۱۷۱)

(۶) قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ
أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ط (المائدة: ۱۱۶)
(قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلینا
سے سوال ہوگا کہ اپنی امت کو تثلیث کی تعلیم
کیا تم نے دی تھی تو) وہ کہیں گے (توبہ توبہ!!) میں تو آپ کو (شرک سے) اور ہر عیب
سے پاک سمجھتا ہوں، میں ایسی بات کیسے کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہ تھا۔

(۷) سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ۝
اللَّهُ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (ان سب باتوں سے) پاک ہے
جن کو (یہ کافر لوگ) اللہ کی شان میں کہتے
(الانعام: ۱۰۰)

ہیں (کہ اس کے اولاد ہے یا شریک ہے وغیرہ وغیرہ)

(۸) فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(جب طور پر حق تعالیٰ شانہ کی ایک تجلی سے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے تھے) پھر جب افاقہ ہوا تو عرض

(الاعراف: ۱۴۳)

کیا کہ بیشک آپ کی ذات (ان آنکھوں کے دیکھنے سے اور ہر عیب سے) پاک ہے۔ میں (دیدار کی درخواست سے) توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

(۹) إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝ (الاعراف: ۲۰۶)

بیشک جو اللہ کے مقرب ہیں (یعنی فرشتے) وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

ف: صوفیاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تکبر کی نفی کو مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تکبر کا ازالہ عبادات پر اہتمام کا ذریعہ ہے اور تکبر سے عبادات میں کوتاہی واقع ہوتی ہے۔

(۱۰) سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

اس کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ (کافر اس کا) شریک بناتے ہیں۔

(التوبہ: ۳۱)

(۱۱) دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيتُهم فِيهَا سَلَامٌ ۝ وَاخْرُدْهُم مِّنَ الْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (یونس: ۱۰)

(ان جنتیوں کے) منہ سے یہ بات نکلے گی ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ“ اور آپس کا ان کا سلام ہوگا: السلام علیکم (اور جب دنیا کی دقتوں کو یاد کریں گے اور خیال کریں گے کہ اب ہمیشہ کے لئے ان سے خلاصی ہو گئی تو) آخر میں کہیں گے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“۔

(۱۲) سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

وہ ذات، پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ کافر شریک بناتے ہیں۔

(یونس: ۱۸)

(۱۳) قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ط

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ بَلّ ثَمًا کے اولاد

هُوَ الْغَنِيُّ ط (یونس: ۶۸)

ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۱۴) وَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا آتَا مِنَ الْمُسْرِكَينَ ۝ (یوسف: ۱۰۸)

اور اللہ جلّ جلالہ (ہر عیب سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

(۱۵) وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ (الرعد: ۱۳)

اور رعد (فرشتہ) اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس کے ڈر سے تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔

ف: علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بجلی کے کڑکنے کے وقت ”سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ“ پڑھے گا اس کو بجلی کے نقصان سے حفاظت حاصل ہوگی۔ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب بجلی کی کڑک سنا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو، بجلی ذکر کرنے والے تک نہیں جاسکتی۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بجلی کی کڑک کے وقت تسبیح کیا کرو، تکبیر نہ کہا کرو۔

(۱۶) وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝ (الحجر: ۹۷، ۹۸، ۹۹)

اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ (جو نامناسب کلمات آپ کی شان میں) کہتے ہیں ان سے آپ کو دل تنگی ہوتی ہے۔ پس (اس کی پرواہ نہ کیجئے) آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید

کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں (یعنی نمازیوں) میں شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، یہاں تک کہ آپ کی وفات کا وقت آوے۔

(۱۷) سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (الحل: ۱)

وہ ذات لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔

(۱۸) وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ط وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ۝ (النحل: ۵۷)

اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ ذات اس سے پاک ہے (اور تماشا یہ

ہے کہ) اپنے لئے تو ایسی چیز تجویز کرتے ہیں جس کو خود پسند کرتے ہیں۔

(۱۹) سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ
الْأَقْصَى - (بنی اسرائیل: ۱۰)
(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جو
اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت
مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ تک
لے گئی (معراج کا قصہ)۔

(۲۰) سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ
عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴۳)
یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ اس
سے پاک اور بہت زیادہ بلند مرتبہ ہیں۔

(۲۱) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ
وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ط (بنی اسرائیل: ۴۴)
تمام ساتوں آسمان وزمین اور جتنے آدمی
قرشتے اور جن ان کے درمیان میں ہیں،
سب کے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

(۲۲) وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ
وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ط
(بنی اسرائیل: ۴۴)
(اور یہی نہیں بلکہ) کوئی چیز بھی (جاندار
ہو یا بے جان) ایسی نہیں جو اس کی تعریف
کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی
تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

(۲۳) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا
بَشَرًا رَّسُولًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۳)
(آپ ان لغو مطالبوں کے جواب میں جو وہ
کرتے ہیں) کہہ دیجئے کہ سبحان اللہ! میں تو
ایک آدمی ہوں، رسول ہوں (خدا نہیں ہوں کہ جو چاہے کروں)۔

(۲۴) وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِن كَانَتْ
وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۸)
(ان علماء پر جب قرآن شریف پڑھا جاتا
ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے
ہیں) اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک اس کا وعدہ ضرور پورا ہونے
والا ہے۔

(۲۵) فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ
پس (حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ السلام) حجرہ

فَاَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً
وَعَشِيًّا (مریم: ۱۱)

میں سے باہر تشریف لائے اور اپنی قوم کو
اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا
کی تسبیح کیا کرو۔

(۲۶) مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ
سُبْحَانَهُ ط (مریم: ۳۵)

اللہ جل شانہ کی یہ شان (ہی) نہیں کہ وہ
اولاد اختیار کرے، وہ ان سب قصوں سے
پاک ہے۔

(۲۷) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ
الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ
تَرْضَىٰ ط (طہ: ۱۳۰)

(محمد! آپ ان لوگوں کی نامناسب باتوں
پر صبر کیجئے) اور اپنے رب کی حمد (وشن) کے
ساتھ تسبیح کرتے رہا کیجئے آفتاب نکلنے سے
پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے
اوقات میں تسبیح کیا کیجئے اور دن کے اول و آخر میں تاکہ آپ (اس ثواب اور
بے انتہا بدلے پر جو ان کے مقابلہ میں ملنے والا ہے بے حد) خوش ہو جائیں۔

(۲۸) يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا
يَفْتُرُونَ ط (الانبیاء: ۲۰)

(اللہ کے مقبول بندے اس کی عبادت سے
تھکتے نہیں) شب و روز اللہ کی تسبیح کرتے
رہتے ہیں۔ کسی وقت بھی موقوف نہیں کرتے۔

(۲۹) فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُونَ ط (الانبیاء: ۲۲)

اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا، ان سب
امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے
ہیں (کہ نعوذ باللہ اس کے شریک ہیں یا اس کے اولاد ہے)۔

(۳۰) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا
سُبْحَنَهُ ط (الانبیاء: ۲۶)

یہ (کافر لوگ یہ) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ)
رحمن نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو) اولاد
بنایا ہے، اس کی ذات اس سے پاک ہے۔

(۳۱) وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ

ہم نے پہاڑوں کو داؤد (علی نبینا وعلیہ السلام)

يُسَبِّحَنَّ وَالطَّيْرُط (الانبیاء: ۷۹)

کے تابع کر دیا تھا کہ ان کی تسبیح کے ساتھ وہ

بھی تسبیح کیا کریں اور (اسی طرح) پرندوں کو (تابع کر دیا تھا کہ وہ بھی حضرت داؤد کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کیا کریں)

(۳۲) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي

(حضرت یونس علیہ السلام نے تاریکیوں میں

كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (الانبیاء: ۸۷)

پکارا) کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ

سب عیوب سے پاک ہیں، میں بے شک قصور وار ہوں۔

(۳۳) سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝

اللہ تعالیٰ ان سب امور سے پاک ہے جو

(المؤمنون: ۹۱)

یہ بیان کرتے ہیں۔

(۳۴) سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝

سبحان اللہ! یہ (لوگ جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(النور: ۱۶)

کی شان میں تہمت لگاتے ہیں) بہت بڑا

بہتان ہے۔

(۳۵) يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْعُدْوِ وَالْأَصَالِ ۝

ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ

اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے

ذِكْرِ اللَّهِ وَاقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَاءَ الزَّكَاةَ

اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ

خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ فروخت

(النور: ۳۶، ۳۷)

کرنا۔ وہ ایسے دن (کے عذاب) سے

ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی (یعنی قیامت

کے دن سے)

(۳۶) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي

(اے مخاطب!) کیا تجھے (دلائل اور مشاہدہ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَافَاتٍ ط

سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ جل ثنا کی تسبیح

كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط وَاللَّهُ

کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین

عَلَيْهِمْ اِمَّا يَفْعَلُونَ ۝ (النور: ۴۱) میں ہیں اور (خصوصاً) پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے) ہیں، سب کو اپنی اپنی دُعا (نماز) اور اپنی اپنی تسبیح (کا طریقہ) معلوم ہے اور اللہ جلّ ثنا کو سب کا حال اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ سب معلوم ہے۔

(۳۷) قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ اَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَاَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۝ (الفرقان: ۱۸) (قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ ان کافروں کو اور جن کو یہ پوجتے تھے سب کو جمع کر کے ان معبودوں سے پوچھے گا: کیا تم نے ان کو گمراہ کیا تھا؟ تو) وہ کہیں گے: سبحان اللہ! ہماری کیا طاقت تھی کہ آپ

کے سوا اور کسی کو کارساز تجویز کرتے، بلکہ یہ (احق خود ہی بجائے شکر کے کفر میں مبتلا ہوئے) کہ آپ نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب ثروت عطا فرمائی یہاں تک کہ یہ لوگ (دولت کے نشہ میں شہوتوں میں مبتلا ہوئے اور) آپ کی یاد کو بھلا دیا اور خود ہی برباد ہو گئے۔

(۳۸) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ط وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝ (الفرقان: ۵۸) اور اس ذات پاک پر توکل رکھئے جو زندہ ہے اور کبھی اس کو فنا نہیں اور اسی کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے (یعنی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجئے) کیونکہ وہ پاک ذات اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے (قیامت میں ہر شخص کی مخالفت کا بدلہ دیا جائے گا)۔

(۳۹) وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (النمل: ۸) اللہ رب العالمین ہر قسم کی کدورت سے پاک ہے۔

(۴۰) سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (القصص: ۶۸) اللہ جلّ جلالہ ان سب چیزوں سے پاک ہے جن کو یہ مشرک بیان کرتے ہیں اور ان سے بالاتر ہے۔

(۳۱) فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝ (الروم: ۱۷، ۱۸)

پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت (یعنی رات میں) اور صبح کے وقت اور اسی کی حمد (کی جاتی) ہے تمام آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کی (تسبیح و تحمید کیا کرو) شام کے وقت بھی (یعنی عصر کے وقت بھی) اور ظہر کے وقت بھی۔

(۳۲) سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (الروم: ۴۰)

اللہ جلّ ثنا کی ذات پاک اور بالاتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اس کی طرف (منسوب کر کے) بیان کرتے ہیں۔

(۳۳) إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ (السجدة: ۱۵)

پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

(۳۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (الاحزاب: ۴۱، ۴۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر خوب کثرت سے کرو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

(۳۵) قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مِنْ دُونِهِمْ (سبا: ۴۱)

(جب قیامت میں ساری مخلوق کو جمع کر کے حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے پوچھیں گے: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے؟ تو) وہ کہیں گے: آپ (شرک وغیرہ غیوب سے) پاک ہیں، ہمارا تو محض آپ سے تعلق ہے نہ کہ ان سے۔

(۳۶) سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا (یس: ۳۶)

وہ پاک ذات ہے جس نے تمام جوڑ کی (یعنی ایک دوسرے کے مقابل) چیزیں پیدا کیں۔

(۳۷) فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ

پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں

ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

كُلِّ شَيْءٍ وَاللّٰهُ تَرْجِعُوْنَ ۝ (پس: ۸۳)

پس اگر (یونس علیہ السلام) تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔

(۲۸) فَلَوْ لَا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝
لَلَيْتَ فِیْ بَطْنِہٖ اِلٰی یَوْمٍ یُّعْتُوْنَ ۝
(الصافات: ۱۴۴، ۱۴۳)

اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

(۳۹) سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝
(الصافات: ۱۵۹)

(فرشتے کہتے ہیں کہ ہم سب ادب سے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں) اور سب اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

(۵۰) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝
(الصافات: ۱۶۶)

آپ کا رب جو عزت (وعظمت) والا ہے پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر، اور تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ثابت ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

(۵۱) سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝
وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝
(الصافات: ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲)

ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے (حضرت داؤد علیہ السلام کے) ساتھ شریک ہو کر صبح شام تسبیح کیا کریں، اسی طرح پرندوں کو بھی حکم کر رکھا تھا (جو کہ تسبیح کے

(۵۲) اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحُنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاُشْرَاقِ ۝ وَالطَّیْرَ مَحْشُورَةً ط کُلُّ لَہٗ اَوَابٌ ۝
(ص: ۱۸، ۱۹)

وقت) ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور سب (پہاڑ اور پرندے مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ) اللہ کی طرف رجوع کرنے والے (اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہونے والے) ہوتے ہیں۔

(۵۳) سُبْحَنَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝
(الزمر: ۴)

وہ عیوب سے پاک ہے، ایسا اللہ ہے جو اکیلا ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) زبردست ہے۔

(۵۴) سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝
(الزمر: ۶۷)

وہ ذات پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ لوگ شریک کرتے ہیں۔

(۵۵) وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ خَافِئِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الزمر: ۷۵)

آپ (قیامت میں) فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہوں گے اور (اس دن) تمام بندوں کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور (ہر طرف سے) کہا جائے گا "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے)۔

(۵۶) الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ (المومن: ۷)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے چاروں طرف ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور حمد کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار!

آپ کی رحمت اور علم ہر شے کو شامل ہے، پس ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کر لی ہے اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچائیے۔

(۵۷) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعِشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ (المومن: ۵۵)

صبح اور شام (ہمیشہ) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے۔

(۵۸) فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ۝

جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں (یعنی مقرب ہیں، مراد فرشتے ہیں) وہ رات دن اس کی تسبیح

کرتے رہتے ہیں، ذرا بھی نہیں اکتاتے۔

(بحم السجده: ۳۸)

(۵۹) وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ط
(الشوری: ۵۰)

اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو زمین میں رہتے ہیں ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

(۶۰) وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (الزخرف: ۱۳، ۱۴)

(اور تم سواریوں پر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب کی یاد کیا کرو) اور کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے ان سواریوں کو ہمارے

تابع کیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو تابع کر سکتے اور بے شک ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(۶۱) سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (الزخرف: ۸۲)

آسمانوں اور زمین کا پروردگار جو مالک ہے عرش کا بھی، پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں۔

(۶۲) وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (الفتح: ۹)

اور تسبیح کرتے رہو اس کی صبح کے وقت اور شام کے وقت۔

(۶۳) فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝ (ق: ۳۹، ۴۰)

پس ان لوگوں کی (نامناسب باتوں پر) جو کچھ وہ کہیں صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات میں بھی اس کی تسبیح و تحمید کیجئے اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی تسبیح و تحمید کیجئے۔

(۶۴) سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (الطور: ۴۳)

اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

(۶۵) سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ

اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے (مجلس سے یا سونے سے) اٹھنے کے بعد (یعنی

النُّجُومُ ۝ (طور: ۲۰) تہجد کے وقت) اور رات کے وقت بھی اُس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں کے (غروب ہونے کے) بعد بھی۔

(۶۷-۶۸) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ پس اپنے اس بڑی عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کیجئے۔ (الواقعة: ۹۶، ۷۴)

(۶۸) سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ اللہ جلّ ثناؤ کی تسبیح کرتے ہیں وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ (الحديد: ۱)

(۶۹) سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب چیزیں جو زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ (الحشر: ۱)

(۷۰) سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اس چیز سے جس کو یہ شریک کرتے ہیں۔ (الحشر: ۲۳)

(۷۱) يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ اللہ تعالیٰ شانہ کی تسبیح کرتی رہتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ (الحشر: ۲۴)

(۷۲) سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ اللہ جلّ ثناؤ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ (الصف: ۱)

(۷۳) يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ (الجمعة: ۱)

(۷۴) يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿النَّعَاجِ: ۱﴾
 اللہ جل ثنا کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اسی کے لئے ساری سلطنت ہے

اور وہی تعریف کے قابل ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

(۷۵-۷۶) قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿قَالُوا سُبْحَنَ رَبَّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ﴾ (القلم: ۲۸، ۲۹)
 ان میں سے جو افضل تھا وہ کہنے لگا کہ میں نے تم سے (پہلے ہی) کہا نہ تھا: اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ وہ لوگ کہنے لگے:

”سُبْحَنَ رَبَّنَا“ (ہمارا رب پاک ہے)، بیشک ہم خطاوار ہیں۔

(۷۷) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿الْحَاقَّة: ۵۲﴾
 پس اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہیے۔

(۷۸) وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾ (الدھر: ۲۵، ۲۶)
 اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے اور رات کو بھی اس کے لئے سجدہ کیجئے اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کیا کیجئے۔

(۷۹) سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴿الاعلیٰ: ۱﴾
 آپ اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

(۸۰) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿النصر: ۳﴾
 پس آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور اس سے مغفرت طلب کرتے رہئے، بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ف: یہ اسی آیات میں جن میں اللہ جل جلالہ و عظمیٰ کی تسبیح کا حکم ہے۔ اس کی پاکی بیان کرنے اور اقرار کرنے کا حکم ہے یا اس کی ترغیب ہے۔ جس مضمون کو اللہ مالک الملک نے اس اہتمام سے اپنے پاک کلام میں بار بار فرمایا ہو اس کے مہتمم بالشان ہونے میں کیا تردد

ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بہت سی آیات میں تسبیح کے ساتھ دوسرے کلمہ تحمید یعنی اللہ کی تعریف کرنا، اس کی حمد بیان کرنا اور اسی میں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہنا بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر کی آیات سے معلوم ہو گیا۔ ان کے علاوہ خاص طور پر اللہ کی تعریف کا بیان جو مفہوم ہے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کا اور آیات میں بھی آیا ہے اور سب سے اہم یہ کہ اللہ جلّ ثنا کے پاک کلام کا شروع ہی ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ سے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس پاک کلمہ کی اور کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ جلّ ثنا نے قرآن پاک کا شروع اس سے فرمایا ہے:

(۱) الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو تمام

جہانوں کا پروردگار ہے۔

(الفاتحة: ۱)

(۲) الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ۝ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں کو اور نور کو بنایا، پھر بھی کافر لوگ (دوسروں کو)

اپنے رب کے برابر کرتے ہیں۔

(الانعام: ۱)

(۳) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ پھر (ہماری گرفت سے) ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے (اس کا شکر ہے) جو تمام جہانوں کا

پروردگار ہے۔

(الانعام: ۴۵)

(۴) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ. (الاعراف: ۴۳) اور (جنت میں پہنچنے کے بعد) وہ لوگ کہنے لگے: تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچا دیا اور

ہم کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتے اگر اللہ جلّ ثنا ہم کو نہ پہنچاتے۔

(۵) الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُم جَوَ لُوكِ اِيَسَ رَسُوْلِ نَبِيٍّ اُمِّيٍّ كَالِاتِّبَاعِ كَرْتِے هِيں جَن كُوْ وَه لُوْكِ اِسْپَنے پَاس

فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ. (الاعراف: ۱۵۷) تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

ف: توریت میں جو صفات حضور ﷺ کی نقل کی گئی ہیں ان میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی امت بہت کثرت سے اللہ کی حمد کرنے والی ہے۔ چنانچہ ”ذُرِّ مَمْشُور“ میں کئی روایات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔

(۶) اَلتَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ
السَّائِحُونَ الرَّائِعُونَ السَّاجِدُونَ
الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ
(التوبة: ۱۱۲) (ان مجاہدین کے اوصاف جن کے نفوس کو
اللہ جلّ ثنا نے جنت کے بدلہ میں خرید لیا
ہے یہ ہیں کہ) وہ گناہوں سے توبہ کرنے
والے ہیں، اللہ کی عبادت کرنے والے
ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزہ

رکھنے والے ہیں یا اللہ کی رضا کے لئے سفر کرنے والے ہیں، رُکوع اور سجدہ کرنے
والے ہیں (یعنی نمازی ہیں)، نیک باتوں کا حکم کرنے والے ہیں اور بُری باتوں سے
روکنے والے ہیں (تبلیغ کرنے والے ہیں) اور اللہ کی حدود کی (یعنی احکام کی)
حفاظت کرنے والے ہیں، (ایسے) مومنوں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔

(۷) وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ (یونس: ۱۰) اور آخری پکار ان کی یہی ہے ”اَلْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (تمام تعریف اللہ ہی کے
لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)۔

(۸) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى
الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ط (ابراہیم: ۳۹)
تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے
بڑھاپے میں مجھ کو (دو بیٹے) اسمعیل واسحاق
(علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) عطا فرمائے۔

(۹) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
(النحل: ۷۵) تمام تعریف اللہ ہی کے لئے (پھر بھی وہ
لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے) بلکہ اکثر

ان میں سے ناسمجھ ہیں۔

(۱۰) يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْجُدُونَ
بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيلاً ۝
(بنی اسرائیل: ۵۲)
جس دن (صُور پھٹنے گا اور) تم کو (زندہ
کر کے) پکارا جائے گا تو تم مجبوراً اس کی
حمد (وشنا) کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے
اور (ان حالات کو دیکھ کر) گمان کرو گے (کہ تم دنیا میں اور قبر میں) بہت ہی کم مدت
ٹھہرے تھے۔

(۱۱) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلٰلِ وَكَبِّرَهُ
تَكْبِيْرًا ۝ (النحل: ۱۱۱)
اور آپ (علی الاعلان) کہہ دیجئے کہ تمام
تعریف اسی اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد
رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں
شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا
کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب تکبیر (بڑائی بیان) کیا کیجئے۔

(۱۲) الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ
الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝
(الکہف: ۱)
تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے
اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر کتاب نازل
فرمائی اور اس کتاب میں کسی قسم کی ذرا سی
بھی کجی نہیں رکھی۔

(۱۳) فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ
الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝ (المومن: ۲۸)
(حضرت نوح علیہ السلام کو خطاب ہے کہ
جب تم کشتی میں بیٹھ جاؤ) تو کہنا کہ تمام
تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔

(۱۴) وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي فَضَّلَنَا
عَلٰی كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
(النمل: ۱۵)
اور (حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام
نے) کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے
جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے
بندوں پر فضیلت دی۔

(۱۵) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ
آپ (خطبہ کے طور پر) کہیئے: تمام تعریفیں

الَّذِينَ اصْطَفَى ط (النمل: ۵۹)

اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

(۱۶) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ
فَتَعْرِفُونَهَا ط (النمل: ۹۳)

اور آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں، وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھاوے گا، پس تم اس کو پہچان لو گے۔

(۱۷) لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُولٰٓئِ وَالْاٰخِرَةِ
وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝
(الفصص: ۷۰)

حمد و ثناء کے لائق دنیا اور آخرت میں وہی ہے اور حکومت بھی اسی کے لئے ہے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(۱۸) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المنکبوت: ۶۳)

آپ کہیے تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے (یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اکثر ان میں سمجھتے بھی نہیں۔

(۱۹) وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝
(لقمان: ۱۲)

اور جو شخص کفر کرے (ناشکری کرے) تو اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔

(۲۰) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (لقمان: ۲۵)

آپ کہہ دیجئے: تمام تعریف اللہ کے لئے ہے (یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اکثر ان میں کے جاہل ہیں۔

(۲۱) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝
(لقمان: ۲۶)

بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔

(۲۲) الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ
فِي الْاٰخِرَةِ ط (سبا: ۱)

تمام تعریف اسی اللہ کے لئے ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اُسی کی حمد (و ثنا) ہوگی

آخرت میں (کسی دوسرے کی پوچھ نہیں)۔

(۲۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ . (فاطر: ۱)

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں کا
پیدا کرنے والا ہے اور زمین کا۔

(۲۴) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ
وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ (فاطر: ۱۵)

اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کے اور وہ بے نیاز
ہے اور تمام خوبیوں والا ہے۔

(۲۵) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ
عَنَّا الْحَزْنَ ۖ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝
الَّذِيْ اٰخَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا
يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا
لُغُوْبٌ ۝ (فاطر: ۳۴، ۳۵)

(جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو
ریشمی لباس پہنائے جائیں گے) اور کہیں
گے: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے
جس نے ہم سے (ہمیشہ کیلئے) رنج دور
کر دیا، بیشک ہمارا رب بڑا بخشنے والا، بڑا قدر

کرنے والا ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے مقام میں پہنچا
دیا۔ نہ ہم کو کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی۔

(۲۶) وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝
(الصفات: ۱۸۱، ۱۸۲)

اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریف اللہ
ہی کے واسطے ہے جو تمام جہانوں کا
پروردگار ہے۔

(۲۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزمر: ۲۹)

تمام تعریف اللہ کے واسطے ہے (مگر یہ
لوگ سمجھتے نہیں) بلکہ اکثر جاہل ہیں۔

(۲۸) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقْنَا
وَعْدَهُ وَ اَوْرَثْنَا الْاَرْضَ نَتَّبِعُ مِنْ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۖ فَبِعِزِّمْ اَجْرُ
الْعَامِلِيْنَ ۝ (الزمر: ۷۴)

اور (جب مسلمان جنت میں داخل ہوں
گے تو) کہیں گے کہ تمام تعریف اس اللہ
کے واسطے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا
کیا اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا کہ ہم

جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں۔ نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

(۲۹) فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
پس اللہ ہی کے لئے تمام تعریف ہے جو

وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الجاثیہ: ۳۶)

(۳۰) وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط (البروج: ۸)

(ایک کافر بادشاہ کے مسلمانوں کو ستانے اور تکلیفیں دینے کا اوپر سے ذکر ہے) اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی

عیب نہیں پایا تھا، بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے اور تعریف کا مستحق ہے، اسی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔

ف: ان آیات میں اللہ کی حمد اور اس کی تعریف کی ترغیب، اس کا حکم، اس کی خبر ہے۔ احادیث میں بھی کثرت سے اللہ کی تعریف کرنے والوں کے فضائل خاص طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو ہر حال میں راحت ہو یا تکلیف، اللہ کی تعریف کرنے والے ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ جل ثنا کو اپنی تعریف بہت پسند ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ درحقیقت تعریف کی مستحق صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔ غیر اللہ کی تعریف کیا؟ جس کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے قبضہ میں نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن افضل بندے وہ ہوں گے جو کثرت سے اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حمد و شکر کی اصل اور بنیاد ہے، جس نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی نعمت پر حمد کرنا اس نعمت کے زائل ہو جانے سے حفاظت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دنیا ساری کی ساری میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے تو یہ کہنا اس سب سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ کوئی نعمت کسی بندہ کو عطا فرماتے ہیں اور وہ اس نعمت پر حمد کرتا ہے تو وہ حمد بڑھ جاتی ہے خواہ نعمت کتنی ہی بڑی ہو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“ کہا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ دعا کس نے پڑھی؟ وہ صحابی اس

سے ڈرے کہ شاید کوئی نامناسب بات ہو گئی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے، اس نے بری بات نہیں کہی۔ تب ان صحابی نے عرض کیا کہ یہ دعائیں نے پڑھی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیرے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ہر ایک ان میں سے اس کی کوشش کرتا تھا کہ اس کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے اور یہ حدیث تو مشہور ہے کہ جو مہتمم بالشان کام بغیر اللہ کی تعریف کے شروع کیا جائے گا وہ بے برکت ہوگا۔ اسی وجہ سے عام طور پر ہر کتاب، اللہ کی تعریف کے ساتھ شروع کی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کا بچہ مَر جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے بچہ کی روح نکال لی؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ نکال لی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: بیشک لے لیا۔ ارشاد ہوتا ہے: پھر میرے بندے نے اس پر کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں: تیری حمد کی اور ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا اس کے بدلے میں جنت میں ایک گھر اس کے لئے بنا دو اور اس کا نام ”بیت الحمد“ (تعریف کا گھر) رکھو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس سے بے حد راضی ہوتے ہیں کہ بندہ کوئی لقمہ کھائے یا پانی کا گھونٹ پیے اور اس پر ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کہے۔

تیسرا کلمہ تہلیل تھا یعنی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنا جس کا مفصل بیان اس سے پہلے باب میں گذر چکا ہے۔ چوتھا کلمہ تکبیر کہلاتا ہے یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنا، اس کی بلندی اور عظمت کا اقرار کرنا جس کا مصداق ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کہنا بھی ہے وہ ان آیات میں بھی گذر چکا ہے۔ ان کے علاوہ صرف تکبیر کا یعنی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا بیان بھی بہت سی آیات میں وارد ہوا ہے جن میں سے چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَذَاكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (البقرة: ۱۸۵)

اور تاکہ اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر
کہ تم کو ہدایت فرمائی اور تاکہ تم شکر کرو
اللہ تعالیٰ کا۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ
الْمُتَعَالِ ۝ (الرعد: ۹)

وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، (سب سے) بڑا ہے اور عالی شان رُتبہ والا ہے۔

(۳) كَذَلِكَ مَخْرَجُهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ
عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝
(الحج: ۳۷)

اسی طرح اللہ جلّ ثناؤہ نے (قربانی کے جانوروں کو) تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اس

نے تم کو ہدایت کی (اور قربانی کرنے کی توفیق دی) اور (اے محمد!) اخلاص والوں کو (اللہ کی رضا کی) خوش خبری سنا دیجئے۔

(۳-۵) وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝
(الحج: ۸۲) (لقمان: ۳۰)

اور بے شک اللہ جلّ ثناؤہ ہی عالی شان اور بڑائی والا ہے۔

(۶) حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا
مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَهُوَ
الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (سبا: ۲۳)

(جب فرشتوں کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے تو وہ خوف کے مارے گھبرا جاتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے

گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ پروردگار کا کیا حکم ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ (فلانی) حق بات کا حکم ہوا، واقعی وہ عالی شان اور بڑے مرتبہ والا ہے۔

(۷) فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝
(المومن: ۶۲)

پس حکم اللہ ہی کے لئے ہے جو عالی شان ہے، بڑے رُتبہ والا ہے۔

(۸) وَلَهُ الْكِبَرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝
(المومن: ۳۷)

اور اسی (پاک ذات) کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

(۹) هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، (سب عیبوں سے)

الْمُهَيِّمِينَ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط پاک ہے، (سب نقصانات سے) سائلم ہے، امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے (الحشر: ۲۳)

والا ہے۔ (یعنی آفتوں سے بچانے والا ہے) زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے، بڑائی والا ہے۔

ف: ان آیات میں اللہ جلّ جلالہ کی بڑائی اور عظمت کی ترغیب اور اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔ احادیث میں بھی خصوصیت کے ساتھ اللہ کی بڑائی کا حکم، اس کی ترغیب کثرت سے وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب یہ دیکھو کہ کہیں آگ لگ گئی تو تکبیر (یعنی اللہ اکبر کثرت سے) پڑھا کرو، یہ اس کو بجھا دے گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ تکبیر کہتا ہے تو (اس کا نور) زمین سے آسمان تک سب چیزوں کو ڈھانک لیتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے تکبیر کا حکم کیا۔ ان آیات و احادیث کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت، اس کی حمد و ثنا اور علو شان کو مختلف عنوانات سے کلام اللہ شریف میں بہت سے مختلف الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں ان تسبیحات کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے، لیکن مراد یہ تسبیحات ہیں۔ چنانچہ چند آیات حسب ذیل ہیں:

(۱) فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ ط پس حاصل کر لئے حضرت آدم علیہ السلام نے عَلَيْهِ ط إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ اپنے رب سے چند کلمے (ان کے ذریعہ سے توبہ کی)، پس اللہ تعالیٰ نے رحمت کے (البقرة: ۳۷)

ساتھ ان پر توجہ فرمائی، بیشک وہی ہے بڑی توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان۔

ف: ان کلمات کی تفسیر میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ کلمات یہ تھے۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، رَبِّ! عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاعْفُرْ لِي إِنَّكَ أَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ. لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، رَبِّ! عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ. لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ، رَبِّ! عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ

نَفْسِي فُتِبَ عَلَىٰ إِنَّكَ أَنْتَ الثَّوَابُ الرَّحِيمُ . اس قسم کے مضمون کی اور بھی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”دُرِّ مَنثور“ میں لکھا ہے اور ان میں تسبیح و تحمید مذکور ہے۔

(۲) مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ
أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى
إِلَّا مِثْلُهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝
جو شخص ایک نیکی لے کر آوے گا اس کو دس
گنا اجر ملے گا اور جو شخص برائی لے کر
آوے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی
اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (الانعام: ۱۶۰)

ف: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کر لے جنت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت معمولی چیزیں ہیں، مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ایک یہ کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ“ ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو روزانہ ایک سو پچاس مرتبہ (پانچوں نمازوں کے بعد کا مجموعہ) ہو جائے گا اور دس گنا ہو جانے کی وجہ سے پندرہ سو نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی۔ اور دوسری چیز یہ کہ سوتے وقت ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ چونتیس مرتبہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ تینتیس مرتبہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو سوا کلمے ہو گئے جن کا ثواب ایک ہزار نیکیاں ہو گئیں۔ اب ان کی اور دن بھر کی نمازوں کے بعد کی میزان کل دو ہزار پانچ سو نیکیاں ہو گئیں۔ بھلا اعمال تو لے کے وقت ڈھائی ہزار برائیاں روزانہ کی کس کی ہوں گی جو ان پر غالب آجائیں۔

بندہ ناچیز کہتا ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اگرچہ ایسا کوئی نہ ہو گا جس کی ڈھائی ہزار برائیاں روزانہ ہوں، مگر اس زمانہ میں ہم لوگوں کی بد اعمالیاں روزانہ کی اس سے بھی بدرجہا زائد ہیں، لیکن نبی اکرم ﷺ (روحی فداہ) نے اپنی شفقت سے برائیوں پر نیکیوں کے غالب آ جانے کا نسخہ ارشاد فرما دیا۔ عمل کرنا نہ کرنا بیمار کا کام ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی سہل اور ان کو کرنے والے بہت کم ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے کا وقت ہوتا ہے تو

شیطان ان کے پڑھنے سے پہلے ہی سُلا دیتا ہے اور نماز کا وقت ہوتا ہے تو وہ کوئی ایسی بات یاد دلاتا ہے کہ پڑھنے سے پہلے ہی اٹھ کر چلا جاوے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہزار نیکیاں روزانہ کما لیا کرو؟ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہزار نیکیاں روزانہ کس طرح کمائی جائیں؟ ارشاد فرمایا کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ سو مرتبہ پڑھو ہزار نیکیاں ہو جائیں گی۔

(۳) الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَال اور اولاد دنیاوی زندگی کی ایک رونق
وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (الکہف: ۴۶) (فقط) ہے اور باقیات صالحات (وہ نیک
اعمال جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) وہ تمہارے
رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی
بہتر ہیں (کہ ان کے ساتھ امیدیں قائم کی جائیں، بخلاف مال اور اولاد کے کہ ان سے
امیدیں قائم کرنا بے کار ہے)۔

(۴) وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ط اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت
وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ بڑھاتا ہے، اور باقیات صالحات تمہارے
رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی
ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرْدًا (مریم: ۷۶) بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی۔

ف: اگرچہ باقیات صالحات (وہ نیک عمل جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) میں سارے ہی ایسے اعمال داخل ہیں جن کا ثواب ہمیشہ ملتا رہتا ہے، لیکن بہت سی احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کا مصداق یہی تسبیحیں ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ باقیات صالحات کو کثرت سے پڑھا کرو۔ کسی نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیزیں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تکبیر (اللَّهُ أَكْبَرُ کہنا)، تہلیل (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا)، تسبیح (سُبْحَانَ اللَّهِ کہنا)، تحمید (الْحَمْدُ لِلَّهِ کہنا) اور ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“۔ دوسری حدیث میں آیا ہے: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو خبردار رہو ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ باقیات صالحات میں ہیں۔ ایک حدیث میں آیا

ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو اپنی حفاظت کا انتظام کر لو۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! کسی دشمن کے حملہ سے جو درپیش ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ جہنم کی آگ سے حفاظت کا انتظام کرو اور وہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ کا پڑھنا ہے کہ یہ قیامت کے دن آگے بڑھنے والے کلمے ہیں (کہ سفارش کریں یا آگے بڑھانے والے ہیں کہ پڑھنے والے کو جنت کی طرف بڑھاتے ہیں) اور پیچھے رہنے والے ہیں (کہ حفاظت کریں)، احسان کرنے والے ہیں اور یہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے جن کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”در منثور“ میں ذکر فرمایا ہے۔

(۵) لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللہ ہی کے واسطے ہیں کتبیاں آسمانوں کی (الزمر: ۶۳) (الشوری: ۱۲) اور زمین کی۔

ف: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے ”مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ یعنی آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ”مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ ہیں اور یہ عرش کے خزانہ سے نازل ہوئی۔ اور بھی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

(۶) إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اسی کی طرف اچھے کلمے پہنچتے ہیں اور نیک وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط (فاطر: ۱۰) عمل اُن کو پہنچاتا ہے۔

ف: کلمہ طیبہ کے بیان میں بھی اس آیت کا ذکر گزر چکا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم تمہیں کوئی حدیث سناتے ہیں تو قرآن شریف سے اس کی سند اور تائید بتا دیتے ہیں۔ مسلمان جب ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ تَبَارَكَ اللَّهُ“ پڑھتا ہے تو فرشتے اپنے پروں میں نہایت احتیاط

سے ان کلموں کو آسمان پر لے جاتا ہے اور جس آسمان پر گذرتا ہے اس آسمان کے فرشتے اس پڑھنے والے کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اس کی تائید یہ آیت شریفہ ”إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ“ ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ کے لئے عرش کے گرد اگر ایک بھنبھناہٹ ہے جس میں اپنے پڑھنے والوں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ بعض روایات میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ مضمون نقل کیا ہے، اور ایک دوسرے صحابی حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کا مضمون خود حضور اقدس ﷺ ہی سے نقل کیا ہے۔

فصل دوم

ان احادیث کے بیان میں جن میں ان کلمات کی فضیلت اور ترغیب ذکر فرمائی گئی ہے:

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی اور اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں، وہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ اور ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ ہیں۔

(رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ، کذا فی الترغیب)

ف: زبان پر ہلکے کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے میں نہ وقت خرچ ہو کہ بہت مختصر ہیں، نہ یاد کرنے میں کوئی وقت یادیر لگے اور اس کے باوجود جب اعمال کے تولنے کا وقت آئے گا تو ترازو میں ان کلموں کی کثرت کی وجہ سے بہت زیادہ وزن ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی فائدہ نہ ہوتا تو بھی اس سے بڑھ کر کیا چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دو کلمے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”صحیح بخاری“ کو ان ہی دو کلموں پر ختم فرمایا اور یہی حدیث کتاب کے ختم پر ذکر فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ کوئی شخص تم میں سے اس بات کو نہ چھوڑے کہ ہزار نیکیاں روزانہ کر لیا کرے۔ ”سُبْحَانَ اللَّهِ

وَبِحَمْدِهِ“ تو مرتبہ پڑھ لیا کرے، ہزار نیکیاں ہو جائیں گی۔ اتنے گناہ تو ان شاء اللہ روزانہ کے ہوں گے بھی نہیں۔ اور اس تسبیح کے علاوہ جتنے نیک کام کئے ہوں گے ان کا ثواب علیحدہ نفع میں رہا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح و شام ایک ایک تسبیح ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کی پڑھے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے، خواہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ سے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے (سردی میں) درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(۲) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَحَبِّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَخْبِرْنِي بِأَحَبِّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ. فَقَالَ: إِنَّ أَحَبَّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“. (رواہ مسلم والنسائی والترمذی، إلا أنه قال: ”سُبْحَانَ رَبِّي وَبِحَمْدِهِ“ وقال: حسن صحيح، وعزاه السيوطی فی الجامع للصغیر إلى مسلم وأحمد الترمذی، ورقم له بالصحة. وفقی رواية لمسلم: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ: أَيُّ الْكَلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ مَا اصْطَفَى

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے بتاؤں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ضرور بتاویں، ارشاد فرمایا ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ دوسری حدیث میں ہے ”سُبْحَانَ رَبِّي وَبِحَمْدِهِ“ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے جس چیز کو اپنے فرشتوں کے لئے اختیار فرمایا وہی افضل ترین ہے اور وہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ ہے۔

اللَّهُ لِمَالِكِهِ أَوْلَعِبَادِهِ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“. كذا في الترغيب، قلت: وأخرج الأخير الحاكم وصححه على شرط مسلم، وأقره عليه الذهبي وذكره السيوطي في الجامع برواية أحمد عن رجل مختصراً ورقم له بالصحة)

ف: پہلی فصل میں کئی آیتوں میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ ملائکہ جو عرش کے قریب ہیں وہ اور ان کے علاوہ (دوسرے فرشتے) سب اللہ جل ثنا کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں، ان کا مشغلہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے میں اور حمد کرنے میں مشغول رہیں۔

اسی وجہ سے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا وقت ہوا تو انہوں نے یہی بارگاہِ الہی میں ذکر کیا کہ "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" جیسا کہ اس سے پہلی فصل کی پہلی آیت میں گذر چکا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آسمان (عظمتِ الہی کے بوجھ سے) بولتا ہے (چرچراتا ہے جیسا کہ چار پائی وغیرہ وزن سے بولنے لگتی ہے) اور آسمان کے لئے حق ہے کہ وہ بولے (کہ ہیبت کا بوجھ سخت ہوتا ہے)۔ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، کہ آسمان میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ کی حالت میں اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول نہ ہو۔

(۳) عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. وَمَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةً مَرَّةً، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ مِائَةً أَلْفٍ حَسَنَةٍ وَأَرْبَعًا وَعِشْرِينَ أَلْفَ حَسَنَةٍ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِذَا لَا يَهْلِكُ مِنَّا أَحَدٌ قَالَ: بَلَى! إِنْ أَحَدَكُمْ لَيَجِيءُ بِالْحَسَنَاتِ، لَوْ وُضِعَتْ عَلَى جَبَلٍ أَثْقَلَتْهُ، ثُمَّ تَجِيءُ النِّعَمُ فَتَذْهَبُ بِتِلْكَ، ثُمَّ يَتَطَاوَلُ الرَّبُّ بَعْدَ ذَلِكَ بِرَحْمَتِهِ. (رواه الحاکم وقال صحيح الاسناد، كذا في الترغيب قلت: وأقره عليه الذمى)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کہے اس کے لئے جنت واجب ہو جائیگی اور جو شخص "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ" سو مرتبہ پڑھے گا اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسی حالت میں تو کوئی بھی (قیامت میں) ہلاک نہیں ہو سکتا (کہ نیکیاں غالب ہی رہیں گی)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: (بعض لوگ پھر بھی ہلاک ہوں گے اور کیوں نہ ہوں) بعض آدمی اتنی نیکیاں لے کر آئیں گے کہ اگر پہاڑ پر رکھ دی جائیں تو وہ دب جائے، لیکن اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ کالعدم ہو جائیں گی، البتہ اللہ جل ثنا پھر اپنی رحمت اور فضل سے دستگیری فرمائیں گے۔

ف: اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں دب جانے اور کالعدم ہو جانے کا مطلب یہ ہے

کہ قیامت میں جہاں نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی وہاں اس چیز کا بھی مطالبہ اور محاسبہ ہوگا کہ اللہ جل جلالہ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا کیا حق ادا کیا، اور کیا شکر ادا کیا۔ بندہ کے پاس ہر چیز اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ ہر چیز کا ایک حق ہے، اس حق کی ادائیگی کا مطالبہ ہونا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سُلَامَى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ“ الحدیث (فی مشکوٰۃ بروایۃ مسلم۔ قلت: ورواہ ابو داود وابن ماجہ) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صبح کو ہر آدمی کے ہر جوڑ اور ہڈی پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آدمی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ کرے، یعنی اس بات کے شکر میں کہ حق تعالیٰ شانہ نے سونے کے بعد جو مر جانے کے مشابہ حالت تھی پھر از سر نو زندگی بخشی اور ہر عضو صحیح و سالم رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اتنے صدقہ روزانہ کرنے کی طاقت کون رکھتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے۔ ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کہنا صدقہ ہے۔ راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے، غرض بہت سے صدقات شمار کرائے۔ اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن سے آدمی کی اپنی ذات میں جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ کھانے پینے راحت و آرام کے متعلق جتنی اللہ کی نعمتیں ہر وقت میسر ہوتی ہیں وہ مزید برآں۔

قرآن پاک میں سورہ ”الْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ“ میں بھی اس کا ذکر ہے کہ قیامت میں اللہ کی نعمتوں سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت، کانوں کی صحت، آنکھوں کی صحت سے سوال ہوگا کہ اللہ نے یہ نعمتیں اپنے لطف سے عطا فرمائیں، ان کو اللہ کے کس کام میں خرچ کیا؟ (یا چوپایوں کی طرح صرف پیٹ پالنے میں خرچ کیا) چنانچہ دوسری جگہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: ”إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا“ (کان، آنکھ، دل ہر شخص سے ان سب کی قیامت کے دن پوچھ ہوگی کہ ان چیزوں کا استعمال کہاں کیا؟) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جن نعمتوں سے سوال ہوگا ان میں بے فکری (جو اللہ کی بڑی دولت ہے) اور صحت بدن بھی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ علیہ

کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر لذت نعمتوں میں داخل ہے جن سے سوال ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں عافیت بھی داخل ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ”ثُمَّ لَتُسْتَلْنَ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ“ (الشکاۃ: ۸) (پھر اس دن نعمتوں سے بھی سوال کئے جاؤ گے) کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گے ہوں کی روٹی اور ٹھنڈا پانی مراد ہے کہ اس سے بھی سوال ہوگا اور رہنے کے لئے مکان سے بھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کن نعمتوں کا سوال ہوگا؟ آدھی بھوک روٹی ملتی ہے اور وہ بھی جو کی (پیٹ بھرائی روٹی بھی میسر نہیں)، وحی نازل ہوئی: کیا پاؤں میں جوتا نہیں پہنتے؟ کیا ٹھنڈا پانی نہیں پیتے؟ یہ بھی تو اللہ کی نعمتیں ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیت شریفہ کے نازل ہونے پر عرض کیا: یا رسول اللہ! کن نعمتوں سے سوال ہوگا؟ کھجور اور پانی، صرف یہ دو چیزیں کھانے پینے کو ملتی ہیں اور ہماری تلواریں (جہاد کے لئے) ہر وقت کندھوں پر رہتی ہیں اور دشمن (کافر کوئی نہ کوئی) مقابل (جس کی وجہ سے وہ دو چیزیں بھی اطمینان اور بے فکری سے نصیب نہیں ہوتی)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب نعمتیں میسر ہونے والی ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن نعمتوں سے سوال ہوگا کہ ان میں سب سے اول یہ ہوگا کہ ہم نے تیرے بدن کو تندرستی عطا فرمائی (یعنی اس تندرستی کا کیا حق ادا کیا اور اس میں اللہ کی رضا کی کیا خدمت ادا کی)، اور ہم نے ٹھنڈے پانی سے تجھ کو سیراب کیا (جو درحقیقت اللہ کی بڑی نعمت ہے، جہاں ٹھنڈا پانی میسر نہیں ہوتا ان سے کوئی اس کی قدر پوچھے۔ یہ اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ حد نہیں، مگر ہم لوگوں کو اس کی نعمتِ عظیمہ ہونے کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اس کا شکر اور اس کی ادائیگی حق)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جن نعمتوں سے سوال ہوگا، یہ ہیں: وہ روٹی کا ٹکڑا جس سے پیٹ بھرا جاتا ہے، وہ پانی جس سے پیاس بجھائی جاتی ہے۔ وہ کپڑا جس سے بدن ڈھانکا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ دو پہر کے وقت سخت دھوپ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پریشان ہو کر گھر سے چلے۔ مسجد میں پہنچے ہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی حالت میں تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیٹھا

ہو ادیکھ کر دریافت کیا کہ تم اس وقت یہاں کہاں؟ فرمایا کہ بھوک کی بیتابی نے پریشان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: واللہ! اسی چیز نے مجھے بھی مجبور کیا کہ کہیں جاؤں۔ یہ دونوں حضرات یہ گفتگو کر رہے تھے کہ سردارِ دو عالم نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! بھوک نے پریشان کیا جس سے مضطرب ہو کر نکل پڑے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسی مجبوری سے میں بھی آیا ہوں۔ تینوں حضرات اکٹھے ہو کر حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے، وہ تشریف نہیں رکھتے تھے، بیوی نے بڑی مسرت و افتخار سے ان حضرات کو بٹھایا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ابویوب کہاں گئے ہیں؟ عرض کیا: ابھی حاضر ہوتے ہیں، کسی ضرورت سے گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں ابویوب رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت ہو گئے اور فرطِ خوشی میں کھجور کا ایک بڑا سا خوشہ توڑ لائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سارا خوشہ کیوں توڑا، اس میں کچی اور ادھ کچری بھی ٹوٹ گئیں، چھانٹ کر پکی ہوئی توڑ لیتے۔ انہوں نے عرض کیا: اس خیال سے توڑا کہ ہر قسم کی سامنے ہوں، جو پسند ہو وہ نوش فرماویں (کہ بعض مرتبہ پکی ہوئی سے ادھ کچری زیادہ پسند ہوتی ہیں) خوشہ سامنے رکھ کر جلدی سے گئے اور ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور جلدی جلدی کچھ تو ویسے ہی بھون لیا، کچھ سالن تیار لیا۔ حضور ﷺ نے ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر ابویوب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ یہ فاطمہ کو پہنچا دو۔ اس کو بھی کئی دن سے کچھ نہیں مل سکا۔ وہ فوراً پہنچا کر آئے۔ ان حضرات نے بھی سیر ہو کر نوش فرمایا۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو! یہ اللہ کی نعمتیں ہیں روٹی ہے، گوشت ہے، ہر قسم کی کچی اور پکی کھجوریں ہیں۔ یہ فرما کر نبی اکرم ﷺ کی پاک آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ارشاد فرمایا: اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہی وہ نعمتیں ہیں جن سے قیامت میں سوال ہوگا، (جن حالات کے تحت میں اس وقت یہ چیزیں میسر ہوئی تھیں ان کے لحاظ سے) صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی گرانی اور فکر پیدا ہو گیا (کہ ایسی مجبوری اور اضطراب کی حالت میں یہ چیزیں میسر آئیں اور ان پر بھی سوال و حساب ہوگا)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ادا کرنا تو ضروری ہے ہی۔ جب اس قسم کی چیزوں پر

ہاتھ ڈالو تو اول ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھو اور جب کھا چکو تو کہو ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ اَشْبَعْنَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ“ (تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو پیٹ بھر کر کھلایا اور ہم پر انعام فرمایا اور بہت زیادہ عطا فرمایا)۔ اس دعا کا پڑھنا شکر ادا کرنے میں کافی ہے۔

اس قسم کے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے جو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو الہیثم مالک بن یتیمان کے مکان پر تشریف لے جانے کی نوبت آئی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ ایک اور صاحب کے ساتھ پیش آیا جن کو واقفی کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ایک شخص پر ہوا جو کوڑھی بھی تھا اور اندھا، بہرا، گونگا بھی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی کچھ نعمتیں اس شخص پر بھی دیکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس کوئی نعمت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا پیشاب سہولت سے نہیں کر سکتا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں تین دربار ہیں: ایک دربار میں نیکوں کا حساب ہے، دوسرے میں اللہ کی نعمتوں کا حساب ہے، تیسرے میں گناہوں کا مطالبہ ہے۔ نیکیاں نعمتوں کے مقابلہ میں ہو جائیں گی اور برائیاں باقی رہ جائیں گی جو اللہ کے فضل کے تحت میں ہوں گی۔ ان سب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جلّ جلالہ کی جس قدر نعمتیں ہر آن اور ہر دم آدمی پر ہوتی ہیں ان کا شکر کرنا، ان کا حق ادا کرنا بھی آدمی کے ذمہ ہے، اس لئے جتنی مقدار بھی نیکوں کی پیدا ہو سکے ان کو حاصل کرنے میں کمی نہ کرے اور کسی مقدار کو بھی زیادہ نہ سمجھے کہ وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کتنے کتنے گناہ ہم نے اپنی آنکھ، ناک، کان اور دوسرے بدن کے حصوں سے ایسے کئے ہیں جن کو ہم گناہ بھی نہ سمجھے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی قیامت میں اللہ کے یہاں پیشی نہ ہو کہ اس وقت نہ کوئی پردہ درمیان میں حائل ہوگا نہ ترجمان (وکیل وغیرہ)۔ دائیں طرف دیکھے گا تو اپنے اعمال کا انبار ہوگا، بائیں طرف دیکھے گا تب بھی یہی منظر ہوگا۔ جس قسم کے بھی اچھے یا برے اعمال کئے ہیں وہ سب ساتھ ہوں گے، جہنم کی آگ سامنے ہوگی، اس لئے جہاں تک ممکن ہو صدقہ سے جہنم کی آگ کو دفع کرو، خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں سب سے اول یہ سوال ہوگا کہ ہم نے تجھے بدن کی صحت عطا کی، اور ٹھنڈا

پانی پینے کو دیا (یعنی ان چیزوں کا کیا حق ادا کیا)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس وقت تک آدمی حساب کے میدان سے نہ ہٹے گا جب تک پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو جائے۔ عمر کس کام میں خرچ کی؟ جوانی (کی قوت) کس مشغلہ میں صرف کی؟ مال کس طریقہ سے کمایا اور کس طریقہ سے خرچ کیا؟ (یعنی کمائی کے اور خرچ کے طریقے جائز تھے یا ناجائز)۔ جو کچھ علم حاصل کیا (خواہ کسی درجہ کا ہو) اس میں کیا عمل کیا؟ (یعنی جو مسائل معلوم تھے ان پر عمل کیا یا نہیں)۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ معراج میں جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا کہ جنت کی نہایت عمدہ پاکیزہ مٹی ہے اور بہترین پانی، لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے (درخت) ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ ہیں (جتنے کسی کا دل چاہے درخت لگا لے)۔ ایک حدیث میں اس کے بعد ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ بھی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کلموں میں سے ہر کلمہ کے بدلے ایک درخت جنت میں لگایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ“ پڑھے گا ایک درخت جنت میں لگایا جاوے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ

(۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرَى بِي، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَقْرَأُ أَمْتَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَأَخْبِرُهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيَعَانٌ وَأَنَّ غِرَاسَهَا ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“۔ (رواه الترمذی والطبرانی فی الصغیر و الاوسط، وزاد ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ وقال الترمذی: حسن غریب من هذا الوجه، ورواه الطبرانی ایضاً باسناد واه من حدیث سلمان الفارسی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ غُرَسَ لَهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ رواه الطبرانی واسناده حسن لا بأس به فی المنابع، وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ

غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی وحسنہ، والنسائی إلا أنه قال شجرة، وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی الموضعین باسنادین، قال فی أحدهما: علی شرط مسلم وفی الآخر علی شرط البخاری، وذكره فی الجامع الصغير برواية الترمذی وابن حبان والحاکم، ورقم له بالصحة، وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِهِ وَهُوَ يَغْرِسُ الْحَدِيثَ، رواه ابن ماجة باسناد حسن والحاکم وقال: صحيح الاسناد. كذا فی الترغيب، وعزاه فی الجامع إلى ابن ماجة والحاکم ورقم له بالصحة. قلت: وفي الباب من حديث أبي أيوب رضی اللہ عنہ مرفوعاً، رواه أحمد باسناد حسن وابن أبي الدنيا وابن حبان فی صحیحہ ورواه ابن أبي الدنيا والطبرانی من حديث ابن عمر أيضاً مرفوعاً مختصراً، إلا أن فی حديثهما الحويلة فقط، كما فی الترغيب. قلت: وذكر السيوطی فی الدر حديث ابن عباس مرفوعاً بلفظ حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وقال: أخرجه ابن مردويه، ذكر أيضاً حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ. وقال: أخرجه الترمذی وحسنه والطبرانی وابن مردويه: قلت: وذكره فی الجامع الصغير برواية الطبرانی ورقم له بالصحة وذكر فی مجمع الزوائد عدة روايات فی معنى هذا الحديث).

ایک پودا لگا رہے ہیں۔ دریافت فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: درخت لگا رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا: بہترین پودے جو لگائے جاویں ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ ہر کلمہ سے ایک درخت جنت میں لگتا ہے۔

ف: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام بھیجا ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس یہ حدیث پہنچے اس کو چاہئے کہ حضرت خلیل اللہ کے سلام کے جواب میں ”وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ جنت کی مٹی بہترین ہے اور پانی میٹھا۔ اس کے دو مطلب ہیں: اول یہ کہ صرف اس جگہ کی حالت کا بیان کرنا ہے کہ بہترین جگہ ہے، جس کی مٹی کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ مشک وزعفران کی ہے اور پانی نہایت لذیذ۔ ایسی جگہ ہر شخص اپنا مسکن بنانا چاہتا ہے اور تفریح و راحت کے لئے باغ وغیرہ لگانے کے اسباب مہیا ہوں تو کون چھوڑ سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ زمین بہتر اور پانی بہتر ہو وہاں پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کہہ دینے سے ایک درخت وہاں قائم ہو جاوے گا، اور پھر وہ جگہ اور پانی کی عمدگی کی وجہ سے خود ہی نشوونما پاتا رہے گا۔ صرف ایک مرتبہ تیج ڈال دینا ہے، باقی سب کچھ خود ہی ہو جائے گا۔ اس حدیث میں جنت کو چٹیل میدان فرمایا ہے، اور جن احادیث میں جنت کا

حال بیان کیا گیا ہے ان میں جنت میں ہر قسم کے میوے، باغ، درختوں وغیرہ کا موجود ہونا بتایا گیا ہے، بلکہ جنت کے معنی ہی باغ کے ہیں۔ اس لئے بظاہر اشکال واقع ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اصل کے اعتبار سے وہ میدان ہے، لیکن جس حالت پر وہ نیک عمل لوگوں کو دی جائے گی ان کے اعمال کے موافق اس میں باغ اور درخت وغیرہ موجود ہوں گے۔ دوسری توجیہ بعض علماء نے یہ فرمائی ہے کہ جنت کے وہ باغ وغیرہ ان اعمال کے موافق ملیں گے۔ جب ان اعمال کی وجہ سے، اور ان کے برابر ملے تو گویا یہ اعمال ہی درختوں کا سبب ہوئے۔ تیسری توجیہ یہ فرمائی گئی ہے کہ کم سے کم مقدار جو ہر شخص کے حصہ میں ہے وہ ساری دنیا سے کہیں زائد ہے، اس میں بہت سے حصہ میں خود اپنے اصلی باغ موجود ہیں اور بہت سا حصہ خالی پڑا ہوا ہے۔ جتنا کوئی ذکر تسبیح وغیرہ کرے گا اتنے ہی درخت اور لگ جائیں گے۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد جو ”الْكَوْكَبُ الدَّرِّيُّ“ میں نقل کیا گیا ہے کہ اس کے سارے درخت پیر کی طرح سے ایک جگہ مجتمع ہیں۔ ہر شخص جس قدر اعمال خیر کرتا رہتا ہے اتنا ہی اُس کے حصہ کی زمین میں لگتے رہتے ہیں اور نشوونما پاتے رہتے ہیں۔

(۵) عَنْ أَبِي أَمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ هَالَهُ اللَّيْلُ أَنْ يُكَابِدَهُ أَوْ بَحَلَ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ أَوْ جَبَنَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ يُقَاتِلَهُ، فَلْيَكْثِرْ مِنْ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ؛ فَإِنَّهَا أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهِ مِنْ جَبَلٍ ذَهَبٍ يُنْفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. (رواه الفريابي والطبرانی واللفظ له، وهو حديث غريب ولا بأس بأسناده إن شاء الله، كذا في الترغيب، وفي مجمع الزوائد رواه الطبرانی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو (کہ راتوں کو جاگنے اور عبادت میں مشغول رہنے سے قاصر ہو) یا بخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو یا بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ پڑتی ہو اس کو چاہئے کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کثرت سے پڑھا کرے کہ اللہ کے نزدیک یہ کلام پہاڑ کی بقدر سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

وفيه سليمان بن احمد الواسطي وثقه عبدان، وضَعَفَهُ الجمهور، والغالب على بقية رجاله التوثيق. وفي الباب عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً، أخرجه ابن مردويه وابن عباس أيضاً عند ابن مردويه كذا في الدرر)۔

ف: کس قدر اللہ کا فضل ہے کہ ہر قسم کی مشقت سے بچنے والوں کے لئے بھی فضائل اور درجات کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ راتوں کو نہیں جاگا جاتا، کنجوسی سے پیسہ خرچ نہیں ہوتا، بزدلی اور کم ہمتی سے جہاد جیسا مبارک عمل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد بھی اگر دین کی قدر ہے، آخرت کا فکر ہے تو اس کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، پھر بھی کچھ کمانہ سکے تو کم نصیبی کے سوا اور کیا ہے؟ پہلے یہ مضمون ذرا تفصیل سے گزر چکا ہے۔

(۶) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَيَّ اللَّهُ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ. (رواه مسلم وابن ماجة والنسائي، وزادوه من القرآن، ورواه النسائي أيضاً وابن حبان في صحيحه من حديث أبي هريرة، كذا في الترغيب وتعز السيوطي حديث سمرة إلى

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کلام چار کلمے ہیں: ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ ان میں سے جس کو چاہے پہلے پڑھے اور جس کو چاہے بعد میں (کوئی خاص ترتیب نہیں) ایک حدیث میں ہے کہ یہ کلمے قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔

أحمد أيضاً ورقم له بالصحة وحديث أبي هريرة إلى مسند الفردوس للدبلمی ورقم له أيضاً بالصحة).

ف: یعنی قرآن پاک کے الفاظ میں بھی یہ کلمے کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور قرآن پاک میں ان کا حکم، ان کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ پہلی فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عیدوں کو ان کلموں کے ساتھ مزین کیا کرو یعنی عید کی زینت یہ ہے کہ ان کلموں کا کثرت سے ورد کیا جائے۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: إِنَّ الْفُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ اتَّوَارَسُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا: قَدْ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّنْيَا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراء مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مالدار سارے

بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَى وَ النَّعِيمِ الْمُقِيمِ،
 فَقَالَ: مَا ذَاكَ؟ قَالُوا: يُصَلُّونَ كَمَا
 نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ،
 وَيَتَصَدَّقُونَ وَلَا تَتَصَدَّقُ، وَيُعْتِقُونَ
 وَلَا نُعْتِقُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَفَلَا
 أَعْلِمُكُمْ شَيْئًا تَذَرُكُمْ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ،
 وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَلَا يَكُونُ
 أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ
 مَا صَنَعْتُمْ؟ قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللَّهِ!
 قَالَ: تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتُحَمِّدُونَ
 ذُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً. قَالَ
 أَبُو صَالِحٍ: فَرَجَعَ فَقَرَأَ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى
 رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالُوا: سَمِعَ إِخْوَانُنَا
 أَهْلَ الْأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا، فَفَعَلُوا مِثْلَهُ،
 فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
 يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ. (متفق عليه وليس قول أبي
 صالح إلى آخره إلا عند مسلم، وفي رواية للبخاري
 "تُسَبِّحُونَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا، وَ
 تُحَمِّدُونَ عَشْرًا، وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا
 بَدَلُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ" كذا في المشكاة. وعن
 أبي ذر رضي الله عنه بنحو هذا الحديث وفيه: إِنَّ بِكُلِّ
 تُسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَبِكُلِّ تَحْمِيدَةٍ
 صَدَقَةٌ، وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ،

بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی
 نعمت انہیں کے حصہ میں آگئی۔ حضور ﷺ
 نے فرمایا: کیوں؟ عرض کیا کہ نماز روزہ
 میں تو یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے
 ہیں یہ بھی، اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ
 لوگ صدقہ کرتے ہیں، غلام آزاد کرتے
 ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔
 حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز
 بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے سے
 پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے
 بڑھے رہو اور کوئی شخص تم سے اس وقت
 تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو
 نہ کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور
 بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد
 "سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ
 أَكْبَرُ" ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو، ان
 حضرات نے شروع کر دیا، مگر اس زمانہ
 کے مالدار بھی اسی نمونہ کے تھے، انہوں نے
 بھی معلوم ہونے پر شروع کر دیا تو فقراء
 دوبارہ حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہمارے
 مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی
 کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ
 کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے، اس

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! يَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتُهُ،
يَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ الْحَدِيثُ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ
فِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عِنْدَ أَحْمَدِ

کو کون روک سکتا ہے؟ ایک دوسری حدیث
میں بھی اسی طرح یہ قصہ ذکر کیا گیا، اس
میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے

لئے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے،
”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم
نے تعجب سے عرض کیا: یا رسول اللہ! بیوی سے ہم بستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور
یہ صدقہ ہو جائے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر حرام میں مبتلا ہو تو گناہ ہو گا یا نہیں؟
صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ہو گا۔ ارشاد فرمایا: اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ اس نیت سے صحبت کرنا کہ حرام کاری سے بچے ثواب اور اجر کا
سبب ہے، اسی قصہ کی ایک دوسری حدیث میں اس اشکال کے جواب میں کہ بیوی سے
ہم بستری اپنی شہوت کا پورا کرنا ہے حضور ﷺ کا یہ جواب نقل کیا گیا ہے: بتاؤ، اگر بچہ پیدا
ہو جائے پھر وہ جوان ہونے لگے اور تم اس کی خوبیوں کی امید باندھنے لگو پھر وہ مر جائے، کیا
تم ثواب کی امید رکھتے ہو؟ عرض کیا گیا کہ بیشک امید ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں تم
نے اس کو پیدا کیا؟ تم نے اس کو ہدایت کی تھی؟ تم نے اس کو روزی دی تھی؟ بلکہ اللہ ہی نے
پیدا کیا ہے، اسی نے ہدایت دی ہے، وہی روزی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح صحبت سے تم نطفہ
کو حلال جگہ رکھتے ہو، پھر اللہ کے قبضہ میں ہے کہ چاہے اس کو زندہ کرے کہ اس سے اولاد
پیدا کر دے یا مردہ کرے کہ اولاد پیدا نہ ہو۔ اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ یہ اجر و ثواب بچہ
کے پیدا ہونے کا سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي دُبُرِ
كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللَّهَ
ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا
وَوَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، وَقَالَ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص
ہر نماز کے بعد ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ تینتیس
مرتبہ۔ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ تینتیس مرتبہ۔
”اللَّهُ أَكْبَرُ“ تینتیس مرتبہ اور ایک مرتبہ
”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“

تَمَامُ الْمِائَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى
لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ پڑھے۔ اس کے گناہ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ اتنی کثرت
وَأَنَّ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ) سے ہوں جتنے سمندر کے جھاگ۔

مسلم، کذا فی المشکوۃ، وکذا فی مسند احمد

ف: خطایا کی مغفرت کے بارہ میں پہلے کئی حدیثوں کے تحت میں بحث گذر چکی ہے کہ ان خطایا سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہ ہیں۔ اس حدیث میں تین کلمے تینتیس، تینتیس، تینتیس اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اس سے اگلی حدیث میں دو کلمے تینتیس، تینتیس مرتبہ اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ چونتیس مرتبہ آ رہا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم کو حضور اقدس ﷺ نے ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ ہر ایک کو تینتیس مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ ایک انصاری نے خواب میں دیکھا کوئی شخص کہتا ہے کہ ہر ایک کلمہ کو پچیس مرتبہ کر لو اور ان کے ساتھ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پچیس مرتبہ اضافہ کر لو، حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا گیا۔ حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور اس کی اجازت فرمادی کہ ایسا ہی کر لیا جائے۔ ایک حدیث میں ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ“ کلمہ کو ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ کا حکم ہے اور ایک حدیث میں دس، دس، مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ دس مرتبہ، باقی تینوں کلمے ہر ایک تینتیس مرتبہ۔ ایک حدیث میں ہر نماز کے بعد چاروں کلمے سو، سو، سو مرتبہ وارد ہوئے ہیں جیسا کہ ”حُصْنِ حَصِين“ میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف بظاہر حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ آدمی فراغت اور مشاغل کے اعتبار سے مختلف ہیں، جو لوگ دوسرے ضروری کاموں میں مشغول ہیں ان کے لئے کم مقدار تجویز فرمائی، اور جو لوگ فارغ ہیں ان کے لئے زیادہ مقدار، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ جو عدد احادیث میں مذکور ہیں ان کی رعایت ضروری ہے کہ جو چیز دوا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے اس میں مقدار کی رعایت بھی اہم ہے۔

(۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مُعَقَّبَاتٌ لَا يَحِيبُ قَاتِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ ذُبُرُ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ: ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَسْبِيحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ تَحْمِيدَةً، وَارْبَعٌ وَثَلَاثُونَ تَكْبِيرَةً.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ چند پیچھے آنے والے (کلمات) ایسے ہیں جن کا کہنے والا ناکام نہیں ہوتا، وہ یہ ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللَّهِ، تینتیس مرتبہ الْحَمْدُ لِلَّهِ، چونتیس مرتبہ اللَّهُ أَكْبَرُ۔

(رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ و عزاء السیوطی فی الجامع إلی أحمد و مسلم و الترمذی و النسائی و رقم له بالضعف، و فی الباب عن أبی الدرداء عند الطبرانی)

ف: ان کلمات کو پیچھے آنے والے یا تو اس وجہ سے فرمایا کہ یہ نمازوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ گناہوں کے بعد پڑھنے سے ان کو دھونے اور مٹا دینے والے ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ کلمات ایک دوسرے کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نمازوں کے بعد سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، تینتیس، تینتیس بار، اور اللَّهُ أَكْبَرُ چونتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

(۱۰) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَفَعَهُ: أَمَا يَسْتَطِيعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَعْمَلَ كُلَّ يَوْمٍ مِثْلَ أَحَدٍ عَمَلًا؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَنْ يَسْتَطِيعُ؟ قَالَ: كُلُّكُمْ يَسْتَطِيعُ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَاذَا؟ قَالَ: "سُبْحَانَ اللَّهِ" أَعْظَمُ مِنْ أَحَدٍ وَ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" أَعْظَمُ مِنْ أَحَدٍ وَ "الْحَمْدُ لِلَّهِ" أَعْظَمُ مِنْ أَحَدٍ وَ "اللَّهُ أَكْبَرُ" أَعْظَمُ مِنْ أَحَدٍ. (للکبیر و البزار کذا فی جمع الفوائد، الیہما عزاء فی الحصن و مجمع الزوائد)

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ روزانہ احد (جو مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) کے برابر عمل کر لیا کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟ (کہ اتنے بڑے پہاڑ کے برابر عمل کرے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص طاقت رکھتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اس کی کیا صورت ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "سُبْحَانَ اللَّهِ" کا

وقال: رجالها رجال الصحيح)
 ثواب اُحد سے زیادہ ہے، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“
 کا اُحد سے زیادہ ہے، ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کا اُحد سے زیادہ ہے، ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کا اُحد
 سے زیادہ ہے۔

ف: یعنی ان کلموں میں سے ہر کلمہ ایسا ہے جس کا ثواب اُحد پہاڑ سے زیادہ ہے اور
 ایک پہاڑ کیا، نامعلوم کتنے ایسے پہاڑوں سے زیادہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”سُبْحَانَ
 اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سارے آسمانوں اور زمینوں کو ثواب سے بھر دیتے ہیں۔ ایک حدیث
 میں آیا ہے کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ کا ثواب آدھی ترازو ہے، اور ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اس کو پُر کر
 دیتی ہے اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ آسمان زمین کے درمیان کو پُر کر دیتی ہے۔ ایک حدیث میں
 حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ
 إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ“ مجھے ہر اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر آفتاب نکلے۔
 ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ساری ہی دنیا اللہ کے واسطے خرچ کر دوں تو
 اس سے بھی یہ زیادہ محبوب ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی تخت پر تشریف
 لے جا رہے تھے، پرندے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے اور جن و انس وغیرہ لشکر در قطار۔
 ایک عابد پر گذر ہوا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس وسعتِ ملکی اور عمومِ سلطنت کی
 تعریف کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے اعمال نامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد
 کے سارے ملک سے اچھی ہے کہ یہ ملک فنا ہو جائے گا اور تسبیح باقی رہنے والی چیز ہے۔

(۱۱) عَنْ أَبِي سَلَامٍ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: بَخَّ بَخَّ!!
 خَمْسٌ مَا أَثْقَلَهُنَّ فِي الْمِيزَانِ: لَا إِلَهَ
 إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ،
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفَّى
 لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فَيُحْتَسِبُ.
 ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد
 فرمایا کہ واہ واہ!! پانچ چیزیں (اعمالِ نامہ
 ثلنے کی) ترازو میں کتنی زیادہ وزنی ہیں: لَا
 إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللَّهِ،
 الْحَمْدُ لِلَّهِ اور وہ بچہ جو مر جائے اور باپ
 (اسی طرح ماں بھی) اس پر صبر کرے۔

(الحديث أخرجه أحمد في مسنده، ورجاله ثقات، كما في مجمع الزوائد، والحاكم وقال: صحيح الإسناد،

واقره عليه الذهبي، وذكره في الجامع الصغير برواية البزار عن ثوبان، ورواية النسائي وابن حبان والحاكم عن أبي سلمى، ورواية أحمد عن أبي أمامة، ورفعه له بالحسن. وذكره في مجمع الزوائد برواية ثوبان وأبي سلمى راعى رسول الله ﷺ، وسفيته، ومولى لرسول الله ﷺ لم يسم، وصحح بعض طرقها.

ف: یہ مضمون کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ نخ نخ!! بڑے سرور اور فرحت کا کلمہ ہے۔ جس چیز کو حضور اقدس ﷺ اس خوشی اور مسرت سے ارشاد فرما رہے ہوں، عطا فرما رہے ہوں، کیا محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے ذمہ نہیں ہے کہ ان کلموں پر مرثیوں کی اس خوشی کی قدر دانی اور اس کا استقبال یہی ہے۔

(۱۲) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ عَنْهُ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قَالَ نُوحٌ لِأَنْبِيَاءِهِ: إِنِّي مُوَصِّيكُ بِوَصِيَّةٍ، وَقَاصِرُهَا لَكُمْ لَا تَنْسَاهَا، أَوْصِيكَ بِأَتْنَيْنِ وَأَنْهَاكَ عَنْ أَتْنَيْنِ: أَمَّا الْأَتْنَى أَوْصِيكَ بِهِمَا فَيَسْتَبْشِرُ اللَّهُ بِهِمَا وَصَالِحُ خَلْقِهِ وَهُمَا يُكْثِرَانِ الْوُلُوجَ عَلَى اللَّهِ، أَوْصِيكَ بِالْإِلَهِ إِلَّا اللَّهَ فَإِنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَوُكَّانَتَا حَلَقَةً قَصَمْتُهُمَا وَلَوْ كَانَتَا فِي كَفَّةٍ وَزَنَّتَهُمَا، وَأَوْصِيكَ بِسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ؛ فَإِنَّهُمَا صَلَوَةُ الْخَلْقِ، وَبِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ "وَأَنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ خَلِيمًا غَفُورًا" (بنی اسرائیل: ۱۰) وَأَمَّا اللَّتَانِ أَنْهَاكَ عَنْهُمَا، فَيَحْتَجِبُ اللَّهُ مِنْهُمَا وَصَالِحُ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اور اس خیال سے کہ بھول نہ جاؤ نہایت مختصر کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دو کام کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ جن دو کاموں کے کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ دونوں ایسے ہیں کہ اللہ جل جلالہ ان سے نہایت خوش ہوتے ہیں اور اللہ کی نیک مخلوق ان سے خوش ہوتی ہے۔ ان دونوں کاموں کی اللہ کے یہاں رسائی (اور مقبولیت) بھی بہت زیادہ ہے، ان دو میں سے ایک "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" ہے کہ اگر تمام آسمان اور زمین ایک حلقہ ہو جائیں تو بھی یہ پاک کلمہ ان کو توڑ کر آسمان پر جائے بغیر نہ رہے اور اگر تمام آسمان اور زمین کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے

میں یہ پاک کلمہ ہو تب بھی وہی پلڑا جھک جائے گا اور دوسرا کام جو کرنا ہے وہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کا پڑھنا ہے کہ یہ کلمہ ساری مخلوق کی عبادت ہے اور اسی کی برکت سے ساری مخلوق کو روزی دی جاتی ہے۔ کوئی بھی چیز مخلوق میں ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر تم لوگ ان کا کلام سمجھتے نہیں ہو اور جن چیزوں سے منع کرتا ہوں وہ شرک اور تکبر ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے اللہ سے حجاب ہوتا ہے اور اللہ کی نیک مخلوق سے حجاب ہو جاتا ہے۔

خَلْقِهِ: اِنَّهَا عَنْ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ. (رواہ النسائی واللفظ لہ، والبیزار والحاکم من حدیث عبد اللہ بن عمرو، وقال: صحیح الاسناد، کذا فی الترغیب وقرئت: وقد تقدم فی بیان التہلیل حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً وتقدم فیہ أيضاً ما فی الباب وتقدم فی الآیات قوله عز اسمه ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ“ (الآیۃ). وَأَخْرَجَ ابْنُ خَرِيزٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَأَبُو الشَّيْخِ فِي الْعُظْمَةِ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوعاً ”إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ نُوحٌ بِأَنَّهُ إِنْ نُوحَا فَاَلْ لَّابَنِي: يَا بَنِي: اْمُرُّكَ اَنْ تَقُولَ: سُبْحَانَ اللَّهِ؛ فَإِنَّهَا صَلَوةُ الْخَلْقِ وَتَسْبِيحُ الْخَلْقِ وَبِهَا يُرَزَقُ الْخَلْقُ“ وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ ابْنِ عُثْمَرَ مَرْفُوعاً ”إِنْ نُوحَا لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ لِابْنَيْهِ: اْمُرُّكُمَا: بِسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ؛ فَإِنَّهَا صَلَوةُ كُلِّ شَيْءٍ وَبِهَا يُرَزَقُ كُلُّ شَيْءٍ“ کذا فی الدرر

ف: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے بیان میں بھی اس حدیث کا مضمون گذر چکا ہے، تسبیح کے متعلق جو ارشاد اس حدیث میں ہے قرآن پاک کی آیات میں بھی گذر چکا ہے: ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ“ قرآن پاک کی آیت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ شبِ معراج میں آسمانوں کی تسبیح حضور اقدس ﷺ نے خود سنی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ایسی جماعت پر گذر ہوا جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر کھڑی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جانوروں کو منبر اور کرسیاں نہ بناؤ، بہت سے جانور سواروں سے بہتر اور ان سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کھیتی بھی تسبیح کرتی ہے اور کھیتی والے لے کر اس کا ثواب ملتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں ٹرید تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھانا تسبیح کر رہا ہے۔ کسی نے عرض کیا: آپ اس کی تسبیح سمجھتے ہیں؟

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ اس کو فلاں شخص کے قریب کر دو، وہ پیالہ اس کے قریب کیا گیا تو انہوں نے بھی تسبیح سنی۔ اس کے بعد یہ پھر ایک تیسرے صاحب کے قریب اسی طرح کیا گیا، انہوں نے بھی سنا۔ کسی نے درخواست کی کہ مجمع کے سب ہی لوگوں کو سنوایا جائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو ان میں سے سنائی نہ دے تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ گناہ گار ہے، اس چیز کا تعلق کشف سے ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تو یہ چیز بدرجہ اتم حاصل تھی اور ہونا چاہئے تھی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بسا اوقات حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت اور انوار قرب کی بدولت یہ چیز حاصل ہو جاتی تھی، سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ صوفیہ کو بھی اکثر یہ چیز مجاہدوں کی کثرت سے حاصل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جمادات اور حیوانات کی تسبیح، ان کا کلام، ان کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں، لیکن محققین مشائخ کے نزدیک چونکہ یہ چیز نہ دلیل کمال ہے نہ موجب قرب، کہ جو بھی اس قسم کے مجاہدے کرتا ہے وہ حاصل کر لیتا ہے، خواہ اس کو حق تعالیٰ شانہ کے یہاں قرب حاصل ہو یا نہ ہو۔ اس لئے محققین اس کو غیر اہم سمجھتے ہیں، بلکہ اس لحاظ سے مضر سمجھتے ہیں کہ جب مبتدی اس میں لگ جاتا ہے تو دنیا کی سیر کا ایک شوق پیدا ہو کر ترقی کے لئے مانع بن جاتا ہے۔ مجھے اپنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خدام کے متعلق معلوم ہے کہ جب ان کو یہ صورت کشف پیدا ہونے لگی تو حضرت نے چند روز کے لئے اہتمام سے سب ذکر شغل چھڑا دیا تھا کہ مبادا یہ حالت ترقی پکڑ جائے۔ اس کے علاوہ یہ حضرات اس لئے بھی بچتے ہیں کہ اس صورت میں دوسروں کے گناہوں کا اظہار ہوتا ہے جو ان حضرات کے لئے تکدر کا سبب ہوتا ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الکبریٰ“ میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تو اس پانی میں جو گناہ دھلتا ہوا نظر آتا اس کو معلوم کر لیتے۔ یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ، مکروہ فعل ہے یا خلاف اولیٰ، جیسا کہ جسی چیزیں نظر آتی ہیں اسی طرح یہ بھی معلوم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کوفہ کی

جامع مسجد کے وضو خانہ میں تشریف فرما تھے، ایک جوان وضو کر رہا تھا۔ اس کے وضو کا پانی گرتے ہوئے آپ نے دیکھا، اس کو چپکے سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لے، اس نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کو دیکھا تو اس کو نصیحت فرمائی کہ بھائی زنا نہ کیا کر، بہت بُرا عیب ہے۔ اس وقت اس نے بھی زنا سے توبہ کی۔ ایک اور شخص کو دیکھا کہ شراب خوری اور لہو و لعب کا پانی گر رہا ہے۔ اس کو بھی نصیحت فرمائی، اس نے بھی توبہ کی۔ الغرض اس کے بعد امام صاحب رحمہ اللہ نے اللہ جلّ جلالہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس چیز کو مجھ سے دور فرما دے کہ میں لوگوں کی برائیوں پر مطلع ہونا نہیں چاہتا۔ حق تعالیٰ شانہ نے دعا قبول فرمائی اور یہ چیز زائل ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اسی زمانہ میں امام صاحب رحمہ اللہ نے مُستعمل پانی کے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیا تھا، کیونکہ جب وہ پانی گندہ اور مُتَعَفِّن نظر آتا تھا تو کیسے اس کو پاک فرماتے؟ مگر جب یہ چیز زائل ہو گئی تو اس کو ناپاک فرمانا بھی چھوڑ دیا۔ ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے خدام میں ایک صاحب تھے جو کئی کئی روز اس وجہ سے استنجا نہیں جاسکتے تھے کہ ہر جگہ انوار نظر آتے تھے، اور بھی سینکڑوں ہزاروں واقعات اس قسم کے ہیں جن میں کسی قسم کے تردد کی گنجائش نہیں کہ جن لوگوں کو کشف سے کوئی حصہ ملتا ہے وہ اس حصہ کے بقدر احوال کو معلوم کر لیتے ہیں۔

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور ضعیف ہوں۔ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ بیٹھے بیٹھے کرتی رہا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ سو مرتبہ پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو غلام عرب آزاد کئے اور ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو گھوڑے مع

(۱۳) عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَرَّبِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَدْ كَبُرْتُ وَضَعُفْتُ، أَوْ كَمَا قَالَتْ، فَمُرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ، وَأَنَا جَالِسَةٌ، قَالَ: سَبِّحِي اللَّهَ مِائَةَ تَسْبِيحَةٍ، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكَ مِائَةَ رَقَبَةٍ تُعَقِّبُهَا مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَاحْمَدِي اللَّهَ مِائَةَ تَحْمِيدَةٍ، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكَ مِائَةَ قَرَسٍ مُسْرَجَةٍ مُلْجَمَةٍ تَحْمِلِينَ عَلَيْهَا فِي

سَبِّلِ اللّٰهَ، وَكَبِّرِ اللّٰهَ مِائَةَ تَكْبِيرَةٍ، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكَ مِائَةَ بَدَنَةٍ مُّقْلَدَةٍ مُّتَقَبِّلَةٍ، وَهَلَّلِي اللّٰهَ مِائَةَ تَهْلِيلَةٍ. قَالَ أَبُو خَلْفٍ: أَحْسِبُهُ قَالَ: "تَمَلُّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَا يُرْفَعُ لِأَحَدٍ عَمَلٌ أَفْضَلُ مِمَّا يُرْفَعُ لَكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ بِمِثْلِ مَا أَتَيْتَ". (رواه أحمد بإسناد حسن، واللفظ له، والنسائي ولم يقل ولا يرفع إلي آخره، والبيهقي بتمامه وابن أبي الدنيا فجعل ثواب الرقاب في التحميد والفرس في التسبيح، وابن ماجة بمعناه باختصار، والطبراني في الكبير بنحو أحمد ولم يقل أحسبه. وفي الأوسط بإسناد حسن بمعناه كذا في الترغيب باختصار. قلت: رواه الحاكم بمعناه وصححه، وعزاه في الجامع الصغير إلى أحمد والطبراني والحاكم ورفعه له بالصححة، وذكره في مجمع الزوائد بطرق وقال: أسانيدهم حسنة. وفي الترغيب أيضاً عن أبي أمامة مرفوعاً بنحو حديث الباب مختصراً. وقال: رواه الطبراني ورواه رواة الصحيح خلا سليم بن عثمان الفوزي يكشف حاله؛ فإنه لا يحضرني الآن، فيه جرح

سامان لگام وغیرہ جہاد میں سواری کے لئے دیدیئے اور "اللّٰهُ أَكْبَرُ" سو مرتبہ پڑھا کرو، یہ ایسا ہے گویا تم نے سواونٹ قربانی میں ذبح کئے اور وہ قبول ہو گئے اور "لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ" سو مرتبہ پڑھا کرو اس کا ثواب تو تمام آسمان زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں جو مقبول ہو۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وظیفہ مختصر سنا بتا دیجئے، زیادہ لمبا نہ ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللّٰهُ أَكْبَرُ" دس مرتبہ پڑھا کرو، اللہ جل ثناؤ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے ہے۔ پھر "سُبْحَانَ اللّٰهِ" دس مرتبہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ پھر یہی فرماتے ہیں کہ یہ میرے لئے ہے، پھر "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي" دس مرتبہ پڑھا کرو، حق تعالیٰ شائد فرماتے ہیں کہ ہاں میں نے مغفرت کر دی۔ دس مرتبہ تم "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي" کہو دس مرتبہ اللہ جل ثناؤ فرماتے ہیں کہ میں نے مغفرت کر دی۔

ولا عدالة. وفي الباب عن سلمى أم بني أبي رافع قالت: يا رسول الله! أخبرني بكلمات ولا تكثر على الحديث مختصراً، وفيه التكبير والتسبيح عشراً وعشراً واللهم اغفر لي عشراً. قال المنذري: رواه الطبراني ورواه محتج بهم في الصحيح. قلت: وبمعناه عن عمر بن شعيب عن أبيه عن خذره مرفوعاً بلفظ "مَنْ سَبَّحَ لِلّٰهِ مِائَةَ بِالْعَدَاةِ وَمِائَةَ بِالنَّعْشَى، كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ" الحديث وجعل فيه التحميد كمن حبل على مائة فرس، والتهليل كمن اعتق

مائة رقية من ولد اسمعيل ذكره في المشكوة برواية الترمذی وقال: حسن غریب

ف: ضعفاء اور بوڑھوں کے لئے بالخصوص عورتوں کے لئے کس قدر سہل اور مختصر چیز حضور اقدس ﷺ نے تجویز فرمادی ہے۔ دیکھیے! ایسی مختصر چیزوں پر جن میں نہ زیادہ مشقت ہے، نہ چلنا پھرنا ہے کتنے بڑے بڑے ثوابوں کا وعدہ ہے۔ کتنی کم نصیبی ہوگی اگر ان کو وصول نہ کیا جائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: کوئی چیز مجھے تعلیم فرما دیجئے جس کے ذریعہ سے نماز میں دعا کیا کروں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ دس، دس مرتبہ پڑھ لیا کرو اور جو چاہے اس کے بعد دعا کیا کرو۔ دوسری حدیث میں اس کے بعد یہ ارشاد ہے کہ جو چاہے دعا کیا کرو، حق تعالیٰ شائے اس دعا پر فرماتے ہیں: ہاں ہاں، میں نے قبول کی کتنے سہل اور معمولی الفاظ ہیں جن کو نہ یاد کرنا پڑتا ہے نہ ان میں کوئی محنت اٹھانی پڑتی ہے، دن بھر ہم لوگ بکواس میں گزار دیتے ہیں، تجارت کے ساتھ دکان پر بیٹھے بیٹھے یا کھیتی کے ساتھ زمین کے انتظامات میں مشغول رہتے ہوئے اگر زبان سے ان تسبیحوں کو پڑھتے رہیں تو دنیا کی کمائی کے ساتھ ہی آخرت کی کتنی بڑی دولت ہاتھ آجائے۔

(۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ، يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَيْنَا حَاجَتُكُمْ، فَيُحْفَوْنَهَا بِأَجْنَحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَإِذَا تَفَرَّقُوا، عَرَجُوا وَصَعِدُوا إِلَى السَّمَاءِ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ: مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ، يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو راستوں وغیرہ میں گشت کرتی رہتی ہے اور جہاں کہیں ان کو اللہ کا ذکر کرنے والے ملتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بلا کر سب جمع ہو جاتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کے گرد آسمان تک جمع ہوتے رہتے ہیں۔ جب وہ مجلس ختم ہو جاتی ہے تو وہ آسمان پر جاتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ باوجود یہ کہ ہر چیز کو جانتے ہیں پھر بھی دریافت فرماتے ہیں کہ تم کہاں

وَيَحْمَدُونَكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي؟
 فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقُولُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟
 فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ
 عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمَجُّدًا، وَكَثْرَ لَكَ
 تَسْبِيحًا، فَيَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونَ؟ فَيَقُولُونَ:
 يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ: وَهَلْ
 رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقُولُ: فَكَيْفَ
 لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا
 كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا
 طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً. قَالَ: فِيمَ
 يَتَعَوَّذُونَ؟ فَيَقُولُونَ: يَتَعَوَّذُونَ مِنَ
 النَّارِ، فَيَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ:
 لَا، فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ:
 لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا،
 وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، فَيَقُولُ: أَشْهَدُكُمْ
 أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَيَقُولُ مَلِكٌ مِنَ
 الْمَلَائِكَةِ: فَلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ
 لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمْ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ
 جَلِيسُهُمْ.

(رواه البخاری ومسلم والبيهقي في الاسماء،

والصفات كذا في الدر والمثكوة)

عرض کرتے ہیں کہ جہنم سے پناہ مانگ رہے
 تھے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے جہنم کو
 دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر دیکھتے تو کیا ہوتا؟
 عرض کرتے ہیں: اور بھی زیادہ اس سے بھاگتے اور بچنے کی کوشش کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اچھا تم گواہ رہو کہ میں نے اس مجلس والوں کو سب کو بخش دیا۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: یا اللہ! فلاں شخص اس مجلس میں اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا وہ اس مجلس کا شریک نہیں تھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جماعت ایسی مبارک ہے کہ ان کا پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ (لہذا اس کو بھی بخش دیا)۔

ف: اس قسم کا مضمون متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت ذکر کی مجالس اور ذکر کرنے والی جماعتوں اور افراد کی تلاش میں رہتی ہے اور جہاں مل جاتی ہے ان کے پاس یہ جماعت بیٹھتی ہے، ان کا ذکر سنتی ہے۔ چنانچہ پہلے باب کی حدیث نمبر ۸ میں یہ مضمون گزر چکا ہے اور اس میں یہ گزر چکا ہے کہ فرشتوں سے تفاخر کے طور پر اللہ جلّ جلالہ اس کا ذکر کیوں فرماتے ہیں۔ فرشتہ کا یہ عرض کرنا کہ ایک شخص مجلس میں ایسا بھی تھا کہ جو اپنی ضرورت سے آیا تھا واقعہ کا اظہار ہے کہ اس وقت یہ حضرات بمنزلہ گواہوں کے ہیں اور ان لوگوں کی عبادت اور ذکر اللہ میں مشغولی کی گواہی دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے اظہار کی ضرورت پیش آئی کہ مبادا اعتراض ہو جائے، لیکن یہ اللہ کا لطف ہے کہ ذاکرین کی برکت سے ان کے پاس اپنی ضرورت سے بیٹھنے والے کو بھی محروم نہ فرمایا۔ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“ (التوبہ: ۱۱۹) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ صوفیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ جلالہ کے ساتھ رہو اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر ان لوگوں کے ساتھ رہو جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے۔ جو وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اس کو دیتا ہوں۔ ہاتھ پاؤں بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر کام اللہ کی رضا اور محبت کے ذیل

میں ہوتا ہے۔ اس کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ صوفیہ کے احوال اور ان کے واقعات جو کثرت سے تواریخ میں موجود ہیں، وہ اس کے شاہدِ عدل ہیں اور وہ اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کے انکار کی بھی گنجائش نہیں۔ ایک رسالہ اس باب میں ”نزہۃ البساتین“ کے نام سے مشہور ہے جس سے اس قسم کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔

شیخ ابو بکر کتانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں چند صوفیہ کا اجتماع تھا جن میں سب سے کم عمر جنید بغدادی رحمہ اللہ تھے۔ اس مجمع میں محبتِ الہی پر بحث شروع ہوئی کہ محبت کون ہے؟ مختلف حضرات مختلف ارشادات فرماتے رہے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ چپ رہے، ان حضرات نے ان سے فرمایا کہ تم بھی کچھ کہو۔ اس پر انہوں نے سر جھکا کر روتے ہوئے فرمایا کہ عاشق وہ ہے جو اپنی خودی سے جاتا رہے، خدا کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہو اور اس کا حق ادا کرتا ہو، دل سے اللہ کی طرف دیکھتا ہو، اس کے دل کو انوارِ ہیبت نے جلا دیا ہو۔ اس کے لئے خدا کا ذکر شراب کا پیالہ ہو، اگر کلام کرتا ہو تو اللہ ہی کا کلام ہو۔ گویا حق تعالیٰ شانہ ہی اس کی زبان سے کلام فرماتا ہے، اگر حرکت کرتا ہو تو اللہ ہی کے حکم سے، اگر تسکین پاتا ہو تو اللہ ہی کے ساتھ، اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر کھانا، پینا، سونا، جاگنا سب کا روبرو اللہ ہی کی رضا کے واسطے ہو جاتے ہیں۔ نہ دنیا کا رسم و رواج قابلِ التفات رہتا ہے، نہ لوگوں کی طعن و تشنیع قابلِ وقعت۔

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں، بڑے محدثین میں شمار ہیں ان کی خدمت میں ایک شخص عبد اللہ بن ابی وداۃ رحمہ اللہ کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند روز حاضر نہ ہو سکے۔ کئی روز کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت سعید رحمہ اللہ نے دریافت فرمایا: کہاں تھے؟ عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے مشاغل میں پھنسا رہا۔ فرمایا: ہم کو خبر نہ کی، ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ کر آنے لگا، فرمایا: دوسرا نکاح کر لیا؟ میں نے عرض کیا: حضرت مجھ سے کون نکاح کرے گا؟ دو تین آنے کی میری حیثیت ہے، آپ نے فرمایا: ہم کر دیں گے اور یہ کہہ کر خطبہ پڑھا اور اپنی بیٹی کا نکاح نہایت معمولی مہر آٹھ دس آنہ پر مجھ سے کر دیا۔ (اتنی مقدار مہر کی ان کے نزدیک

جائز ہوگی جیسا کہ بعض اماموں کا مذہب ہے، حنفیہ کے نزدیک ڈھائی روپے سے کم جائز نہیں) نکاح کے بعد میں اٹھا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مجھے کس قدر مسرت تھی۔ خوشی میں سوچ رہا تھا کہ رخصتی کے انتظام کے لئے کس سے قرض مانگو، کیا کروں۔ اسی فکر میں شام ہو گئی۔ میرا روزہ تھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز کے بعد گھر آیا، چراغ جلایا، روٹی اور زیتون کا تیل موجود تھا، اس کو کھانے لگا کہ کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا: سعید ہے۔ میں سوچنے لگا کہ کون سعید ہے۔ حضرت کی طرف میرا خیال بھی نہ گیا کہ چالیس برس سے اپنے گھر یا مسجد کے سوا کہیں آنا جانا تھا ہی نہیں۔ باہر آ کر دیکھا کہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے عرض کیا: آپ نے مجھے نہ بلا لیا؟ فرمایا: میرا ہی آنا مناسب تھا۔ میں نے عرض کیا: کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: مجھے یہ خیال آیا کہ اب تمہارا نکاح ہو چکا ہے، تنہا رات کو سونا مناسب نہیں، اس لئے تمہاری بیوی کو لایا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی لڑکی کو دروازہ کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر کے چلے گئے، وہ لڑکی شرم کی وجہ سے گر گئی۔ میں نے اندر سے کواڑ بند کئے اور وہ روٹی اور تیل جو چراغ کے سامنے رکھا تھا وہاں سے ہٹا دیا کہ اس کی نظر نہ پڑے اور مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے تو میں نے کہا کہ حضرت سعید نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے اور اس وقت وہ اس کو خود ہی پہنچا گئے ہیں۔ سب کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے: واقعی وہ تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اس کا چرچا ہوا۔ میری والدہ کو خبر ہوئی وہ بھی اسی وقت آ گئیں اور کہنے لگیں: اگر تین دن تک تو نے اس کو چھیڑا تو تیرا منہ نہ دیکھوں گی۔ ہم تین دن میں اس کی تیاری کر لیں۔ تین دن کے بعد جب میں اس لڑکی سے ملا تو دیکھا نہایت خوبصورت، قرآن شریف کی بھی حافظہ اور سنت رسول سے بھی بہت زیادہ واقف۔ شوہر کے حقوق سے بھی بہت زیادہ باخبر۔

ایک مہینہ تک نہ تو حضرت سعید میرے پاس آئے، نہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ ایک ماہ کے بعد میں حاضر ہوا تو وہاں مجمع تھا، میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ جب سب چلے گئے تو فرمایا: اس آدمی کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا نہایت بہتر ہے کہ دوست دیکھ کر خوش ہوں، دشمن

۱۔ چاندی کے روپے مراد ہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اور ایک درہم کی مقدار ۳ ماشہ ایک رتی اور ۵/۱ رتی چاندی کے برابر ہے)۔ از صبح

جلس۔ فرمایا: اگر کوئی بات ناگوار ہو تو لکڑی سے خبر لینا۔ میں واپس آ گیا تو ایک آدمی کو بھیجا جو بیس ہزار درہم (تقریباً پانچ ہزار روپے) مجھے دے گیا۔ اس لڑکی کو عبد الملک بن مروان بادشاہ نے اپنے بیٹے ولید کے لئے جوئی عہد بھی تھا مانگا تھا، مگر حضرت سعید بن العاص نے عذر کر دیا تھا جس کی وجہ سے عبد الملک ناراض بھی ہوا اور ایک حیلہ سے حضرت سعید بن العاص کے سو کوڑے سخت سردی میں لگوائے اور پانی کا گھڑا ان پر گروایا۔

(۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، كَتَبْتُ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ، وَمَنْ أَعَانَ عَلَى اخْتِصَامَةٍ بَاطِلٍ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللَّهِ حَتَّى يَنْزِعَ، وَمَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدِّ مَنْ حَذَّوْدِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ فِي أَمْرِهِ، وَمَنْ بَهَّتْ مُؤْمِنًا أَوْ مُؤْمِنَةً حَبَسَهُ اللَّهُ فِي رَدْعَةِ الْخَبَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ وَ لَيْسَ بِخَارِجٍ. (رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط، ورجالہما رجال الصحیح، کذا فی مجمع الزوائد، قلت: أخرجه

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ پڑھے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔ اور جو شخص کسی جھگڑے میں ناحق کی حمایت کرتا ہے وہ اللہ کے غصہ میں رہتا ہے جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے اور جو اللہ کی کسی سزا میں سفارش کرے (اور شرعی سزا کے ملنے میں حارج ہو) وہ اللہ کا مقابلہ کرتا ہے، اور جو شخص کسی مومن مرد یا عورت پر بہتان بات دے وہ قیامت کے دن ”رَدْعَةُ الْخَبَالِ“ میں قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ اس بہتان سے نکلے اور کس طرح اس سے نکل سکتا ہے۔

أبو داود بدون ذکر التسیح فیہ)

ف: ناحق کی حمایت آج کل ہماری طبیعت بن گئی ہے۔ ایک چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم غلطی پر ہیں مگر رشتہ داروں کی طرف داری ہے، پارٹی کا سوال ہے۔ لاکھ اللہ کے غصہ میں داخل ہوں، اللہ کی ناراضگی ہو، اس کا عتاب ہو، مگر کنبہ برادری کی بات کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ ہم اس ناحق کرنے والے کو ٹوک نہ سکیں اور سکوت کریں، یہ بھی نہیں، بلکہ ہر طرح

سے اس کی حمایت کریں گے۔ اگر اس پر کوئی دوسرا مطالبہ کرنے والا کھڑا ہو تو اس کا مقابلہ کریں گے۔ کسی دوست نے چوری کی، ظلم کیا، عیاشی کی اس کے حوصلے بلند کریں گے، اس کی ہر طرح مدد کریں گے، کیا یہی ہے ہمارے ایمان کا مقتضا؟ یہی ہے دین داری؟ اسی پر اسلام کے ساتھ ہم فخر کرتے ہیں یا اپنے اسلام کو دوسروں کی نگاہ میں بھی بدنام کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں خود بھی ذلیل ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص عَصَبِیَّت پر کسی کو بلائے یا عَصَبِیَّت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عَصَبِیَّت سے یہ مراد ہے کہ ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔ ”رُوْعَةُ الْخُبَالِ“ وہ کچھڑ ہے جو جہنمی لوگوں کے لہو پیپ وغیرہ سے جمع ہو جائے۔ کس قدر گندی اور اذیت دینے والی جگہ ہے جس میں ایسے لوگوں کو قید کر دیا جائے گا جو مسلمانوں پر بہتان باندھتے ہوں۔ آج دنیا میں بہت سرسری معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق جو چاہا منہ بھر کہہ دیا۔ کل جب زبان سے کہی ہوئی ہر بات کو ثابت کرنا پڑے گا اور ثبوت بھی وہی جو شرعاً معتبر ہو، دنیا کی طرح نہیں کہ چرب لسانی اور جھوٹی باتیں ملا کر دوسرے کو چپ کر دیا جائے، اس وقت آنکھیں کھلیں گی، ہم نے کیا کہا تھا اور کیا نکلا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی بعض کلام زبان سے ایسا نکالتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا، لیکن اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آدمی بعضے بات صرف اس وجہ سے کہتا ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے لیکن اس کی وجہ سے اتنی دور (جہنم میں) پھینک دیا جاتا ہے جتنی دور آسمان سے زمین ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ سخت ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کو کسی گناہ سے عار دلاوے وہ خود مرنے سے پہلے اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ مراد ہے جس سے گناہ گار توبہ کر چکا ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر کھینچتے تھے کہ تیری بدولت ہم ہلاکتوں میں پڑتے ہیں۔ ابن المنکدر رحمہ اللہ علیہ مشہور محدثین میں ہیں اور تابعی ہیں، انتقال کے وقت رونے لگے۔ کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمانے لگے: مجھے کوئی گناہ تو ایسا معلوم نہیں جو میں نے کیا ہو، اس پر روتا ہوں کہ کوئی بات ایسی ہو گئی ہو جس کو میں نے

سرسری سمجھا ہوا روہ اللہ کے نزدیک سخت ہو۔

(۱۶) عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ بِأَخِرِهِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ مِنَ الْمَجْلِسِ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ پڑھا کرتے۔ کسی نے عرض کیا کہ آج کل ایک دعا کا معمول حضور ﷺ کا ہے، پہلے تو یہ معمول نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مجلس کا کفارہ ہے۔ دوسری روایت میں بھی یہ قصہ مذکور ہے۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ کلمات مجلس کا کفارہ ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے بتائے ہیں۔

(رواہ ابن ابی شیبہ و أبو داود والنسائی والحاکم و ابن مردويه، کذا فی الدرر وغیرہ أيضًا بروایة ابن ابی شیبہ عن ابی العالیة بزيادة ”عَلَّمَنِيَهُنَّ جِبْرِيلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ“)

ف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی مجلس سے اٹھتے تو ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبِّي وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ پڑھتے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس دعا کو بڑی کثرت سے پڑھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجلس کے ختم پر اس کو پڑھ لیا کرے تو مجلس میں جو لغزشیں اس سے ہوئی ہوں وہ سب معاف ہو جائیں گی۔ مجالس میں عموماً فضول باتیں، بے کار تذکرے ہو ہی جاتے ہیں۔ کتنی مختصر دعا ہے اگر کوئی شخص ان دعاؤں میں سے کوئی سی ایک دعا پڑھ لے تو مجلس کے وبال سے خلاصی پاسکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے کیسی کیسی سہولتیں مرحمت فرمائی ہیں۔

(۱۷) عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں یعنی

”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھتے ہیں تو یہ کلمات عرش کے چاروں طرف گشت لگاتے ہیں کہ ان کے لئے ہلکی سی آواز (بھنبھناہٹ) ہوتی ہے اور اپنے پڑھنے والے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارا تذکرہ کرنے والا اللہ کے پاس موجود ہو جو تمہارا ذکر خیر کرتا رہے۔

مِنْ جَلَالِ اللَّهِ مِنْ تَسْبِيحِهِ وَتَكْبِيرِهِ وَتَهْلِيلِهِ، يَتَعَاطَفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ، لَهُنَّ دَوِيُّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَذْكُرْنَ بِصَاحِبِهِنَّ، إِلَّا يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ لَا يَزَالَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ شَيْءٌ يَذْكُرُ بِهِ. (رواہ أحمد والحاكم وقال: صحيح الإسناد، قال الذهبي: موسى بن سالم، قال أبو حاتم: مكرّر الحديث، ولفظ الحاكم: كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَقْنُنُ لِصَاحِبِهِنَّ) وأخرجه

بسنن آخر وصححه على شرط مسلم، وأقره عليه الذهبي وفيه: ”كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَذْكُرْنَ بِصَاحِبِهِنَّ“

ف: جو لوگ حکام رس ہیں، کرسی نشین کہلاتے ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ بادشاہ نہیں، وزیر نہیں، وائسرائے کو بھی چھوڑ دیجئے، کسی گورنر کے یہاں ان کی تعریف ہو جائے ان کا ذکر خیر آجائے پھولے نہیں سماتے، دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے، حالانکہ اس تذکرہ سے نہ تو دین کا نفع نہ دنیا کا۔ دین کا نفع نہ ہونا تو ظاہر اور کھلا ہوا ہے اور دنیا کا نفع نہ ہونا اس وجہ سے کہ شاید جتنا نفع اس قسم کے تذکروں سے ہوتا ہو اس سے زیادہ نقصان اس نوع کے مرتبے اور تذکرے حاصل کرنے میں پہنچ جاتا ہے۔ جائدادیں فروخت کر کے، سودی قرض لے کر ایسے مرتبے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مفت کی عداوتیں مول لی جاتی ہیں اور ہر قسم کی ذلتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ الیکشنوں کے منظر سب کے سامنے ہیں کہ کیا کیا کرنا پڑتا ہے، اس کے بالمقابل اللہ جلّ جلالہ کے عرش پر تذکرہ، مالک الملک کے حضور میں تذکرہ، اس پاک ذات کے یہاں تذکرہ جس کے قبضہ میں دین و دنیا اور سارے جہانوں کی ہر چیز ہے۔ اس قدرت والے کے یہاں تذکرہ جس کے قبضہ میں بادشاہوں کے دل ہیں، حاکموں کے اختیارات اس کے اختیار میں ہیں، نفع اور نقصان کا واحد مالک وہی ہے۔ سارے جہان کے تمام آدمی، حاکم و محکوم، بادشاہ و رعایا کسی کو نقصان پہنچانا چاہیں اور مالک الملک نہ چاہے تو کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ساری مخلوق کسی کو نفع پہنچانا چاہے اور اس کی رضا نہ ہو تو ایک قطرہ

پانی کا نہیں پلا سکتی۔ ایسی پاک ذات کے یہاں اپنا ذکر خیر ہو، کوئی دولت دنیا کی اس کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ کوئی عزت دنیا کی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کی برابری کر سکتی ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی عزت کو اگر موقع سمجھا جائے تو کیا اپنے اوپر ظلم نہیں؟

(۱۸) عَنْ يُسَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ، قَالَتْ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّقْدِيسِ، وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ؛ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ، وَلَا تَغْفُلْنَ فَتُنْسِينَ الرَّحْمَةَ. (رواه الترمذی و أبو داود، کذا فی مشکوٰۃ، وفی المنہل أخرجه أيضاً أحمد والحاكم. وقال الذهبي في تلخيصه: صحيح، كذا رقم له بالصحة في الجامع الصغير وبسط صاحب الاتحاف في تخریجه، وقال عبد الله بن عمرو "وَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَعْقِدُ التَّسْبِيحَ" رواه أبو داود والنسائي والترمذی وحسنه الحاكم، كذا فی الاتحاف وبسط فی تخریجه، ثم قال: قال الحافظ: معنى العقد المذكور في الحديث احصاء العدد، وهو اصطلاح العرب بوضع بعض الانامل

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا جو ہجرت کرنے والی صحابیات میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر تسبیح (سُبْحَانَ اللَّهِ کہنا) اور تہلیل (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنا) اور تقدیس (سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ پڑھنا، یا "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" کہنا لازم کرلو، اور انگلیوں پر گنا کرو اس لئے کہ انگلیوں سے قیامت میں سوال کیا جاوے گا) اور ان سے جواب طلب کیا جائے گا کہ کیا عمل کئے اور جواب میں) گویائی دی جائے گی، اور اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرنا) اگر ایسا کرو گی تو اللہ کی رحمت سے محروم کر دی جاوے گی۔

على بعض عقد انملة اخرى، فالاحاد والعشرات باليمين والمئون والالاف باليسار.)

ف: قیامت میں آدمی کے بدن سے، اس کے ہاتھ پاؤں سے بھی سوال ہوگا کہ ہر ہر حصہ بدن نے کیا کیا نیک کام کئے اور کیا کیا ناجائز اور برے کام کئے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے: ایک جگہ ارشاد ہے: "يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ

وَأَيِّدِيهِمْ“ الایۃ (النور: ۲۴) جس روز ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کاموں کی (یعنی گناہوں کی) جن کو یہ کرتے تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ“ الایۃ (خم السجدہ: ۱۹) اس جگہ کئی آیتوں میں اس کا ذکر ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ جس دن (حشر میں) اللہ کے دشمن جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے، پھر ان کو ایک جگہ روک دیا جائے گا، پھر سب کے سب اس جہنم کے قریب آجائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں، ان کی کھالیں ان پر گواہیاں دیں گے (اور بتائیں گی) کہ ہمارے ذریعہ سے اس شخص نے کیا کیا گناہ کئے۔ اس وقت وہ لوگ (تعجب سے) ان سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ (ہم تو دنیا میں تمہاری ہی لذت اور راحت کے واسطے گناہ کرتے تھے)۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس پاک اللہ نے گویائی عطا کی جس نے سب چیزوں کو گویائی عطا فرمائی، اسی نے تم کو بھی اول پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس اب تم لوٹائے گئے ہو۔ احادیث میں اس گواہی کے متعدد واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن کافر باوجودیکہ اپنی بد اعمالیوں کو جانتا ہوگا پھر بھی انکار کرے گا کہ میں نے گناہ نہیں کئے، اس سے کہا جائے گا کہ یہ تیرے پڑوسی تجھ پر گواہی دیتے ہیں، وہ کہے گا کہ یہ لوگ دشمنی سے جھوٹ بولتے ہیں، پھر کہا جاوے گا کہ تیرے عزیز واقارب گواہی دیتے ہیں وہ ان کو بھی جھٹلائے گا تو اس کے اعضاء کو گواہ بنایا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے ران گواہی دے گی کہ کیا کیا بد اعمالیاں اس سے کرائی گئی تھیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ پل صراط سے آخری گزرنے والا اس طرح گرتا پڑتا گذرے گا جیسے کہ بچہ جب اس کو باپ مار رہا ہو کہ وہ کبھی ادھر گرتا ہے کبھی اُدھر۔ فرشتے اس سے کہیں گے کہ اچھا! اگر تو سیدھا چل کر پل صراط سے گذر جائے تو اپنے سب اعمال بتا دے گا۔ وہ اس کا وعدہ کرے گا کہ میں سچ مچ سب بتا دوں گا اور اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہے گا کہ کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ وہ کہیں گے کہ اچھا! سیدھا کھڑا ہو جا اور چل، وہ سہولت سے پل صراط پر گذر جائے گا اور پار ہو جانے کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ اچھا! اب بتا۔ وہ

سوچے گا کہ اگر میں نے اقرار کر لیا تو ایسا نہ ہو کہ مجھ کو واپس کر دیا جائے۔ اس لئے صاف انکار کر دے گا کہ میں نے کوئی برا عمل نہیں کیا، فرشتے کہیں گے کہ اچھا! اگر ہم نے گواہ پیش کر دیئے تو وہ ادھر ادھر دیکھے گا کہ کوئی آدمی آس پاس نہیں۔ اس کو خیال ہو گا کہ اب گواہ کہاں سے آئیں گے، سب اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے کہے گا کہ اچھا لاؤ گواہ، تو اس کے اعضاء کو حکم کیا جائے گا اور وہ کہنا شروع کریں گے تو مجبوراً اس کو اقرار کرنا پڑے گا اور کہے گا کہ بے شک ابھی اور بھی بہت سے مہلک گناہ بیان کرنا باقی ہیں، تو ارشاد ہو گا کہ اچھا ہم نے مغفرت کر دی۔

غرض ان وجوہ سے ضرورت ہے کہ آدمی کے اعضاء سے نیک کام بھی بکثرت ہوں تاکہ گواہ دونوں قسم کے مل سکیں۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث بالا میں انگلیوں پر شمار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے دوسری احادیث میں مسجد میں کثرت سے آنے جانے کا حکم ہے کہ نشانات قدم بھی گواہی دیں گے اور ان کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے برائی کا گواہ کوئی بھی نہ ہو کہ گناہ کئے ہی نہیں یا توبہ وغیرہ سے معاف ہو گئے اور بھلائی اور نیکی کے گواہ سینکڑوں ہزاروں ہوں جس کی سہل ترین صورت یہ ہے کہ جب کوئی گناہ صادر ہو جائے فوراً توبہ سے اس کو محو کر ڈالیں کہ پھر وہ کالعدم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ باب دوم فصل سوم حدیث نمبر ۳۳ کے تحت گذر چکا ہے اور نیکیاں اعمال ناموں میں باقی رہیں جس کے گواہ بھی موجود ہوں اور جن جن اعضاء سے یہ نیک اعمال کئے ہیں وہ سب گواہی دیں۔ متعدد احادیث میں خود نبی اکرم ﷺ کا انگلیوں پر گننا مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ (انگلیوں پر) تسبیح گنتے تھے۔ اس کے بعد حدیث بالا میں اللہ کے ذکر سے غفلت پر رحمت الہیہ سے محروم کئے جانے کی وعید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم رہتے ہیں وہ اللہ کی رحمت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو، میں (رحمت کے ساتھ) تمہارا ذکر کروں گا۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی یاد کو بندہ کی یاد پر مرتب فرمایا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ”وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ

الرَّحْمَنِ نَقِصُ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝“ (الزخرف: ۳۷) اور جو شخص اللہ کے ذکر سے (خواہ کسی قسم کا ہو قرآن پاک ہو یا کسی اور قسم کا جان بوجھ کر) اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں۔ پس وہ شیطان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر سب کے سب ان لوگوں کو (جو اللہ کے ذکر سے اندھے بن گئے ہیں سیدھے) راستہ سے ہٹاتے رہتے ہیں اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہے۔ کافر کے ساتھ تو وہ ہر وقت شریک حال رہتا ہے۔ کھانے میں بھی، پینے میں بھی، سونے میں بھی، لیکن مومن سے ذرا دور رہتا ہے اور ہر وقت منتظر رہتا ہے۔ جب اس کو ذرا غافل پاتا ہے فوراً اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ“ اِلیٰ آخر السورۃ (المنافقون: ۹) اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (اور اسی طرح دوسری چیزیں) اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ (مال و دولت) عطا کر رکھا ہے اس میں سے (اللہ کے راستہ میں) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور پھر (حسرت و افسوس سے) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے کچھ دنوں اور مہلت کیوں نہ دی تا کہ میں خیرات کر لیتا اور نیک بندوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ جل جلالہ کسی شخص کو بھی موت کا وقت آجانے کے بعد مہلت نہیں دیتے اور اللہ کو تمہارے سارے اعمال کی پوری پوری خبر ہے (جیسا کرو گے، بھلا یا برا، ویسا ہی پاؤ گے) اللہ جل شانہ کے ایسے بھی بندے ہیں جن کو کسی وقت بھی غفلت نہیں ہوتی۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک مجنون شخص ہے، لڑکے اس کے ڈھیلے مار رہے ہیں۔ میں نے ان کو دھمکایا۔ وہ لڑکے کہنے لگے کہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ میں اس کے قریب گیا تو وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ میں نے غور سے سنا تو وہ کہہ رہا تھا کہ تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پر مسلط کر دیا۔ میں نے کہا: یہ لڑکے تجھ پر ایک تہمت لگاتے ہیں،

کہنے لگا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ کہتے ہیں کہ تم خدا کو دیکھنے کے مدعی ہو۔ یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور یہ کہا: شبلی! اس ذات کی قسم جس نے اپنی محبت میں مجھ کو شکستہ حال بنا رکھا ہے اور اپنے قرب و بعد میں مجھ کو بھٹکا رکھا ہے، اگر تھوڑی دیر بھی وہ مجھ سے غائب ہو جائے (یعنی حضوری حاصل نہ رہے) تو میں دردِ فراق سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ مجھ سے منہ موڑ کر یہ شعر پڑھتا ہوا بھاگ گیا۔

حَيَا لَكَ فِي عَيْنِي وَذِكْرُكَ فِي فَمِي وَمَثْوَاكَ فِي قَلْبِي فَأَيْنَ تَغِيبُ

تیری صورت میری نگاہ میں جمی رہتی ہے اور تیرا ذکر میری زبان پر ہر وقت رہتا ہے۔
تیرا ٹھکانا میرا دل ہے، پس تو کہاں غائب ہو سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو کسی نے کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ تلقین کیا، فرمانے لگے میں کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولا (یعنی یاد تو اس کو دلاؤ جس کو کسی وقت بھی غفلت ہوئی ہو)۔ حضرت تمشاد وینوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ ہیں جس وقت ان کا انتقال ہونے لگا تو کسی پاس بیٹھنے والے نے دعا کی: حق تعالیٰ شانہ! آپ کو (جنت کی) فلاں فلاں دولت عطا فرمائیں تو ہنس پڑے فرمانے لگے: تمیں برس سے جنت اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ میرے سامنے ظاہر ہوتی رہی ہے، ایک دفعہ بھی تو (اللہ جل ثنا کی طرف سے توجہ ہٹا کر) ادھر توجہ نہیں کی ہے۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال کے وقت کسی نے کلمہ تلقین کیا تو فرمانے لگے: میں اس کے غیر کو اچھی طرح جانتا ہی نہیں۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت تھا۔ کسی شخص نے کوئی بات پوچھی، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ کہنے لگے: بچپانوں سے برس سے ایک دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں وہ اس وقت کھلنے والا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ وہ سعادت کے ساتھ کھلتا ہے یا بد بختی کے ساتھ، مجھے اس وقت بات کی فرصت کہاں۔

(۱۹) وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى
أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے وقت

الصُّبْحِ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا، ثُمَّ رَجَعَ
بَعْدَ أَنْ أَصْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ، قَالَ:
مَا زِلْتُ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكَ
عَلَيْهَا، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَقَدْ
قُلْتُ بِعَدِّكَ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ،
لَوْ وَزَنْتُ بِمَا قُلْتُ مِنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنْتُهُنَّ:
سُبْحَانَ اللَّهِ، وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ،
وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ
كَلِمَاتِهِ. (رواه مسلم كذا في المشكوة، قال
القاری: وكذا أصحاب السنن الأربعة، وفي الباب
عن صفية قالت: دخل على رسول الله عليه وسلم
وبين يدي أربعة آلاف نواة أسبَحَ بهن الحديث.
اخرجه الحاكم وقال الذهبي صحيح)

ان کے پاس سے نماز کے لئے تشریف لے
گئے اور یہ اپنے مُصلے پر بیٹھی ہوئی (تسبیح میں
مشغول تھیں) حضور ﷺ چاشت کی نماز
کے بعد (دوپہر کے وقت) تشریف لائے تو
یہ اسی حال میں بیٹھی ہوئی تھیں، حضور ﷺ
نے دریافت فرمایا: تم اسی حال پر ہو جس پر
میں نے چھوڑا تھا؟ عرض کیا: جی ہاں!
حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے تم سے (جدا
ہونے کے) بعد چار کلمے تین مرتبہ پڑھے،
اگر ان کو اس سب کے مقابلہ میں تو لا جائے
جو تم نے صبح سے پڑھا ہے تو وہ غالب ہو
جائیں، وہ کلمے یہ ہیں: ”سُبْحَانَ اللَّهِ
وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ،

وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ“ اللہ کی تسبیح کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں بقدر اس
کی مخلوقات کے عدد کے اور بقدر اس کی مرضی اور خوشنودی کے اور بقدر وزن اس کے عرش
کے اور اس کے کلمات کی مقدار کے موافق۔“

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،
أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ
وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوَى أَوْ حَصَى تُسَبِّحُ بِهِ،
فَقَالَ: أَلَا أَخْبَرُكَ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكَ
مِنْ هَذَا أَوْ أَفْضَلُ؟ سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ
مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ
عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ، وَسُبْحَانَ

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک صحابی
عورت کے پاس تشریف لے گئے، ان کے
سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی
ہوئی تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔
حضور ﷺ نے فرمایا: میں تجھے ایسی چیز
بتاؤں جو اس سے سہل ہو (یعنی کنکریوں پر

اللّٰهُ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ
عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ
ذَلِكَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذَلِكَ، وَلَا إِلَهَ
إِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذَلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا
بِاللّٰهِ مِثْلَ ذَلِكَ . (رواه ابو داود والترمذی،
وقال الترمذی: حدیث غریب، کذا فی المشکوٰۃ،
قال النسائی: وفی نسخة حسن غریب . وفی
المنہل أخرج ایضاً النسائی وابن ماجہ وابن حبان
والحاکم والترمذی، وقال: حسن غریب من هذا
الوجه . قلت: وصححه الذہبی)

گننے سے سہل ہو) یا (یہ ارشاد فرمایا کہ)
اس سے افضل ہو ”سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ
مَا خَلَقَ“ اخیر تک۔ اللہ کی تعریف کرتی
ہوں بقدر اس مخلوق کے جو آسمان میں پیدا
کی اور بقدر اس مخلوق کے جو زمین میں پیدا
کی اور بقدر اس مخلوق کے جو ان دونوں کے
درمیان ہے، یعنی آسمان و زمین کے
درمیان ہے اور اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں
بقدر اس کے جس کو وہ پیدا کرنے والا ہے
اور اس سب کے برابر ”اللّٰهُ اَكْبَرُ“ اور

اس کے برابر ہی ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ“ اور اسی کی مانند ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ“۔

ف: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کیفیات کے ساتھ تسبیح کے افضل ہونے
کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے سے ان کیفیات اور صفات کی طرف ذہن
متوجہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جتنا بھی تدبیر اور غور و فکر زیادہ ہوگا اتنا ہی ذکر افضل ہوگا، اس لئے
قرآن پاک میں جو تدبیر سے پڑھا جائے وہ تھوڑا سا بھی اُس تلاوت سے بہت زیادہ افضل
ہے جو بلا تدبیر کے ہو اور بعض علماء نے کہا ہے کہ افضلیت اس حیثیت سے ہے کہ اس میں
اللہ جلّ جلالہ کی حمد و ثنا کے شمار سے عجز کا اظہار ہے جو کمال ہے عبدیت کا۔ اسی وجہ سے بعض
صوفیہ سے نقل کیا گیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ گناہ تو بلا حساب اور بیشمار کرتے ہو اور اللہ کے پاک
نام کو شمار سے اور گن کر کہتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شمار نہ کرنا چاہئے، اگر ایسا ہوتا تو پھر
احادیث میں کثرت سے خاص خاص اوقات میں شمار کیوں بتائی جاتی، حالانکہ بہت سی
احادیث میں خاص خاص مقداروں پر خاص خاص وعدے فرمائے گئے ہیں، بلکہ اس کا
مطلب یہ ہے کہ صرف شمار پر قناعت نہ کرنا چاہئے، بلکہ جو اور اد مخصوص اوقات میں متعین
ہیں ان کو پورا کرنے کے علاوہ خالی اوقات میں بھی جتنا ممکن ہو بے شمار اللہ کے ذکر میں

مشغول رہنا چاہئے کہ یہ ایسی بڑی دولت ہے جو شمار کی پابندیوں اور اس کے حدود سے بالاتر ہے۔ ان احادیث سے تسبیح متعارف یعنی دھاگہ میں پروئے ہوئے دانوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جب اس کی اصل ثابت ہے، حضور ﷺ نے کنکریوں اور گٹھلیوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اس پر انکار نہیں فرمایا تو پھر اصل ثابت ہو گئی، دھاگہ میں پرو دینے میں اور نہ پرونے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے جملہ مشائخ اور فقہاء اس کا استعمال فرماتے رہے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ ”نزہۃ الفکر“ اس بارے میں تصنیف فرمایا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح دلیل ہے تسبیح متعارف کے جواز کی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان گٹھلیوں یا کنکریوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اس پر انکار نہیں فرمایا جو شرعی دلیل ہے۔ اور کھلے ہوئے دانے یا پروئے ہوئے میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو شیطان کا کوڑا کہا جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کسی نے ایسے وقت میں بھی تسبیح دیکھی جب وہ منتہائے کمال پر پہنچ چکے تھے تو ان سے اس بارہ میں سوال کیا: فرمایا: جس چیز کے ذریعہ سے ہم اللہ تک پہنچے ہیں اس کو کیسے چھوڑ دیں۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رہتی تھیں اور وہ ان پر گن کر تسبیح پڑھا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو صفیہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کنکریوں پر گنا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے گٹھلیاں اور کنکریاں دونوں نقل کی گئی ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی کنکریوں پر پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔

”میرقاۃ“ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگہ رہتا تھا جس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں ان پر شمار فرمایا کرتے تھے، اور ابو داؤد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں بھری رہتی۔ ان پر تسبیح پڑھا کرتے اور جب وہ تھیلی خالی ہو جاتی تو ایک باندی تھی جو ان سب کو پھر اس میں بھر دیتی اور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھ دیتی۔ خالی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھیلی میں سے نکالتے رہتے اور باہر ڈالتے رہتے تھے اور جب وہ خالی ہو جاتی تو سارے دانے سمیٹ کر وہ باندی پھر اس تھیلی میں بھر دیتی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی میں عَجْوہ کھجور کی گٹھلیاں جمع رہتیں، صبح کی نماز پڑھ کر اس تھیلی کو لے کر بیٹھتے اور جب تک وہ خالی نہ ہوتی بیٹھے پڑھتے رہتے۔ حضرت ابو صفیہ رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس ﷺ کے غلام تھے ان کے سامنے ایک چمڑا بچھا رہتا، اس پر کنکریاں پڑی رہتیں اور صبح سے زوال کے وقت تک ان کو پڑھتے رہتے۔ جب زوال کا وقت ہوتا تو وہ چمڑا اٹھا لیا جاتا، وہ اپنی ضروریات میں مشغول ہو جاتے۔ ظہر کی نماز کے بعد پھر وہ بچھا دیا جاتا اور شام تک ان کو پڑھتے رہتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پوتے نقل کرتے ہیں کہ دادا ابا کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں دو ہزار گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک ایک مرتبہ ان پر تسبیح نہ پڑھ لیتے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں ان پر تسبیح پڑھا کرتی تھیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں تسبیح کا نام ”مذکرہ“ (یا دولانے والی) بھی ہے، اس وجہ سے کہ جب یہ ہاتھ میں ہوتی ہے تو خواہ مخواہ پڑھنے کو جی چاہتا ہی ہے، اس لئے گویا اللہ کے نام کو یاد دلانے والی ہے۔ اس بارہ میں ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تسبیح کیا ہی اچھی ”مذکرہ“ یعنی یاد دلانے والی چیز ہے۔ اس باب میں ایک مسلسل حدیث مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے نقل فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سے لے کر اوپر تک ہر اُستاد نے اپنے شاگرد کو ایک تسبیح عطا فرمائی اور اس کے پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ اخیر میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاد حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اس علو مرتبہ پر بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے اُستاد سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو ان سے یہی سوال کیا تھا جو تم نے کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی اپنے اُستاد حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے

ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو یہی سوال کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے اُستاد حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو یہی سوال کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے اُستاد حضرت عمر کَلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو یہی سوال کیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے اُستاد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (جو سارے مشائخِ چشتیہ کے سرگروہ ہیں) کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو عرض کیا تھا کہ آپ کی اس رفعتِ شان اور علو مرتبہ کے باوجود بھی اب تک تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہے، تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم نے تو تصوف کی ابتدا میں اس سے کام لیا تھا اور اس کے ذریعہ سے ترقی حاصل کی تھی تو گوارا نہیں کہ اب اخیر میں اس کو چھوڑ دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے دل سے، زبان سے، ہاتھ سے، ہر طرح اللہ کا ذکر کروں۔ محدثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی کیا گیا ہے۔

(۲۰) عَنْ ابْنِ عَبْدٍ قَالَ: قَالَ عَلِيُّ رضی اللہ عنہ:
 إِلَّا أُحَدِّثُكَ عَنِّي وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ
 رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ أَحَبِّ
 أَهْلِهِ إِلَيْهِ؟ قُلْتُ: بَلَى! قَالَ: إِنَّهَا
 جَرَتْ بِالرَّحَى حَتَّى أَثَرَفِي يَدَهَا،
 وَاسْتَقَّتْ بِالْقُرْبَةِ حَتَّى أَثَرَفِي
 نَحْرَهَا، وَكُنَسَتْ الْبَيْتَ حَتَّى
 اغْبَرَّتْ ثِيَابُهَا، فَاتَى النَّبَى ﷺ خَدَمٌ،
 فَقُلْتُ: لَوْ آتَيْتَ أَبَاكَ فَسَأَلْتَهُ خَادِمًا،
 فَاتَّهَ فَوَجَدَتْ عِنْدَهُ حِدَاثًا، فَرَجَعْتُ،
 فَاتَّاهَا مِنَ الْغَدِ، فَقَالَ: مَا كَانَ
 حَاجَتِكَ؟ فَسَكَنْتُ، فَقُلْتُ: أَنَا
 أُحَدِّثُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ جَرَتْ بِالرَّحَى
 حَتَّى أَثَرَتْ فِي يَدِهَا، وَحَمَلَتْ بِالْقُرْبَةِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد
 سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور اپنی بیوی
 فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی
 اور سب گھر والوں میں زیادہ لاڈلی تھیں
 قصہ نہ سناؤں؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور
 سنائیں۔ فرمایا کہ وہ خود چکی پیستی تھیں جس
 سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے اور خود ہی
 مشک بھر کر لاتی تھیں جس سے سینہ پر رسی
 کے نشان پڑ گئے تھے، خود ہی جھاڑو دیتی
 تھیں جس کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے
 تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی
 خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے، میں نے
 حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اگر اپنے
 والد صاحب کی خدمت میں جا کر ایک خادم

حَتَّى أَثَرْتُ فِي نَحْرِهَا، فَلَمَّا أَنْ جَاءَكَ
الْخَدَمُ أَمَرْتُهَا أَنْ تَأْتِيَكَ، فَتُسْتَخِدِمَكَ
خَادِمًا يَقِيهَا حَرَمًا هِيَ فِيهِ، قَالَ: اتَّقَى
اللَّهُ يَا فَاطِمَةُ! وَادِّي فَرِيضَةَ رَبِّكَ،
وَاعْمَلِي عَمَلَ أَهْلِكَ، فَإِذَا أَخَذْتَ
مَضْجَعَكَ، فَسَبِّحِي ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ،
وَاحْمَدِي ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبِّرِي
أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، فِتْلِكَ مِائَةٌ، فَهِيَ
خَيْرُكَ مِنْ خَادِمٍ، قَالَتْ: رَضِيتُ
عَنِ اللَّهِ وَعَنْ رَسُولِهِ (اخرجه ابو داؤد)
وفى الباب عن الفضل بن الحسن
الضميرى، أَنَّ أُمَّ الْحَكَمِ أَوْضَاعَةَ
ابْنَتِي الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حَدَّثَتْهُ
عَنْ أَحَدِهِمَا أَنَّهَا قَالَتْ: أَصَابَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَبِيًّا، فَلَهَبْتُ أَنَا وَأُخْتِي
وَفَاطِمَةُ بَنْتُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ،
فَشَكُونَا إِلَيْهِ مَا نَحْنُ فِيهِ، وَسَلَّانَاهُ أَنْ
يَأْمُرَنَا بِشَيْءٍ مِنَ السَّبِي، فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: سَبِّحْنَ يَتَامَى بَدْرٍ وَلَكِنْ
سَادُّكُمْ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ
ذَلِكَ، تُكَبِّرُونَ اللَّهَ عَلَى الْإِثْرِ كُلِّ
صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ تَكْبِيرَةً، وَثَلَاثًا
وَتَلَاثِينَ تَسْبِيحَةً، وَثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ

مانگ لاؤ تو اچھا ہے، سہولت رہے گی۔
وہ گئیں، حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں
لوگوں کا مجمع تھا، اس لئے واپس چلی آئیں۔
حضور ﷺ دوسرے روز خود ہی مکان پر
تشریف لائے اور فرمایا تم کل کس کام کو آئی
تھیں؟ وہ چپ ہو گئیں (شرم کی وجہ سے
بول بھی نہ سکیں) میں نے عرض کیا:
حضور! چکی سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے،
مشکیزہ بھرنے کی وجہ سے سینہ پر بھی نشان
پڑ گیا ہے، جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے
میلے رہتے ہیں، کل آپ کے پاس کچھ
لوٹدی غلام آئے تھے، اس لئے میں نے
ان سے کہا تھا کہ ایک خادم اگر مانگ
لائیں تو ان مشقتوں میں سہولت ہو
جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: فاطمہ! اللہ
سے ڈرتی رہو اور اس کے فرض ادا کرتی
رہو اور گھر کے کاروبار کرتی رہو اور
جب سونے کے لئے لیٹو تو ”سُبْحَانَ
اللَّهِ“ تینتیس مرتبہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“
تینتیس مرتبہ ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ چونتیس مرتبہ
پڑھ لیا کرو۔ یہ خادم سے بہتر ہے، انہوں
نے عرض کیا کہ میں اللہ (کی تقدیر) اور
اس کے رسول (کی تجویز) سے راضی ہوں۔

تَحْمِيدُهُ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
 لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ
 وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (رواہ ابو داود
 و فی الجامع الصغیر بروایۃ ابن مندۃ، عن جلیس
 کان یأمر نسائه إذا أرادت إحداهن أن تنام
 أن تحمد، الحدیث، ورقم له بالضعف،
 دوسری حدیث میں حضور ﷺ کی چچا زاد
 بہنوں کا قصہ بھی اسی قسم کا آیا ہے۔ وہ کہتی
 ہیں کہ ہم دو بہنیں اور حضور ﷺ کی بیٹی
 فاطمہ رضی اللہ عنہا تینوں حضور ﷺ کی خدمت
 میں حاضر ہوئیں اور اپنی مشقت اور
 وقتیں ذکر کر کے ایک خادم کی طلب کی۔
 حضور ﷺ نے فرمایا کہ خادم دینے میں تو بدر کے یتیم تم سے مقدم ہیں، تمہیں خادم سے
 بھی بہتر چیز بتاؤں۔ ہر نماز کے بعد یہ تینوں کلمے یعنی ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ،
 اللَّهُ أَكْبَرُ“ تینتیس مرتبہ اور ایک مرتبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
 لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ پڑھ لیا کرو،
 یہ خادم سے بہتر ہے۔

ف: حضور اقدس ﷺ اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو خاص طور سے ان تسبیحات
 کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی بیویوں کو یہ حکم
 فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ سونے کا ارادہ کریں تو ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ،
 اللَّهُ أَكْبَرُ“ ہر ایک تینتیس مرتبہ پڑھیں۔ حدیث بالا میں حضور اقدس ﷺ نے دنیوی
 مشقتوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں ان تسبیحات کو تلقین فرمایا۔ اس کی ظاہری وجہ تو ظاہر ہے
 کہ مسلمان کے لئے دنیوی مشقت اور تکلیف قابل التفات نہیں ہے، اس کو ہر وقت
 آخرت اور مرنے کے بعد کی راحت و آرام کی فکر ضروری ہے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ
 نے چند روزہ زندگی کی مشقت اور تکلیف کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر آخرت کی راحت کے
 سامان بڑھانے کی طرف متوجہ فرمایا اور ان تسبیحات کا آخرت میں زیادہ سے زیادہ نافع ہونا
 ان روایات سے جو اس باب میں ذکر کی گئیں ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہو
 سکتی ہے کہ ان تسبیحات کو حق تعالیٰ شانہ نے جہاں دینی منافع اور ثمرات سے شرف بخشا ہے،
 دنیوی منافع بھی ان میں رکھے ہیں۔ اللہ کے پاک کلام میں، اس کے رسول کے پاک کلام

میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں آخرت کے ساتھ ساتھ دنیاوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دَجَال کے زمانہ میں مومنوں کی غذا فرشتوں کی غذا ہوگی یعنی تسبیح و تقدیس (سبحان اللہ وغیرہ الفاظ کا پڑھنا) کہ جس شخص کا کلام ان چیزوں کا پڑھنا ہوگا حق تعالیٰ شانہ اس سے بھوک کی مشقت کو زائل کر دیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بغیر کھائے پیے صرف اللہ کے ذکر پر گزارہ ممکن ہو سکتا ہے اور دَجَال کے زمانہ میں عام مومنین کو یہ دولت حاصل ہوگی تو اس زمانہ میں خواص کو اس حالت کا میسر ہو جانا کچھ مشکل نہیں۔ اس لئے جن بزرگوں سے اس قسم کے واقعات بکثرت منقول ہیں کہ معمولی غذا پر یا بلا غذا کے وہ کئی کئی دن گزار دیتے تھے ان میں کوئی وجہ انکار یا تکذیب کی نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کہیں آگ لگ جائے تو تکبیر (یعنی اللہ اکبر کثرت سے) پڑھا کرو، یہ اس کو بجھا دیتی ہے۔ ”حصن حصین“ میں نقل کیا ہے کہ جس شخص کو کسی کام میں تعب اور مشقت معلوم ہو یا قوت کی زیادتی مطلوب ہو تو سوتے وقت ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ تینتیس مرتبہ، ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ تینتیس مرتبہ ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ چونتیس مرتبہ پڑھے یا تینوں کلمہ ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھے یا کوئی سا ایک ۳۲ مرتبہ پڑھ لے (چونکہ مختلف احادیث میں مختلف عدد آئے ہیں اس لئے سب ہی کو نقل کر دیا)۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان احادیث سے جن میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کے بدلے یہ تسبیحات تعلیم فرمائیں، یہ استنباط کیا ہے کہ جو شخص ان پر مداومت کرے اس کو مشقت کے کاموں میں تکان اور تعب نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر معمولی تعب ہوا بھی تب بھی مضرت نہ ہوگی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ عمل مجرب ہے یعنی تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان تسبیحوں کا سوتے وقت پڑھنا ازالہ تکان اور زیادتی قوت کا سبب ہوتا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مرقاۃ الصعود“ میں لکھا ہے کہ ان تسبیحوں کا خادم سے بہتر ہونا آخرت کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں یہ تسبیحیں جتنی مفید، کارآمد اور نافع ہوں گی دنیا میں خادم اتنا کارآمد اور نافع نہیں ہو سکتا، اور دنیا کے اعتبار سے

بھی ہو سکتا ہے کہ ان تسبیحوں کی وجہ سے کام پر جس قدر قوت اور ہمت ہو سکتی ہے خادم سے اتنا کام نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو ان پر عمل کرے وہ جنت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت سہل ہیں، لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں: ایک یہ کہ ان تسبیحوں کو ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھے کہ یہ پڑھنے میں تو ایک سو پچاس ہوئیں، لیکن اعمال کی ترازو میں پندرہ سو ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ سوتے وقت ”سُبْحَانَ اللَّهِ“، ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“، ”تِینَتِیس“، ”تِینَتِیس“ مرتبہ پڑھے اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ چونتیس مرتبہ پڑھے کہ یہ پڑھنے میں سو مرتبہ ہوئیں اور ثواب کے اعتبار سے ایک ہزار ہوئیں۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ ان پر عمل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے وقت شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں ضرورت ہے اور فلاں کام ہے اور جب سونے کا وقت ہوتا ہے وہ ادھر ادھر کی ضرورتیں یاد دلاتا ہے جس سے پڑھنا رہ جاتا ہے۔

ان احادیث میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار اور دو جہان کے سردار کی بیٹی اپنے ہاتھ سے آٹا پیستیں حتیٰ کہ ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے۔ خود ہی پانی بھر کر لاتیں حتیٰ کہ سینہ پر مشک کی رسی کے نشان ہو گئے، خود ہی گھر کی جھاڑ دو وغیرہ سارا کام کرتیں، جس سے ہر وقت کپڑے میلے رہتے۔ آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، غرض سب ہی کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ کیا ہماری بیبیاں یہ سارے کام تو کیا، ان میں سے آدھے بھی اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں؟ اور اگر نہیں کرتیں تو کتنی غیرت کی بات ہے کہ جن کے آقاؤں کی یہ زندگی ہو، ان کے نام لیوا، ان کے نام پر فخر کرنے والوں کی زندگی اس کے آس پاس بھی نہ ہو چاہئے تو یہ تھا کہ خادموں کا عمل، ان کی مشقت، آقاؤں سے کچھ آگے ہوتی، مگر افسوس کہ یہاں اس کے آس پاس بھی نہیں۔ فَالِی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

خاتمہ

خاتمہ میں ایک نہایت مہتمم بالشان چیز کو ذکر کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ یہ تسبیحات جن کا اوپر ذکر کیا گیا نہایت ہی اہم اور دین و دنیا میں کارآمد اور مفید ہیں، جیسا کہ احادیث بالا سے معلوم ہوا۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے اہتمام اور فضیلت کی وجہ سے ایک خاص نماز کی ترغیب بھی فرمائی ہے جو صلوٰۃ التبیح (تبیح کی نماز) کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو صلوٰۃ التبیح کہا جاتا ہے کہ یہ تسبیحات اس میں تین سو مرتبہ پڑھی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت ہی اہتمام اور ترغیبوں کے ساتھ اس نماز کو تعلیم فرمایا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے:

(۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: يَا عَبَّاسُ! يَا عَمَّاهُ! أَلَا أُعْطِيكَ؟ أَلَا أَمْنَحُكَ؟ أَلَا أُخْبِرُكَ؟ أَلَا أَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ؟ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ ذَنْبَكَ، أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ، قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ، خَطَاؤَهُ وَعَمْدَهُ، صَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ، سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ، أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً، فَإِذَا قَرَعْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكَعَةٍ وَأَنْتَ قَائِمٌ. قُلْتُ: "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ" خَمْسَ عَشْرَةَ، ثُمَّ

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے عباس! اے میرے چچا! کیا میں تمہیں ایک عطیہ کروں؟ ایک بخشش کروں؟ ایک چیز بتاؤں؟ تمہیں دس چیزوں کا مالک بناؤں؟ جب تم اس کام کو کرو گے تو حق تعالیٰ شانہ تمہارے سب گناہ پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، غلطی سے کئے ہوئے اور جان بوجھ کر کئے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، چھپ کر کئے ہوئے اور کھلم کھلا کئے ہوئے، سب ہی معاف فرمادیں گے، وہ کام یہ ہے کہ چار رکعت نفل (صلوٰۃ التبیح) کی نیت باندھ کر (پڑھو اور ہر رکعت میں جب الْحَمْدُ لِلَّهِ اور سورت پڑھ چکو تو

تَرْكِعُ فَتَقُولُهَا وَائْتِ رَاكِعٌ عَشْرًا،
 ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ
 فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا
 فَتَقُولُهَا وَائْتِ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ
 تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا
 عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا،
 ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا
 فَذَلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ
 رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ ذَلِكَ فِي أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ،
 إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ
 مَرَّةً فافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ
 جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ
 شَهْرِ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ
 مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمْرِكَ مَرَّةً.

(رواه أبو داود وابن ماجه والبيهقي في الدعوات
 الكبير، وروى الترمذي عن أبي رافع نحوه، كذا في
 المشكوة، قلت: وأخرجه الحاكم وقال: هذا
 حديث وصله موسى بن عبدالعزيز عن الحكم بن
 ابان، وقد أخرجه أبو بكر محمد بن اسحاق
 وأبو داود وأبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب في الصحيح، ثم قال بعد ما ذكر توثيق روايته، وأما إرسال إبراهيم بن
 الحكم عن أبيه فلا يوهن وصل الحديث، فإن الزيادة من الثقة أولى من الإرسال على أن إمام عصره في الحديث
 اسحق بن إبراهيم الحنظلي قد أقام هذا الإسناد عن إبراهيم بن الحكم ووصله. قال السيوطي في اللآلئ: هذا إسناد
 حسن وما قال الحاكم أخرجه النسائي في كتابه الصحيح لم نره في شيء من نسخ السنن لا الصغرى ولا الكبرى)

میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔

رکوع سے پہلے ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
 وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ پندرہ
 مرتبہ پڑھو، پھر جب رکوع کرو تو دس مرتبہ
 اس میں پڑھو، پھر جب رکوع سے کھڑے
 ہو تو دس مرتبہ پڑھو۔ پھر سجدہ کرو تو دس
 مرتبہ اس میں پڑھو، پھر سجدہ سے اٹھ کر
 بیٹھو تو دس مرتبہ پڑھو، پھر جب دوسرے
 سجدے میں جاؤ تو دس مرتبہ اس میں
 پڑھو۔ پھر جب دوسرے سجدہ سے اٹھو تو
 (دوسری رکعت میں) کھڑے ہونے سے
 پہلے بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھو۔ ان سب کی
 میزان پچھتر ہوئی۔ اسی طرح ہر رکعت میں
 پچھتر دفعہ ہوگا، اگر ممکن ہو سکے تو روزانہ
 ایک مرتبہ اس نماز کو پڑھ لیا کرو، یہ نہ ہو
 سکے تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی
 نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیا
 کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک
 مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر
 میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔

(۲) وَعَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ رَجُلٍ
 إِكٍ صَحَابِيٍّ كَانَ يَقُولُ: كَيْفَ

كَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ يَرَوْنَ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ
عُمَرَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ:
إِنِّي غَدَا، أَحْبُوكَ وَأَتِيْبُكَ وَأُعْطِيْكَ،
حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُعْطِيْنِي عَطِيَّةً. قَالَ:
إِذَا زَالَ النَّهَارُ فَتَقُمْ، فَصَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ،
فَذَكَرْ نَحْوَهُ فِيهِ وَقَالَ: فَإِنَّكَ لَوْ كُنْتَ
أَعْظَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ
بِذَلِكَ. قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ
أُصَلِّيَهَا تِلْكَ السَّاعَةَ. قَالَ: صَلَّيْهَا مِنْ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ. (رواه ابو داود)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل صبح کو آنا، تم کو
ایک بخشش کروں گا، ایک چیز دوں گا، ایک
عطیہ کروں گا، وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں
ان الفاظ سے یہ سمجھا کہ کوئی (مال) عطا
فرمائیں گے۔ (جب میں حاضر ہوا) تو فرمایا
کہ جب دوپہر کو آفتاب ڈھل چکے تو چار
رکعت نماز پڑھو، اسی طریقہ سے بتایا جو پہلی
حدیث میں گزرا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر
تم ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ گنہگار ہو
گے، تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں
گے، میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت میں کسی وجہ سے نہ پڑھ سکوں تو ارشاد فرمایا کہ
جس وقت ہو سکے دن میں یا رات میں پڑھ لیا کرو۔

(۳) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه قَالَ:
وَجَّهَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي
طَالِبٍ إِلَى بِلَادِ الْحَبَشَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ
اعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا
أَهْبُ لَكَ؟ أَلَا أَبْشُرُكَ؟ أَلَا أَمْنُحُكَ؟
أَلَا أَتُحِفُّكَ، قَالَ: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللَّهِ!
قَالَ: تُصَلِّيْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَذَكَرْ نَحْوَهُ،
(أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَقَالَ: اسْنَادٌ صَحِيحٌ لَا غِبَارَ عَلَيْهِ،
وَتَعْقِبُهُ الذَّهَبِيُّ بِأَنَّ أَحْمَدَ بْنَ دَاوُدَ كَذَبَهُ الدَّارِقُطِيُّ،
كَذَابُ الْمَنْهَلِ، وَكَذَلِكَ قَالَ غَيْرُهُ تَبَعًا لِلْحَافِظِ، لَكِنْ
فِي النُّسْخَةِ الَّتِي بِأَيْدِينَا مِنَ الْمُسْتَدْرَكِ: وَقَدْ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو حبشہ بھیج دیا تھا، جب
وہ وہاں سے واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگایا اور پیشانی
پر بوسہ دیا، پھر فرمایا: میں تجھے ایک چیز
دوں؟ ایک خوشخبری سناؤں؟ ایک بخشش
کروں؟ ایک تحفہ دوں؟ انہوں نے عرض
کیا: ضرور۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار
رکعت نماز پڑھ۔ پھر اسی طریقہ سے بتایا جو
اوپر گزرا۔ اس حدیث میں ان چار کلموں
کے ساتھ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“

صحیح الروایۃ عن ابن عمر "ان رسول اللہ ﷺ **الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ**" بھی آیا ہے۔

علم ابن عمہ جعفرؓ "ثم ذکر الحديث بسنده، وقال في آخره: هذا اسناد صحيح لا غبار عليه، وهكذا قال الذهبي في أول الحديث وآخره، ثم لا يذهب عليك ان في هذا الحديث زيادة "لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم" أيضا على الكلمات الأربع

(۴) وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَلَا

أَهَبُ لَكَ؟ أَلَا أُعْطِيكَ؟ أَلَا

أَمْنُحُكَ؟ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُعْطِينِي مِنَ

الدُّنْيَا شَيْئًا لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا مِنْ قَبْلِي.

قَالَ: أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ. (فذكر الحديث، وفي

آخره غير انك إذا جلست للتشهد قلت ذلك عشر

مرات قبل التشهد، الحديث، أخرجه الدارقطني

في الأفراد، وأبو نعيم في القربان وابن شاهين في

الترغيب، وكذا في تحائف السادة شرح الأحياء.

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں بخشش

کروں۔ ایک عطیہ دوں؟ ایک چیز عطا

کروں؟ وہ کہتے ہیں: میں یہ سمجھا کہ کوئی

دنیا کی ایسی چیز دینے کا ارادہ ہے جو کسی کو

نہیں دی (اسی وجہ سے اس قسم کے الفاظ

بخشش عطا وغیرہ کو بار بار فرماتے ہیں)۔ پھر

آپ ﷺ نے چار رکعت نماز سکھائی جو

اوپر گزری، اس میں یہ بھی فرمایا کہ جب

التحیات کے لئے بیٹھو تو پہلے ان تسبیحوں کو

پڑھو، پھر التحیات پڑھنا۔

(۵) قال الترمذی: وقد روى ابن

المبارك وغير واحد من اهل العلم

صلوة التسبيح، وَذَكَرُوا الْفَضْلَ

فِيهِ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ،

حَدَّثَنَا أَبُو وَهَبٍ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ

الْمُبَارَكِ عَنِ الصَّلَاةِ الَّتِي يُسَبِّحُ فِيهَا،

قَالَ: يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ

وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى

جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، ثُمَّ يَقُولُ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ اور

بہت سے علماء سے اس نماز کی فضیلت نقل

کی گئی ہے اور اس کا یہ طریقہ نقل کیا گیا ہے کہ

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ پڑھنے کے بعد الْحَمْدُ

لِلَّهِ شریف پڑھنے سے پہلے پندرہ دفعہ ان

کلموں کو پڑھے۔ پھر اَعُوذُ اور بِسْمِ اللّٰهِ

پڑھ کر الْحَمْدُ شریف اور پھر کوئی سورت

پڑھے، سورت کے بعد رکوع سے پہلے دس

مرتبہ پڑھے، پھر رکوع میں دس مرتبہ، پھر

خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً: سُبْحَانَ اللَّهِ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ
أَكْبَرُ، ثُمَّ يَتَعَوَّذُ وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَفَاتِحَةَ الْكِتَابِ
وَسُورَةَ، ثُمَّ يَقُولُ عَشْرَ مَرَّاتٍ
سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، ثُمَّ يَرْكَعُ
فَيَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ
فَيَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَسْجُدُ

رکوع سے اٹھ کر، پھر دونوں سجدوں میں،
اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھ کر
دس دس مرتبہ پڑھے، یہ پچھتر پوری ہو
گئیں (لہذا دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر
پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی) رکوع میں
پہلے ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ اور سجدہ میں
پہلے ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پڑھے۔
پھر ان کلموں کو پڑھے (حضور اقدس ﷺ سے
بھی اس طریقہ سے نقل کیا گیا ہے)۔

فَيَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ يَسْجُدُ الثَّانِيَةَ فَيَقُولُهَا
عَشْرًا، يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عَلَى هَذَا. فَذَلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ تَسْبِيحَةً فِي
كُلِّ رَكَعَةٍ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَبُو وَهَبٍ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ قَالَ:
يَبْدَأُ فِي الرُّكُوعِ سُبْحَانَ رَبِّي الْعَظِيمِ، وَفِي السَّجْدَةِ سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَى
ثَلَاثًا، ثُمَّ يُسَبِّحُ التَّسْبِيحَاتِ، قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ:
إِنْ سَهَا فِيهَا يُسَبِّحُ فِي سَجْدَتِي السَّهْوِ عَشْرًا عَشْرًا، قَالَ: لَا إِنَّمَا هِيَ ثَلَاثُ
مِائَةٍ تَسْبِيحَةٍ.

مختصرًا قلت: وهكذا رواه الحاكم وقال: رواه عن ابن المبارك كلهم ثقات، ثبات ولا يتهم عبد الله ان يعلمه
ما لم يصح عنده سنده له وقال الغزالي في الاحياء بعد ما ذكر حديث ابن عباس المذكور. وفي رواية اخرى انه
يقول في اول الصلوة: ”سبحانك اللهم“ ثم يسبح خمس عشرة تسبيحة قبل القراءة وعشرًا بعد القراءة، والباقي
كما سبق عشرًا عشرًا، ولا يسبح بعد السجود الاخير، وهذا هو الاحسن وهو اختيار ابن المبارك.

قال الزبيدي في الاتحاف: ولفظ القوت هذه الرواية أحب الوجهين إلى. قال الزبيدي: أي لا يسبح
في الجلسة الاولى بين الركعتين ولا في جلسة التشهد شيئًا كما في القوت، قال: وكذلك روينا في حديث
عبد الله بن جعفر بن أبي طالب أن النبي صلى الله عليه وسلم علمه صلوة التسبيح فذكره. ثم قال الزبيدي: واما
حديث عبد الله بن جعفر فأخرجه الدارقطني من وجهين عن عبد الله بن زياد بن سمعان، قال في أحدهما
عن معاوية واسماعيل بن عبد الله ابني جعفر عن أبيهما، وقال في الأخرى عن عون بدل اسمعيل عن أبيهما

قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أعطيك، فذكر الحديث وابن سمعان ضعيف، وهذه الرواية هي التي أشار إليها صاحب القوت وهي الثانية عنده قال فيها: يفتح الصلوة فيكبر ثم يقول فذكر الكلمات، وزاد فيها الحوقلة ولم يذكر هذا السجدة الثانية عند القيام أن يقولها، قال: وهو الذي اختاره ابن المبارك.

قال المنذرى في الترغيب: وروى البيهقي من حديث أبي جناب الكلبي عن أبي الجوزاء عن ابن عمرو (بن العاص) فذكر الحديث بالصفة التي رواها الترمذي عن ابن المبارك، ثم قال: وهذا يوافق ما روينا عن ابن المبارك، ورواه قتية بن سعيد عن يحيى بن سليم عن عمران بن مسلم عن أبي الجوزاء، قال: نزل على عبد الله بن عمرو بن العاص فذكر الحديث وخالفه في رفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم ولم يذكر التسيحات في ابتداء القراءة، انما ذكرها بعدها ثم ذكر جلسة الاستراحة كما ذكرها سائر الرواة. قلت: حديث أبي جناب المذكور في السنن على هذا الطريق طريق ابن المبارك، وما ذكر من كلام البيهقي ليس في السنن بهذا اللفظ، قلعه ذكره في الدعوات الكبير، وما في السنن انه ذكر أولا حديث أبي جناب تعليقا مرفوعا، ثم قال: قال أبو داود: ورواه روح ابن المسيب وجعفر بن سليمان عن عمرو بن مائل النكري عن أبي الجوزاء عن ابن عباس قوله، وقال في حديث روح: فقال: حديث النبي صلى الله عليه وسلم.

وظاهر أن الاختلاف في السند فقط لا في لفظ الحديث، وذكر شارح الاقناع من فروع الشافعية صلوة التسيح واقتصر على صفة ابن المبارك فقط. قال البجيرمي: هذه رواية ابن مسعود. والذي عليه مشايخنا أنه لا يسبح قبل القراءة بل بعد خامسة عشر، والعشرة في جلسة الاستراحة وهذه رواية ابن عباس مختصراً. وعلم منه أن طريق ابن المبارك مروى عن ابن مسعود أيضاً، لكن لم أجد حديث ابن مسعود فيما عندي من الكتب، بل المذكور فيها على ما بسطه صاحب المنهل وشارح الاحياء وغيرهما ان حديث صلوة التسيح مروى عن جماعة من الصحابة، منهم عبد الله والفضل ابنا العباس وأبوهما عباس بن عبد المطلب وعبد الله بن عمرو بن العاص وعبد الله بن عمر بن الخطاب، وأبو رافع مولى رسول الله ﷺ وعلى ابن أبي طالب وأخوه جعفر بن أبي طالب وابنه عبد الله بن جعفر، وأم المؤمنين أم سلمة وانصاري غير مستى وقد قيل: انه جابر بن عبد الله، قال له الزبيدي وبسط في تخريج احاديثهم.

وعلم مما سبق أن حديث صلوة التسيح مروى بطرق كثيرة وقد افترط ابن الجوزي ومن تبعه في ذكره في الموضوعات، ولذا تعقب عليه غير واحد من ائمة الحديث كالحافظ ابن حجر والسيوطي والزر كشي، قال ابن المديني: قد أساء ابن الجوزي بذكره إياه في الموضوعات كذا في اللآلي، قال الحافظ: ومن صححه أبو حنيفة ابن مندة وألف فيه كتاباً والاحرى والخطيب وأبو سعد السمعاني وأبو موسى المديني وأبو الحسن بن المفضل والمنذرى وابن الصلاح والنووي في تهذيب الاسماء والمبكي وآخرون كذا في الاتحاف، وفي المرقاة عن ابن حجر صححه الحاكم وابن خزيمة وحسنه جماعة. قلت: وبسط السيوطي في اللآلي في تحسينه وحكى عن أبي منصور الديلمي صلوة التسيح أشهر الصلوات وأصحها اسناداً.

ف: صلوة التسيح بڑی اہم نماز ہے جس کا اندازہ کچھ احادیث بالا سے ہو سکتا ہے کہ

نبی اکرم ﷺ نے کس قدر شفقت اور اہتمام سے اس کو تعلیم فرمایا ہے۔ علمائے امت، محدثین، فقہاء صوفیہ ہر زمانہ میں اس کا اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ امام حدیث حاکم رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ تبع تابعین کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک مقتدا حضرات اس پر مداومت کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ہیں جن میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ بھی ہیں۔ یہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ، امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کے استادوں کے استاد ہیں۔ بیہقی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن مبارک سے پہلے ابوالجوزاء رحمہ اللہ علیہ جو معتد تابعی ہیں اس کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ روزانہ جب ظہر کی اذان ہوتی تو مسجد میں جاتے اور جماعت کے وقت تک اس کو پڑھ لیا کرتے۔ عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہ اللہ علیہ جو ابن مبارک کے بھی اُستاد ہیں، بڑے عابد، زاہد، متقی لوگوں میں ہیں، کہتے ہیں کہ جو جنت کا ارادہ کرے اس کو ضروری ہے کہ صلوٰۃ التَّسْبِيح کو مضبوط پکڑے۔ ابو عثمان حیری رحمہ اللہ علیہ جو بڑے زاہد ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے مصیبتوں اور غموں کے ازالہ کے لئے صلوٰۃ التَّسْبِيح جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ علامہ تقی سبکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں کے انکار کی وجہ سے دھوکا میں نہ پڑنا چاہئے۔ جو شخص اس نماز کے ثواب کو سن کر بھی غفلت کرے وہ دین کے بارے میں سستی کرنے والا ہے۔ صلحاء کے کاموں سے دور ہے، اس کو پکا آدمی نہ سمجھنا چاہئے۔ ”مرقاۃ“ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہر جمعہ کو پڑھا کرتے تھے۔

ف ۲: بعض علماء نے اس وجہ سے اس حدیث کا انکار کیا ہے کہ اتنا زیادہ ثواب صرف چار رکعت پر مشکل ہے۔ بالخصوص کبیرہ گناہوں کا معاف ہونا، لیکن جب روایت بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے تو انکار مشکل ہے، البتہ دوسری آیات و احادیث کی وجہ سے کبیرہ گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کی شرط ہوگی۔

ف ۳: احادیث بالا میں اس نماز کے دو طریقے بتائے گئے ہیں: اول یہ کہ کھڑے ہو کر الحمد شریف اور سورۃ کے بعد پندرہ مرتبہ چاروں کلمے ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ پڑھے۔ پھر رکوع میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ کے بعد

دس مرتبہ پڑھے۔ پھر رکوع سے کھڑے ہو کر ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا
لَكَ الْحَمْدُ“ کے بعد دس مرتبہ پڑھے۔ پھر دونوں سجدوں میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ
الْأَعْلَى“ کے بعد دس دس مرتبہ پڑھے اور دونوں سجدوں کے درمیان جب بیٹھے دس مرتبہ
پڑھے، اور جب دوسرے سجدہ سے اٹھے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتا ہوا اٹھے اور بجائے کھڑے
ہونے کے بیٹھ جائے اور دس مرتبہ پڑھ کر بغیر اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے کہنے کے کھڑا ہو جائے اور دو
رکعت کے بعد اسی طرح چوتھی رکعت کے بعد پہلے ان کلموں کو دس دس مرتبہ پڑھے، پھر
التحیات پڑھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (سورۃ فاتحہ) سے پہلے
پندرہ مرتبہ پڑھے اور پھر اَلْحَمْدُ اور سورۃ کے بعد دس مرتبہ پڑھے اور باقی سب
طریقہ بدستور۔ البتہ اس صورت میں نہ تو دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنے کی ضرورت ہے اور
نہ التحیات کے ساتھ پڑھنے کی۔ علماء نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کبھی اس طرح پڑھ لیا کرے
کبھی اس طرح۔

ف ۴: چونکہ یہ نماز عام طور سے رائج نہیں ہے اس لئے اس کے متعلق چند مسائل بھی
لکھے جاتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو سہولت ہو۔

مسئلہ ۱: اس نماز کے لئے کوئی سورۃ قرآن کی متعین نہیں، جو کسی سورت دل چاہے
پڑھے، لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورۃ حَدِّید، سورۃ حشر، سورۃ صَف، سورۃ جمعہ، سورۃ تغابن
میں سے چار سورتیں پڑھے۔ بعض حدیثوں میں بیس آیتوں کی بقدر آیا ہے، اس لئے ایسی
سورتیں پڑھے جو بیس آیتوں کے قریب قریب ہوں۔ بعض نے اِذَا زُلْزِلَتْ، وَالْعَادِيَات،
تَكَاثُرَ، وَالْعَصْرِ، كَافِرُونَ، نَصْرَ، اِخْلَاصَ لکھا ہے کہ ان میں سے پڑھ لیا کرے۔

مسئلہ ۲: ان تسبیحوں کو زبان سے ہرگز نہ گئے کہ زبان سے گننے سے نماز ٹوٹ جائے گی،
انگلیوں کو بند کر کے گنا اور تسبیح ہاتھ میں لے کر اس پر گنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے۔ بہتر یہ ہے
کہ انگلیاں جس طرح اپنی جگہ پر رکھی ہیں ویسی ہی رہیں اور ہر کلمہ پر ایک ایک انگلی کو اسی

جگہ دباتا رہے۔

مسئلہ ۳: اگر کسی جگہ تسبیح پڑھنا بھول جائے تو دوسرے رکن میں اس کو پورا کرے، البتہ بھولے ہوئے کی قضا رکوع سے اٹھ کر اور دو سجدوں کے درمیان نہ کرے۔ اسی طرح پہلی اور تیسری رکعت کے بعد اگر بیٹھے تو ان میں بھی بھولے ہوئے کی قضا نہ کرے، بلکہ صرف ان کی ہی تسبیح پڑھے اور ان کے بعد جو رکن ہو اس میں بھولی ہوئی بھی پڑھ لے، مثلاً اگر رکوع میں پڑھنا بھول گیا تو ان کو پہلے سجدہ میں پڑھ لے، اسی طرح پہلے سجدہ کی دوسرے سجدہ میں، اور دوسرے سجدہ کی دوسری رکعت میں کھڑا ہو کر پڑھ لے اور اگر رہ جائے تو آخری قعدہ میں التحیات سے پہلے پڑھ لے۔

مسئلہ ۴: اگر سجدہ سہو کسی وجہ سے پیش آجائے تو اس میں تسبیح نہیں پڑھنا چاہئے، اس لئے کہ مقدار تین سو ہے وہ پوری ہو چکی، ہاں اگر کسی وجہ سے اس مقدار میں کمی رہی ہو تو سجدہ سہو میں پڑھ لے۔

مسئلہ ۵: بعض احادیث میں آیا ہے کہ التحیات کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے:

رواہ أبو نعیم فی الحلیۃ من حدیث ابن عباسؓ، ولفظہ: اذا فرغت قلت بعد التشہد قبل التسلیم: اللہم الخ۔ کذا فی الاتحاف وقال: اور وہ الطبرانی ایضاً من حدیث العباسؓ، وفی سندہ متروک. قلت: زاد فی العرقۃ فی اخر الدعاء بعض الالفاظ بعد قوله خالق النور، زد تھا تکمیلاً للفاصلۃ.

دعا یہ ہے:

اے اللہ! میں آپ سے ہدایت والوں کی	اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَوْفِيقَ أَهْلِ
سی توفیق مانگتا ہوں اور یقین والوں کے	الْهُدَى، وَأَعْمَالَ أَهْلِ الْيَقِينِ، وَ
عمل اور توبہ والوں کا خلوص مانگتا ہوں اور	مُنَاصَحَةَ أَهْلِ التَّوْبَةِ، وَعَزْمَ أَهْلِ
صابرین کی پختگی اور آپ سے ڈرنے	الصَّبْرِ، وَجِدَّةَ أَهْلِ الْخَشْيَةِ، وَطَلَبَ
والوں کی سی کوشش (یا احتیاط) مانگتا ہوں	أَهْلِ الرَّغْبَةِ، وَتَعَبُّدَ أَهْلِ الْوَرَعِ
اور رغبت والوں کی سی طلب اور پرہیز	وَعِرْفَانَ أَهْلِ الْعِلْمِ، حَتَّى أَخَافَكَ،

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مَخَافَةَ تَحْجُزُنِي
بِهَا عَنْ مَعَاصِيكَ، وَحَتَّى أَعْمَلَ
بِطَاعَتِكَ عَمَلًا أَسْتَحِقُّ بِهِ رِضَاكَ
وَحَتَّى أُنَاصِحَكَ فِي التَّوْبَةِ خَوْفًا
مِنْكَ، وَحَتَّى أُخْلِصَ لَكَ النَّصِيحَةَ
حُبًّا لَكَ، وَحَتَّى أَتَوَكَّلَ عَلَيْكَ فِي
الْأُمُورِ حُسْنَ الظَّنِّ بِكَ، سُبْحَانَ
خَالِقِ النُّورِ، رَبَّنَا! اكْشِفْ عَنْهُ
وَأَغْفِرْ لَنَا، إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

گاروں کی سی عبادت اور علماء کی سی
معرفت، تاکہ میں آپ سے ڈرنے لگوں،
اے اللہ! ایسا ڈر جو مجھے آپ کی نافرمانی
سے روک دے اور تاکہ میں آپ کی
اطاعت سے ایسے عمل کرنے لگوں جن کی
وجہ سے آپ کی رضا اور خوشنودی کا مستحق بن
جاؤں اور تاکہ خلوص کی توبہ آپ کے ڈر سے
کرنے لگوں اور تاکہ سچا اخلاص آپ کی
محبت کی وجہ سے کرنے لگوں اور تاکہ آپ
کے ساتھ حسن ظن کی وجہ سے آپ پر توکل
کرنے لگوں۔ اے نور کے پیدا کرنے والے! تیری ذات پاک ہے، اے ہمارے
رب! ہمیں کامل نور عطا فرما اور تو ہماری مغفرت فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے اے
ارحم الراحمین! اپنی رحمت سے درخواست کو قبول فرما۔

مسئلہ ۶: اس نماز کا اوقات مکروہہ کے علاوہ باقی دن رات کے تمام اوقات میں پڑھنا
جائز ہے، البتہ زوال کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے، پھر دن میں کسی وقت، پھر رات کو۔

مسئلہ ۷: بعض حدیثوں میں سوم کلمہ کے ساتھ لا حول کو بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ
اوپر تیسری حدیث میں گزرا ہے، اس لئے اگر کبھی کبھی اس کو بڑھالے تو اچھا ہے۔

وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

محمد زکریا کاندھلوی

شب جمعہ ۶، شوال ۱۳۵۸ھ

فضائل تبلیغ

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

مکتبۃ الرشیدیہ
کراچی - پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

تمہید

حمد و صلوٰۃ کے بعد، مجددین اسلام کے ایک درخشنده جوہر اور علماء و مشائخ عصر کے ایک آبدار گوہر کا ارشاد ہے کہ تبلیغ دین کی ضرورت کے متعلق مختصر طور پر چند آیات و احادیث لکھ کر پیش کروں، چونکہ مجھ جیسے سیاہ کار کیلئے ایسے ہی حضرات کی رضا و خوشنودی وسیلہ نجات اور کفارہ سیئات ہو سکتی ہے، اسلئے اس عجاۃ نافعہ کو خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہر اسلامی مدرسہ، اسلامی انجمن، اسلامی اسکول اور ہر اسلامی طاقت بلکہ ہر مسلمان سے گزارش ہے کہ اس وقت دین کا انحطاط جس قدر روز افزوں ہے، دین کے اوپر جس طرح کفار کی طرف سے نہیں، خود مسلمانوں کی طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ فرائض و واجبات پر عمل عام مسلمانوں سے نہیں، بلکہ خاص اور اخص انھوں مسلمانوں سے متروک ہوتا جا رہا ہے۔ نماز روزہ کے چھوڑ دینے کا کیا ذکر جب کہ لاکھوں آدمی کھلے ہوئے شرک و کفر میں مبتلا ہیں اور غضب یہ ہے کہ ان کو شرک و کفر نہیں سمجھتے۔ محرمات اور فسق و فجور کا شیوع جس قدر صاف اور واضح طریق سے بڑھتا جا رہا ہے اور دین کے ساتھ لاپرواہی بلکہ استخفاف و استہزاء جتنا عام ہوتا جا رہا ہے وہ کسی فرد بشر سے مخفی نہیں۔

اسی وجہ سے خاص علماء بلکہ عام علماء میں بھی لوگوں سے یکسوئی اور وحشت بڑھتی جا رہی ہے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہو رہا ہے کہ دین اور دینیات سے اجنبیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ عوام اپنے کو معذور کہتے ہیں کہ ان کو بتلانے والا کوئی نہیں، اور علماء اپنے کو معذور سمجھتے ہیں کہ ان کی سننے والا کوئی نہیں۔ لیکن خدائے قدوس کے یہاں نہ عوام کا یہ عذر کافی کہ کسی نے بتلایا نہ تھا، اس لئے کہ دینی امور کا معلوم کرنا، تحقیق کرنا، ہر شخص کا اپنا فرض ہے۔ قانون سے ناواقفیت کا عذر کسی حکومت میں بھی معتبر نہیں، احکم الحاکمین کے یہاں یہ پوچھ عذر کیسے چل سکتا ہے؟ یہ تو ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا مصداق ہے۔ اسی طرح

نہ علماء کے لئے یہ جواب موزوں کہ کوئی سننے والا نہیں۔ جن اسلاف کی نیابت کے آپ حضرات دعوے دار ہیں انہوں نے کیا کچھ تبلیغ کی خاطر برداشت نہیں فرمایا۔ کیا پتھر نہیں کھائے، گالیاں نہیں کھائیں، مصیبتیں نہیں جھیلیں؟ لیکن ہر نوع کی تکالیف برداشت فرمانے کے بعد اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کا احساس فرما کر لوگوں تک دین پہنچایا۔ ہر سخت سے سخت مزاحمت کے باوجود نہایت شفقت سے اسلام و احکام اسلام کی اشاعت کی۔

عام طور پر مسلمانوں نے تبلیغ کو علماء کے ساتھ مخصوص سمجھ رکھا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جس کے سامنے کوئی منکر ہو رہا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہو یا اس کے روکنے کے اسباب پیدا کر سکتا ہو اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو روکے۔ اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جاوے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی جب کہ وہ اپنی کوتاہی سے یا کسی مجبوری سے اس حق کو پورا نہیں کر رہے ہیں یا ان سے پورا نہیں ہو رہا ہے تو ضروری ہے کہ ہر شخص کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہو۔ قرآن و حدیث میں جس قدر اہتمام سے تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ارشاد فرمایا گیا ہے، وہ ان آیات و احادیث سے ظاہر ہے، جو آئندہ فصلوں میں آرہی ہیں۔ ایسی حالت میں صرف علماء کے ذمہ رکھ کر یا ان کی کوتاہی بتا کر کوئی شخص بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میری علی العموم درخواست ہے کہ ہر مسلمان کو اس وقت تبلیغ میں کچھ نہ کچھ حصہ لینا چاہئے۔ اور جس قدر وقت بھی دین کی تبلیغ اور حفاظت میں خرچ کر سکتا ہو کرنا چاہئے:

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغنم شمار کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
یہ بھی معلوم کر لینا ضروری ہے کہ تبلیغ کے لئے یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے پورا کامل و مکمل عالم ہونا ضروری نہیں۔ ہر وہ شخص جو کوئی مسئلہ جانتا ہو اس کو دوسروں تک پہنچائے۔ جب اس کے سامنے کوئی ناجائز امر کیا جا رہا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہو تو اس کا روکنا اس پر واجب ہے۔

اس رسالہ میں مختصر طور پر سات فصلیں ذکر کی ہیں۔

فصل اوّل

اس میں شُرکاء اللہ پاک کے بابرکت کلام میں سے چند آیات کا ترجمہ جن میں تبلیغ و امر بالمعروف کی تاکید و ترغیب فرمائی ہے پیش کرتا ہوں جس سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود حق سبحانہ و تقدّس کو اس کا کتنا اہتمام ہے کہ جس کیلئے بار بار مختلف عنوانات سے اپنے پاک کلام میں اس کا اعادہ کیا ہے۔ تقریباً ساٹھ آیات تو میری کوتاہ نظر سے اس کی ترغیب اور توصیف میں گذر چکی ہیں۔ اگر کوئی دقیق النظر غور سے دیکھے تو نہ معلوم کس قدر آیات معلوم ہوں۔ چونکہ ان سب آیات کا اس جگہ جمع کرنا طول کا سبب ہوگا اس لئے چند آیات ہی پراکتفا کرتا ہوں۔

(۱) قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا
اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے،
وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ (ختم السجدة: ۳۳)

مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو بلائے وہ اس بشارت اور تعریف کا مستحق ہے، خواہ کسی طریق سے بلائے، مثلاً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معجزہ وغیرہ سے بلائے ہیں اور علماء دلائل سے، مجاہدین تلوار سے، اور مؤذنین اذان سے۔ غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت الی الخیر کرے وہ اس میں داخل ہے، خواہ اعمال ظاہرہ کی طرف بلائے یا اعمال باطنہ کی طرف، جیسا کہ مشائخ صوفیہ اللہ کی معرفت کی طرف بلائے ہیں۔ (خازن) مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ساتھ تفاخر بھی ہو، اس کو اپنے لئے باعث عزت بھی سمجھتا ہو۔ اس اسلامی امتیاز کو تفاخر کے ساتھ ذکر بھی کرے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اس وعظ، نصیحت، تبلیغ سے اپنے کو بہت بڑی ہستی نہ کہنے لگے، بلکہ یہ کہے کہ عام مسلمین میں سے ایک مسلمان میں بھی ہوں۔

(۲) وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ اے محمد! لوگوں کو سمجھاتے رہے، کیونکہ
الْمُؤْمِنِينَ ۝ (التَّوْبَات: ۵۵) سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے قرآن پاک کی آیت سنا کر نصیحت فرمانا مقصود ہے کہ وہ نفع رساں ہے۔ مومنین کیلئے تو ظاہر ہے، کفار کیلئے بھی اس لحاظ سے کہ وہ ان شاء اللہ اس کے ذریعے سے مومنین میں داخل ہو جائیں گے اور آیت کے مصداق میں شامل ہوں گے۔ ہمارے اس زمانے میں وعظ و نصیحت کا راستہ تقریباً بند ہو گیا ہے، وعظ کا مقصد بالعموم شنگی تقریر بن گیا ہے تاکہ سننے والے تعریف کر دیں، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو شخص تقریر و بلاغت اسلئے سیکھے تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو قیامت کے دن اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں، نہ فرض نہ نفل۔“

(۳) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ اے محمد! اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم
عَلَيْهَا ۝ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۝ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ۝ کرتے رہے۔ اور خود بھی اس کے پابند
رہے، ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے،
معاش تو آپ کو ہم دینگے اور بہتر انجام تو
پرہیزگاری ہی کا ہے۔ (طہ: ۱۳۲)

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو کسی کی شنگی معاش کے رفع فرمانے کا فکر ہوتا تو اس کو نماز کی تاکید فرماتے اور آیت بالا کو تلاوت فرما کر گویا اس طرف اشارہ فرماتے کہ وسعت رزق کا وعدہ اہتمام نماز پر موقوف ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ میں نماز کے حکم کرنے کیساتھ خود اس پر اہتمام کرنے کا حکم اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ یہ نفع ہے کہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ جس چیز کا دوسروں کو حکم کیا جاوے خود بھی اس پر اہتمام کیا جاوے کہ اس سے دوسروں پر اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اور دوسروں کے اہتمام کا سبب بنتا ہے۔ اسی لئے ہدایت کے واسطے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے کہ وہ نمونہ بن کر سامنے ہوں تو عمل کر نیوالوں کو عمل کرنا سہل ہو۔ اور یہ خدشہ نہ گزرے کہ فلاں حکم مشکل ہے، اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے، اس کے بعد رزق کے وعدہ کی مصلحت یہ ہے کہ

نماز کا اپنے اوقات کیساتھ اہتمام بسا اوقات اسبابِ معیشت میں ظاہراً نقصان کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص تجارت ملازمت وغیرہ میں، اس لئے اس کو ساتھ کے ساتھ دفع فرمادیا کہ یہ ہمارے ذمہ ہے۔ یہ سب دنیاوی امور کے اعتبار سے ہے، اس کے بعد بطور قاعدہ کلیہ اور امر بدیہی کے فرمایا کہ عاقبت تو ہے ہی متقیوں کیلئے، اس میں کسی دوسرے کی شرکت ہی نہیں۔

(۴) يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ
بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ
عَلَى مَا أَصَابَكَ ط إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ
الْأُمُورِ (لقم: ۱۷)

بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی
نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا
کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر
کیا کر کہ یہ ہمت کے کاموں میں سے
ہے۔ (بیان القرآن)

اس آیت شریفہ میں مُہتمم بالشان امور کو ذکر فرمایا ہے اور حقیقت یہ امور اہم ہیں، تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہیں، مگر ہم لوگوں نے ان ہی چیزوں کو خاص طور سے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ امر بالمعروف کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ تو تقریباً سب ہی کے نزدیک متروک ہے۔ نماز جو تمام عبادات میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے اور ایمان کے بعد سب سے مقدم اسی کا درجہ ہے، اس کی طرف سے بھی کس قدر غفلت برتی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو بے نمازی کہلاتے ہیں خود نمازی لوگ بھی اس کا کامل اہتمام نہیں فرماتے۔ بالخصوص جماعت جس کی طرف اقامت نماز سے اشارہ ہے صرف غرباء کیلئے رہ گئی۔ امراء اور باعزت لوگوں کیلئے مسجد میں جانا گویا عار بن گیا ہے۔ فَالْيَ اللّٰهُ الْمُشْتَكٰی۔

آنچه عارست او فخر من است۔

(۵) وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا
ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلائے اور
نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور

الْمُفْلِحُونَ O (آل عمران: ۱۰۴) برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

حق سبحانه و تقدس نے اس آیت شریفہ میں ایک اہم مضمون کا حکم فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ امت میں سے ایک جماعت اس کام کیلئے مخصوص ہو کہ وہ اسلام کی طرف لوگوں کو تبلیغ کیا کرے۔ یہ حکم مسلمانوں کے لئے تھا، مگر افسوس! کہ اس اصل کو ہم لوگوں نے بالکلیہ ترک کر دیا ہے اور دوسری قوموں نے نہایت اہتمام سے پکڑ لیا ہے۔ نصاریٰ کی مستقل جماعتیں دنیا میں تبلیغ کیلئے مخصوص ہیں اور اسی طرح دوسری اقوام میں اس کیلئے مخصوص کارکن موجود ہیں، لیکن کیا مسلمانوں میں بھی کوئی جماعت ایسی ہے؟ اس کا جواب نفی میں نہیں تو اثبات میں بھی مشکل ہے۔ اگر کوئی جماعت یا کوئی فرد اس کیلئے اٹھتا بھی ہے تو اس وجہ سے کہ بجائے اعانت کے اس پر اعتراضات کی اس قدر بھرمار ہوتی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل تھک کر بیٹھ جاتا ہے، حالانکہ خیر خواہی کا مقتضایہ تھا کہ اس کی مدد کی جاتی اور کوتاہیوں کی اصلاح کی جاتی، نہ یہ کہ خود کوئی کام نہ کیا جاوے اور کام کرنے والوں کو اعتراضات کا نشانہ بنا کر ان کو کام کرنے سے گویا روک دیا جاوے۔

(۶) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط (آل عمران: ۱۱۰) تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کے (نفع رسائی) کیلئے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو (بیان القرآن و ترجمہ عاشقی)

مسلمانوں کا اشرف الناس اور امت محمدیہ کا اشرف الائم ہونا متعدد احادیث میں تصریح سے وارد ہوا ہے۔ قرآن پاک کی آیات میں بھی کئی جگہ اس مضمون کو صراحت و اشارۃ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس آیت شریفہ میں بھی خیر امت کا اطلاق فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی علت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ تم بہترین امت ہو اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان

سے بھی پہلے ذکر فرمایا حالانکہ ایمان سب چیزوں کی اصل ہے، بغیر ایمان کے کوئی خیر بھی معتبر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان میں تو اور اہم سابقہ بھی شریک تھیں۔ یہ خاص خصوصیت جس کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین سے اُمت محمدیہ کو تفوق ہے وہ یہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے جو اس اُمت کا تمغہ امتیاز ہے اور چونکہ بغیر ایمان کے کوئی عمل خیر معتبر نہیں اس لیے ساتھ ہی بطور قید کے اس کو بھی ذکر فرمادیا، ورنہ اصل مقصود اس آیت شریفہ میں اسی کا ذکر فرمانا ہے اور چونکہ وہی اس جگہ مقصود بالذکر ہے اس لئے اس کو مقدم فرمایا۔

اس اُمت کے لئے تمغہ امتیاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مخصوص اہتمام کیا جائے، ورنہ کہیں چلتے پھرتے تبلیغ کر دینا اس میں کافی نہیں۔ اس لئے کہ یہ امر پہلی امتوں میں بھی پایا جاتا تھا جس کو فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ (الانعام: ۴۴) وغیرہ آیات میں ذکر فرمایا ہے، امتیاز مخصوص اہتمام کا ہے کہ اس کو مستقل کام سمجھ کر دین کے اور کاموں کی طرح سے اس میں مشغول ہوں۔

(۷) لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجْوَاهُمْ إِلَّا
مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ
بَيْنَ النَّاسِ ط وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا
عَظِيمًا (النساء: ۱۱۴)

عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر (و برکت) نہیں ہوتی، مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ خیرات کی، یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم و ترغیب

کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں، ان کے مشوروں میں البتہ خیر و برکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کریگا (نہ کہ لالچ یا شہرت کی غرض سے) اس کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے امر بالمعروف کر نیوالوں کیلئے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور جس اجر کو حق جل جلالہ بڑا فرمادیں اس کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کیا گیا ہے کہ آدمی کا ہر کلام اس پر بار ہے، مگر یہ کہ

أمر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو یا اللہ کا ذکر ہو۔

دوسری احادیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ”کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو نفل، نماز، روزہ صدقہ سب سے افضل ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”لوگوں میں مصالحت کرانا کیونکہ آپس کا بگاڑ نیکوں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسا کہ استرابالوں کو اڑا دیتا ہے“۔ اور بھی بہت سی نصوص میں لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اس جگہ اس کا ذکر مقصود نہیں۔ اس جگہ اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ امر بالمعروف میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں میں مصالحت کی صورت جس طریق سے بھی پیدا ہو سکے، اس کا بھی ضرور اہتمام کیا جائے۔

فصل ثانی

اس میں ان احادیث میں سے بعض کا ترجمہ ہے جو مضمون بالا کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ تمام احادیث کا نہ احاطہ مقصود ہے نہ ہو سکتا ہے، نیز اگر کچھ زیادہ مقدار میں آیات و احادیث جمع بھی کی جائیں تو ڈر یہ ہے کہ دیکھے گا کون۔ آج کل ایسے امور کیلئے کسے فرصت اور کس کے پاس وقت ہے۔ اس لئے صرف یہ امر دکھلانے کیلئے اور آپ حضرات تک پہنچا دینے کے لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے کس قدر اہمیت کیساتھ اس کی تاکید فرمائی ہے اور نہ ہونے کی صورت میں کس قدر سخت وعید اور دھمکی فرمائی ہے۔ چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ.

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے، اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اس کو بند کر دے۔ اگر اتنی مقدرت نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے، اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔

(رواہ مسلم والترمذی وابن ماجہ والنسائی،

کذا فی الترغیب)

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اگر اس کو زبان سے بند کرنے کی طاقت ہو تو بند کر دے، ورنہ دل سے اس کو برا سمجھے کہ اس صورت میں بھی وہ بُری الذمہ ہے۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص دل سے بھی اس کو برا سمجھے تو وہ بھی مومن ہے، مگر اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں۔

اس مضمون کے متعلق کئی ارشادات نبی کریم ﷺ کے مختلف احادیث میں نقل کئے گئے ہیں۔ اب اس کے ساتھ اس ارشاد کی تعمیل پر بھی ایک نظر ڈالتے جائیں کہ کتنے آدمی ہم میں سے ایسے ہیں کہ کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھ کر ہاتھ سے روک دیتے ہیں یا فقط زبان سے اس کی برائی اور ناجائز ہونے کا اظہار کر دیتے ہیں، یا کم از کم اس ایمان کے ضعیف درجہ کے موافق دل ہی سے اس کو برا سمجھتے ہیں یا اس کام کو ہوتا ہوا دیکھنے سے دل تمللاتا ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر ذرا تو غور کیجئے کہ کیا ہونا چاہئے تھا اور کیا ہو رہا ہے۔

(۲) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَثَلُ الْقَائِمِ فِي حُدُودِ اللَّهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهْمُوا عَلَى سَفِينَةٍ، فَصَارَ بَعْضُهُمْ أَغْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِي فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِينَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ تَرَكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيعًا. (رواه البخاری والترمذی)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ کی حدود میں پڑنے والا ہے، اس قوم کی سی ہے جو ایک جہاز میں بیٹھے ہوں اور قرعہ سے (مثلاً) جہاز کی منزلیں مقرر ہو گئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر کے حصہ میں ہوں اور بعض لوگ نیچے (طباق) کے حصہ میں ہوں۔ جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جہاز کے اوپر کے حصہ پر آ کر پانی لیتے ہیں، اگر وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار اوپر پانی کے لئے جانے سے اوپر والوں کو

تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے ہی حصہ میں یعنی جہاز کے نیچے کے حصہ میں ایک سوراخ سمندر میں کھول لیں جس سے پانی یہاں ہی ملتا رہے، اوپر والوں کو ستانا نہ پڑے، ایسی صورت میں اگر اوپر والے ان احمقوں کی اس تجویز کو نہ روکیں گے اور خیال کر لیں گے کہ وہ جانیں ان کا کام، ہمیں ان سے کیا واسطہ۔ تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہو جائے گا اور دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسی حالت میں بھی تباہ و برباد ہو سکتے ہیں جب کہ ہم میں صلحاء اور متقی لوگ موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں جب خباثت غالب ہو جائے۔

اس وقت مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے ہر طرف گیت گائے جا رہے ہیں اور اس پر شور مچایا جا رہا ہے۔ نئے نئے طریقے ان کی اصلاح کے واسطے تجویز کئے جا رہے ہیں، مگر کسی روشن خیال (تعلیم جدید کے شیدائی) کی تو کیا کسی تاریک خیال مولوی صاحب کی بھی نظر اس طرف نہیں جاتی ہے کہ حقیقی طبیب اور شفیع مہربانی نے کیا مرض تشخیص فرمایا اور کیا علاج بتلایا ہے اور اس پر کس درجہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کیا اس ظلم کی کچھ انتہا ہے کہ جو سبب مرض ہے، جس سے مرض پیدا ہوا ہے، وہی علاج تجویز کیا جا رہا ہے کہ دین کی ترقی کیلئے دین و اسباب دین سے بے توجہی کی جا رہی ہے، اپنی ذاتی رایوں پر عمل کیا جا رہا ہے تو یہ مریض کل کی جگہ آج ہلاک نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

(۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَوَّلُ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُولُ: يَا هَذَا! اتَّقِ نَبِيَّ كَرِيمٍ ﷺ كَأَنَّ ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو

اللّٰهُ وَدَّعَ مَا تَصْنَعُ بِهِ؛ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلَى حَالِهِ، فَلَا يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكْبَلَهُ وَشَرِيئَهُ وَقَعِيدَهُ. فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، ثُمَّ قَالَ: لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَى قَوْلِهِ فَاسِقُونَ (المائدة: ۷۸-۸۱)، ثُمَّ قَالَ: كَلَّا وَاللّٰهُ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ، وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا. (رواه ابو داود والترمذی، کذا فی الترغیب)

اس کو منع کرتا کہ دیکھ! اللہ سے ڈر، ایسا نہ کر، لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کیساتھ خلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرمانبرداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دیئے)۔ پھر ان کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا سے فَاسِقُونَ تک پڑھیں۔ اس کے بعد

حضور ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ تم نجات نہیں پاؤ گے جب تک کہ ان کو ظلم سے نہ روک دو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو، ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح خلط کر دیئے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیئے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ قرآن پاک کی آیات تائید میں اس لیے پڑھیں کہ ان آیات شریفہ میں ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور سبب لعنت منجملہ اور اسباب کے یہ بھی ہے کہ وہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔

آج کل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی صلح کُل رہے، جس جگہ جاوے ویسی ہی کہنے لگے۔ اسی کو کمال اور وسعتِ اخلاق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ علی الاطلاق غلط ہے، بلکہ جہاں امر بالمعروف وغیرہ قطعاً مفید نہ ہو ممکن ہے کہ صرف سکوت کی کچھ گنجائش نکل آوے (نہ کہ ہاں میں ہاں ملانے کی)۔ لیکن جہاں مفید ہو سکتا ہے مثلاً اپنی اولاد، اپنے ماتحت، اپنے دست نگر لوگوں میں، وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کمالِ اخلاق نہیں، بلکہ سکوت کرنے والا شرعاً و عرفاً خود مجرم ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کو محبوب ہو، اپنے بھائیوں میں محمود ہو، (اُغلب یہ ہے کہ) وہ مُدَّاءِہن ہوگا۔

متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب کوئی گناہ مخفی طور سے کیا جاتا ہے اس کی مضرت کرنے والے ہی کو ہوتی ہے لیکن جب کوئی گناہ کھلم کھلا کیا جاتا ہے اور لوگ اس کے روکنے پر قادر ہیں اور پھر نہیں روکتے تو اس کی مضرت اور نقصان بھی عام ہوتا ہے۔

اب ہر شخص اپنی ہی حالت پر غور کر لے کہ کتنے معاصی اس کے علم میں ایسے کئے جاتے ہیں جن کو وہ روک سکتا ہے اور پھر بے توجہی، لاپرواہی، بے التفاتی سے کام لیتا ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے، اس کو کوتاہ نظر بتلایا جاتا ہے، اس کی اعانت کرنے کی بجائے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ. (الشعراء: ۲۲۷)

(۴) عَنْ جَوْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي، يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُونَ، إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوتُوا.

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت و قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مُسَلَّط ہو جاتا ہے۔

(رواہ ابو داود وابن ماجہ وابن حبان والاصبہانی وغیرہم کذا فی الترغیب)

میرے مخلص بزرگو! اور ترقی اسلام و مسلمین کے خواہشمند دوستو! یہ ہیں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب اور روز افزوں بربادی کی وجوہ۔ ہر شخص اجنبیوں کو نہیں، برابر والوں کو نہیں، اپنے گھر کے لوگوں کو، اپنے چھوٹوں کو، اپنی اولاد کو، اپنے ماتحتوں کو ایک لمحہ اس نظر سے دیکھ لے کہ کتنے کھلے ہوئے معاصی میں وہ لوگ مبتلا ہیں، اور آپ حضرات اپنی ذاتی وجاہت اور اثر سے ان کو روکتے ہیں یا نہیں؟ روکنے کو چھوڑیئے، روکنے کا ارادہ بھی کر لیتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کے دل میں کسی وقت اس کا خطرہ بھی گذر جاتا ہے کہ لاڈلا بیٹا کیا کر رہا ہے۔ اگر وہ حکومت کا کوئی جرم کرتا ہے، جرم بھی نہیں سیاسی مجالس میں شرکت ہی کر لیتا ہے تو آپ کو فکر ہوتی ہے کہ کہیں ہم نہ ملوث ہو جائیں۔ اس کو تنبیہ کی جاتی ہے اور اپنی صفائی اور تہی کی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ مگر کہیں احکم الحاکمین کے مجرم کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جاتا ہے جو معمولی حاکم عارضی کے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ پیارا بیٹا شطرنج کا شوقین ہے، تاش سے دل بہلاتا ہے، نماز کئی کئی وقت کی اڑا دیتا ہے، مگر افسوس کہ آپ کے منہ سے کبھی حرف غلط کی طرح بھی یہ نہیں نکلتا کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ مسلمانوں کے کام نہیں ہیں، حالانکہ اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینے کے بھی مامور تھے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

بہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا

ایسے بہت سے لوگ ملیں گے جو اپنے لڑکے سے اس لئے ناخوش ہیں کہ وہ اُحدی ہے، گھر پڑا رہتا ہے، ملازمت کی سعی نہیں کرتا ہے، یا دوکان کا کام تندہی سے نہیں کرتا ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جو لڑکے سے اس لئے ناراض ہوں کہ وہ جماعت کی پرواہ نہیں کرتا یا نماز قضا کر دیتا ہے۔

بزرگو! اور دوستو! اگر صرف آخرت ہی کا وبال ہوتا تب بھی یہ امور اس قابل تھے کہ ان سے کوسوں دور بھاگا جاتا، لیکن قیامت تو یہ ہے کہ اس دنیا کی تباہی کو جس کو ہم عملاً آخرت سے

مقدم سمجھتے ہیں انہیں امور کی وجہ سے ہے۔ غور تو کیجئے اس اندھے پن کی کوئی حد بھی ہے:

”مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى“ (بنی اسرائیل: ۷۲) حقیقی بات یہ ہے کہ ”خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ طَوَّعَ عَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةً“ (البقرة: ۷) کا پڑ تو ہے۔

(۵) رَوَى عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَقَرَدُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَالنِّقْمَةُ مَا لَمْ يَسْتَخْفُوا بِحَقِّهَا قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الِاسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ يَظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللَّهِ، فَلَا يُنْكَرُ وَلَا يُغَيَّرُ. (رواه الأصبهانی، ترغیب)

حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ (کلمہ توحید) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی و استخفاف کئے جانے کا کیا مطلب ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔

اب آپ ہی ذرا انصاف فرمائیے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا، کوئی حد ہے، اس کے روکنے یا بند کرنے کی یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی کوئی کوشش ہے، ہرگز نہیں۔ ایسے خطرناک ماحول میں مسلمانوں کا عالم میں موجود ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی انعام ہے ورنہ ہم نے اپنی بربادی کے لئے کیا کچھ اسباب نہیں پیدا کر لئے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا کوئی اللہ کا عذاب اگر زمین والوں پر نازل ہو، اور وہاں کچھ دین دار لوگ بھی ہوں تو اُن کو بھی نقصان پہنچتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں تو سب کو اثر پہنچتا ہے مگر آخرت میں وہ لوگ گنہگاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے، اس لئے وہ حضرات جو اپنی دین داری پر مطمئن ہو کر دنیا سے یکسو ہو بیٹھے اس سے بے فکر نہ رہیں کہ خدا نخواستہ اگر منکرات کے اس شیوع پر کوئی بلا نازل ہوگئی

توان کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

(۶) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ أَنَّ قَدْ حَضَرَهُ شَيْءٌ، فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ أَحَدًا، فَلَصِصْتُ بِالْحُجْرَةِ أَسْتَمِعُ مَا يَقُولُ، فَقَعَدْتُ عَلَى الْمَنْبَرِ، فَحَمِدَ اللَّهُ وَاتَّئِنَّا عَلَيْهِ، وَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَكُمْ: مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا أُجِيبُ لَكُمْ، وَتَسْأَلُونِي فَلَا أُعْطِيكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُونِي فَلَا أَنْصِرُكُمْ، فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتَّى نَزَلَ. (رواه ابن ماجة وابن حبان في صحيحه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ دولت گدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور ﷺ نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہو گئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا ”لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو اور سوال

کذا فی الترغیب)

پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں“ یہ کلمات طلیات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

اس مضمون پر وہ حضرات خصوصیت سے توجہ فرمائیں جو دشمن کے مقابلہ کے لئے امور دینیہ میں تسامح اور مسابہت پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی اعانت اور امداد دین کی پختگی ہی میں مضمر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو تمہارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، تمہارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اس وقت تمہارے برگزیدہ لوگ دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی، تم مدد چاہو گے تو مدد نہ ہوگی، مغفرت مانگو گے تو مغفرت نہ ملے گی۔ خود حق جل جلالہ کا ارشاد ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْلِفْ اَقْدَامَكُمْ“ (محمد: ۷) (ترجمہ) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (اور دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم جمادے گا (بیان القرآن)۔ دوسری جگہ ارشاد باری عزّائے ہے ”اِنْ يَنْصُرْكُمْ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ“ (ال عمران: ۱۰۷) (ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ شانہ تمہاری مدد کریں تو کوئی شخص تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کریں تو پھر کون شخص ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے۔

درمنثور میں بروایت ترمذی وغیرہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ اللہ جلّ جلالہ اپنا عذاب تم پر مسلط کر دیں گے، پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

یہاں پہنچ کر میرے بزرگ اول یہ سوچ لیں کہ ہم لوگ اللہ کی کس قدر نافرمانیاں کرتے ہیں، پھر معلوم ہو جائے گا کہ ہماری کوششیں بیکار کیوں جاتی ہیں، ہماری دعائیں بے اثر کیوں رہتی ہیں، ہم اپنی ترقی کے بیج بورے ہیں یا تنزل کے۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا عَظَّمْتُ أُمَّتِي الدُّنْيَا، نَزَعْتُ مِنْهَا هَيْبَةَ الْإِسْلَامِ، وَإِذَا تَرَكْتُ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ، حُرِمْتُ بَرَكَاتِ الْوَحْيِ، وَإِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللَّهِ.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اس کے قلوب سے نکل جائیگی، اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی، اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جلّ جلالہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

(کذا فی الدر عن الحکیم الترمذی)

اے یہی خواہاں قوم! ترقی اسلام اور ترقی مسلمین کے لئے ہر شخص کوشاں اور سعی ہے، لیکن جو اسباب اس کے لئے اختیار کئے جا رہے ہیں وہ تنزل کی طرف لے جانے

والے ہیں۔ اگر درحقیقت تم اپنے رسول (رُوحِ فِداء ﷺ) کو سچا رسول سمجھتے ہو، ان کی تعلیم کو سچی تعلیم سمجھتے ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جس چیز کو وہ سببِ مرض بتا رہے ہیں، جن چیزوں کو وہ بیماری کی جڑ فرما رہے ہیں وہی چیزیں تمہارے نزدیک سببِ شفا و صحت قرار دی جا رہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ لیکن تمہاری رائے ہے کہ مذہب کی آڑ کو بیچ سے ہٹا دیا جائے تاکہ ہم بھی دیگر اقوام کی طرح ترقی کر سکیں۔ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (الشوری: ۲۰)

”جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو کچھ دنیا دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔“ (بیان القرآن)

حدیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان آخرت کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے اللہ جلّ جلالہ اس کے دل کو غنی فرما دیتے ہیں اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے اور جو شخص دنیا کو اپنا نصب العین قرار دیتا ہے پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں جتنا حصہ مقدر ہو چکا ہے اس سے زیادہ ملتا ہی نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس آیت پاک کی تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے کہ: ”اے ابنِ آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینہ کو تفکرات سے خالی کر دوں گا اور تیرے فقر کو ہٹا دوں گا، ورنہ تیرے دل میں (سینکڑوں طرح کے) مشاغل بھر دوں گا اور تیرا فقر بند نہیں کروں گا۔“ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے اور تمہاری رائے ہے کہ مسلمان ترقی میں اس لئے پیچھے ہٹے ہوئے ہیں کہ جو راستہ ترقی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے یہ ملّا نے اس میں رکاوٹیں پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ ہی ذرا انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں کہ اگر یہ ملّا نے ایسے ہی لالچی ہیں تو آپ حضرات کی ترقیات

ان کیلئے تو مسرت کا سبب ہوں گی کیونکہ جب ان کی روزی آپ کے زعم میں آپ کے ذریعہ سے ہے تو جس قدر وسعت اور فتوحات آپ پر ہوں گی وہ اُن کے لئے بھی سبب وسعت اور فتوحات ہوں گی، مگر یہ خود غرض پھر بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو کوئی تو مجبوری ان کو درپیش ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے نفع کو بھی کھور ہے ہیں اور آپ جیسے محسن و مربیوں سے بگاڑ کر گویا اپنی دنیا خراب کر رہے ہیں۔ میرے دوستو! ذرا غور تو کرو، اگر یہ مثلاً نے کوئی ایسی بات کہیں جو قرآن پاک میں بھی صاف طور پر موجود ہو تو پھر تو اُن کی ضد سے منہ پھیرنا نہ صرف عقل ہی سے دور ہے، بلکہ شان اسلام سے بھی دور ہے۔ یہ مثلاً نے خواہ کتنے ہی نااہل ہوں، مگر جب کہ صریح ارشاد باری عزّ اسمہ اور ارشاد نبی کریم ﷺ آپ تک پہنچا رہے ہوں تو آپ پر ان ارشادات کی تعمیل فرض ہے اور حکم عدولی کی صورت میں جواب دہی لازمی ہے۔ کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا سرکاری قانون کی اس لئے پرواہ نہیں کہ اعلان کرنے والا بھنگی تھا۔

آپ حضرات یہ نہ فرمائیں کہ یہ مولوی جو دینی کاموں کے لئے مخصوص ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیشہ دنیا سے سوال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ میرا جہاں تک خیال ہے حقیقی مولوی اپنی ذات کے لئے شاید ہی کبھی سوال کریں بلکہ جس قدر بھی وہ اللہ کی عبادت میں متہمک ہیں اسی قدر استغنا سے ہدیہ بھی قبول فرماتے ہیں، البتہ کسی دینی کام کے لئے سوال کرنے میں ان شاء اللہ وہ اس سے زیادہ مابجور ہیں جتنا اپنے لئے سوال نہ کرنے میں۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ دین محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں رہبانیت کی تعلیم نہیں۔ اس میں دین و دنیا دونوں کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ ارشاد باری عزّ اسمہ ہے: ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ (البقرہ: ۲۰۱) اور اس آیت شریفہ پر بہت زور دیا جاتا ہے، گویا تمام قرآن پاک میں عمل کرنے کے لئے یہی ایک آیت نازل ہوئی ہے، لیکن اول تو آیت شریفہ کی تفسیر راخنین فی العلم سے معلوم کرنے کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے علماء کا ارشاد ہے کہ صرف لفظی ترجمہ دیکھ کر اپنے کو عالم قرآن سمجھ لینا جہالت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء تابعین رضی اللہ عنہم سے جو آیت شریفہ کی تفسیریں منقول ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد عافیت اور بقدر کفایت روزی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اس سے صالح بیوی مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد علم اور عبادت ہے۔ سدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ پاک مال مراد ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نیک اولاد اور خلقت کی تعریف مراد ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صحت اور روزی کا کافی ہونا اور اللہ پاک کے کلام کا سمجھنا دشمنوں پر فتح اور صالحین کی صحبت مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہر قسم کی دنیا کی ترقی مراد ہو جیسا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے تب بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذکر ہے نہ کہ اس کی تحصیل میں انہماک اور مشغولی کا، اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا خواہ ٹوٹے ہوئے جوتے کی اصلاح ہی کیوں نہ ہو، یہ خود دین ہے۔ تیسرے یہ کہ دنیا کے حاصل کرنے کو، اس کے کمانے کو کون منع کرتا ہے یقیناً حاصل کیجئے اور بہت شوق سے حاصل کیجئے۔ ہم لوگوں کی ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ خدا نخواستہ آپ دنیا جیسی مُغْتَنَم و مقصود چیز کو چھوڑ دیں۔

مقصد یہ ہے کہ جتنی کوشش دنیا کے لئے کریں اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر تو دین کے لئے کریں۔ اس لئے کہ خود آپ کے قول کے موافق دین اور دنیا دونوں کی تعلیم دی گئی ہے، ورنہ میں پوچھتا ہوں کہ جس قرآن پاک میں یہ آیت ارشاد فرمائی ہے، اسی کلام پاک کی وہ آیت بھی تو ہے جو اوپر گزر چکی ”مَنْ كَانَ يُرِيدُ خَرْبَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي خَرْبِهِ“ (الشوری: ۲۰) اور اسی کلام پاک میں یہ بھی ہے: ”مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا“ (بنی اسرائیل: ۱۸، ۱۹) اسی کلام پاک میں ہے ”ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ“ (آل عمران: ۱۴) اسی کلام پاک میں ہے ”مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ“ (آل عمران: ۱۵۲) اسی کلام پاک میں ہے ”قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى“ (النساء: ۷۷) اسی کلام پاک میں ہے ”وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ“ (الانعام: ۳۲) اسی کلام پاک میں ہے

”وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا“۔ (الانعام: ۷۰) اسی کلام پاک میں ہے ”تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ“ ط (الانفال: ۶۷) اسی کلام پاک میں ہے ”أَرْضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ“ (التوبہ: ۳۸) اسی کلام پاک میں ہے ”مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۚ وَلَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝“ (ہود: ۱۵، ۱۶) اسی کلام پاک میں ہے ”وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ“ (الرعد: ۳۶) اسی کلام پاک میں ہے ”فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحْبَبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ“ (النحل: ۱۰۶، ۱۰۷)۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن میں دنیا و آخرت کا تقابل کیا گیا ہے۔ اس وقت نہ احصاء مقصود نہ ضرورت، نمونہ کے طور پر چند آیات اختصاراً لکھ دی ہیں اور اختصار ہی کی وجہ سے ترجمہ کی بجائے پارہ کا حوالہ لکھ دیا ہے۔ کسی مترجم قرآن شریف سے ترجمہ دیکھ لیجئے، مقصود سب کا یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں جو لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ نہایت خسران میں ہیں۔ اگر دونوں کو آپ نہیں سنبھال سکتے تو پھر صرف آخرت ہی قابل ترجیح ہے۔ مجھے انکار نہیں کہ دنیا کی زندگی میں آدمی ضروریات دنیویہ کا سخت محتاج ہے، مگر اس وجہ سے کہ آدمی کو بیت الخلا جانا لازماً پڑے اور اس کے بغیر چارہ نہیں، اس لئے دن بھر وہیں بیٹھا رہے اس کو کوئی بھی عقل سلیم گوارا نہیں کرے گی۔

حکمت الہی پر ایک نگاہ عمیق ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شریعتِ مطہرہ میں ایک ایک چیز کا انضباط ہے۔ اللہ جل جلالہ و عظمیٰ نے ایک ایک چیز کو واضح فرما دیا۔ نمازوں کے اوقات کے تقسیم نے صاف طور سے اس جانب اشارہ کر دیا کہ روز و شب کے چوبیس گھنٹوں میں نصف بندہ کا حق ہے چاہے وہ اس کو اپنی راحت میں خرچ کرے یا طلبِ معیشت میں، اور نصف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور آپ کی تجویز کے موافق دین و دنیا کے ساتھ ساتھ رکھنے کا مقتضی بھی یہی ہونا چاہئے کہ روز و شب میں سے آدھا وقت دین کے لئے خرچ ہونا چاہئے

اور آدھا دنیا کے لئے۔ ورنہ اگر دنیاوی مشاغل خواہ فکر معاش کے ہوں یا راحت بدن کے، نصف سے بڑھ گئے تو یقیناً آپ نے دنیا کو رائج بنا لیا۔ پس آپ کی تجویز کے موافق بھی مقتضائے عدل یہی ہے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے ۱۲ گھنٹے دین کے لئے خرچ کئے جاویں تاکہ دونوں کا حق ادا ہو جائے اور اس وقت یقیناً یہ کہنا سجا ہوگا کہ دنیا و آخرت دونوں کی حسنات کی تحصیل کا حکم کیا گیا ہے اور اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی۔ یہ مضمون اس جگہ مقصود نہ تھا بلکہ اشکال کے جواب میں متبعاً آ گیا، اس لئے مختصر و مجمل طور پر اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔ اس فصل میں مقصود احادیث تبلیغ کا ذکر کرنا تھا۔ ان میں سے سات احادیث پر اکتفا کرتا ہوں کہ ماننے والے کے لئے سات تو سات ایک بھی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لئے ”فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“ (الشعراء: ۲۲۷) کافی سے زائد ہے۔

اخیر میں ایک ضروری گزارش یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جب کہ بخل کی اطاعت ہونے لگے اور خواہشات نفسانیہ کا اتباع کیا جائے، دنیا کو دین پر ترجیح دی جائے، ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے دوسرے کی نہ مانے، اس وقت میں نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی اصلاح چھوڑ کر یکسوئی کا حکم فرمایا ہے، مگر مشائخ کے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ خدا نہ کرے کہ وہ وقت دیکھتی آنکھوں آن پہنچے کہ اس وقت کسی قسم کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ نیز ان عیوب سے جن کا ذکر اس حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اہتمام سے بچنا ضروری ہے کہ یہ فتنوں کے دروازے ہیں۔ ان کے بعد سراسر فتنے ہی فتنے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ان کو ہلاک کر دینے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ ”اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ“۔

فصل ثالث

اس میں ایک خاص مضمون پر تنبیہ مقصود ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح اس زمانہ میں نفس تبلیغ میں کوتاہی ہو رہی ہے اور عام طور پر لوگ اس سے بہت زیادہ غافل ہو رہے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں ایک خاص مرض یہ ہے کہ جب وہ کسی دینی منصب، تقریر، تحریر، تعلیم، تبلیغ،

وعظ وغیرہ پر مامور ہو جاتے ہیں تو دوسروں کی فکر میں ایسے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اپنے سے غفلت ہو جاتی ہے، حالانکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی احتیاج ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے متعدد مواقع میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مبتلائے معاصی رہے۔

آپ ﷺ نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ لوگ آپ کی امت کے واعظ و مقرر ہیں کہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے، خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے (مشکوٰۃ شریف)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اہل جنت کے چند لوگ بعض اہل جہنم سے جا کر پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ ہم تو جنت میں تمہاری ہی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی بدولت پہنچے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم تم کو تو بتلاتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بدکار قراء (علماء) کی طرف عذابِ جہنم زیادہ سرعت سے چلے گا۔ وہ اس پر تعجب کریں گے کہ بت پرستوں سے بھی پہلے ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔ تو جواب ملے گا کہ جاننے کے باوجود کسی جرم کا کرنا انجان ہو کر کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ اس شخص کا وعظ نافع نہیں ہوتا جو خود عامل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر روز جلسے، وعظ، تقریریں ہوتی رہتی ہیں مگر ساری بے اثر، مختلف انواع کی تحریرات و رسائل شائع ہوتے رہتے ہیں مگر سب بے سود۔ خود اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے:

اَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ طَافِلًا
تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۷۷)

”کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور
بھولتے ہوئے اپنے آپ کو، حالانکہ پڑھتے
ہو کتاب۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“ (ترجمہ عاشقی)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک
مَا تَرَالُ قَدَمًا عَبْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى

يُسْأَلُ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمْرِهِ فِيْمَ أَفْنَاهُ،
وَعَنْ شَبَابِهِ فِيْمَ أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهِ
مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ
عِلْمِهِ مَاذَا عَمِلَ فِيْهِ. (ترغیب عن
البیہقی وغیرہ)

اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک چار
سوال نہ کر لئے جاویں: ۱۔ عمر کس مشغلہ میں
ختم کی، جوانی کس کام میں خرچ کی، مال
کس طرح کمایا تھا اور کس کس مصرف میں
خرچ کیا تھا، ۲۔ اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا۔

حضرت ابو الذر داء رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ
اس امر کا خوف ہے کہ قیامت کے دن تمام مجموعوں کے سامنے مجھے پکار کر یہ سوال نہ کیا
جاوے کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔ خود نبی کریم ﷺ سے کسی صحابی نے
دریافت کیا کہ بدترین خلاق کون شخص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ برائی کے سوالات نہیں
کیا کرتے، بھلائی کی باتیں پوچھو۔ بدترین خلاق بدترین علماء ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جو صرف زبان پر ہو، وہ
اللہ تعالیٰ کا الزام ہے اور گویا اس عالم پر حجت تام ہے۔ دوسرے وہ علم ہے جو دل پر اثر
کرے، وہ علم نافع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علم ظاہری کے ساتھ علم باطن بھی حاصل کرے
تا کہ علم کے ساتھ قلب بھی مُتَّصِف ہو جائے ورنہ اگر دل میں اس کا اثر نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی
حجت ہوگا اور قیامت کے دن اس پر مواخذہ ہوگا کہ اس علم پر کیا عمل کیا، اور بھی بہت سی
روایات میں اس پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے میری درخواست ہے کہ
مبلغین حضرات اپنی اصلاح ظاہر و باطن کی پہلے فکر کریں۔ مبادا ان وعیدوں میں داخل
ہو جائیں۔ اللہ جل جلالہ و عظم ثوالہ اپنی رحمت واسعہ کے طفیل اس سید کار کو بھی اصلاح ظاہر و باطن
کی توفیق عطا فرمادیں کہ اپنے سے زیادہ بد افعال کسی کو بھی نہیں پاتا۔ ”إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي
اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ الْوَاسِعَةِ“۔

فصل رابع

اس میں بھی ایک خاص و نہایت اہم امر کی طرف حضرات مبلغین کی توجہ مبذول کرانا

مقصود ہے جو نہایت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ تبلیغ میں بسا اوقات تھوڑی سی بے احتیاطی سے نفع کے ساتھ نقصان بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ احتیاط کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ تبلیغ کے جوش میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ایک مسلمان کی پردہ دری ہو رہی ہے، حالانکہ عرض مسلم ایک عظیم الشان موقع شے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: مَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سِتْرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ. (رواہ مسلم و ابو داؤد وغیرہما ترغیب)

”جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جل ثنا و دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَرْفُوعًا: مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيهِ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، كَشَفَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ بِهَا فِي بَيْتِهِ. (رواہ ابن ماجہ، ترغیب)

”نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جل ثنا قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے اللہ جل ثنا اس کی پردہ دری فرماتا ہے حتیٰ کہ گھر بیٹھے اس کو رسوا کر دیتا ہے۔“

الغرض بہت سی روایات میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے، اس لئے مبلغین حضرات کو مسلمان کی پردہ پوشی کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے اور اس سے زیادہ بڑھ کر اس کی آبرو کی حفاظت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں مسلمان کی مدد نہ کرے کہ اس کی آبروریزی ہو رہی ہو تو اللہ جل ثنا اس کی مدد سے ایسے وقت میں اعراض فرماتے ہیں جب کہ وہ مدد کا محتاج ہو۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ بدترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔

اسی طرح بہت سی روایات میں مسلمان کی آبروریزی پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس لئے بہت ضروری ہے کہ مبلغین حضرات اس کا پُر زور اہتمام رکھیں کہ نہی عن المنکر میں اپنی طرف سے پردہ دری نہ ہو۔ جو منکر مخفی طور سے معلوم ہو اس پر مخفی انکار ہو اور جو علانیہ کیا جائے اس پر علانیہ انکار ہونا چاہئے۔ نیز انکار میں بھی اس کی آبرو کی حتی الوسع فکر رہنی چاہئے، مبادا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہو جائے۔ حاصل یہ ہے کہ منکر پر انکار ضرور کیا جائے کہ سابقہ وعیدیں بھی بہت سخت ہیں، مگر اس میں اس کی آبرو کا بھی حتی الوسع سخت اہتمام کیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ جس معصیت کا وقوع علانیہ طور پر ہو رہا ہو اس پر بے تکلف علانیہ انکار کیا جائے، لیکن جس منکر کا کرنے والے کی طرف سے افشا نہ ہو اس پر انکار کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایسی صورت اختیار نہ فرمائی جائے جس سے اس کا افشا ہو۔ نیز یہ بھی آداب تبلیغ میں سے ہے کہ نرمی اختیار کی جائے۔ مامون الرشید خلیفہ کو کسی شخص نے سخت کلامی سے نصیحت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ نرمی سے کہو، اس لئے کہ اللہ جلّ ثناؤ نے تم سے بہتر یعنی حضرت موسیٰؑ حضرت ہارون علیہما السلام کو میرے سے زیادہ برے یعنی فرعون کی طرف بھیجا تھا تو فرمایا تھا ”قُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا“ یعنی تم اس سے نرم گفتگو کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک جوان حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے زنا کی اجازت دید دیجئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کی تاب نہ لا سکے اور ناراض ہونا شروع فرمادیا۔ حضور ﷺ نے اس سائل سے فرمایا: قریب ہو جاؤ، اور پھر فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کیساتھ زنا کرے؟ کہا: میں آپ پر قربان ہوں، یہ میں ہرگز نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی ماؤں کیساتھ زنا کیا جائے۔ پھر فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی تیری بیٹی سے زنا کرے؟ عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہوں، نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا جائے۔ غرض اسی طرح بہن خالہ پھوپھی کو پوچھ کر حضور ﷺ نے دست مبارک اس شخص کے سینہ پر رکھ کر دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس کے دل کو پاک کر اور گناہ کو معاف فرما اور شرمگاہ کو معصیت سے محفوظ فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے زنا کی برابر کوئی چیز اس شخص کے نزدیک مبعوض نہ

تھی۔ بالجملہ دعا سے، دوا سے، نصیحت سے، نرمی سے، یہ تصور کر کے سمجھائے کہ میں اس جگہ ہوتا تو میں اپنے لئے کیا صورت پسند کرتا کہ لوگ مجھ کو اس صورت سے نصیحت کریں۔

فصل خامس

اس میں بھی مبلغین کی خدمت میں ایک ضروری درخواست ہے وہ یہ کہ اپنی ہر تقریر و تحریر کو خلوص و اخلاص کے ساتھ مٹھف فرمائیں کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی دینی اور دنیوی ثمرات کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں اس کا کوئی اثر نہ آخرت میں کوئی اجر۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرَتِكُمْ“ ”حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور
وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ“ تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے
وَأَعْمَالِكُمْ. (مشکوٰۃ عن مسلم) دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اخلاص۔ ترغیب نے مختلف روایات میں یہ مضمون ذکر کیا ہے۔ نیز ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن میں حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دین میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہیں کے لئے کیا گیا ہو۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: ”قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّا غَنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكُهُ. وَفِي رِوَايَةٍ: فَإِنَّا مِنْهُ بَرِيٌّ فَهُوَ لِلَّذِي عَمِلَهُ“ (مشکوٰۃ عن مسلم) ترجمہ۔ ”حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے کہ میں سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی دنیا کے شرکاء شرکت کے محتاج اور شرکت پر راضی ہوتے ہیں اور میں خلاق علی الاطلاق ہوں، بے پروا ہوں، عبادت

میں غیر کی شرکت سے بیزار ہوں) جو شخص کوئی عمل ایسا کرے جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کر لے میں اس کو اس کے شریک کے حوالہ کر دیتا ہوں۔“ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہو جاتا ہوں۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں ایک مُنادی باوازی بلند کہے گا کہ جس شخص نے کسی عمل میں دوسرے کو شریک کیا ہو وہ اس کا ثواب اور بدلہ اسی سے مانگے۔ اللہ تعالیٰ سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے:

”جو شخص ریا کاری سے نماز پڑھتا ہے وہ
مَنْ صَلَّيْ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ
صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ
يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ. (مشکوٰۃ عن احمد)
”جو شخص ریا کاری سے صدقہ دیتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے۔“

مشرک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جن کے دکھلانے کے لئے یہ اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتا ہے۔ اس حالت میں یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے لئے بن جاتے ہیں جن کو دکھلانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

”قیامت کے دن جن لوگوں کا اول وہلہ
إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَسْتُشْهِدُ، فَأَتَىٰ بِهِ فَعَرَفَهُ
نِعْمَتَهُ فَعَرَفَهَا، فَقَالَ فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا؟
قَالَ: قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى أَسْتُشْهِدُ،
قَالَ: كَذَبْتُ، وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ
يُقَالَ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ
فَسُحِبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ حَتَّىٰ أُلْقِيَ فِي
النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ

”قیامت کے دن جن لوگوں کا اول وہلہ
میں فیصلہ سنایا جاویگا ان میں سے ایک وہ
شہید بھی ہوگا جس کو بلا کر اولاً اللہ تعالیٰ اپنی
اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے جو اس پر کی
گئی تھی، وہ اس کو پہچانے گا اور اقرار کریگا۔
اس کے بعد سوال کیا جاویگا کہ اس نعمت
سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ تیری رضا کیلئے
جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا کہ

الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ، وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ إِنَّكَ عَالِمٌ، وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَةً فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتُ فِيهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُتَّقَى فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ بِهِ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ. (مشکوٰۃ عن مسلم)

جھوٹ ہے، یہ اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں گے، سو کہا جا چکا اور جس غرض کیلئے جہاد کیا گیا تھا وہ حاصل ہو چکی۔ اس کے بعد اس کو حکم سنا دیا جاویگا اور وہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔ دوسرے وہ عالم بھی ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پاک حاصل کیا۔ اس کو بلا کر اس پر جو انعامات دنیا میں کئے گئے تھے اُن کا اظہار کیا جاویگا اور وہ اقرار کریگا۔ اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائیگا کہ ان نعمتوں میں کیا کیا کام کئے؟ وہ عرض کریگا کہ تیری رضا کیلئے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا، قرآن پاک تیری رضا کیلئے حاصل کیا۔ جواب ملے گا جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم اس لئے پڑھا تھا کہ

لوگ عالم کہیں، اور قرآن اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ قاری کہیں، سو کہا جا چکا (اور جو غرض پڑھنے پڑھانے کی تھی وہ پوری ہو چکی)۔ اس کے بعد اس کو بھی حکم سنا دیا جاویگا اور وہ بھی منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ تیسرے وہ مال دار بھی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعتِ رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال مرحمت فرمایا، بلایا جائے گا اور اس سے بھی نعمتوں کے اظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان انعامات میں کیا کارگزاری کی ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ کوئی مصرفِ خیر ایسا نہیں جس میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ سب اس لئے کیا گیا کہ لوگ فیاض کہیں سو کہا جا چکا اس کو بھی حکم کے

موافق کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔“

لہذا بہت ہی اہم اور ضروری ہے کہ مبلغین حضرات اپنی ساری کارگزاری میں اللہ کی رضا، اس کے دین کی اشاعت، نبی کریم ﷺ کی سنت کا اتباع مقصود رکھیں۔ شہرت، عزت تعریف کو ذرا بھی دل میں جگہ نہ دیں۔ اگر خیال بھی آجائے تو لا حول، واستغفار سے اس کی اصلاح فرمالیں۔ اللہ جل ثناہ اپنے لطف اور اپنے محبوب کے صدقے اور محبوب کے پاک کلام کی برکت سے مجھ سیاح کار کو بھی اخلاص کی توفیق عطا فرمائے اور ناظرین کو بھی۔ آمین

فصل سادس

اس میں عامۃ المسلمین کو ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے، وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی، بے توجہی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جا رہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے بھی ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے بچوں میں شامل ہیں اور علمائے سوء، علمائے رُشد میں مخلوط ہیں۔ مگر پھر بھی دو امر بے حد لحاظ کے قابل ہیں: اول یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماء سوء میں سے ہونا محقق نہ ہو جائے اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگا دینا چاہئے ”وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا“ (بنی اسرائیل: ۳۶) ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل در آمد نہ کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی (بیان القرآن) اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علمائے سوء میں ہو، اس کی بات کو بلا تحقیق رد کر دینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود توراۃ کے مضامین کو عربی میں نقل کر کے سناتے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہ ان کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے، یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق و تکذیب سے روک دیا، لیکن ہم

لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لئے کہنے والے کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں، گو اس کا اہل حق ہونا بھی محقق ہو۔

دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علمائے حقانی، علمائے رشد، علمائے خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے۔ معصوم ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے، اس لئے اُن کی لغزشوں، ان کی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا معاملہ ہے، سزا دیں یا معاف فرمادیں، بلکہ اُغلب یہ ہے کہ اُن کی لغزشیں ان شاء اللہ معاف ہی ہو جاویں گی۔ اس لئے کہ کریم آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہو جائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگزر کیا کرتا ہے۔ پھر اللہ جلّ و علا کے برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا، لیکن وہ بَمُتَّكِنَ عَدْلٍ گرفت بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا، نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا، لوگوں کیلئے بددینی کا سبب ہوگا، اور ایسا کرنے والوں کے لئے وبال عظیم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”تینوں اصحاب ذیل کا اعزاز اللہ کا اعزاز ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ محافظِ قرآن جو افراطِ تفریط سے خالی ہو، تیسرا منصف حاکم۔“

إِنَّ مِنْ أَجَلِّ اللَّهِ تَعَالَى أَكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْعَالِي فِيهِ وَلَا الْجَافِي عَنْهُ، وَأَكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ترغیب عن ابی داود)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

”وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے، وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے۔“

لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَمْ يُجَلِّ كَبِيرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفَ عَالِمَنَا. (ترغیب عن احمد والحاکم وغيرهما)

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ لَا يَسْتَحِفُّ بِهِمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، ذُو الشَّيْبَةِ فِي الْإِسْلَامِ، وَذُو الْعِلْمِ، وَآمَامٌ مُقْسِطٌ. (ترغیب عن الطبرانی)

”نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے (نہ کہ مسلمان) وہ تینوں شخص یہ ہیں) ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم۔“

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے: ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فتوحات زیادہ ہوئے لگیں، جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے۔ دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے، حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے (بیان القرآن)۔ یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چوں و چرا کیا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لا پرواہی کا معاملہ کیا جائے۔ ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

جس قسم کے الفاظ اس زمانہ میں علماء اور علوم دینیہ کے متعلق اکثر استعمال کئے جاتے ہیں، ”فتاویٰ عالمگیری“ میں ان میں سے اکثر الفاظ کو الفاظ کفریہ میں شمار کیا ہے، مگر لوگ اپنی ناواقفیت سے اس حکم سے غافل ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس قسم کے الفاظ بالعموم استعمال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے۔ بالفرض اگر مان بھی لیا جاوے کہ علمائے حقانی کا اس وقت وجود ہی نہیں رہا اور یہ سب جماعتیں جن پر علماء کا اطلاق کیا جاتا ہے علمائے سوء ہی ہیں تب بھی آپ حضرات کی صرف علماء کو علمائے سوء کہنے سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی حالت میں تمام دنیا پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ علمائے حقانی کی ایک جماعت پیدا کی جائے،

ان کو علم سکھایا جائے اس لئے کہ علماء کا وجود فرض کفایہ ہے۔ اگر ایک جماعت اس کے لئے موجود ہے تو یہ فرض سب سے ساقط ہے، ورنہ تمام دنیا گناہ گار ہے۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان علماء کے اختلاف نے عوام کو تباہ و برباد کر دیا ہے، ممکن ہے کہ کسی درجہ میں صحیح ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ علماء کا یہ اختلاف آج کا نہیں، سو پچاس برس کا نہیں، خیر القرون بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے ہے۔

حضور اقدس ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے دے کر اس اعلان کے لئے بھیجتے ہیں کہ جو شخص کلمہ گو ہو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملتے ہیں اور معاملہ پوچھتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کا قاصد بتاتے ہیں، لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زور سے ان کے سینہ پر دونوں ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ بیچارے سرینوں کے بل زمین پر گر پڑتے ہیں، مگر نہ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف پوسٹر شائع ہوتا ہے، نہ کوئی جلسہ ہو کر احتجاجی ریزولیشن پاس ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہزاروں مسئلے مختلف فیہا ہیں اور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جزئی ہو جو مختلف فیہ نہ ہو۔ چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دو سو مسئلے ائمہ اربعہ کے یہاں ایسے مختلف فیہ ہیں جو مجھ کو تاہ نظر کی نگاہ سے بھی گذر چکے ہیں اور اس سے زائد نہ معلوم کتنے ہونگے، مگر کبھی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ ان کے لئے اشتہارات و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے، نہ جلسے اور مناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے۔ راز یہ ہے کہ عوام کے کان ان مسائل سے آشنا نہیں ہیں۔ علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے۔ جب کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتویٰ دے گا دوسرے کے نزدیک اگر وہ حجت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر اختلاف نہ کرے تو مداہن اور عاصی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام نہ کرنے کے لئے اس لچر اور پوچ عذر کو حیلہ بناتے ہیں، ورنہ ہمیشہ اطباء میں اختلاف ہوتا ہے، وکلاء کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے، مگر کوئی شخص

علاج کرانا نہیں چھوڑتا، مقدمہ لڑانے سے نہیں رکتا۔ پھر کیا مصیبت ہے کہ دینی امور میں اختلافِ علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے، یقیناً سچے عمل کر نیوالے کے لئے ضروری ہے کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتا ہے، متبعِ سنت سمجھتا ہے اس کے قول پر عمل کرے اور دوسروں پر لٹو حملوں اور طعن و تشنیع سے باز رہے، جس شخص کے ذہن کی رسائی دلائل کے سمجھنے اور ان میں ترجیح دینے تک نہیں ہے اس کا حق نہیں کہ ان میں دخل دے۔

نبی کریم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ علم کو ایسے لوگوں سے نقل کرنا جو اسکے اہل نہ ہوں اس کو ضائع کرنا ہے، مگر جہاں بد دینی کی یہ حد ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح ارشادات پر لب کشائی ہر شخص کا حق سمجھا جاتا ہو، وہاں بیچارے علماء کا کیا شمار ہے۔ جس قدر الزامات رکھے جائیں کم ہیں۔ ”وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ“ (البقرة: ۲۲۹)

فصل سابع

گویا چھٹی فصل کا تکرار اور تہہ ہے۔ اس میں ناظرین کی خدماتِ عالیہ میں ایک اہم درخواست ہے، وہ یہ کہ اکثر اللہ والوں کے ساتھ ارتباط، ان کی خدمت میں کثرت سے حاضری، دینی امور میں تقویت اور خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”إِلَّا أَذْلُكَ عَلَىٰ مَلَائِكَةِ هَذَا الْأَمْرِ الَّذِي تُصِيبُ بِهِ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ؟“
 ”کیا تجھے دین کی نہایت تقویت دینے والی چیز نہ بتاؤں جس سے تو دین و دنیا دونوں کی فلاح کو پہنچے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے والوں کی مجلس ہے اور جب تو تنہا“
 (الحديث مشکوة ص ۷۱۹)

ہوا کرے تو اپنے کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رطبُ اللسان رکھا کر۔“

اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اتباعِ سنت ہے کہ حق سبحانہ و تقدس نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو امت کی ہدایت کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي“ ”آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے

يُحِبُّكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو،
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ. (آل عمران: ۳۱) خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور

تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں“ (بیان القرآن)
لہذا جو شخص نبی اکرم ﷺ کا کامل متبع ہو وہ حقیقتاً اللہ والا ہے اور جو شخص اتباع سنت سے
جس قدر دور ہو وہ قرب الہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے
محبت کا دعویٰ کرے اور سنت رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے، اس لئے کہ قاعدہ محبت
اور قانون عشق ہے کہ جس سے کسی کو محبت ہوتی ہے اس کے گھر سے، درود یار سے، صحن سے،
باغ سے حتیٰ کہ اس کے کتے سے، اس کے گدھے سے محبت ہوتی ہے۔

أَمْرٌ عَلَى الدِّيارِ دِيَارِ لَيْلَى أَقْبَلُ ذَا الْجِدَارِ وَذَا الْجِدَارِ
وَمَأْخِذُ الدِّيارِ شَفَعْنَ قَلْبِي وَلَكِنْ حُبٌّ مَنْ مَسَّكَ الدِّيارِ

ترجمہ: کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے شہر پر گذرتا ہوں تو اُس دیوار کو اور اُس دیوار کو پیار کرتا
ہوں، کچھ شہروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اُن لوگوں کی محبت کی
کار فرمائی ہے جو شہروں کے رہنے والے ہیں۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

تَعْصِي الْإِلَهِ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُجَّةً وَهَذَا الْعَمْرِيُّ فِي الْفِعَالِ بَدِيعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَا طَعْنَةَ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

ترجمہ: تُو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے اگر تو اپنے دعویٰ
میں سچا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا، اس لئے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا تابع دار ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری تمام اُمت جنت میں داخل ہوگی، مگر جس نے انکار کر دیا۔
صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ”جس نے انکار کر دیا“ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو
شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا
ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ

اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے دعویدار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ ہوں۔ کسی بات کو ان مدعیوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ سنت کے خلاف ہے، حضور ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے، گویا برچھی مار دینا ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواستہ رسید

پیغمبر علیہ السلام کے طریقہ کی خلاف جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کرے گا کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ بالجملہ اس تحقیق کے بعد کہ یہ شخص اللہ والوں میں سے ہے، اس کے ساتھ ربط کا بڑھانا، اس کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونا، اس کے علوم سے فائدہ اٹھانا، دین کی ترقی کا سبب ہے اور نبی کریم ﷺ کا امر بھی ہے۔

ایک حدیث میں ارشادِ عالی ﷺ ہے کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرا کرو تو کچھ حاصل بھی کر لیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جنت کے باغ کیا چیز ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”علمی مجالس“۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ علماء کی خدمت میں بیٹھنے کو ضروری سمجھو اور حکمائے امت کے ارشادات کو غور سے سنا کرو، کہ حق تعالیٰ شانہ حکمت کے نور سے مردہ دلوں کو ایسے زندہ فرماتے ہیں کہ جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے۔ اور حکماء دین کے جاننے والے ہی ہیں نہ کہ دوسرے اشخاص۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ بہترین ہمنشین ہم لوگوں کے واسطے کون شخص ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے سے اللہ کی یاد پیدا ہو، جس کی بات سے علم میں ترقی ہو، جس کے عمل سے آخرت یاد آ جائے۔ ترغیب میں ان روایات کو ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد

آجائے۔ خود حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا
مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ (التوبہ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے
ساتھ رہو۔ (بیان القرآن)

مفسرین نے لکھا ہے کہ سچوں سے مراد اس جگہ مشائخ صوفیہ ہیں۔ جب کوئی شخص انکی چوکھٹ کے خدام میں داخل ہو جاتا ہے تو ان کی تربیت اور قوت ولایت کی بدولت بڑے بڑے مراتب تک ترقی کر جاتا ہے۔

شیخ اکبر رحمہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کر سکتا، گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے۔ لہذا جب بھی تجھے کوئی ایسا شخص ملے جس کا احترام تیرے دل میں ہو اس کی خدمت گذاری کر اور اس کے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی بھی خواہش نہ رہے۔ اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی کر، اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر، اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے پیشہ کر، مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کا حکم کرے تو بیٹھ جا۔ لہذا ضروری ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملا دے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہو تو ملائکہ اس کو گھیر لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور حق سبحانہ و تقدس اپنی پاک مجلس میں ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک دل ربودہ کے واسطے اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ محبوب کی مجلس میں اس کا ذکر ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والی جماعت کے لوگوں کو جو اخلاص سے اللہ کو یاد کر رہے ہوں، ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے کہ اللہ نے تمہاری مغفرت کردی، اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں، اس کے رسول پر درود نہیں، اس مجلس والوں کو قیامت کے دن حسرت ہوگی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا ہے کہ یا اللہ اگر تو مجھے ذاکرین کی مجلس سے گذر کر غافلین کی مجلس میں جاتا ہوا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے۔

جب اس کی صوت و صورت سے ہے محرومی، تو بہتر ہے

مرے کانوں کا گر ہونا، اور آنکھیں کور ہو جانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسی چمکتی ہیں جیسے کے زمین والوں کے نزدیک ستارے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے وہاں کچھ بھی تقسیم نہ ہو رہا تھا۔ واپس جا کر عرض کیا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر کیا ہو رہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ چند لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت میں۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے اس نوع کی روایات بکثرت ذکر فرمائی ہیں۔ اس سب سے بڑھ کر یہ کہ خود نبی اکرم ﷺ کے لئے حکم ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ (الكهف: ۲۸)

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کیساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت، محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پاویں، اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں

جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا

ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ جل جلالہ کا اس پر شکر ادا فرمایا کرتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کی مجلس میں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مامور ہوں، اور اسی آیت شریفہ میں دوسری جماعت کا بھی حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن کے قلوب اللہ کی یاد سے غافل ہیں، اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، حد و دوسے بڑھ جاتے ہیں، ان کے اتباع سے روک دیا گیا ہے۔

اب وہ حضرات جو ہر قول و فعل میں دین و دنیا کے کاموں میں کفار و فساق کو مُقتدا بناتے ہیں، مشرکین و نصاریٰ کے ہر قول و فعل پر سو جان سے نثار ہیں، خود ہی غور فرمائیں کہ کس راستے جا رہے ہیں۔

تَرْسَمُ نَهْ رِیْ بَلَعِبِهْ اے اعرابی! کیس رہ کہ تو میروی بترکستان است
مَرَادِ مَا نَصِيحَتِ بُود و کردیم حوالت با خدا کردیم و رفتیم
وَمَا عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ

ممثّل امر

محمد زکریا کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور ۵ صفر ۱۳۵۰ھ

مطابق ۲۱ جون ۱۹۳۱ء شپ دوشنبہ

فضائلِ رمضان

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ

مکتبۃ الرشیدیہ

کراچی - پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ط
حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا ط

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ چند احادیث کا ترجمہ ہے جو رمضان المبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی رحمۃ للعالمین ذات نے مسلمانوں کے لئے ہر باب میں جس قدر فضائل اور ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں اُن کا اصل شکریہ اور قدر دانی تو یہ تھی کہ ہم ان پر مرمتے، مگر ہماری کوتاہیاں اور دینی بے رغبتیاں اس قدر روز افزوں ہیں کہ ان پر عمل تو درکنار ان کی طرف التفات اور توجہ بھی نہیں رہی، حتیٰ کہ اب لوگوں کو ان کا علم بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ ان اوراق کا مقصد یہ ہے کہ اگر مساجد کے ائمہ، تراویح کے حفاظ، اور وہ پڑھ لکھے حضرات جن کو دین کی کسی درجہ میں بھی رغبت ہے اوائل رمضان میں اس رسالہ کو مساجد اور مجامع میں سنا دیا کریں تو اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ اپنے محبوب کے کلام کی برکت سے ہم لوگوں کو مبارک مہینے کی کچھ قدر اور اسکی برکات کی طرف کچھ توجہ ہو جایا کرے اور نیک اعمال کی زیادتی اور بد اعمالیوں کی کمی کا ذریعہ بن جایا کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت فرمادیں تو تیرے لئے سُرُخ اونٹوں سے (جو عمدہ مال شمار ہوتا ہے) بہتر اور افضل ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، مگر جب ہی کہ اس انعام کی قدر بھی کی جائے۔ ورنہ ہم سے محروموں کے لئے ایک مہینہ تک رمضان رمضان چلائے جانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کا رے وارد، مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگ اس کی تمنا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین

روزے رکھنا دل کے کھوٹ اور وساوس کو دور کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم ﷺ کے بار بار افطار کی اجازت فرمادینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے، حتیٰ کہ حضور ﷺ کو حکماً منع فرمانا پڑا۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک غزوہ کے سفر میں ایک منزل پر اترے، گرمی نہایت سخت تھی اور غربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کر لیں، بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شعاع سے بچتے تھے، اس حالت میں بھی بہت سے روزے دار تھے جن سے کھڑے ہو سکنے کا تحمل نہ ہوا اور گر گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت گویا ہمیشہ تمام سال روزے دار ہی رہتی تھی۔

نبی کریم ﷺ سے سینکڑوں روایات میں مختلف انواع کے فضائل نقل کئے گئے جن کا احاطہ تو مجھ جیسے ناکارہ کے امکان سے خارج ہے ہی، لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان کو کچھ تفصیل سے لکھوں تو دیکھنے والے اکتا جائیں گے کہ اس زمانہ میں دینی امور میں جس قدر بے التفاتی کی جا رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ علم و عمل دونوں میں جس قدر بے پرواہی دین کے بارے میں بڑھتی جا رہی ہے وہ ہر شخص اپنی ہی حالت میں غور کرنے سے معلوم کر سکتا ہے۔ اس لئے اکیس احادیث پر اکتفا کرتا ہوں اور ان کو تین فصلوں پر منقسم کرتا ہوں۔

فصل اول: رمضان المبارک کے فضائل میں، جس میں دس احادیث مذکور ہیں۔

دوسری فصل: شب قدر کے بیان میں، جس میں سات حدیثیں ہیں۔

تیسری فصل: میں اعتکاف کا ذکر ہے، جس میں تین حدیثیں ہیں۔ اس کے بعد خاتمہ میں

ایک طویل حدیث پر اس رسالہ کو ختم کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی کریم ذات اور اپنے محبوب ﷺ کے طفیل اس کو قبول فرما دیں اور مجھ سیہ کار کو بھی اس کی برکات سے انتفاع کی توفیق عطا فرما دیں۔

فَإِنَّهُ بِرُجْوَاؤِ كَرِيمٍ

فصلِ اوّل

فضائلِ رمضان میں

- (۱) عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ أَظْلَكُكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ. شَهْرٌ جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ كَانَ كَمَنْ أَذَى فَرِيضَةً فِي مَاسِوَاهُ، وَمَنْ أَذَى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَذَى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمَوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يَزَادُ فِي رِزْقِ الْمُؤْمِنِ فِيهِ. مَنْ فَطَرَ فِيهِ صَائِمًا، كَانَ مَغْفِرَةً لِّذُنُوبِهِ وَعَتَقَ رَقَبَتَهُ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقِصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يَفْطُرُ الصَّائِمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُعْطَى اللَّهُ هَذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَرَ صَائِمًا عَلَى تَمْرَةٍ أَوْ شُرْبَةِ مَاءٍ أَوْ مَدَقَّةِ لَبَنٍ، وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَآوَسْطُهُ
- حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخر تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آ رہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے (شبِ قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کے رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے، جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہو گا، اور روزہ دار

مَغْفِرَةً، وَآخِرُهُ عِتْقُ مَنْ النَّارِ. مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ، غَفَرَ اللَّهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ، وَاسْتَكْثَرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصَلَتَيْنِ تَرْضَوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصَلَتَيْنِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا. فَأَمَّا الْخَصَلَتَانِ اللَّتَانِ تَرْضَوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَسْتَغْفِرُونَ لَهُ. وَأَمَّا الْخَصَلَتَانِ اللَّتَانِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوذُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ. وَمَنْ سَقَى صَائِمًا سَقَاهُ اللَّهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةٍ لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ. (رواه ابن

خزيمة في صحيحه، وقال: ان صح الخبر ورواه البيهقي ورواه ابو الشيخ ابن حبان في الثواب باختصار عنهما، وفي اسانيدهم علي بن زيد بن جدعان ورواه ابن خزيمة ايضا والبيهقي باختصار عنه من حديث ابى هريرة وفي اسناده كثير بن زيد، كذا في الترغيب، قلت: علي بن زيد ضعفه جماعة، وقال الترمذي: صدوق وصح له حديثا في الاسلام وحسن له غير ما حديث، وكذا كثير ضعفه النسائي وغيره، قال ابن معين: ثقة، وقال ابن عدي: لم أر بعد يشبه باسا، واخرج بحديثه ابن خزيمة في صحيحه كذا في رجال المنذرى ص: ۷۰۴، لكن

کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل ثنا ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے یا ایک گھونٹ لسی پلا دے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے، جو شخص اس مہینہ میں ہلکا کر دے اپنے غلام (و خادم) کے بوجھ کو حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے آزادی فرماتے ہیں اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں اللہ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمہیں چارہ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو،

قال العینی: الخبر منکر فمامل۔
 جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے
 حق تعالیٰ شانہ (قیامت کے دن) میرے حوض سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے
 بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔

ف: محدثین کو اس کے بعض رواۃ میں کلام ہے، لیکن اول تو فضائل میں اس قدر کلام
 قابلِ تحلل ہے، دوسرے اس کے اکثر مضامین کی دوسری روایات مؤید ہیں۔ اس حدیث
 سے چند امور معلوم ہوتے ہیں: اول نبی کریم ﷺ کا اہتمام کہ شعبان کی اخیر تاریخ میں
 خاص طور سے اس کا وعظ فرمایا اور لوگوں کو تنبیہ فرمائی تاکہ رمضان المبارک کا ایک سیکنڈ بھی
 غفلت سے نہ گزر جائے، پھر اس وعظ میں تمام مہینہ کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد چند
 اہم امور کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا۔ سب سے اول شبِ قدر کہ وہ حقیقت میں
 بہت ہی اہم رات ہے، ان اوراق میں اس کا بیان دوسری فصل میں مستقل آئے گا۔ اس
 کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ نے اس کے روزہ کو فرض کیا اور اس کے قیام یعنی تراویح کو سنت
 کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کا ارشاد بھی خود حق سبحانہ و تقدس کی طرف سے ہے، پھر
 جن روایات میں نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ میں نے سنت کیا ان
 سے مراد تاکید ہے کہ حضور ﷺ اس کی تاکید بہت فرماتے تھے، اسی وجہ سے سب ائمہ اس
 کے سنت ہونے پر متفق ہیں، برہان میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے روافض کے سوا کوئی
 شخص اس کا منکر نہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”ما ثبت بالسنۃ“ میں
 بعض کتب فقہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شہر کے لوگ اگر تراویح چھوڑ دیں تو اس کے چھوڑنے پر
 امام ان سے مقاتلہ کرے۔ اس جگہ خصوصیت سے ایک بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے،
 وہ یہ کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جلدی سے کسی مسجد میں آٹھ دس دن میں کلام مجید
 سن لیں پھر چھٹی، یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دو سنتیں الگ الگ ہیں۔ تمام کلام اللہ شریف
 کا تراویح میں پڑھنا یا سننا یہ مستقل سنت ہے اور پورے رمضان شریف کی تراویح مستقل
 سنت ہے۔ پس اس صورت میں ایک سنت پر عمل ہوا اور دوسری رہ گئی۔ البتہ جن لوگوں کو

رمضان المبارک میں سفر وغیرہ یا کسی اور وجہ سے ایک جگہ تراویح پڑھنی مشکل ہو ان کے لئے مناسب ہے کہ اول قرآن شریف چند روز میں سن لیں تاکہ قرآن شریف ناقص نہ رہے، پھر جہاں وقت ملا اور موقعہ ہوا وہاں تراویح پڑھ لی کہ قرآن شریف بھی اس صورت میں ناقص نہیں ہوگا اور اپنے کام کا بھی حرج نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے روزہ اور تراویح کا ذکر فرمانے کے بعد عام فرض اور نفل عبادات کے اہتمام کی طرف متوجہ فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرائض کے برابر ہے اور اُس کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہے، اس جگہ ہم لوگوں کو اپنی اپنی عبادات کی طرف بھی ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مبارک مہینہ میں فرائض کا ہم سے کس قدر اہتمام ہوتا ہے اور نوافل میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ فرائض میں تو ہمارے اہتمام کی یہ حالت ہے کہ سحر کھانے کے بعد جو سوتے ہیں تو اکثر صبح کی نماز قضا ہو گئی اور کم از کم جماعت تو اکثر دُکھ کی فوت ہو ہی جاتی ہے، گویا سحر کھانے کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ کے سب سے زیادہ مہتمم بالشان فرض کو یا بالکل قضا کر دیا یا کم از کم ناقص کر دیا کہ بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کو اہل اصول نے اداء ناقص فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کا تو ایک جگہ ارشاد ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والوں کی تو (گویا) نماز بغیر مسجد کے ہوتی ہی نہیں۔

”مظاہر حق“ میں لکھا ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے بدون جماعت نماز پڑھتا ہے اس کے ذمہ فرض تو ساقط ہو جاتا ہے مگر اس کو نماز کا ثواب نہیں ملتا۔ اسی طرح دوسری نماز مغرب کی بھی جماعت اکثر دُکھ کی افطار کی نذر ہو جاتی ہے اور رکعتِ اولیٰ یا تکبیرِ اولیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے اور بہت سے لوگ تو عشاء کی نماز بھی تراویح کے احسان کے بدلے میں وقت سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو رمضان المبارک میں ہماری نماز کا حال ہے جو اہم ترین فرائض میں ہے کہ ایک فرض کے بدلے میں تین کو ضائع کیا۔ یہ تین تو اکثر ہیں، ورنہ ظہر کی نماز قبیلہ کی نذر اور عصر کی جماعت افطاری کا سامان خریدنے کی نذر ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح اور فرائض پر آپ خود غور فرمائیں کہ کتنا اہتمام رمضان المبارک میں ان کا کیا جاتا ہے اور جب فرائض کا یہ حال ہے تو نوافل کا کیا پوچھنا۔ اشراق اور چاشت تو

رمضان المبارک میں سونے کی نذر ہو ہی جاتے ہیں اور اوایلین کا کیسے اہتمام ہو سکتا ہے جب کہ ابھی روزہ کھولا ہے اور آئندہ تراویح کا سہم ہے اور تہجد کا وقت تو ہے ہی عین سحر کھانے کا وقت، پھر نوافل کی گنجائش کہاں، لیکن یہ سب باتیں بے توجہی اور نہ کرنے کی ہیں کہ ع

”تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں“

کتنے اللہ کے بندے ہیں کہ جن کے لئے انہیں اوقات میں سب چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّار اللہ مَرَقَدُہ کو متعدد رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں سوا پارہ پڑھنا یا سنانا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں تقریباً دو سو آدھ گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء اور تراویح سے فراغت ہوتی، اس کے بعد آپ حسب اختلاف موسم دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نصف گھنٹہ قبل سحر تناول فرماتے، اس کے بعد سے صبح کی نماز تک کبھی حفظ، تلاوت فرماتے اور کبھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ اسفار یعنی چاندنی میں صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مراقب رہتے اور اشراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے، اس کے بعد سے تقریباً بارہ بجے تک اور گرمیوں میں ایک بجے تک ”بَدَلُ الْمُحْجُوْد“ تحریر فرماتے اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرما کر جواب لکھاتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے اور ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے ”بَدَلُ الْمُحْجُوْد“ ختم ہو جانے کے بعد صبح کا کچھ حصہ تلاوت اور کُتُبِ نبی میں ”بَدَلُ الْمُحْجُوْد“ اور ”وَفَاءُ الْوَقَا“ زیادہ تر اس وقت زیرِ نظر رہتی تھی۔ یہ اس پر تھا کہ رمضان المبارک میں معمولات میں کوئی خاص تغیر نہ تھا کہ نوافل کا یہ معمول دائمی تھا اور نوافل مذکورہ کا تمام سال بھی اہتمام رہتا تھا، البتہ رکعات کے طول میں رمضان المبارک میں اضافہ ہو جاتا تھا، ورنہ جن اکابر کے یہاں رمضان المبارک کے خاص

۱۔ بدل و لمجود عربی زبان میں ابوداؤد کی مکمل شرح ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔

معمولات مستقل تھے اُن کا اتباع تو ہر شخص سے بھینا بھی مشکل ہے۔

حضرت اقدس مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق حفاظ سے کلام مجید ہی سنتے رہتے تھے، اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رانی پوری قدس سرہ کے یہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن و رات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی، بعض مخصوص خدام کو صرف اتنی اجازت ہوتی تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کے ایک دو فحجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر خدمت ہو جایا کریں۔ بزرگوں کے یہ معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے یا کوئی تفریحی فقرہ ان پر کہہ دیا جائے، بلکہ اس لئے ہیں کہ اپنی ہمت کے موافق ان کا اتباع کیا جائے اور حتیٰ الوسع پورا کرنے کا اہتمام کیا جاوے کہ ہر لائن اپنے مخصوص امتیازات میں دوسرے پر فائق ہے۔ جو لوگ دنیوی مشاغل سے مجبور نہیں ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ گیارہ مہینے ضائع کر دینے کے بعد ایک مہینہ مرٹنے کی کوشش کر لیں۔ ملازم پیشہ حضرات جو دس بجے سے چار بجے تک دفتر میں رہنے کے پابند ہیں اگر صبح سے دس بجے تک کم از کم رمضان المبارک کا مبارک مہینہ تلاوت میں خرچ کر دیں تو کیا دقت ہے، آخر دنیوی ضروریات کے لئے دفتر کے علاوہ اوقات میں سے وقت نکالا ہی جاتا ہے اور کھیتی کرنے والے تو نہ کسی کے نوکر، نہ اوقات کے تغیر میں ان کو ایسی پابندی کہ اس کو بدل نہ سکیں یا کھیتی پر بیٹھے بیٹھے تلاوت نہ کر سکیں اور تاجروں کے لئے تو اس میں کوئی دقت ہی نہیں کہ اس مبارک مہینہ میں دوکان کا وقت تھوڑا سا کم کر دیں یا کم از کم دکان ہی پر تجارت کے ساتھ تلاوت بھی کرتے رہا کریں کہ اس مبارک مہینہ کو کلام الہی کے ساتھ بہت ہی خاص مناسبت ہے۔

اسی وجہ سے عموماً اللہ جلّ ثنا کی تمام کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئی ہیں، چنانچہ قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر تمام کا تمام اسی ماہ میں نازل ہوا اور وہاں سے حسب موقع تھوڑا تھوڑا تیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام کے صحیفے اسی ماہ کی یکم یا تین تاریخ کو عطا ہوئے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو

زُور ۸ یا ۱۲ رمضان کو ملی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو ریت ۶ رمضان المبارک کو عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ۱۲ یا ۱۳ رمضان المبارک کو ملی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو کلام الہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے، اسی وجہ سے تلاوت کی کثرت اس مہینہ میں منقول ہے اور مشائخ کا معمول۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال رمضان میں تمام قرآن شریف نبی کریم ﷺ کو سناتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سنتے تھے۔ علماء نے ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے قرآن پاک کے دور کرنے کا جو عام طور سے رائج ہے استحباب نکالا ہے۔ بالجملہ تلاوت کا خاص اہتمام جتنا بھی ممکن ہو سکے کرے اور جو وقت تلاوت سے بچے اس کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسی حدیث کے آخر میں چار چیزوں کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا اور اس مہینہ میں ان کی کثرت کا حکم فرمایا: کلمہ طیبہ اور استغفار اور جنت کے حصول اور دوزخ سے بچنے کی دعا۔ اس لئے جتنا وقت بھی مل سکے ان چیزوں میں صرف کرنا سعادت سمجھے اور یہی نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک کی قدر ہے۔ کیا دقت ہے کہ اپنے دنیوی کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے زبان سے درود شریف یا کلمہ طیبہ کا بھی ورد رہے اور کل کو یہ کہنے کا منہ باقی رہے۔

میں گو رہا رہیں ستم ہائے روزگار لیکن تمھاری یاد سے غافل نہیں رہا

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس مہینہ کی کچھ خصوصیتیں اور آداب ارشاد فرمائے: اولاً یہ کہ یہ صبر کا مہینہ ہے یعنی اگر روزہ وغیرہ میں کچھ تکلیف ہو تو اسے ذوق شوق سے برداشت کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ مار دھاڑ، ہول پکار، جیسا کہ اکثر لوگوں کی گرمی کے رمضان میں عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اتفاق سے سحر نہ کھائی گئی تو صبح ہی سے روزہ کا سوگ شروع ہو گیا۔ اسی طرح رات کی تراویح میں اگر دقت ہو تو اس کو بڑی بشاشت سے برداشت کرنا چاہئے۔ اس کو مصیبت اور آفت نہ سمجھیں کہ یہ بڑی سخت محرومی کی بات ہے۔ ہم لوگ دنیوی معمولی اغراض کی بدولت کھانا پینا، راحت و آرام سب چھوڑ دیتے ہیں تو کیا رضائے الہی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت ہو سکتی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ یہ غم خواری کا مہینہ ہے، یعنی غرباء مساکین کے ساتھ مدارات کا برتاؤ

کرنا، اگر دس چیزیں اپنی افطاری کے لئے تیار کی ہیں تو دو چار غرباء کے لئے بھی کم از کم ہونی چاہئیں، ورنہ اصل تو یہ تھا کہ ان کے لئے اپنے سے افضل نہ ہوتا تو مساوات ہی ہوتی۔ غرض جس قدر بھی ہمت ہو سکے اپنے افطار و سحر کے کھانے میں غرباء کا حصہ بھی ضرور لگانا چاہئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کے لئے عملی نمونہ اور دین کے ہر جزو کو اس قدر واضح طور پر عمل فرما کر دکھلا گئے کہ اب ہر نیک کام کے لئے ان کی شاہراہ عمل کھلی ہوئی ہے۔ ایثار و غم خواری کے باب میں ان حضرات کا اتباع بھی دل گردہ والے کا کام ہے، سینکڑوں، ہزاروں واقعات ہیں جن کو دیکھ کر بجز حیرت کے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک واقعہ مثلاً لکھتا ہوں، ابو جہم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں، میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کرنے چلا اور اس خیال سے پانی کا مشکیزہ بھی لے لیا کہ اگر اس میں کچھ رمتق باقی ہوئی تو پانی پلا دوں گا اور ہاتھ منہ دھو دوں گا۔ وہ اتفاق سے پڑے ہوئے ملے، میں نے اُن سے پانی کو پوچھا، انہوں نے اشارہ سے مانگا کہ اتنے میں برابر سے دوسرے زخمی نے آہ کی، چچا زاد بھائی نے پانی پینے سے پہلے اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے پاس گیا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی پیاسے ہیں اور پانی مانگتے ہیں کہ اتنے میں ان کے پاس والے نے اشارہ کر دیا، انہوں نے بھی خود پانی پینے سے قبل اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا، اتنے میں وہاں تک پہونچا تو اُن کی روح پرواز کر چکی تھی، واپس دوسرے صاحب کے پاس پہونچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، تو لوٹ کر چچا زاد بھائی کے پاس آیا تو دیکھا کہ اُن کا بھی وصال ہو گیا۔ یہ ہیں تمہارے اسلاف کے ایثار کہ خود پیاسے جان دے دی اور اجنبی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہ کیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ وَرَزَقْنَا اٰتِبَاعَهُمْ . امین

روح البیان میں سیوطی رحمہ اللہ علیہ کی جامع الصغیر اور سخاوی رحمہ اللہ علیہ کی مقاصد سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میری امت میں ہر وقت پانسو برگزیدہ بندے اور چالیس ابدال رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں سے مر جاتا ہے فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے خصوصی اعمال کیا

ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم کرنے والوں سے درگزر کرتے ہیں اور بُرائی کا معاملہ کرنے والوں سے بھی احسان کا برتاؤ کرتے ہیں اور اللہ کے عطا فرمائے ہوئے رزق میں لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث سے نقل کیا ہے کہ جو شخص بھوکے کوروٹی کھلائے یا ننگے کو کپڑا پہنائے یا مسافر کو شبِ باشی کی جگہ دے، حق تعالیٰ شانہ قیامت کے ہولوں سے اس کو پناہ دیتے ہیں۔

یحییٰ برمکی رحمہ اللہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ علیہ پر ہر ماہ ایک ہزار درہم خرچ کرتے تھے تو حضرت سفیان رحمہ اللہ علیہ سجدے میں اُن کے لئے دُعا کرتے تھے کہ یا اللہ! یحییٰ نے میری دنیا کی کفایت کی، تو اپنے لطف سے اس کی آخرت کی کفایت فرما۔ جب یحییٰ رحمہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے خواب میں اُن سے پوچھا کہ کیا گزری؟ انہوں نے کہا کہ سفیان رحمہ اللہ علیہ کی دُعا کی بدولت مغفرت ہوئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے روزہ افطار کرانے کی فضیلت ارشاد فرمائی۔ ایک اور روایت میں آیا کہ جو شخص حلال کمائی سے رمضان میں روزہ افطار کرائے اس پر رمضان کی راتوں میں فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور شبِ قدر میں جبریل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے حضرت جبریل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں (اس کی علامت یہ ہے کہ) اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ حماد بن سلمہ رحمہ اللہ علیہ ایک مشہور محدث ہیں، روزانہ پچاس آدمیوں کے روزہ افطار کرانے کا اہتمام کرتے تھے (رُوح البیان)

افطار کی فضیلت ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ اس مہینہ کا اول حصہ رحمت ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ کا انعام متوجہ ہوتا ہے اور یہ رحمتِ عامہ سب مسلمانوں کے لئے ہوتی ہے، اس کے بعد جو لوگ اس کا شکر ادا کرتے ہیں اُن کے لئے اس رحمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ“ اور اس کے درمیانی حصہ سے مغفرت شروع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ روزوں کا کچھ حصہ گزر چکا ہے، اس کا معاوضہ اور اکرامِ مغفرت کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور آخری حصہ تو بالکل آگ سے خلاصی ہے ہی۔

اور بھی بہت سی روایات میں ختمِ رمضان پر آگ سے خلاصی کی بشارتیں وارد ہوئی

ہیں۔ رمضان کے تین حصے کئے گئے جیسا کہ مضمون بالا سے معلوم ہوا، بندہ ناچیز کے خیال میں تین حصے رحمت، مغفرت اور آگ سے خلاصی کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ آدمی تین طرح کے ہیں: ایک وہ لوگ جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں، اُن کے لئے شروع ہی سے رحمت اور انعام کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو معمولی گناہ گار ہیں اُن کے لئے کچھ حصہ روزہ رکھنے کے بعد اُن روزوں کی برکت اور بدلہ میں مغفرت اور گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ تیسرے وہ جو زیادہ گناہ گار ہیں اُن کے لئے زیادہ حصہ روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خلاصی ہوتی ہے اور جن لوگوں کے لئے ابتدا ہی سے رحمت تھی اور اُن کے گناہ بخشے بخشائے تھے اُن کا تو پوچھنا ہی کیا کہ ان کے لئے رحمتوں کے کس قدر انبار ہوں گے۔ (واللہ اعلم وعلّمہ اتم)

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک اور چیز کی طرف رغبت دلائی ہے کہ آقا لوگ اپنے ملازموں پر اس مہینہ میں تخفیف رکھیں۔ اس لئے کہ آخر وہ بھی روزہ دار ہیں، کام کی زیادتی سے ان کو روزہ میں دقت ہوگی، البتہ اگر کام زیادہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ رمضان کے لئے ہنگامی ملازم ایک آدھ بڑھالے، مگر جب ہی کہ ملازم روزہ دار بھی ہو، ورنہ اس کے لئے رمضان بے رمضان برابر اور اس ظلم و بے غیرتی کا تو ذکر ہی کیا کہ خود روزہ خور ہو کر بے حیا منہ سے روزہ دار ملازموں سے کام لے اور نماز روزہ کی وجہ سے اگر تعمیل میں کچھ تاہل ہو تو برسنے لگے ”وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ“ (ترجمہ) اور عنقریب ظالم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسی (مصیبت) کی جگہ لوٹ کر جائیں گے (مراد جہنم ہے)۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں چار چیزوں کی کثرت کا حکم فرمایا: اول کلمہ شہادت، احادیث میں اس کو افضل الذکر ارشاد فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ جلّ جلالہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا اللہ! تو مجھے کوئی ایسی دعا بتلا دے کہ اس کے ساتھ میں تجھے یاد کیا کروں اور دعا کیا کروں۔ وہاں سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ارشاد ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا کہ یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں میں تو کوئی دُعا یا ذکر مخصوص چاہتا ہوں۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کے آباد کرنے والے میرے سوا یعنی ملائکہ اور ساتوں زمین ایک پلڑہ میں رکھ دیئے جاویں اور دوسرے میں کلمہ طیبہ رکھ دیا جاوے تو وہی جھک جائے گا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اخلاص سے اس کلمہ کو کہے آسمان کے دروازے اُس کے لئے فوراً کھل جاتے ہیں اور عرش تک پہنچنے میں کسی قسم کی روک نہیں ہوتی، بشرطیکہ کہنے والا کبائر سے بچے۔ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ضرورتِ عامہ کی چیز کو کثرت سے مرحمت فرماتے ہیں۔ دُنیا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام ہوتی ہے۔ مثلاً پانی ہے کہ عام ضرورت کی چیز ہے، حق تعالیٰ شانہ کی بے پایاں رحمت نے اس کو کس قدر عام کر رکھا ہے اور کیمیا جیسی لغو اور بیکار چیز کو عنقا کر دیا۔ اسی طرح کلمہ طیبہ افضلُ الذکر ہے۔ متعدد احادیث سے اس کی تمام اذکار پر افضلیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کو سب سے عام کر رکھا ہے کہ کوئی محروم نہ رہے۔ پھر بھی اگر کوئی محروم رہے تو اس کی بدبختی ہے۔ بالجملہ بہت سی احادیث اس کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں جن کو اختصاراً ترک کیا جاتا ہے۔ دوسری چیز جس کی کثرت کرنے کو حدیثِ بالا میں ارشاد فرمایا گیا وہ استغفار ہے۔ احادیث میں استغفار کی بھی بہت ہی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص استغفار کی کثرت رکھتا ہے حق تعالیٰ شانہ ہر تنگی میں اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں اور ہر غم سے خلاصی نصیب فرماتے ہیں اور ایسی طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی گنہگار تو ہوتا ہی ہے۔ بہترین گنہگار وہ ہے جو توبہ کرتا رہے۔ ایک حدیث قریب آنے والی ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو ایک کالا نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ باقی رہتا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دو چیزوں کے مانگنے کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر چارہ ہی نہیں: جنت کا حصول، اور روزِ خ سے امن۔ اللہ اپنے فضل سے مجھے بھی مرحمت فرمائے اور تمہیں بھی۔

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أُعْطِيتُ أُمَّتِي خَمْسَ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل

کیا کہ میری امت کو رمضان شریف کے

خِصَالٍ فِي رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ أُمَّةٌ قَبْلَهُمْ: خُلُوفٌ فِي الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمْ الْحَيَّاتَانِ حَتَّى يُفْطَرُوا، وَيَزِيْنُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ كُلَّ يَوْمٍ جَنَّتَهُ، ثُمَّ يَقُولُ: يُوشِكُ عِبَادِي الصَّالِحُونَ أَنْ يُلْقُوا عَنْهُمْ الْمَوْنَةَ وَيَصِيرُوا إِلَيْكَ، وَتُصَفَّدَ فِيهِ مَرَدَّةُ الشَّيَاطِينِ، فَلَا يَخْلُصُوا فِيهِ إِلَى مَا كَانُوا يَخْلُصُونَ إِلَيْهِ فِي غَيْرِهِ، وَيُغْفَرُ لَهُمْ فِي الْآخِرِ لَيْلِهِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُؤْفَى أَجْرُهُ إِذَا قَضَى عَمَلَهُ. (رواه احمد والبخاري والبيهقي، ورواه ابو الشيخ ابن حبان في كتاب الثواب، الا ان عنده وتسغفرلهم الملائكة بدل الحيتان، كذا في الترغيب)

بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملی ہیں: (۱) یہ کہ اُن کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) یہ کہ ان کے لئے دریا کی مچھلیاں تک دعا کرتی رہتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہے۔ (۳) جنت ہر روز ان کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں۔ (۴) اس میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں اُن برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔ (۵) رمضان کی آخری

رات میں روزہ داروں کے لئے مغفرت کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

ف: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث پاک میں پانچ خصوصیتیں ارشاد فرمائی ہیں جو اس امت کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مخصوص انعام ہوں گی اور پہلی امت کے روزہ داروں کو مرحمت نہیں ہوئیں۔ کاش! ہمیں اس نعمت کی قدر ہوتی اور ان خصوصی عطایا کے حصول کی کوشش کرتے۔

اول یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو جو بھوک کی حالت میں ہو جاتی ہے حق تعالیٰ شانہ کے

نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ شراح حدیث کے اس لفظ کے مطلب میں آٹھ قول ہیں جن کو مؤطا کی شرح میں بندہ مفصل نقل کر چکا ہے۔ مگر بندہ کے نزدیک ان میں سے تین قول رائج ہیں: اول یہ کہ حق تعالیٰ شانہ آخرت میں اس بدبو کا بدلہ اور ثواب خوشبو سے عطا فرمائیں گے جو مشک سے زیادہ عمدہ اور دماغ پرور ہوگی۔ یہ مطلب تو ظاہر ہے اور اس میں کچھ بعد بھی نہیں۔ نیز دُرِّ منشور کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، اس لئے یہ بمنزلہ متعین کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت میں جب قبروں سے اٹھیں گے تو یہ علامت ہوگی کہ روزہ دار کے منہ سے ایک خوشبو جو مشک سے بھی بہتر ہوگی وہ آئے گی۔ تیسرا مطلب جو بندہ کی ناقص رائے میں ان دونوں سے اچھا ہے وہ یہ کہ دنیا ہی میں اللہ کے نزدیک اس بو کی قدر مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امر باب المحبت سے ہے جس کو کسی سے محبت و تعلق ہوتا ہے اس کی بدبو بھی فریفتہ کے لئے ہزار خوشبوؤں سے بہتر ہوا کرتی ہے۔

اے حافظ مسکین چہ کنی مشکِ ختن را از گیسوئے احمد بستان عطر عدن را

مقصود روزہ دار کا کمالِ تقرب ہے کہ بمنزلہ محبوب کے بن جاتا ہے۔ روزہ حق تعالیٰ شانہ کی محبوب ترین عبادتوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ ہر نیک عمل کا بدلہ ملائکہ دیتے ہیں، مگر روزہ کا بدلہ میں خود عطا کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ خالص میرے لئے ہے۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ لفظ ”أَجْزَىٰ بِهِ“ ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے بدلے میں میں خود اپنے کو دیتا ہوں اور محبوب کے ملنے سے زیادہ اُونچا بدلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ساری عبادتوں کا دروازہ روزہ ہے، یعنی روزہ کی وجہ سے قلب متور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے ہر عبادت کی رغبت پیدا ہوتی ہے، مگر جب ہی کہ روزہ بھی روزہ ہو۔ صرف بھوکا رہنا مراد نہیں، بلکہ آداب کی رعایت رکھ کر جن کا بیان حدیث نمبر ۹ کے ذیل میں مفصل آئے گا۔

اس جگہ ایک ضروری مسئلہ قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ اس منہ کی بدبو والی حدیثوں کی بناء پر

۱۔ مؤطا امام مالک کی عربی زبان میں بہترین شرح موصوف نے کی ہے جو ”أَوْجُزُ الْمَالِكِ“ کے نام سے مشہور ہے، چھ جلدوں میں ہے۔

بعض ائمہ روزہ دار کو شام کے وقت مسواک کرنے کو منع فرماتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مسواک ہر وقت مستحب ہے۔ اس لئے کہ مسواک سے دانتوں کی بو زائل ہوتی ہے اور حدیث میں جس بو کا ذکر ہے وہ معدہ کے خالی ہونے کی ہے نہ کہ دانتوں کی۔ حنفیہ کے دلائل اپنے موقع پر کتب فقہ و حدیث میں موجود ہیں۔

دوسری خصوصیت مچھلیوں کے استغفار کرنے کی ہے۔ اس سے مقصود کثرت سے دُعا کرنے والوں کا بیان ہے۔ متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، بعض روایات میں ہے کہ ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ میرے چچا ساجان کا ارشاد ہے کہ مچھلیوں کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اللہ جل ثنا کا ارشاد ہے ”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا“ (مریم: ۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے حق تعالیٰ شانہ اُن کے لئے (دنیا ہی میں) محبوبیت فرمادیں گے۔ اور حدیث پاک میں ارشاد ہے: جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبریل علیہ السلام سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص پسند ہے تم بھی اس سے محبت کرو، وہ خود محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر آواز دیتے ہیں کہ فلاں بندہ اللہ کا پسندیدہ ہے، تم سب اس سے محبت کرو۔ پس اس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اس کے لئے زمین پر قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور عام قاعدہ کی بات ہے کہ ہر شخص کی محبت اس کے پاس رہنے والوں کو ہوتی ہے، لیکن اس کی محبت اتنی عام ہوتی ہے کہ آس پاس رہنے والوں ہی کو نہیں، بلکہ دریا کے رہنے والے جانوروں کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے کہ وہ بھی دعا کرتے ہیں اور گویا بڑے سے متجاوز ہو کر بحر تک پہنچنا محبوبیت کی انتہا ہے۔ نیز جنگل کے جانوروں کا دُعا کرنا بطریق اولیٰ معلوم ہو گیا۔

تیسری خصوصیت جنت کا مَریّن ہونا ہے۔ یہ بھی بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ سال کے شروع ہی سے رمضان کے لئے جنت کو آراستہ کرنا شروع ہو جاتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے آنے کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے اتنا

ہی پہلے سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شادی کا اہتمام مہینوں پہلے سے کیا جاتا ہے۔

چوتھی خصوصیت سرکش شیاطین کا قید ہو جانا ہے کہ جس کی وجہ سے معاصی کا زور کم ہو جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت کے جوش اور عبادت کی کثرت کا مقضیٰ یہ تھا کہ شیاطین بہکانے میں بہت ہی اُن تھک کوشش کرتے اور ایڑی چوٹی کا زور ختم کر دیتے اور اس وجہ سے معاصی کی کثرت اس مہینہ میں اتنی ہو جاتی کہ حد سے زیادہ، لیکن باوجود اس کے یہ مشاہدہ ہے اور محقق، کہ مجموعی طور سے گناہوں میں بہت کمی ہو جاتی ہے۔ کتنے شرابی کبابی ایسے ہیں کہ رمضان میں خصوصیت سے نہیں پیتے اور اسی طرح اور گناہوں میں بھی کھلی کمی ہو جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود گناہ ہوتے ضرور ہیں، مگر ان کے سرزد ہونے سے حدیث پاک میں تو کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مضمون ہی یہ ہے کہ سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ اس بنا پر اگر وہ گناہ غیر سرکشوں کا اثر ہو تو کچھ خلجان نہیں، البتہ دوسری روایات میں سرکش کی قید کے بغیر مطلقاً شیاطین کے مقید ہونے کا ارشاد بھی موجود ہے۔ بس اگر ان روایات سے بھی سرکش شیاطین کا ہی قید ہونا مراد ہے کہ بسا اوقات لفظ مطلق بولا جاتا ہے مگر دوسری جگہ سے اس کی قیودات معلوم ہو جاتی ہیں تب بھی کوئی اشکال نہیں رہا۔ البتہ اگر ان روایات سے سب شیاطین کا محبوس ہونا مراد ہو تب بھی ان معاصی کے صادر ہونے سے کچھ خلجان نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اگرچہ معاصی عموماً شیاطین کے اثر سے ہوتے ہیں، مگر سال بھر تک اُن کے تلبس اور اختلاط اور زہریلے اثر کے جماؤ کی وجہ سے نفس ان کے ساتھ اس درجہ مانوس اور متاثر ہو جاتا ہے کہ تھوڑی بہت غیبت محسوس نہیں ہوتی، بلکہ وہی خیالات اپنی طبیعت بن جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بغیر رمضان کے جن لوگوں سے گناہ زیادہ سرزد ہوتے ہیں، رمضان میں بھی انہیں سے زیادہ ترصدور ہوتا ہے اور آدمی کا نفس چونکہ ساتھ رہتا ہے اسی لئے اس کا اثر ہے۔

دوسری بات ایک اور بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے قلب میں ایک کالا نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے، اور اگر دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے حتیٰ کہ اُس کا

قلب بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر خیر کی بات اُس کے قلب تک نہیں پہنچتی۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں ”كَأَلَّا بَلْ يَكْذِبَ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ“ (التطہیف: ۱۴) سے ارشاد فرمایا ہے کہ اُن کے قلوب زنگ آلود ہو گئے۔ ایسی صورت میں وہ قلوب ان گناہوں کی طرف خود متوجہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک نوع کے گناہ کو بے تکلف کر لیتے ہیں، لیکن اسی جیسا جب کوئی دوسرا گناہ سامنے ہوتا ہے تو قلب کو اُس سے انکار ہوتا ہے۔ مثلاً جو لوگ شراب پیتے ہیں اُن کو اگر سور کھانے کو کہا جائے تو اُن کی طبیعت کو نفرت ہوتی ہے، حالانکہ معصیت میں دونوں برابر ہیں۔ تو اسی طرح جبکہ غیر رمضان میں وہ اُن گناہوں کو کرتے رہتے ہیں تو دل اُن کیساتھ رنگے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے رمضان المبارک میں بھی اُن کے سرزد ہونے کے لئے شیاطین کی ضرورت نہیں رہتی۔ بالجملہ اگر حدیث پاک سے سب شیاطین کا مقید ہو جانا مراد ہے تب بھی رمضان المبارک میں گناہوں کے سرزد ہونے سے کچھ اشکال نہیں، اور اگر مُتَمَرِّد اور خبیث شیاطین کا مقید ہونا مراد ہو تب تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں، اور بندہ ناچیز کے نزدیک یہی توجیہ اولیٰ ہے اور ہر شخص اس کو غور کر سکتا ہے اور تجربہ کر سکتا ہے کہ رمضان المبارک میں نیکی کرنے کے لئے یا کسی معصیت سے بچنے کے لئے اتنے زور لگانے نہیں پڑتے جتنے کہ غیر رمضان میں پڑتے ہیں۔ تھوڑی سی ہمت اور توجہ کافی ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہیں یعنی فسّاق کے حق میں صرف متکبر شیاطین قید ہوتے ہیں اور صلحاء کے حق میں مطلقاً ہر قسم کے شیاطین مجبوس ہو جاتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری رات میں سب روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ یہ مضمون پہلی روایت میں بھی گزر چکا ہے، چونکہ رمضان المبارک کی راتوں میں شب قدر سب سے افضل رات ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیال فرمایا کہ اتنی بڑی فضیلت اسی رات کے لئے ہو سکتی ہے۔ مگر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے فضائل مستقل علیحدہ چیز ہے۔ یہ انعام تو ختم رمضان کا ہے۔

(۳) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَحْضَرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً، قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ، قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالثَةَ، قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ، قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَرَضَ لِي، فَقَالَ بَعْدَ مَنْ أَذْرَكَ رَمْطَانًا فَلَمْ يُغْفِرْ لَهُ، قُلْتُ: آمِينَ. فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ، قَالَ: بَعْدَ مَنْ ذِكْرَتْ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، قُلْتُ: آمِينَ. فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالثَةَ، قَالَ: بَعْدَ مَنْ أَذْرَكَ أَبُوَيْهِ الْكَبِيرُ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدَهُمَا، فَلَمْ يُدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: آمِينَ. رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد، كذا في الترغيب، وقال السخاوي رواه ابن حبان في ثقاته وصححه والطبرانی في الكبير والبخاری في بر الوالدین له، والبيهقی فی الشعب وغيرهم ورجاله ثقات وبسط طرقه، وروی الترمذی عن ابی هريرة بمعناه، وقال ابن حجر: طرقه كثيرة كما في المرقاة

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت جبریل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا، پھر بھی اُس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین۔ پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اُس کے والدین یا اُن میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اُس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ میں نے کہا: آمین۔

ف: اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بددُعائیں دی ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے ان تینوں پر آمین فرمائی۔ اول تو حضرت جبریل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بددُعائی کیا کم تھی اور پھر حضور اقدس ﷺ کی آمین نے تو جتنی سخت بددُعائی بنا دی وہ ظاہر ہے۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیں اور ان بُرائیوں سے محفوظ رکھیں ورنہ ہلاکت میں کیا تردد ہے۔ دُرِّ منشور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا کہ آمین کہو تو حضور ﷺ نے فرمایا: آمین، جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

اول وہ شخص کہ جس پر رمضان المبارک گزر جائے اور اُس کی بخشش نہ ہو، یعنی رمضان المبارک جیسا خیر و برکت کا زمانہ بھی غفلت اور معاصی میں گزر جائے کہ رمضان المبارک میں مغفرت اور اللہ جل ثنا کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے۔ پس جس شخص پر رمضان المبارک کا مہینہ بھی اسی طرح گزر جائے کہ اُس کی بد اعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مغفرت سے محروم رہے تو اُس کی مغفرت کے لئے کونسا وقت ہوگا اور اُس کی ہلاکت میں کیا تاثر ملے ہے، اور مغفرت کی صورت یہ ہے کہ رمضان المبارک کے جو کام ہیں یعنی روزہ و تراویح، اُن کو نہایت اہتمام سے ادا کرنے کے بعد ہر وقت کثرت کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرے۔

دوسرا شخص جس کے لئے بددُعائی گئی وہ ہے جس کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔ اور بھی بہت سی روایات ہیں یہ مضمون وارد ہوا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو تو سننے والوں پر درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیث بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں اُس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جس کے سامنے حضور ﷺ کا تذکرہ ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ بعض احادیث میں اُس کو شقی اور بخیل تر لوگوں میں شمار کیا گیا ہے۔ نیز جفا کار اور جنت کا راستہ بھولنے والا حتیٰ کہ جہنم میں داخل ہونے والا اور بددین تک فرمایا ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک نہ دیکھے گا۔ محققین علماء نے ایسی روایات کی تاویل فرمائی ہو

مگر اُس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ درود شریف نہ پڑھنے والے کے لئے آپ ﷺ کے ظاہر ارشادات اس قدر سخت ہیں کہ اُن کا تحمل دشوار ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کے احسانات اُمت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ تحریر و تقریر ان کا احصاء کر سکے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کے حقوق اُمت پر اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کو دیکھتے ہوئے درود شریف نہ پڑھنے والوں کے حق میں ہر وعید اور تنبیہ بجا اور موزوں معلوم ہوتی ہے، خود درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ اُن سے محرومی مستقل بد نصیبی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے حق تعالیٰ شانہ اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ نیز ملائکہ کا اس کے لئے دُعا کرنا گناہوں کا معاف ہونا، درجات کا بلند ہونا، احد پہاڑ کے برابر ثواب کا ملنا، شفاعت کا اس کے لئے واجب ہونا وغیرہ امور مزید برآں۔ نیز اللہ جلّ جلالہ کی رضا، اس کی رحمت، اُس کے غصہ سے امان، قیامت کے ہول سے نجات، مرنے سے قبل جنت میں اپنے ٹھکانے کا دیکھ لینا وغیرہ، بہت سے وعدے درود شریف کی خاص خاص مقدماتوں پر مقرر فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کے علاوہ درود شریف سے تنگی معیشت اور فقر دور ہوتا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کے دربار میں تقرب نصیب ہوتا ہے۔ دشمنوں پر مدد نصیب ہوتی ہے اور قلب کی، نفاق اور زنگ سے صفائی ہوتی ہے۔ لوگوں کو اُس سے محبت ہوتی ہے اور بہت سی بشارتیں ہیں جو درود شریف کی کثرت پر احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے کہ ایک مرتبہ عمر بھر میں درود شریف پڑھنا عملاً فرض ہے اسی پر علماء مذہب کا اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے جب نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں، بعض علماء کے نزدیک ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک مستحب۔

تیسرے وہ شخص جس کے بوڑھے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ اُن کی اس قدر خدمت نہ کرے کہ جس کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو جائے۔ والدین کے حقوق کی بھی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔ علماء نے ان کے حقوق میں لکھا ہے کہ مباح امور میں اُن کی اطاعت ضروری ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی بے ادبی نہ کرے،

رَمَضَانَ أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ
يَغْشَاكُمْ اللَّهُ فِيهِ، فَيَنْزِلُ الرَّحْمَةُ،
وَيَحُطُّ الْخَطَايَا، وَيَسْتَجِيبُ فِيهِ
الدُّعَاءَ، يَنْظُرُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى تَنَافُسِكُمْ
فِيهِ وَيَسَاهِي بِكُمْ مَلَائِكَتَهُ، فَأَرُوا اللَّهَ
مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ
حُرِمَ فِيهِ رَحْمَةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ. (رواه
الطبرانی ورواه ثقات، إلا أن محمد بن قيس
لا يحضرنى فيه جرح ولا تعديل، كذا في الترغيب)

ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آ گیا ہے جو
بڑی برکت والا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس میں
تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی
رحمتِ خاصہ نازل فرماتے ہیں، خطاؤں کو
معاف فرماتے ہیں، دُعاؤں کو قبول کرتے
ہیں، تمہارے تناس کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ
سے فخر کرتے ہیں۔ پس اللہ کو اپنی نیکی
دکھلاؤ۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ
میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاوے۔

ف: تنافس اُس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی حرص میں کام کیا جائے اور مقابلہ پر
دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کیا جاوے، تفاخر اور تقابل والے آدمی اور یہاں اپنے اپنے
جوہر دکھلاویں۔ فخر کی بات نہیں، تحدیث بالنعمة کے طور پر لکھتا ہوں، اپنی نااہلیت سے خود
اگرچہ کچھ نہیں کر سکتا، مگر اپنے گھرانہ کی عورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ اکثر وہ اس کا
اہتمام رہتا ہے کہ دوسری سے تلاوت میں بڑھ جاوے۔ خانگی کاروبار کے ساتھ پندرہ بیس
پارے روزانہ بے تکلف پورے کر لیتی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے قبول فرماویں اور
زیادتی کی توفیق عطا فرماویں۔

(۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ لِلَّهِ
تَبَارَكَ وَتَعَالَى عِتْقَاءَ فِي كُلِّ يَوْمٍ
وَلَيْلَةٍ، يَغْنِي فِي رَمَضَانَ وَإِنْ لِكُلِّ
مُسْلِمٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةٌ
مُسْتَجَابَةٌ. (رواه البزار كذا في الترغيب)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک
کی ہر شب و روز میں اللہ کے یہاں سے
(جہنم کے) قیدی چھوڑے جاتے ہیں، اور
ہر مسلمان کے لئے ہر شب و روز میں
ایک دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

ف: بہت سی روایات میں روزے دار کی دُعا قبول ہونا وارد ہوا ہے۔ بعض روایات

میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے، مگر ہم لوگ اس وقت کھانے پر اس طرح گرتے ہیں کہ دُعا مانگنے کی کہاں فرصت، خود افطار کی دُعا بھی یاد نہیں رہتی۔ افطار کی مشہور دُعا یہ ہے:

”اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اَمِنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ“

(ترجمہ) اے اللہ! تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تجھ ہی پر ایمان لایا ہوں اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے، تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔

حدیث کی کتابوں میں یہ دُعا مختصر ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عاصم رضی اللہ عنہما افطار کے وقت یہ دُعا کرتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ“ (ترجمہ) اے اللہ! تیری اس رحمت کے صدقے جو ہر چیز کو شامل ہے یہ مانگتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما دے۔ بعض کتب میں خود حضور ﷺ سے یہ دُعا منقول ہے ”یا وَاَسِعَ الْفَضْلُ اِغْفِرْ لِیْ“ (ترجمہ) اے وسیع عطا دالے! میری مغفرت فرما۔ اور بھی متعدد دُعا کی روایات میں وارد ہوئی ہیں، مگر کسی دُعا کی تخصیص نہیں، اجابت دُعا کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دُعا فرماویں۔ یاد آ جاوے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے۔

چشمہ فیض سے گرا یک اشارہ ہو جائے لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

(۶) عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ رَضِیَ اللہ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ: ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَاتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتّٰی یُفْطِرَ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَالدَّعْوَةُ الْمَظْلُوْم، یَرْفَعُهَا اللہُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَیُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِیْ! لَا نُصَرِّفُكَ وَ لَوْ بَعْدَ حَیْنٍ۔ (رواہ احمد فی حدیث الترمذی و

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں کی دُعا رد نہیں ہوتی: ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی دُعا، تیسرے مظلوم کی جسے حق تعالیٰ شانہ بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اُس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری

حسنہ، وابن خزيمة وابن حبان في صحيحهما، ضرور مدد کرونگا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہو جائے۔
(کذا في الترغيب)

ف: دُرِّ منشور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جب رمضان آتا تھا تو نبی اکرم ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا اور دُعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف غالب ہو جاتا تھا۔ دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ رمضان کے ختم تک بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان میں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو حکم فرمادیتے ہیں کہ اپنی اپنی عبادت چھوڑ دو اور روزہ داروں کی دُعا پر آمین کہا کرو۔ بہت سی روایات سے رمضان کی دُعا کا خصوصیت سے قبول ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بے تردّد بات ہے کہ جب اللہ کا وعدہ ہے اور سچے رسول ﷺ کا نقل کیا ہوا ہے تو اُس کے پورا ہونے میں کچھ تردد نہیں لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگ کسی غرض کے لئے دُعا کرتے ہیں مگر وہ کام نہیں ہوتا تو اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دُعا قبول نہیں ہوئی بلکہ دُعا کے قبول ہونے کے معنی سمجھ لینا چاہئے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مسلمان دُعا کرتا ہے بشرطیکہ قطعِ رحمی یا کسی گناہ کی دُعا نہ کرے تو حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے تین چیزوں میں سے اُسے ایک چیز ضرور ملتی ہے: یا خود وہی چیز ملتی ہے جس کی دُعا کی، یا اُس کے بدلہ میں کوئی بُرائی یا مصیبت اُس سے ہٹا دی جاتی ہے، یا آخرت میں اُسی قدر ثواب اُس کے حصّہ میں لگا دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ بندہ کو بلا کر ارشاد فرمائیں گے کہ اے میرے بندے میں نے تجھے دُعا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کے قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا تو نے مجھ سے دُعا مانگی تھی؟ وہ عرض کرے گا کہ مانگی تھی۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ تو نے کوئی دُعا ایسی نہیں کی جس کو میں نے قبول نہ کیا ہو، تو نے فلاں دُعا مانگی تھی کہ فلاں تکلیف ہٹا دی جائے، میں نے اُس کو دنیا میں پورا کر دیا تھا۔ اور فلاں غم کو دفع ہونے کے لئے دُعا کی تھی، مگر اس کا اثر کچھ تجھے معلوم نہیں ہوا، میں نے اُس کے بدلہ میں فلاں اجر و ثواب تیرے لئے متعین کیا۔ حضور ﷺ ارشاد

فرماتے ہیں کہ اُس کو ہر ہر دُعا یاد کرائی جائے گی اور اُس کا دنیا میں پورا ہونا یا آخرت میں اُس کا عوض بتلایا جاوے گا۔ اس اجر و ثواب کی کثرت کو دیکھ کر وہ بندہ اس کی تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں اُس کی کوئی دُعا بھی قبول نہ ہوئی ہوتی کہ یہاں اس کا اس قدر اجر ملتا۔ غرض دُعا نہایت ہی اہم چیز ہے۔ اُسکی طرف سے غفلت بڑے سخت نقصان اور خسارہ کی بات ہے اور ظاہر میں اگر قبول کے آثار نہ دیکھیں تو بد دل نہ ہونا چاہئے۔

اس رسالہ کے ختم پر جو لمبی حدیث آرہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی حق تعالیٰ شانہ بندہ ہی کے مصالح پر نظر فرماتے ہیں۔ اگر اس کے لئے اس چیز کا عطا فرمانا مصلحت ہوتا ہے تو مرحمت فرماتے ہیں ورنہ نہیں۔ یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات اپنی نا فہمی سے ایسی چیز مانگتے ہیں جو ہمارے مناسب نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ دوسری ضروری اور اہم بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ بہت سے مرد اور عورتیں تو خاص طور سے اس مرض میں مبتلا ہیں کہ بسا اوقات غصے اور رنج میں اولاد وغیرہ کو بد دُعا دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ جلّ ثنا کے عالی دربار میں بعض اوقات ایسے خاص قبولیت کے ہوتے ہیں کہ جو مانگو مل جاتا ہے۔ یہ احمق غصہ میں اول تو اولاد کو کوستی ہیں اور جب وہ مرجاتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر روتی پھرتی ہیں اور اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ یہ مصیبت خود ہی اپنی بد دُعا سے مانگی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی جانوں اور اولاد کو نیز مال اور خادموں کو بد دُعا نہ دیا کرو، مبادا اللہ کے کسی ایسے خاص وقت میں واقع ہو جائے جو قبولیت کا ہے، بالخصوص رمضان المبارک کا تمام مہینہ تو بہت ہی خاص وقت ہے، اس میں اہتمام سے بچنے کی کوشش اشد ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رمضان المبارک میں اللہ کو یاد کرنے والا شخص بخشا بخشایا ہے اور اللہ سے مانگنے والا نامراد نہیں رہتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ترغیب میں نقل کیا ہے کہ رمضان کی

ہر رات میں ایک منادی پُکارتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے! متوجہ ہو اور آگے بڑھ، اور اے بُرائی کے طلبگار! بس کر اور آنکھیں کھول۔ اس کے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے کہ کوئی مغفرت کا چاہنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے، کوئی توبہ کرنی والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، کوئی دُعا کرنے والا ہے کہ اسکی دُعا قبول کی جائے، کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اس سب کے بعد یہ امر بھی نہایت ضروری اور قابلِ لحاظ ہے کہ دُعا کے قبول ہونے کے لئے کچھ شرائط بھی وارد ہوئی ہیں کہ ان کے فوت ہونے سے بسا اوقات دُعا رد کر دی جاتی ہے۔ منجملہ ان کے حرام غذا ہے کہ اس کی وجہ سے بھی دُعا رد ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے پریشان حال آسمان کی طرف ہاتھ کھینچ کر دُعا مانگتے ہیں اور یا رَبِّ یا رَبِّ کرتے ہیں مگر کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ایسی حالت میں کہاں دُعا قبول ہو سکتی ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مُستجاب الدُعاء لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب کوئی حاکم ان پر مسلط ہوتا، اس کے لئے بد دُعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا۔ حجاج ظالم کا جب وہاں تسلط ہوا تو اس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بد دُعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہمارے زمانہ کی حلال روزی پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے جہاں ہر وقت سود تک کے جواز کی کوششیں جاری ہوں۔ ملازمین رشوت کو اور تاجر دھوکہ دینے کو بہتر سمجھتے ہوں۔

(۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ. (رواه الطبرانی فی

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

الایمط وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب)

ف: کس قدر اللہ جلّ جلالہ کا انعام و احسان ہے کہ روزہ کی برکت سے اس سے پہلے کھانے کو جس کو سحری کہتے ہیں اُمت کے لئے ثواب کی چیز بنادیا اور اس میں بھی مسلمانوں

کو اجر دیا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث میں سحر کھانے کی فضیلت اور اجر کا ذکر ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسکی فضیلت کی احادیث نقل کی ہیں اور اس کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ بہت سے لوگ کاہلی کی وجہ سے اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں اور بعض لوگ تراویح پڑھ کر کھانا کھا کر سو جاتے ہیں اور وہ اس کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ لغت میں سحر اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح کے قریب کھایا جائے جیسا کہ قاموس میں لکھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آدھی رات سے اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ صاحب کشف الرشید نے اخیر کے چھٹے حصہ کو بتلایا ہے یعنی تمام رات کو چھ حصوں پر تقسیم کر کے اخیر کا حصہ، مثلاً اگر غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک بارہ گھنٹے ہوں تو اخیر کے دو گھنٹے سحر کا وقت ہے اور ان میں بھی تاخیر اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ روزہ میں شک ہونے لگے۔ سحر کی فضیلت بہت سی احادیث میں آئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزہ میں سحری کھانے سے فرق ہوتا ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ سحری کھایا کرو کہ اس میں برکت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین چیزوں میں برکت ہے: جماعت میں، شرید میں، اور سحری کھانے میں۔ اس حدیث میں جماعت سے عام مراد ہے نماز کی جماعت اور ہر وہ کام جس کو مسلمانوں کی جماعت مل کر کرے کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ فرمائی گئی ہے، اور شرید گوشت میں پکی ہوئی روٹی کہلاتی ہے جو نہایت لذیذ کھانا ہوتا ہے، تیسرے سحری۔ نبی کریم ﷺ جب کسی صحابی کو اپنے ساتھ سحر کھلانے کے لئے بلاتے تو ارشاد فرماتے کہ آؤ! برکت کا کھانا کھاؤ۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سحری کھا کر روزہ پر قوت حاصل کرو، اور دو پہر کو سو کر اخیر شب کے اٹھنے پر مدد چاہا کرو۔

حضرت عبداللہ بن حارث ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ آپ ﷺ سحری نوش فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک برکت کی چیز ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمائی ہے اس کو مت چھوڑنا۔ حضور ﷺ نے متعدد

روایات میں سُحور کی ترغیب فرمائی ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے کہ اور کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارہ ہی کھالے یا ایک گھونٹ پانی ہی پی لے۔ اس لئے روزہ داروں کو اس ہم خرما و ہم ثواب کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنی راحت اپنا نفع اور مفت کا ثواب۔ مگر اتنا ضروری ہے کہ افراط و تفریط ہر چیز میں مضر ہے اس لئے نہ اتنا کم کھاوے کہ عبادت میں ضعف محسوس ہونے لگے اور نہ اتنا زیادہ کھاوے کہ دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی رہیں۔ خود ان احادیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاہے ایک چھوہارہ ہو یا ایک گھونٹ پانی۔ نیز مستقل احادیث میں بھی بہت کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ سحری کی برکات مختلف وجوہ سے ہیں، اتباع سنت، اہل کتاب کی مخالفت کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم لوگ حتیٰ الوسع ان کی مخالفت کے مامور ہیں۔

نیز عبادت پر قوت، عبادت میں دل بستگی کی زیادتی، نیز شدتِ بھوک سے اکثر بد خلقی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مدافعت، اس وقت کوئی ضرورت مند سائل آجائے تو اس کی اعانت، کوئی پڑوس میں غریب فقیر ہو اس کی مدد، یہ وقت خصوصیت سے قبولیتِ دُعا کا ہے، سحری کی بدولت دُعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اس وقت میں ذکر کی توفیق ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ابن دُقیقُ العید رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صوفیاء کو سُحور کے مسئلہ میں کلام ہے کہ وہ مقصدِ روزہ کے خلاف ہے اس لئے کہ مقصدِ روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کا توڑنا ہے اور سحری کھانا اس مقصد کے خلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مقدار میں اتنا کھانا کہ یہ مصلحت بالکلیہ فوت ہو جائے، یہ تو بہتر نہیں، اس کے علاوہ حسبِ حیثیت و ضرورت مختلف ہوتا رہتا ہے، بندہ کے ناقص خیال میں اس بارے میں قولِ فیصل بھی یہی ہے کہ اصل سُحور و افطار میں تقلیل ہے، مگر حسبِ ضرورت اس میں تغیر ہو جاتا ہے، مثلاً طلباء کی جماعت کہ ان کے لئے تقلیلِ طعام منافعِ صوم کے حاصل ہونے کے ساتھ تحصیلِ علم کی مضرت کو شامل ہے، اس لئے ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقلیل نہ کریں کہ علمِ دین کی اہمیت شریعت میں بہت زیادہ ہے، اسی طرح ذاکرین کی جماعت۔ علیٰ ہذا دوسری جماعتیں جو تقلیلِ طعام کی وجہ سے کسی دینی کام میں اہمیت کے ساتھ مشغول نہ ہو سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ جہاد کو تشریف لے جاتے ہوئے اعلان

فرمادیا کہ سفر میں روزہ نیکی نہیں، حالانکہ رمضان المبارک کا روزہ تھا مگر اس جگہ جہاد کا تقابل آ پڑا تھا۔ البتہ جس جگہ کسی ایسے دینی کام میں جو روزے سے زیادہ اہم ہو ضعف اور کسل پیدا نہ ہو وہاں تکلیل طعام ہی مناسب ہے۔ شرح اقطاع میں علامہ شعرانی رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم سے اس پر عہد لئے گئے کہ پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائیں، بالخصوص رمضان المبارک کی راتوں میں۔ بہتر یہ ہے کہ رمضان کے کھانے میں غیر رمضان سے کچھ تکلیل کرے اس لئے کہ افطار و سحر میں جو شخص پیٹ بھر کر کھائے اُس کا روزہ ہی کیا ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص رمضان میں بھوکا رہے آئندہ رمضان تک تمام سال شیطان کے زور سے محفوظ رہتا ہے اور بھی بہت سے مشائخ سے اس باب میں شدت منقول ہے۔

شرح احياء میں عوارف سے نقل کیا ہے کہ سہل بن عبد اللہ شستری رحمہ اللہ علیہ پندرہ روز میں ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے تھے اور رمضان المبارک میں ایک لقمہ، البتہ روزانہ اتباع سنت کی وجہ سے محض پانی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ علیہ ہمیشہ روزہ رکھتے لیکن (اللہ والے) دوستوں میں سے کوئی آتا تو اس کی وجہ سے روزہ افطار فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ (ایسے) دوستوں کے ساتھ کھانے کی فضیلت کچھ روزہ کی فضیلت سے کم نہیں۔ اور بھی سلف کے ہزاروں واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کھانے کی کمی کے ساتھ نفس کی تادیب کرتے تھے، مگر شرط وہی ہے کہ اس کی وجہ سے اور دینی اہم امور میں نقصان نہ ہو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ اُن کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ اُن کو رات کے جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: رَبُّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ، وَرَبُّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ. (رواه ابن ماجه واللفظ له والنسائي وابن خزيمة في صحيحه، والحاكم وقال على شرط البخاري، ذكر لفظهما المنذري

ف: علماء کے اس حدیث کی شرح میں چند اقوال ہیں: اول یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مالِ حرام سے افطار کرتا ہے۔ جتنا ثواب روزہ کا ہوا تھا اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہو گیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے، لیکن غیبت میں بھی مبتلا رہتا ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ روزہ کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات جامع ہوتے ہیں، یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی، مگر تفریحاً تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت بھی کر لی تو وہ سارا جاگنا بیکار ہو گیا۔ مثلاً صبح کی نماز ہی قضا کر دی یا محض ریا اور شہرت کے لئے جاگا تو وہ بیکار ہے۔

(۹) عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: الصَّيَامُ جُنَّةٌ مَالٌ يَخْرُقُهَا. (رواه النسائي وابن ماجه) حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے جب تک اُس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

وابن خزيمة والحاكم وصححه على شرط البخاري، والفاظهم مختلفة حكاه العنذري في الترغيب

ف: ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے۔ دوسری روایت میں ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ ان دونوں روایتوں میں اور اسی طرح اور بھی متعدد روایات ہیں روزہ میں اس قسم کے امور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اس کو قرار دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں روزہ کے کاٹنے کے لئے مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ واہی تباہی میری تیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض علماء

کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں، مگر روزہ کے برکات جاتے رہنے سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے: اول نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے، پھر اجنبی کا کیا ذکر اور اسی طرح کسی لہو و لعب وغیرہ نا جائز جگہ نہ پڑے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچ رہے حق تعالیٰ جلّ ثناؤ اس کو ایسا نور ایمانی نصیب فرماتے ہیں جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔ صوفیاء نے بے محل کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے جو دل کو حق تعالیٰ شانہ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ کر دے۔ دوسری چیز زبان کی حفاظت ہے۔ جھوٹ، چغل خوری، لغو، بکواس، غیبت، بدگوئی، بدکلامی، جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے اس لئے روزہ دار کو چاہئے کہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تسخر، جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، یعنی دوسرے کی ابتدا کرنے پر بھی اس سے نہ اُلجھے۔ اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اور اگر وہ بیوقوف نا سمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا روزہ ہے، تجھے ایسی لغویات کا جواب مناسب نہیں، بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابل برداشت بن گئی، ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں تے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے تے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ شانہ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔

اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی مترشح ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متقی لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور فاسق لوگوں کی اکثر بُری حالت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے تب بھی اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں۔ بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں غیبت کو اپنے بھائی کے مردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلل کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے، معلوم ہوا کہ اُن کی غیبت کی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں، عوام کا ذکر نہیں خواص مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیا دار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر اپنے یا کسی کے دل میں کچھ کھٹکا بھی پیدا ہو تو اس پر اظہارِ واقعہ کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا غیبت کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی کی پس پشت ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار ہو۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اس میں واقعہ وہ بات موجود ہو جو کہی گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے۔ اگر واقعہ موجود نہ ہو تب تو بہتان ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا دو قبروں سے گزر ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذابِ قبر ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے، دوسرے کو پیشاب

سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کے ستر سے زیادہ باب ہیں، سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سود کا پینتیس زنا سے زیادہ سخت ہے اور بدترین سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔ احادیث میں غیبت اور مسلمان کی آبروریزی پر سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ان میں سے کچھ معتد بہ روایات جمع کروں اس لئے کہ ہماری مجلسیں اس سے بہت ہی زیادہ پُر رہتی ہیں مگر مضمون دوسرا ہے اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس بلا سے محفوظ فرمائیں اور بزرگوں اور دوستوں کی دعا سے مجھ سیہ کار کو بھی محفوظ فرمائیں کہ باطنی امراض میں کثرت سے مبتلا ہوں۔

کبر و نخوت، جہل و غفلت، حقد و کینہ بدظنی کذب و بدعہدی، ریاء و بغض و غیبت دشمنی کون بیماری ہے یا رب جو نہیں مجھ میں ہوئی عَافِنِيْ مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَاَقْضِ عَنِّيْ حَاجَتِيْ اِنَّ لِيْ قَلْبًا سَقِيْمًا اَنْتَ شَافٍ لِّلْعَلِيْلِ

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا جائز ہے، اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔ چوتھی چیز باقی اعضاء بدن مثلاً ہاتھ کا نا جائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا نا جائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاء بدن کا۔ اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مُشْتَبَہ چیز سے محفوظ رکھنا، جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے اُس کا حال اس شخص کا سا ہے کہ کسی مرض کے لئے دوا کرتا ہے، مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لئے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی، مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے اس لئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔ مقصود روزہ سے قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور ملکیہ کا بڑھانا ہے۔ گیارہ مہینہ تک بہت کچھ کھایا ہے، اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی تو کیا جان نکل جاتی ہے؟ مگر ہم لوگوں کا حال ہے کہ افطار

کے وقت تلافی مافات میں سحر کے وقت حفظ ماتقدم میں اتنی زیادہ مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار کھانے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ رمضان المبارک بھی ہم لوگوں کے لئے خُود کا کام دیتا ہے۔ علامہ غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ روزہ کی غرض یعنی قہر ابلیس اور شہوتِ نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کر لے جو فوت ہوئی۔ حقیقتہً ہم لوگ بجز اس کے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل دیتے ہیں اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے، بلکہ اور زیادتی مختلف انواع کی کر جاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسر نہیں ہوتی۔ لوگوں کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لئے رکھتے ہیں اور نفسِ دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب زیادہ سیر ہو کر کھاتا ہے تو بجائے قوتِ شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آ جاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے۔ روزہ کے اندر مختلف اغراض اور فوائد اور اس کے مشروع ہونے سے مختلف منافع مقصود ہیں، وہ سب جب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کچھ بھوکا بھی رہے۔ بڑا نفع تو یہی ہے جو معلوم ہو چکا، یعنی شہوتوں کا توڑنا یہ بھی اسی پر موقوف ہے کہ کچھ وقت بھوک کی حالت میں گزرے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو۔ تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے، جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں۔ دوسری غرض روزہ سے فقراء کے ساتھ تشبہ اور ان کے حال پر نظر ہے۔ وہ بھی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب سحر میں معدہ کو دودھ جلیبی سے اتنا نہ بھر لے کہ شام تک بھوک ہی نہ لگے۔ فقراء کے ساتھ مشابہت جب ہی ہو سکتی ہے جب کچھ وقت بھوک کی بے تابی کا بھی گزرے۔ بشر حافی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص گئے وہ سردی میں کانپ رہے تھے اور کپڑے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ وقت کپڑے نکالنے کا ہے؟ فرمایا کہ فقراء بہت ہیں اور مجھ میں اُن کی ہمدردی کی طاقت نہیں، اتنی ہمدردی کر لوں کہ میں بھی ان جیسا ہو جاؤں۔

مشائخ صوفیاء نے عامۃً اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور فقہاء نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سحر میں زیادتی نہ کرے جیسا کہ متعتم لوگوں کی عادت ہے کہ یہ غرض کو فوت کر دیتا ہے۔ علامہ طحاوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کا مقصود یہ ہے کہ بھوک کی تلخی کچھ محسوس ہوتا کہ زیادتی ثواب کا سبب ہو اور مساکین و فقراء پر ترس آ سکے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں جتنا کہ پیٹ کا پُر ہونا ناپسند ہے۔ ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔ اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر نل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے رکھے اور ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی خالی۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی کریم ﷺ کئی کئی روز تک مسلسل لگا تار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو پورے رمضان المبارک دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی۔ دوستوں کے خیال سے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب راپوری رحمہ اللہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گزر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب (نور اللہ مرقدہ) نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائے گا، حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سیہ کاروں کو بھی ان پاک ہستیوں کا اتباع نصیب فرماویں تو زہے نصیب، مولانا سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ندارند تن پروراں آگہی

۱۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ حضرت راپوری رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ راپوری قیام رہتا ہے، اپنے شیخ کے قدم بقدم متبع ہیں، جو لوگ رائے پوری دربار سے محروم رہ گئے مولانا کے وجود کو غنیمت سمجھیں کہ ہر جانے والا اپنی نظیر نہیں چھوڑتا۔ (اب حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کا بھی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ جمعرات کو وصال ہو گیا)۔

چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری فرماتے ہیں یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نامعلوم یہ روزہ قابل قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا ایسی تو نہیں ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منہ پر مار دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک ان کو لعنت کرتا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن لوگوں کا اولین وہلہ میں فیصلہ ہوگا (ان کے) منجملہ ایک شہید ہوگا جس کو بلایا جائے گا اور اللہ کے جو جوانعام دنیا میں اُس پر ہوئے تھے وہ اس کو جتائے جائیں گے۔ وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کریگا، اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا حق ادائیگی کی؟ وہ عرض کرے گا کہ تیرے راستہ میں قتال کیا حتی کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، بلکہ قتال اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایسے ہی ایک عالم بلایا جائے گا، اس کو بھی اسی طرح سے اللہ کے انعامات جتلا کر پوچھا جائیگا کہ ان انعامات کے بدلے میں کیا کارگزاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر تلاوت کی۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ علامہ کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک دولت مند بلایا جائے گا، اس سے انعامات الہی شمار کرانے اور اقرار لینے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: کوئی خیر کا راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں میں نے کچھ خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ سخی کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدینتی کے ثمرات ہیں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں مذکور ہیں اس لئے روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ اس سے خائف بھی رہنا چاہئے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالیں۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اپنے عمل کو قابل قبول نہ سمجھنا امر آخر، اور کریم آقا کے لطف پر نگاہ امر آخر ہے، اس کے لطف

کے انداز بالکل نرا لے ہیں۔ معصیت پر بھی کبھی ثواب دیدیتے ہیں تو پھر کوتاہی عمل کا کیا ذکر۔
خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست بسیار شیوہا است بتاں را کہ نام نیست

یہ چھ چیزیں عام صلحاء کے لئے ضروری بتلائی جاتی ہیں۔ خواص اور مقربین کے لئے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ دل کو اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف بھی متوجہ نہ ہونے دے، حتیٰ کہ روزہ کی حالت میں اس کا خیال اور تدبیر کہ افطار کے لئے کوئی چیز ہے یا نہیں یہ بھی خطا فرماتے ہیں۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ روزہ میں شام کو افطار کے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کا قصد بھی خطا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کے وعدہ رزق پر اعتماد کی کمی ہے۔ شرح احياء میں بعض مشائخ کا قصہ لکھا ہے کہ اگر افطار کے وقت سے پہلے کوئی چیز کہیں سے آ جاتی تھی تو اس کو کسی دوسرے کو دیدیتے تھے مبادا دل کو اس کی طرف التفات ہو جائے اور توکل میں کسی قسم کی کمی ہو جائے۔ مگر یہ امور بڑے لوگوں کے لئے ہیں، ہم لوگوں کو ان امور کی ہوس کرنا بھی بے محل ہے اور اس حالت پر پہنچے بغیر اس کو اختیار کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ”كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ“ میں آدمی کے ہر جزو پر روزہ فرض کیا گیا ہے، پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے اور کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز، آنکھ کا روزہ لہو و لعب کی چیزوں سے احتراز ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء حتیٰ کہ نفس کا روزہ حرص و شہوتوں سے بچنا، دل کا روزہ حُب دنیا سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سر خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ، لَمْ يَقْضِهِ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ.
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کر دے، غیر رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔
(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد وابن ماجہ)

ف: بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ وغیرہ حضرات بھی ہیں، اس حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کے روزہ کو بلا وجہ کھودیا اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی، چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزے کے بدلے ایک روزہ سے قضا ہو جائے گی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا کے ایک روزہ کے علاوہ دو مہینہ کے روزہ کفارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے ہاتھ نہیں آ سکتی، اور اس حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ وہ برکت ہاتھ نہیں آ سکتی جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی۔ یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے اور اگر سرے سے رکھے ہی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فساق کی حالت ہے تو اس کی گمراہی کا کیا پوچھنا۔ روزہ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے: سب سے اول تو حید و رسالت کا اقرار، اس کے بعد اسلام کے چاروں مشہور رکن نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں، لیکن ان پانچوں میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں۔ سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں، مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیز پر ہے: کلمہ شہادت اور نماز، روزہ۔ جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے، اس کا خون کر دینا حلال ہے۔ علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ مقید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو، مگر اس سے انکار نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں۔ فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں، دنیا کی عیش و عشرت بہت جلد چھوٹنے والی چیز ہے۔ کارآمد چیز صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ بہت سے جاہل تو اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے، لیکن بہت سے بد دین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک دیتے ہیں کہ جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں، مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ

ہو یا ہمیں بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور بہت غور و اہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخر اور مذاق اڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے، کبھی بھی روزہ نہ رکھے۔ اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو وہ کافر نہیں۔ جس فرض کو ادا نہیں کرتا اس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے، لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تمسخر بھی کفر ہے جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز روزہ نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، یہ بہت زیادہ قابل لحاظ امر ہے، اس لئے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے، اور اگر تمسخر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عذر افطار کر نیوالا فاسق ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان میں علی الاعلان بغیر عذر کے کھاوے اس کو قتل کیا جاوے، لیکن قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ وہ کام امیر المومنین کا ہے تو اس فرض سے کوئی بھی سبکدوش نہیں کہ اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہار نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا کوئی درجہ ہی نہیں کہ اس کو دل سے بُرا سمجھے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے مطیع بندوں کے طفیل مجھے بھی نیک اعمال کی توفیق نصیب فرما دیں کہ سب سے زیادہ کوتاہی کرنے والوں میں ہوں۔ فصل اول میں دس حدیثیں کافی سمجھتا ہوں کہ ماننے والے کے لئے ایک بھی کافی ہے، چہ جائیکہ ”تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ“ اور نہ ماننے والے کے لئے جتنا بھی لکھا جائے بیکار ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیق نصیب فرما دیں۔ آمین



فصلِ ثانی

شبِ قدر کے بیان میں

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شبِ قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل بتلایا ہے۔ ہزار مہینے کے ترسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے اس نے گویا ترسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گزار دیا اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ اللہ جلّ جلالہ کا حقیقتاً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کے لئے یہ ایک بے نہایت نعمت مرحمت فرمائی۔ دُرّ منثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ شبِ قدر حق تعالیٰ جلّ جلالہ نے میری اُمت کو مرحمت فرمائی ہے، پہلی اُمتوں کو نہیں ملی۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا، بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی اُمتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں اُن کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جاویں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا رہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر رشک آیا تو اللہ جلّ جلالہ و عظمِ نوالہ نے اس کی تلافی کے لئے اس رات کا نزول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا: حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام کہ اسی اسی برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی۔ اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ اس قسم کے اختلاف روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ بہر حال سبب نزول جو بھی کچھ ہوا ہو، لیکن امت محمدیہ کے لئے یہ اللہ جلّ ثنا کا بہت ہی بڑا انعام ہے، یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسر ہوتا ہے ورنہ۔

تہیدستان قسمت را چہ سود از راہبرِ کامل کہ خضر از آبِ حیاں تشنہ می آرد سکندر را
کس قدر قابلِ رشک ہیں وہ مشائخ جو فرماتے ہیں کہ بلوغ کے بعد سے مجھ سے شب قدر کی عبادت کبھی فوت نہیں ہوئی۔ البتہ اس رات کی تعمین میں علماء امت کے درمیان میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے، تقریباً پچاس کے قریب اقوال ہیں، سب کا احاطہ دشوار ہے، البتہ مشہور اقوال کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔ کتب احادیث میں اس رات کی فضیلت مختلف انواع اور متعدد روایات سے وارد ہوئی ہے جن میں سے بعض کا ذکر آتا ہے، مگر چونکہ اس رات کی فضیلت خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے اور مستقل ایک سورۃ اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اول اس سورۃ شریفہ کی تفسیر لکھ دی جائے۔ ترجمہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے اور فوائد دوسری کتب سے۔ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝“ ”پیشک ہم نے قرآن پاک کو شب قدر میں اتارا ہے۔“

ف: یعنی قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اسی رات میں اُترا ہے۔ یہ ہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لئے کافی تھی کہ قرآن پاک جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی، چہ جائیکہ اُس میں اور بہت سے برکات و فضائل شامل ہو گئے ہوں۔ آگے زیادتی شوق کے لئے ارشاد فرماتے ہیں ”وَمَا اَذْرَاكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝“ ”آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے۔“ یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں، اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں۔ ”لَیْلَةُ الْقَدْرِ

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝“ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اُس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے ”تَنْزِيلُ الْمَلٰٓئِكَةِ“ اس رات میں فرشتے اترتے ہیں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ملائکہ نے جب ابتدا میں تجھے دیکھا تھا تو تجھ سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہِ عالی میں عرض کیا تھا کہ ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہا دے، اس کے بعد والدین نے جب تجھے اول دیکھا تھا جب کہ تو منی کا قطرہ تھا تو تجھ سے نفرت کی تھی۔ حتیٰ کہ کپڑے کو اگر لگ جاتا تو کپڑے کو دھونے کی نوبت آتی، لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے اس قطرہ کو بہتر صورت مرحمت فرمادی تو والدین کو بھی شفقت اور پیار کی نوبت آئی اور آج جب کہ توفیق الہی سے تو شب قدر میں معرفتِ الہی اور طاعت ربانی میں مشغول ہے تو ملائکہ بھی اپنے اس فقرہ کی معذرت کرنے کے لئے اترتے ہیں۔

”وَالرُّوْحُ فِيْهَا“ اور اس رات میں رُوح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نازل ہوتے ہیں۔ روح کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں: جمہور کا یہی قول ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افضلیت کی وجہ سے ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے ان کا ذکر فرمایا۔ بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد ایک بہت بڑا فرشتہ ہے کہ تمام آسمان و زمین اس کے سامنے ایک لقمہ کے بقدر ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے جو اور فرشتوں کو بھی صرف لیلۃ القدر ہی میں نظر آتے ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اللہ کی کوئی مخصوص مخلوق ہے جو کھاتے پیتے ہیں، مگر نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ پانچواں یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو اُمتِ محمدیہ کے کارنامے دیکھنے کے لئے ملائکہ کے ساتھ اترتے ہیں۔ چھٹا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے، یعنی اس رات میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان کے بعد میری رحمت خاص نازل ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند اقوال ہیں، مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔ ”سُنِّ بِيْهَتِيْ“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے

ایک گروہ کے ساتھ اترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ ”بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ“ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں۔ مظاہر حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں آدم علیہ السلام کا مادہ جمع ہونا شروع ہوا۔ اسی رات میں جنت میں درخت لگائے گئے اور دُعا وغیرہ کا قبول ہونا تو بکثرت روایات میں وارد ہے۔ دُرّ منثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔ ”سلام“ وہ رات سراپا سلام ہے یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے دوسری جاتی ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے، شر و فساد وغیرہ سے امن ہے۔ ”ہی حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ“ وہ رات (ان ہی برکات کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے۔ یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو، اور کسی میں نہ ہو بلکہ صبح ہوتے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔ اس سورۃ شریفہ کے ذکر کے بعد کہ خود اللہ جلّ جلالہ کے کلام پاک میں اس رات کی کئی نوع کی فضیلتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ احادیث کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن احادیث میں بھی اس کی فضیلت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ اُن میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (کذا فی الترغیب عن البخاری ومسلم)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ف: کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی اور عبادت تلاوت اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو اور ثواب کی اُمید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی بد نیتی سے کھڑا نہ ہو، بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے کھڑا ہو۔ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کر کے بشارتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ نہیں، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جس قدر

ثواب کا یقین اور اعتقاد زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قرب الہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں اسہاک زیادہ ہوتا رہتا ہے، نیز یہ معلوم ہو جانا بھی ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے ان کو ”الْأَمْنُ نَاب“ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی بناء پر علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے علماء اُس کو صغائر کے ساتھ مقید فرمایا کرتے ہیں۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ ویرد مضجعه کا ارشاد ہے کہ احادیث میں صغائر کی قید دو وجہ سے مذکور نہیں ہوتی، اول تو یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے ذمہ کبیرہ گناہ ہو، کیونکہ جب کبیرہ گناہ اس سے صادر ہو جاتا ہے تو مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو اُس وقت تک چین ہی نہ آوے جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کر لے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے مواقع ہوتے ہیں مثلاً لیلۃ القدر ہی میں جب کوئی شخص بامیدِ ثواب عبادت کرتا ہے تو اپنی بد اعمالیوں پر ندامت اس کے لئے گویا لازم ہے اور ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے توبہ کا تحقق خود بخود ہو جاتا ہے کہ توبہ کی حقیقت گزشتہ پر ندامت اور آئندہ کو نہ کرنے کا عزم ہے، لہذا اگر کوئی شخص کبائر کا مرتکب بھی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر ہو یا کوئی اور اجابت کا موقع ہو اپنی بد اعمالیوں سے سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کر لے تاکہ اللہ کی رحمت کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ کبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جاویں اور یاد آ جاوے تو اس سے کار کو بھی اپنی مخلصانہ دُعاؤں میں یاد فرمائیں۔

(۲) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ خَضَرَ كُمْ، وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرِ كُلَّهُ، وَلَا يُحْرَمُ خَيْرُهَا إِلَّا مُحْرُومٌ. (رواہ ابن

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے

محروم رہ گیا گویا ساری خیر سے محروم رہ گیا
 اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا، مگر وہ
 شخص جو حقیقتہً محروم ہی ہے۔

ماجۃ واسنادہ حسن ان شاء اللہ، کذا فی الترغیب
 وفی المشکوۃ عنہ الا کل محروم)

ف: حقیقتاً اسکی محرومی میں کیا تاثر ملتا ہے جو اس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھودے۔
 ریلوے ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات رات بھر جاگتے ہیں اگر اتنی برس کی عبادت کی
 خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا وقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ
 ہی نہیں اور اگر ذرا سا چسکہ پڑ جائے تو پھر ایک رات کیا، سینکڑوں راتیں جاگی جاسکتی ہیں۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آخر کوئی بات تو تھی کہ نبی کریم ﷺ باوجود ساری بشارتوں اور وعدوں کے جن کا
 آپ کو یقین تھا، پھر اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ انہی کے نام لیوا
 اور امتی آخر ہم بھی کہلاتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے ان امور کی قدر کی وہ سب کچھ کر گئے
 اور نمونہ بن کر امت کو دکھلا گئے۔ کہنے والوں کو یہ موقع بھی نہیں رہا کہ حضور ﷺ کی حرص
 کون کر سکتا ہے اور کس سے ہو سکتی ہے۔ دل میں سما جانے کی بات ہے کہ چاہنے والے کے
 لئے دودھ کی نہر پہاڑ سے کھودنی بھی مشکل نہیں ہوتی، مگر یہ بات کسی کی جوتیاں سیدھی کئے
 بغیر مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

تمنا در دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

آخر کیا بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے
 اور صبح تک نماز میں گزار دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز
 میں گزار دیتے، صرف رات کے اوّل حصہ میں تھوڑا سا سوتے تھے، رات کی ایک ایک رکعت
 میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ شرح احیاء میں ابو طالب مکی رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ
 چالیس تابعین سے بطریق تواتر یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھتے
 تھے۔ حضرت شداد رحمہ اللہ علیہ رات کو لیٹتے اور تمام رات کروٹیں بدل کر صبح کر دیتے اور کہتے:

یا اللہ! آگ کے ڈرنے میری نیند اڑادی۔ اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں مغرب عشاء کے درمیان تھوڑی دیر سوتے اور بس۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ پچاس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ صلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ رات بھر نماز پڑھتے اور صبح کو یہ دعا کرتے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنت مانگوں، صرف اتنی درخواست ہے کہ آگ سے بچا دیجیو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رمضان تو ہر تین رات میں ایک قرآن ختم فرماتے، مگر عشرہ اخیر میں ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور و معروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹاتا ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ قوت کس طرح حاصل ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے ناموں کے طفیل ایک مخصوص طریق پر دعا کی تھی، صرف دو پہر کو تھوڑی دیر سوتے اور فرماتے کہ حدیث میں قیلولہ کا ارشاد ہے، گویا دو پہر کے سونے میں بھی اتباع سنت کا ارادہ ہوتا۔ قرآن شریف پڑھتے ہوئے اتار دیتے کہ پڑوسیوں کو ترس آنے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کو پڑھتے اور روتے گزاردی ”بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ“ الخ (القر: ۴۶) ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں نہ تو دن کو سوتے اور نہ رات کو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں دن رات کی نمازوں میں ساٹھ قرآن شریف ختم کرتے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں کے واقعات ہیں جنہوں نے ”وَمَا خُلِقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ پر عمل کر کے بتا دیا کہ کرنے والے کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ یہ سلف کے واقعات ہیں، اب بھی کرنے والے موجود ہیں، اس درجہ کا مجاہدہ نہ سہی، مگر اپنے زمانے کے موافق اپنی طاقت و قدرت کے موافق نمونہ سلف اب بھی موجود ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اقتدا کرنے والے اس دورِ فساد میں بھی موجود ہیں۔ نہ راحت و آرام انہماکِ عبادت سے مانع ہوتا ہے، نہ دنیوی مشاغل سدِ راہ ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو بند کر دوں گا، ورنہ تیرے سینہ کو

مشاغل سے بھردوں گا اور فقر زائل نہیں ہوگا۔ روزمرہ کے مشاہدات اس سچے ارشاد کے شاہدِ عدل ہیں۔

(۳) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ فِي كُتُبِكُمْ مِنَ الْمَلَكَةِ، يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ، يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدِهِمْ يَعْنِي يَوْمَ فِطْرِهِمْ، بَاهِي بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ، فَقَالَ: يَا مَلَائِكَتِي! مَا جَزَاءُ أَجِيرٍ وَفِي عَمَلَةٍ؟ قَالُوا: رَبَّنَا جَزَاؤُهُ أَنْ يُؤْفَى أَجْرُهُ قَالَ: مَلَائِكَتِي! عِبِيدِي وَأَمَانِي قَضَوْا فَرِيضَتِي عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوا يَعْبُدُونَ إِلَى الدُّعَاءِ، وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكَرَمِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعَ مَكَانِي! لَا جِئْتُهُمْ فَيَقُولُ: ارْجِعُوا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُونَ مَغْفُورًا لَهُمْ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان، كذا في المشكوة)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبریل علیہ السلام ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اُس شخص کے لئے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے (اور عبادت میں مشغول ہے) دعائے رحمت کرتے ہیں اور جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جل جلالہ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں۔ (اس لئے کہ انہوں نے آدمیوں پر طعن کیا تھا) اور اُن سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس مزدور کا جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کر دے کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اُس کی اجرت پوری دیدی جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ فرشتو! میرے غلاموں اور

باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کر دیا، پھر دُعا کے ساتھ چلاتے ہوئے (عید گاہ کی طرف) نکلے ہیں، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری بخشش کی قسم! میرے علو شان کی قسم! میرے بلندی، مرتبہ کی قسم! میں اُن لوگوں کی دُعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر اُن لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ، تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں

اور تمہاری بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ پس یہ لوگ عید گاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ اُن کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

ف: حضرت جبریل علیہ السلام کا ملائکہ کے ساتھ آنا خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ رسالہ کی سب سے اخیر حدیث میں اس کا مُفَصَّل ذکر آ رہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ ہر ذاکر و شاعِل کے گھر جاویں اور اُن سے مصافحہ کریں۔ ”غالیۃ الموعظ“ میں حضرت اقدس شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کی ”غنیۃ“ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ فرشتے حضرت جبریل کے کہنے سے متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لئے وہاں نہ جاتے ہوں، لیکن اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا سور یا حرام کاری کی وجہ سے جفٹی یا تصویر ہو۔ مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمتِ رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا ایک آدھ ہوتا ہے، مگر اُس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم رکھتا ہے۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوَسْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَّلِ مِنْ رَمَضَانَ. (مشکوۃ عن البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

ف: جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے عام ہے کہ مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔ اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ راتوں میں کرنا چاہئے، اگر مہینہ ۲۹ کا ہو تب بھی اخیر عشرہ یہی کہلاتا ہے۔ مگر ابن حزم رحمہ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دس کے ہیں، لہذا اگر تیس ۳۰ کا چاند رمضان المبارک کا ہو تب تو یہ ہے، لیکن ۲۹ کا چاند ہو تو اس صورت میں اخیر عشرہ بیسویں شب

سے شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں وتر راتیں یہ ہونگی: ۲۸، ۲۶، ۲۴، ۲۲، ۲۰ لیکن نبی کریم ﷺ لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وہ بالا تفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا۔ اس لئے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی احتمال ہے زیادہ رائج ہے۔ اگرچہ احتمال اور راتوں میں بھی ہے اور دونوں قولوں پر تلاش جب ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لے کر عید کی رات تک ہر رات میں جاگتا رہے اور شب قدر کی فکر میں لگا رہے۔ دس گیارہ راتیں کوئی ایسی اہم یا مشکل چیز نہیں جن کو جاگ کر گزار دینا اس شخص کے لئے کچھ مشکل ہو جو ثواب کی امید رکھتا ہو۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال میتواں یہ تمنا گریستن

(۵) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِيُخْبِرَنَا بَلِيلَةَ الْقَدْرِ، فَتَلَا حَتَّى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بَلِيلَةَ الْقَدْرِ، فَتَلَا حَتَّى فَلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ. (مشکوٰۃ عن البخاری)

حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لئے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرمادیں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی خبر دوں، مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعمین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا

اللہ کے علم میں بہتر ہو لہذا اس رات کونویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

ف: اس حدیث میں تین مضمون قابل غور ہیں: امر اول جو سب سے اہم ہے وہ جھگڑا ہے جو اس قدر سخت بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے شب قدر کی تعمین اٹھا لی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں،

آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ دُنیا دار دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر، جبکہ بہت سی لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول حضور ﷺ کے ارشاد کو غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لئے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ فصل اول میں روزہ کے آداب میں گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین سودا اور خبیث ترین سودا ارشاد فرمایا ہے، لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پروا کرتے ہیں اور نہ اللہ اور اُس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال۔ خود اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے ”وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا“ الایۃ اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں اور پھر دُنیا کی ذلت بدیہی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھنڈ رکھے اگر اس حالت میں مر گیا تو سیدھا جہنم میں جاوے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیرو جمعرات کے دن اللہ کی حضوری میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اللہ جلّ جلالہ کی رحمت سے (نیک اعمال کی بدولت) مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے، مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کی مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ہر پیرو جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شبِ برأت میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے، مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی: ایک کافر، دوسرا جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے ان

کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں۔ یہ جگہ ان روایات کے احاطہ کی نہیں، مگر چند روایات اس لئے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عوام کا ذکر نہیں خواص میں اور ان لوگوں میں جو شرفاء کہلاتے ہیں، دیندار سمجھے جاتے ہیں، اُن کی مجالس، اُن کے مجامع اُن کی تقریبات، اس کمیۂ حرکت سے لبریز ہیں۔ **فَالِی اللّٰهِ الْمُشْتٰکِی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ**۔ لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے۔ اگر کسی شخص کے فسق کی وجہ سے یا کسی دینی امر کی حمایت کی وجہ سے ترک تعلق کرے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا تو اُن کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً حدیث پر اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مرنے تک اُن سے نہیں بولے۔ اور بھی اس قسم کے واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ثابت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ شانہ دانا و بینا ہیں، قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اس سے خوب واقف ہیں کہ کون سا ترک تعلق دین کی خاطر ہے اور کون سا اپنی وجاہت اور کسرِ شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے۔

دوسرا امر جو حدیث بالا میں معلوم ہوتا ہے وہ حکمتِ الہی کے سامنے رضا اور قبول و تسلیم ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ شب قدر کی تعین کا اُٹھ جانا صورتاً بہت ہی بڑی خیر کا اُٹھ جانا تھا، لیکن چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شاید ہمارے لئے یہی بہتر ہو۔ نہایت عبرت اور غور کا مقام ہے۔ اللہ جلّ ثنا کی رحیم و کریم ذات بندہ پر ہر وقت مہربان ہے۔ اگر بندہ اپنی بد اعمالی سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تب بھی اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے تھوڑی سی توجہ اور اقرارِ عجز کے بعد اللہ کا کرم شامل حال ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت بھی کسی بڑی خیر کا سبب بنا دی جاتی ہے اور اللہ کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ چنانچہ علماء نے اُس کے اخفاء میں بھی چند مصالِح ارشاد فرمائے ہیں: اول یہ کہ اگر تعین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طباع ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتیں اور اس صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ آج ہی شاید شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق، طلب والوں

کو نصیب ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر اُن سے رہا ہی نہیں جاتا۔ تعین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں معصیت کی جرأت کی جاتی تو سخت اندیشہ ناک تھا۔ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ سورہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگا دو تا کہ وضو کر لیں۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے جگا تو دیا، مگر حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ تو خیر کی طرف بہت تیزی سے چلنے والے ہیں، آپ نے خود کیوں نہ جگا دیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مبادا انکار کر بیٹھتا اور میرے کہنے پر انکار کفر ہو جاتا، تیرے کہنے سے انکار پر کفر نہیں ہوگا۔ تو اسی طرح حق سبحانہ و تقدس کی رحمت نے گوارا نہ فرمایا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جرأت کرے۔

تیسری یہ کہ تعین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی ایک دو رات تو کم از کم ہر شخص کو میسر ہو ہی جاتی ہیں۔ چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں اُن سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا۔ پانچویں یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جل ثناؤ کا پر تفاخر فرماتے ہیں جیسا کہ پہلی روایات میں معلوم ہو چکا۔ اس صورت میں تفاخر کا زیادہ موقع ہے کہ بندے باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال اور خیال پر رات رات بھر جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں کہ جب احتمال پر اس قدر کوشش کر رہے ہیں اگر بتلا دیا جاتا کہ یہی رات شب قدر ہے تو پھر ان کی کوششوں کا کیا حال ہوتا۔ ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں۔ ایسے امور کی وجہ سے عادت اللہ یہ جاری ہے کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مخفی فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اسم اعظم کو مخفی فرما دیا۔ اسی طرح جمعہ کے دن ایک وقت خاص مقبولیت دُعا کا ہے، اس کو بھی مخفی فرما دیا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعین بھلا دی گئی ہو اور اس کے بعد دیگر مصالح مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعین بھلا دی گئی ہو۔

تیسری بات جو اس حدیث پاک میں وارد ہے وہ شب قدر کی تلاش کے لئے تین راتیں ارشاد فرمائی ہیں: نویں، ساتویں، پانچویں۔ دوسری روایات کے ملانے سے اتنا تو محقق ہے کہ یہ تینوں راتیں اخیر عشرہ کی ہیں، لیکن اس کے بعد پھر چند احتمال ہیں کہ عشرہ میں اگر اول سے شمار کیا جائے تو حدیث کا محمل ۲۹، ۲۷، ۲۵ رات ہوتی ہے اور اگر اخیر سے شمار کیا جائے جیسا کہ بعض الفاظ سے مترشح ہے تو پھر ۲۹ کے چاند کی صورت میں ۲۱، ۲۳، ۲۵۔ اور ۳۰ کے چاند کی صورت میں ۲۲، ۲۴، ۲۶ ہے۔ اس کے علاوہ بھی تعین میں روایات بہت مختلف ہیں اور اسی وجہ سے علماء کے درمیان میں اس کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ پچاس کے قریب علماء کے اقوال ہیں۔

روایات کے بکثرت اختلاف کی وجہ محققین کے نزدیک یہ ہے کہ یہ رات کسی تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ مختلف سالوں میں مختلف راتوں میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے روایات مختلف ہیں کہ ہر سال نبی کریم ﷺ نے اس سال کے متعلق مختلف راتوں میں تلاش کا حکم فرمایا اور بعض سالوں میں متعین طور سے بھی ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک مرتبہ شب قدر کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کوئی تاریخ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ۲۲ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج ہی رات کی میں تلاش کرو۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ شب قدر نبی کے زمانہ کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت تک رہے گی۔ میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کس حصہ میں ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عشرہ اول اور عشرہ آخر میں تلاش کرو۔ پھر حضور ﷺ اور باتوں میں مشغول ہو گئے تو میں نے موقع پا کر عرض کیا: اہی! یہ تو بتلا ہی دیجئے کہ عشرہ کے کون سے حصہ میں ہوتی ہے۔ حضور ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے نہ بعد میں، اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے، آخر کی سات رات میں تلاش کرو، بس اس کے بعد اور کچھ نہ پوچھو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حضور نے ۲۳ شب متعین طور پر ارشاد فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ

کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا، مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ اُٹھ آج شب قدر ہے، میں جلدی سے اُٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گیا تو آپ کی نماز کی نیت بندھ رہی تھی اور یہ رات ۲۳ ویں شب تھی۔ بعض روایات میں متعین طور سے ۲۴ کی شب کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شب قدر کو پاسکتا ہے (یعنی شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے)، کسی نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا تو وہ فرمانے لگے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک رات پر قناعت کر کے نہ بیٹھ جائیں، پھر قسم کھا کر یہ بتلایا کہ وہ ۲۷ رمضان کو ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی رائے ہے کہ وہ ۲۷ ویں شب میں ہوتی ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیق یہی ہے، ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تحقیق وہی ہے کہ جو شخص تمام سال جاگے وہ اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ اور دُرّ منثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں۔ ائمہ میں سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ دوسرا قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ تمام رمضان میں دائر رہتی ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں جو متعین ہے مگر معلوم نہیں۔ شافعیہ کا رائج قول یہ ہے کہ ۲۱ کی شب میں ہونا اقرب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔ کسی سال کی رات میں اور کسی سال کی دوسری رات میں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں زیادہ امید ہے۔

شیخ العارفین محمدی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ اس لئے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو شعبان میں دیکھا ہے ایک مرتبہ ۱۵ کو، اور ایک مرتبہ ۱۹ کو، اور دو مرتبہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں ۱۳ کو، اور ۱۸ کو، اور رمضان کے آخر عشرہ کی ہر طاق رات میں دیکھا ہے۔ اس لئے مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ سال کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے، لیکن رمضان المبارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

شب قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے: ایک وہ رات ہے جس میں احکام خداوندی نازل ہوتے ہیں اور اسی رات میں قرآن شریف لوح محفوظ سے اُترا ہے، یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں، تمام سال میں دائر رہتی ہیں، لیکن جس سال قرآن پاک نازل ہوا اس سال رمضان المبارک میں تھی اور اکثر رمضان المبارک ہی میں ہوتی ہے، اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے اور ملائکہ بکثرت زمین پر اترتے ہیں اور شیاطین دور رہتے ہیں، دُعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں یہ ہر رمضان میں ہوتی ہیں اور اخیر عشرہ کی وتر راتوں میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ ویرد مفضّحہ اسی قول کو رائج فرماتے تھے۔

بہر حال شب قدر ایک ہو یا دو، ہر شخص کو اپنی ہمت و وسعت کے موافق تمام سال اس کی تلاش میں سعی کرنا چاہئے، نہ ہو سکے تو رمضان بھر جستجو چاہئے۔ اگر یہ بھی مشکل ہو تو عشرہ اخیرہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اتنا بھی نہ ہو سکے تو عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے اور خدا نخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ستائیسویں شب کو تو بہر حال غنیمت بار دہ سمجھنا ہی چاہئے کہ اگر تائید ایزدی شامل حال ہے اور کسی خوش نصیب کو میسر ہو جائے تو پھر تمام دنیا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، لیکن اگر میسر نہ بھی ہو تب بھی اجر سے خالی نہیں، بالخصوص مغرب عشاء کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تو ہر شخص کو تمام سال بہت ہی ضروری ہونا چاہئے کہ اگر خوش قسمتی سے شب قدر کی رات میں یہ دو نمازیں جماعت سے میسر ہو جائیں تو کس قدر باجماعت نمازوں کا ثواب ملے۔ اللہ کا کس قدر بڑا انعام ہے کہ کسی دینی کام میں اگر کوشش کی جاوے تو کامیابی نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کوشش کا اجر ضرور ملتا ہے، لیکن اس کے باوجود کتنے ہمت والے ہیں جو دین کے درپے ہیں، دین کے لئے مرتے ہیں، کوششیں کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل اغراض دنیویہ میں کوشش کے بعد اگر نتیجہ مرتب نہ ہو تو وہ کوشش بے کار اور ضائع، لیکن اس پر بھی کتنے لوگ ہیں کہ دنیوی اغراض اور بے کار و لغو امور کے حاصل کرنے کے لئے جان و مال دونوں کو برباد کرتے ہیں۔

ع

ہیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا

(۶) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ: فِي رَمَضَانَ فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ، فَإِنَّهَا فِي لَيْلَةٍ وَتُرَى فِي أَحَدَى وَعِشْرَيْنَ، أَوْ ثَلَاثَ وَعِشْرَيْنَ، أَوْ خَمْسَ وَعِشْرَيْنَ، أَوْ سَبْعَ وَعِشْرَيْنَ، أَوْ تِسْعَ وَعِشْرَيْنَ، أَوْ آخِرَ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ مَن قَامَهَا إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمِنْ أَمَّا رَأَتْهَا أَنَّهَا لَيْلَةُ بَلَجَةٍ، صَافِيَةٌ سَاكِتَةٌ، سَاجِيَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ، كَأَنَّا فِيهَا قَمَرًا سَاطِعًا، وَلَا يَحِلُّ لِنَجْمٍ أَنْ يُرْمَى بِهِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ، وَمِنْ أَمَّا رَأَتْهَا أَنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ صَبِيحَتَهَا لَا شُعَاعَ لَهَا مُسْتَوِيَةً، كَأَنَّهَا الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَرِّ، وَحَرَّمَ اللَّهُ عَلَى الشَّيْطَانِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ. (در مشور

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہے ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ یا رمضان کی آخری رات میں۔ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس رات میں عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس رات کی منجملہ اور علامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے، صاف شفاف، نہ زیادہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی، بلکہ معتدل گویا کہ اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے، اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیطین کو نہیں مارے جاتے، نیز اسکی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے، ایسا بالکل ہموار مکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند، اللہ جل ثنا نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا (بخلاف اور دنوں کے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے)۔

عن أحمد و البيهقي و محمد بن نصر وغيرهم

ف: اس حدیث کا اول مضمون تو سابقہ روایات میں ذکر ہو چکا ہے۔ آخر میں شب قدر

کی چند علامات ذکر کی ہیں جن کا مطلب صاف ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض علامات روایات میں اور ان لوگوں کے کلام میں ذکر کی گئی ہیں جن کو اس رات کی دولت نصیب ہوئی ہے، بالخصوص اس رات کے بعد جب صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو بغیر شعاع کے نکلتا ہے۔ یہ علامت بہت سی روایات حدیث میں وارد ہوئی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور علامتیں لازمی اور لاکھڑی نہیں ہیں۔ عبدہ بن ابی لبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ ایوب بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہو گئی، میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو بالکل میٹھا تھا اور یہ تیسویں شب کا قصہ ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر ایسی چیزوں کا تعلق امور کشفیہ سے ہے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ: قُولِي: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی و صححہ، کذا فی مشکوٰۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شب قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دُعا مانگوں؟ حضور ﷺ نے اَللّٰهُمَّ سے اخیر تک دُعا بتلائی جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ! تو بیشک معاف کر نیوالا ہے اور پسند کرتا ہے

معاف کرنے کو۔ پس معاف فرما دے مجھ سے بھی۔

ف: نہایت جامع دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔

من گلویم کہ طاعتم بہ پذیر قلم عفو بر گناہم کش

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس رات میں دُعا کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ

بہتر ہے بہ نسبت دوسری عبادات کے۔ ابن رجب رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صرف دُعا نہیں، بلکہ مختلف عبادات میں جمع کرنا افضل ہے مثلاً تلاوت، نماز، دُعا اور مراقبہ وغیرہ، اس لئے نبی کریم ﷺ سے یہ سب امور منقول ہیں، یہی قول زیادہ اقرب ہے کہ سابقہ احادیث میں نماز، ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت گزر چکی ہے۔

فصل ثالث

اعتکاف کے بیان میں

اعتکاف کہتے ہیں مسجد میں اعتکاف کی نیت کر کے ٹھہرنے کو، حنفیہ کے نزدیک اُس کی تین قسمیں ہیں، ایک واجب، جو منت اور نذر کی وجہ سے ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا یا بغیر کسی کام پر موقوف کرنے کے یونہی کہہ لے کہ میں نے اتنے دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کر لیا یہ واجب ہوتا ہے اور جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم سنت ہے جو رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ ان ایام کے اعتکاف فرمانے کی تھی۔ تیسرا اعتکاف نفل ہے جس کے لئے نہ کوئی وقت نہ ایام کی مقدار، جتنے دن کا جی چاہے کر لے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کر لے تب بھی جائز ہے، البتہ کمی میں اختلاف ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن سے کم کا جائز نہیں، لیکن امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑی دیر کا بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اس لئے ہر شخص کے لئے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوا اعتکاف کی نیت کر لیا کرے کہ اتنے نماز وغیرہ میں مشغول رہے اعتکاف کا ثواب بھی رہے۔ میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ و برہ مضعہ کو ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے دیکھا کہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو دایاں پاؤں اندر داخل کرتے ہی اعتکاف کی نیت فرماتے تھے اور بسا اوقات خدام کی تعلیم کی غرض سے آواز سے بھی نیت فرماتے تھے۔ اعتکاف کا بہت زیادہ ثواب ہے اور اس کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ

نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے کہ اتنے میری درخواست قبول نہ ہو ٹلنے کا نہیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اگر حقیقتاً یہی حال ہو تو سخت سے سخت دل والا بھی پسپتا ہے اور اللہ جلّ ثنا کی کریم ذات تو بخشش کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے، بلکہ بے بہانہ مرحمت فرماتے ہیں۔

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیہری مل جائے
اس لئے جب کوئی شخص اللہ کے دروازے پر دنیا سے منقطع ہو کر جا پڑے تو اس کے
نوازے جانے میں کیا تاثر ہو سکتا ہے اور اللہ جلّ ثنا جس کو اکرام فرمادیں اس کے بھرپور
خزائن کا بیان کون کر سکتا ہے، اس کے آگے کہنے سے قاصر ہوں کہ نامرد بلوغ کی کیفیت
کیا بیان کر سکتا ہے، مگر ہاں یہ ٹھان لے کہ۔

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں یا وہ بغل میں آئے یا جاں فقس سے چھوٹے

ابن قیم رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اسکی روح دل کو اللہ کی پاک ذات
کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہو جائے اور ساری
مشغولیوں کے بدلہ میں اسی کی پاک ذات سے مشغول ہو جائے اور اس کے غیر کی طرف
سے منقطع ہو کر ایسی طرح اس میں لگ جاوے کہ خیالات تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک
ذکر اسکی محبت سما جاوے، حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ انس کے بدلہ اللہ کے ساتھ انس پیدا ہو
جاوے کہ یہ انس قبر کی وحشت میں کام دے کہ اس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی
مونس، نہ دل بہلانے والا، اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوگا تو کس قدر لذت سے
وقت گزرے گا۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین

اعمال میں سے ہے۔ اس کی خصوصیتیں حدِ احصاء سے خارج ہیں کہ اس میں قلب کو دنیا و مافیہا سے یکسو کر لینا ہے اور نفس کو مولیٰ کے سپرد کر دینا اور آقا کی چوکھٹ پر پڑ جانا ہے۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑا رہوں سر زیر بارِ مستِ درباں کئے ہوئے

نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے کہ آدمی سوتے جاگتے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ تقرب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف (آہستہ بھی) چلتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ نیز اس میں اللہ کے گھر پڑ جانا ہے اور کریم میزبان ہمیشہ گھر آنے والے کا اکرام کرتا ہے، نیز اللہ کے قلعہ میں محفوظ ہوتا ہے کہ دشمن کی رسائی وہاں تک نہیں وغیرہ وغیرہ، بہت سے فضائل اور خواص اس اہم عبادت کے ہیں۔

مسئلہ: مرد کے لئے سب سے افضل جگہ مسجدِ مکہ ہے، پھر مسجدِ مدینہ منورہ پھر مسجدِ بیت المقدس، اُن کے بعد مسجدِ جامع پھر اپنی مسجد۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کرے اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو۔ صاحبین رحمہم کے نزدیک شرعی مسجد ہونا کافی ہے، اگرچہ جماعت نہ ہوتی ہو۔ عورت کے لئے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے۔ اگر گھر میں کوئی جگہ مسجد کے نام سے متعین نہ ہو تو کسی کو نہ کو اس کے لئے مخصوص کر لے۔ عورتوں کے لئے اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کاروبار بھی گھر کی لڑکیوں وغیرہ سے لیتی رہیں اور مفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں، مگر اس کے باوجود عورتیں اس سنت سے گویا بالکل ہی محروم رہتی ہیں۔

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اِغْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ، ثُمَّ اِغْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِي قُبَّةِ تَرْكِيَّةٍ، ثُمَّ اُطْلِعَ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی، پھر ترقی خیمہ سے جس میں اعتکاف

رَأْسَهُ، فَقَالَ: إِنِّي اِعْتَكِفُ الْعَشْرَ
الْأَوَّلَ التَّمِيسُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ، ثُمَّ
اِعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ، ثُمَّ أَتَيْتُ،
فَقِيلَ لِي: إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ،
فَمَنْ كَانَ اِعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ
الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ، فَقَدْ أَرَيْتُ هَذِهِ
اللَّيْلَةَ ثُمَّ أَتَيْتُهَا، وَقَدْ رَأَيْتُنِي اَسْجُدُ
فِي مَاءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا،
فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ
وَالْتَمِسُوا فِي كُلِّ وَتَرٍ. قَالَ:
فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَكَانَ
الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ،
فَبَضُرْتُ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
وَعَلَى جَبْهَتِهِ اَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ
صَبِيحَةِ اِحْدَى وَعِشْرَيْنَ. (مشکوٰۃ عن

المتفق عليه باختلاف اللفظ)

فرما رہے تھے باہر سر نکال کر ارشاد فرمایا کہ
میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شب قدر کی
تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی
کی وجہ سے دوسرے عشرہ میں کیا، پھر مجھے
کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا
کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے، لہذا جو لوگ
میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر
عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات
دکھلا دی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی (اس کی
علامت یہ ہے) میں نے اپنے آپ کو اس
رات کے بعد کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ
کرتے دیکھا۔ لہذا اب اس کو اخیر عشرہ کی
طاق راتوں میں تلاش کرو۔ روای کہتے
ہیں کہ اس رات میں بارش ہوئی اور
مسجد چھپر کی تھی، وہ ٹپکی اور میں نے
اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کی

پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیس کی صبح کو دیکھا۔

ف: نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے، اس مہینہ میں تمام مہینہ
کا اعتکاف فرمایا اور جس سال وصال ہوا ہے اس سال بیس روز کا اعتکاف فرمایا تھا، لیکن اکثر
عادت شریفہ چونکہ اخیر عشرہ ہی کے اعتکاف کی رہی ہے، اس لئے علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ
وہی ہے۔ حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس اعتکاف کی بڑی غرض شب قدر کی تلاش
ہے اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لئے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں
اگر آدمی سوتا ہوا بھی ہو تب بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

نیز اعتکاف میں چونکہ آنا جانا اور اوہر اُدھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے اس لئے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا، لہذا شب قدر کے قدر دانوں کے لئے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ اول تو سارے ہی رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے، لیکن اخیر عشرہ میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھی۔ رات کو خود بھی جاگتے اور گھر کے لوگوں کو بھی جگانے کا اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ صحیحین کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اخیر عشرہ میں حضور ﷺ لنگی کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کا احیاء فرماتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے۔ لنگی مضبوط باندھنے سے کوشش میں اہتمام کی زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے اور بیویوں سے بالکل احتراز بھی مراد ہو سکتا ہے۔

(۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ: هُوَ يُعْتَكِفُ الذُّنُوبَ وَيُجْزَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (مشکوٰۃ عن ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُعْتَكِف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اُس کے لئے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لئے۔

ف: دو مخصوص منافع اعتکاف کے اس حدیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں: ایک یہ کہ اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، ورنہ بسا اوقات کوتاہی اور لغزش سے کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس میں آدمی گناہ میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے اور ایسے متبرک وقت میں مَعْصیت کا ہو جانا کسی قدر ظلم عظیم ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے ان سے امن اور حفاظت رہتی ہے، دوسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت، مریض کی عیادت وغیرہ ایسے امور ہیں کہ اعتکاف میں بیٹھ جانے کی وجہ سے معتکف ان کو نہیں کر سکتا، اس لئے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رُکا رہا اُن کا اجر بغیر کئے بھی ملتا رہے گا۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت اور فیاضی ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے اور دس عبادتوں کا ثواب مل جائے۔ درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈھتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دھواں دار برستی ہے۔ ع

بہانہ مے دہد بہانہ مے دہد

مگر ہم لوگوں کو سرے سے اس کی قدر ہی نہیں، ضرورت ہی نہیں، توجہ کون کرے اور کیوں کرے کہ دین کی وقعت ہی ہمارے قلوب میں نہیں۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ مُعْتَكِفًا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَاتَاهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: يَا فُلَانُ! أَرَأَيْكَ مُكْتَبِيًا حَزِينًا؟ قَالَ: نَعَمْ، يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ، لِفُلَانٍ عَلَى حَقٍّ وَلَا وَحُرْمَةِ صَاحِبِ هَذَا الْقَبْرِ، مَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَفَلَا أَكَلِمَةُ فِيكَ؟ قَالَ: إِنَّ أَحْبَبْتُ، قَالَ: فَانْتَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ لَهُ الرَّجُلُ: أَلَسَيْتَ مَا كُنْتَ فِيهِ قَالَ: لَا، وَلَكِنِّي سَمِعْتُ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَالْعَهْدُ بِهِ قَرِيبٌ فَلَدَمْتُ عَيْنَاهُ وَهُوَ يَقُولُ: مَنْ مَشَى فِي حَاجَةِ أَخِيهِ وَبَلَغَ فِيهَا كَانَ خَيْرًا لَهُ مِنْ اعْتِكَافٍ عَشْرِ سِنِينَ، وَمَنْ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءً وَجْهِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقٍ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ. (رواه الطبرانی فی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چپ چاپ) بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ اُس نے کہا: اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے! میں بیشک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اچھا، کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اُس نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا: بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے

۱۔ هكذا فی النسخة التي بأيدينا بلفظ حرق النهي وهو الصواب عندی لوجه ووقع فی بعض النسخ بلفظ ولاء بالهمزة فی آخره وهو تصحيف عندی من الكاتب وعليه قرائن ظاهرة ۱۲.

الأوسط والبيهقي واللفظ له، والحاكم مختصراً وقال
 صحيح الإسناد، وكذا في الترغيب وقال السيوطي
 في الدر: صححه الحاكم وضعفه البيهقي)
 (ﷺ) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ
 زیادہ نہیں گزرا۔ (یہ لفظ کہتے ہوئے)
 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو
 بہنے لگے، حضور ﷺ فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے
 اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن
 کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے
 درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی
 مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو
 دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مقدار ہوگی)۔

ف: اس حدیث سے دو مضمون معلوم ہوئے: اول یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا
 ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں
 اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا سارا جہاں اور ایک دن سے زیادہ جس قدر زیادہ دنوں کا
 اعتکاف ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ علیہ نے ”کشف الغمۃ“ میں نبی کریم ﷺ
 کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرہ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر
 ہے اور جو شخص مسجد جماعت میں مغرب سے عشاء تک کا اعتکاف کرے کہ نماز، قرآن کے
 علاوہ کسی سے بات نہ کرے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے جنت میں ایک محل بناتے ہیں۔
 دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت روائی ہے کہ دس برس
 کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اعتکاف کی
 پرواہ نہیں فرمائی کہ اس کی تلافی پھر بھی ہو سکتی ہے اور اس کی قضا ممکن ہے۔ اسی وجہ سے
 صوفیاء کا مقولہ ہے کہ اللہ جل ثنا کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی
 نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بددعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ حضور ﷺ
 جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے، اور نصائح کے ساتھ ”وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ“ بھی
 ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن اجابت از در حق بہراستقبال می آید

اس جگہ ایک مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ ضرورت بشری کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ایثار کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیا سے تڑپ تڑپ کر مرجا دیں، مگر پانی کا آخری قطرہ اس لئے نہ پییں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے مقدم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اعتکاف تظلی اعتکاف ہو۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔ خاتمہ میں ایک طویل حدیث جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں ذکر کر کے اس رسالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ الْجَنَّةَ لَتُبَخَّرُ، وَتُرَيُّنِ مِنَ الْحَوْلِ إِلَى الْحَوْلِ لِدُخُولِ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَإِذَا كَانَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، هَبَّتْ رِيحٌ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ، يُقَالُ لَهَا الْمُشِيرَةُ، فَتُصَفَّقُ وَرَقُ أَشْجَارِ الْجَنَّةِ وَحَلَقُ الْمَصَارِيحِ، فَيَسْمَعُ لِذَلِكَ طَبِيبٌ لَمْ يَسْمَعْ السَّامِعُونَ أَحْسَنَ مِنْهُ، فَتَبْرُزُ الْحُورُ الْعَيْنُ حَتَّى يَقِفْنَ بَيْنَ شَرَفِ الْجَنَّةِ، فَيَنَادِينَ: هَلْ مِنْ خَاطِبٍ إِلَى اللَّهِ؟ فَيَرْجُوهُ، ثُمَّ يَقْلَنَ الْحُورُ الْعَيْنُ: يَارِضُونَ الْجَنَّةِ! مَا هَذِهِ اللَّيْلَةُ؟

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کا نام ”مُشیرہ“ ہے (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی

فَيُجِيبُهُنَّ بِالتَّلِيَّةِ، ثُمَّ يَقُولُ: هَذِهِ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَتُحْتُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ لِلصَّائِمِينَ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ﷺ، قَالَ: وَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا رِضْوَانُ! افْتَحْ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ، وَيَا مَالِكُ! اغْلِقْ أَبْوَابَ الْجَحِيمِ عَنِ الصَّائِمِينَ مِنْ أُمَّةٍ أَحْمَدَ ﷺ، وَيَا جِبْرِئِلُ! اهْبِطْ إِلَى الْأَرْضِ فَاصْفِدْ مَرَدَّةَ الشَّيَاطِينِ وَغُلِّهِمْ بِالْأَغْلَالِ، ثُمَّ اقْدِفْهُمْ فِي الْبَحَارِ حَتَّى لَا يُفْسِدُوا عَلَى أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ حَبِيبِي ﷺ صِيَامَهُمْ. قَالَ: وَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمُنَادٍ يُنَادِي: ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ سُؤْلَهُ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَاتُوبَ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ مَنْ يَقْرَأُ الْمَلَى غَيْرَ الْعَدْوَمِ وَالْوَفَى غَيْرَ الظُّلُومِ؟ قَالَ: وَلِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ أَلْفُ أَلْفٍ عَتِيقٍ مِنَ النَّارِ كُلُّهُمْ قَدْ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ. فَإِذَا كَانَ آخِرُ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ أَعْتَقَ اللَّهُ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ بِقَدْرِ مَا أَعْتَقَ مِنْ أَوَّلِ الشَّهْرِ إِلَى آخِرِهِ.

نہیں سنی۔ پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے مستغنی کر نیوالا تا کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں۔ پھر وہی حوریں جنت کے دار وندہ ”رضوان“ سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبتیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد ﷺ کی امت کیلئے (آج) کھول دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ ”رضوان“ سے فرمادیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے اور ”مالک“ (جہنم کے دار وندہ) سے فرمادیتے ہیں کہ احمد ﷺ کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد ﷺ کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی کو حکم

وَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَأْمُرُ اللَّهُ
عَزَّ وَجَلَّ جِبْرِئِيلَ، فَيَهْبِطُ فِي كِبْكَبَةٍ
مِّنَ الْمَلَائِكَةِ وَمَعَهُمُ لَوَاءٌ أَخْضَرُ،
فَيَرْكُزُ اللَّوَاءَ عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ وَلَهُ
مِائَةُ جَنَاحٍ، مِنْهَا جَنَاحَانِ لَا يَنْشُرُهُمَا
إِلَّا فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَيَنْشُرُهُمَا إِلَّا فِي
تِلْكَ اللَّيْلَةِ، فَيَنْشُرُهُمَا فِي تِلْكَ
اللَّيْلَةِ، فَيَجَاوِزُ الْمَشْرِقَ إِلَى
الْمَغْرِبِ، فَيَحُكُّ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
الْمَلَائِكَةَ فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ، فَيَسْلِمُونَ
عَلَى كُلِّ قَائِمٍ وَقَاعِدٍ وَمُصَلٍّ وَذَاكِرٍ،
وَيُصَافِحُونَهُمْ وَيُؤَمِّنُونَ عَلَى دُعَائِهِمْ
حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ
يُنَادِي جِبْرِئِيلُ مَعَاشِرَ الْمَلَائِكَةِ:
الرَّحِيلُ! الرَّحِيلُ! فَيَقُولُونَ: يَا جِبْرِئِيلُ!
فَمَا صَنَعَ اللَّهُ فِي حَوَائِجِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ
أُمَّةٍ أَحْمَدَ ﷺ؟ فَيَقُولُ: نَظَرَ اللَّهُ إِلَيْهِمْ
فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ فَغَضِيَ عَنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةً،
فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ:
رَجُلٌ مُّذْمَنٌ خَمِرٍ وَعَاقٍ لِّوَالِدَيْهِ
وَقَاطِعُ رَحِمٍ وَمُشَاحِنٌ قُلْنَا: يَا رَسُولَ
اللَّهِ؟ مَا الْمُشَاحِنُ؟ قَالَ: هُوَ الْمُصَارِمُ.
فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سَمِيتُ

فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ
ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں؟
ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اسکی توبہ
قبول کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا میں
اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو
قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں ایسا پورا
پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔
حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ
رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت
ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی
مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق
ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن
ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس
قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے اُن
کے برابر اُس ایک دن میں آزاد فرماتے
ہیں اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو
حق تعالیٰ شانہ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم
فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے
لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، اُن
کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ
کے اوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت
جبریل علیہ السلام کے سوا بازو ہیں جن میں سے
دو بازو کو صرف اسی رات میں کھولتے

ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں پھر حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں اور مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے۔ جب صبح ہو جاتی ہے تو جبریل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد علیہ السلام کی امت کے مومنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو، دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کر نیوالا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کر نیوالا ہو۔ پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس

تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةُ الْجَائِزَةِ، فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةُ الْفِطْرِ بَعَثَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَلَائِكَةَ فِي كُلِّ بِلَادٍ، فَيَهْبِطُونَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَقُومُونَ عَلَى أَفْوَاهِ السَّكَّكِ، فَيَنَادُونَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ، فَيَقُولُونَ: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ! أَخْرِجُوا إِلَى رَبِّ كَرِيمٍ يُعْطِي الْجَزِيلَ وَيَغْفِرُ عَنِ الْعَظِيمِ فَإِذَا بَرَزُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ: مَا جَزَاءُ الْآجِرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهُ؟ قَالَ: فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: إِلَهْنَا وَسَيِّدُنَا! جَزَائُهُ أَنْ تُؤْفِقَهُ أَجْرَهُ. قَالَ: فَيَقُولُ: فَإِنِّي أَشْهَدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِي أَنِّي قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامِهِمْ رَضَائِي وَمَغْفِرَتِي وَيَقُولُ: يَا عِبَادِي! اسْأَلُونِي فَوْعَزَّتِي وَجَلَالِي لَا تَسْأَلُونِي الْيَوْمَ شَيْئًا فِي جَمْعِكُمْ لِأَخْرَجْتُكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ، فَوْعَزَّتِي لَا أَسْتُرُّنَّ عَلَيْكُمْ عَثْرَاتِكُمْ مَارًا قَبْتُمُونِي وَعِزَّتِي وَجَلَالِي إِلَّا أَخْرَجْتُكُمْ وَلَا

أَفْضَلُكُمْ بَيْنَ أَصْحَابِ الْحُدُودِ،
وَأَنْصَرِفُوا مَغْفُورًا لَكُمْ، قَدْ
أَرْضَيْتُمُونِي وَرَضِيتُ عَنْكُمْ. فَتَفْرَحُ
الْمَلَائِكَةُ وَتُسَبِّحُ بِمَا يُعْطَى اللَّهُ عَزَّ
وَجَلَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ إِذَا أَفْطَرُوا مِنْ شَهْرِ
رَمَضَانَ. (کذا فی الترغیب، وقال رواه ابو الشیخ
بن حبان فی کتاب الثواب والبیہقی واللفظ له،
ولیس فی اسنادہ من اجمع عنی ضعفه، قلت: قال
السیوطی فی التدریب: قد التزم البیہقی ان لا یخرج
فی تصانیفہ حدیثاً یعلمہ موضوعاً الخ۔ وذكر القاری
فی المرقات بعض طرق الحدیث، ثم قال باختلاف
طرق الحدیث بدل علی ان له اصلاً .)

کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام
کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی
صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو
تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔ وہ زمین پر اتر
کر تمام گلیوں، راستوں کے سروں پر
کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے
جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی
ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد ﷺ کی
امت! اس کریم رب کی (درگاہ) کی
طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا
ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف
فرمانے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ

کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس
مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس
کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے تو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے
ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے اُن کو رمضان کے روزوں اور تراویح
کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ
اے میرے بندو! مجھ سے مانگو۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے
اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دُنیا
کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم کہ
جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور اُن کو چھپاتا
رہوں گا)۔ میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے
سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے

راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس اُمت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

ف: اس حدیث کے اکثر مضامین رسالہ کے گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ چند امور قابل غور ہیں جن میں سب سے اوّل اور اہم تو یہ ہے کہ بہت سے محروم رمضان کی مغفرتِ عامہ سے بھی مستثنیٰ تھے جیسا کہ پہلی روایت میں معلوم ہو چکا ہے اور وہ عید کی اس مغفرتِ عامہ سے بھی مستثنیٰ کر دیئے گئے جن میں سے آپس کے لڑنے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے بھی ہیں اُن سے کوئی پوچھے کہ تم نے اللہ کو ناراض کر کے اپنے لئے کون سا ٹھکانا ڈھونڈ رکھا ہے؟ افسوس! تم پر بھی اور تمہاری اس عزت پر بھی جس کے حاصل کرنے کے غلط خیال میں تم رسول اللہ ﷺ کی بددُعائیں برداشت کر رہے ہو، جبریل علیہ السلام کی بددُعائیں اُٹھا رہے ہو اور اللہ کی رحمت و مغفرتِ عامہ سے بھی نکالے جا رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج تم نے اپنے مقابل کو زک دے، ہی دی اپنی مونچھ اُونچی کر ہی لی، وہ کتنے دن تمہارے ساتھ رہ سکتی ہے، جبکہ اللہ کا پیارا رسول ﷺ تمہارے اوپر لعنت کر رہا ہے اللہ کا مقرب فرشتہ تمہاری ہلاکت کی بددعا دے رہا ہے، اللہ جلّ ثناؤ تمہیں اپنی مغفرت و رحمت سے نکال رہے ہیں، اللہ کے واسطے سوچو اور بس کرو صبح کا بھٹکا شام کو گھر آ جائے تو کچھ نہیں گیا۔ آج وقت ہے اور تلافی ممکن اور کل جب ایسے حاکم کی پیشی میں جانا ہے جہاں نہ عزت و وجاہت کی پوچھ، نہ مال و متاع کا رآمد، وہاں صرف تمہارے اعمال کی پوچھ ہے اور ہر حرکت لکھی لکھائی سامنے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے حقوق میں درگزر فرماتے ہیں، مگر بندوں کے آپس کے حقوق میں بغیر بدلہ دیئے نہیں چھوڑتے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مفلس میری اُمت میں وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نیک اعمال کے ساتھ آوے اور نماز روزہ صدقہ سب ہی کچھ لاوے، لیکن کسی کو گالی دے رکھی ہے، کسی کو تہمت لگا دی تھی، کسی کو مار پیٹ کی تھی پس یہ سب دعویدار آویں گے اور اس کے نیک اعمال میں سے ان حرکتوں کا بدلہ وصول کر لیں گے اور جب اُس کے پاس نیک اعمال ختم ہو جاویں گے تو اپنی بُرائیاں اُن حرکتوں کے بدلہ میں اس پر ڈالتے رہیں گے اور پھر اس انبار کی بدولت وہ جہنم رسید ہو

جائے گا اور اپنی کثرت اعمال کے باوجود جو حسرت و یاس کا عالم ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔
 وہ مایوس تمنا کیوں نہ سوئے آسمان دیکھے کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے
 دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اس رسالہ میں چند مواقع مغفرت کے ذکر کئے گئے ہیں اور
 اُن کے علاوہ بھی بہت سے اُمور ایسے ہیں کہ وہ مغفرت کے سبب ہوتے ہیں اور گناہ ان سے
 معاف ہو جاتے ہیں۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب ایک مرتبہ گناہ معاف ہو چکے
 تو اُس کے بعد دوسری دفعہ معافی کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کا قاعدہ یہ
 ہے کہ جب وہ بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اگر اس پر کوئی گناہ ہوتا ہے تو اس کو مٹاتی ہے اور
 اگر اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا تو اس کے بقدر اس پر رحمت اور انعام کا اضافہ ہو جاتا ہے۔
 تیسرا امر یہ ہے کہ سابقہ احادیث میں بھی بعض جگہ اور اس حدیث میں ابھی حق تعالیٰ
 شانہ نے اپنے مغفرت فرمانے پر فرشتوں کو گواہ بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کی
 عدالت کے معاملات ضابطہ پر رکھے گئے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ان کی تبلیغ کے
 بارے میں بھی گواہ طلب کئے جائیں گے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں بہت سے مواقع
 پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، لہذا تم گواہ رہو
 کہ میں پہنچا چکا ہوں۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام قیامت کے دن
 بلائے جائیں گے۔ اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسالت کا حق ادا کیا، ہمارے
 احکام پہنچائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پہنچائے تھے، پھر ان کی اُمت سے پوچھا جائے گا کہ
 تمہیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے ”مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ“ ہمارے پاس
 نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ ڈرانے والا تو حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ اپنے
 گواہ پیش کرو۔ وہ محمد ﷺ اور ان کی اُمت کو پیش کریں گے، اُمت محمدیہ بلائی جائے گی اور
 گواہی دے گی، بعض روایات میں آتا ہے کہ ان سے جرح کی جائے گی کہ تم کو کیا خبر کہ
 نوح علیہ السلام نے اپنے اُمت کو احکام پہنچائے؟ یہ عرض کریں گے کہ ہمارے رسول ﷺ
 نے خبر دی۔ ہمارے رسول پر جو سچی کتاب اُتری اُس میں خبر دی گئی۔ اس طرح اور
 انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کے ساتھ بھی پیش آئے گا۔ اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی

ہے ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ (البقرة: ۱۴۳)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہی کہ قیامت میں گواہیاں چار طرح کی ہوں گی۔ ایک ملائکہ کی جس کے متعلق آیات ذیل میں تذکرہ ہے ”وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ“ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ۱۸، ۲۱) وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ“ (الانفطار: ۱۰، ۱۱، ۱۲)۔

دوسری گواہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ (المائدة: ۱۱۷) فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱)۔

تیسری اُمت محمدیہ کی گواہی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے ”وَجِئَءَ بِالْبَيِّنِ وَالشَّهِدَاءِ“ (الزمر: ۶۹)۔ چوتھی آدمی کی اپنے اعضاء کی گواہی جس کے متعلق ارشاد ہے ”يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ“ (النور: ۲۴) الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ“ (یس: ۶۵)۔

اختصار کے خیال سے ان آیات کا ترجمہ نہیں لکھا۔ سب آیات کا حاصل قیامت کے دن ان چیزوں کی گواہی دینے کا ذکر ہے جن کا بیان آیت کے شروع میں لکھ دیا گیا۔ چوتھا امر حدیث بالا میں یہ ارشاد مبارک ہے میں تم کو کفار کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا غایت درجہ کا لطف و کرم اور مسلمانوں کے حال پر غیرت ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں کے لئے یہ بھی لطف و انعام ہے کہ ان کی لغزشوں اور سینات سے وہاں بھی درگزر اور پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایک مومن کو اپنی قریب بلا کر اس پر پردہ ڈال کر کہ کوئی دوسرا نہ دیکھے، لغزشوں اور سینات یاد دلا کر اس سے ہر ہر گناہ کا اقرار کرائیں گے اور وہ اپنے گناہوں کی کثرت اور اقرار پر یہ سمجھے گا کہ اب ہلاکت کا وقت قریب آ گیا، تو ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تجھ پر

ستاری فرمائی ہے تو آج بھی اُن پر پردہ ہے اور معاف ہیں۔ اس کے نیک اعمال کا دفتر اُس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

اور بھی سینکڑوں روایات سے یہ مضمون مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں، اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کی لغزشوں سے درگزر کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے نہایت اہمیت کے ساتھ ایک مضمون سمجھ لینا چاہئے کہ جو لوگ اللہ والوں کی کوتاہیوں پر ان کی غیبت میں مبتلا رہتے ہیں وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ مبادا قیامت میں ان کے نیک اعمال کی برکت سے ان کی لغزشیں تو معاف کر دی جائیں اور پردہ پوشی فرمائی جائے، لیکن تم لوگوں کے اعمال نامے غیبت کا دفتر بن کر ہلاکت کا سبب بنیں۔ اللہ جلّ و علا اپنے لطف سے ہم سب سے درگزر فرمائیں۔

پانچواں امر ضروری یہ ہے کہ حدیث بالا میں عید کی رات کو انعام کی رات سے پکارا گیا، اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے اس لئے بندوں کو بھی اُس رات کی بے حد قدر کرنی چاہئے۔ بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا خواص بھی رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں، حالانکہ یہ رات بھی خصوصیت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عیدوں میں جاگے (اور عبادت میں مشغول رہے) اس کا دل اُس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مر جاویں گے۔ (یعنی فتنہ و فساد کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مردنی چھاتی ہے، اس کا دل زندہ رہے گا اور ممکن ہے کہ صور پھونکنے جانے کا دن مراد ہو کہ اس کی روح بیہوش نہ ہوگی)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگے اُس کے واسطے جنت واجب ہو جاوے گی۔ لیلۃ الترویہ (آٹھ ذی الحجہ کی رات)، لیلۃ العرفہ (۹ ذی الحجہ کی رات)، لیلۃ النحر (۱۰ ذی الحجہ کی رات) اور عید الفطر کی رات اور شب برأت یعنی ۱۵ شعبان کی رات۔

فقہاء نے بھی عیدین کی رات میں جاگنا مستحب لکھا ہے۔ ”ما ثبت پائنتہ“ میں امام شافعی صاحب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں دُعا کی قبولیت کی ہیں: جمعہ کی رات، عیدین کی راتیں، غرہ رجب کی رات، اور نصف شعبان کی رات۔

تنبیہ: بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک میں جمعہ کی رات کا بھی خصوصیت سے اہتمام چاہئے کہ جمعہ اور اُسکی رات بہت متبرک اوقات ہیں۔ احادیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، مگر چونکہ بعض روایات میں جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص کرنے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایک دو رات کو اس کے ساتھ اور بھی شامل کر لے۔

آخر میں ناظرین سے لجاجت سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک کے مخصوص اوقات میں جب آپ اپنے لئے دُعا فرمائیں تو ایک سیہ کار کو بھی شامل فرمائیں کیا بعید ہے کہ کریم آقا تمہاری مخلصانہ دُعا سے اس کو بھی اپنی رضا و محبت سے نواز دیں۔

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں، اے شاہ جہاں! پرترے در کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں؟

کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

کشکش سے ناامیدی کو ہوا ہوں میں تباہ دیکھ مت میرے عمل، کر لطف پر اپنے نگاہ

یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخ عصیاں سر پہ ہے زیر قدم بحر الم چار سو ہے فوج غم، کر جلد اب بہر کرم

کچھ رہائی کا سبب اس بتلا کے واسطے

عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے

ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں، نے امیری کی طلب نے عبادت، نے ورع، نے خواہش علم ادب

درد دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار کی عطا تو نے مجھے، پر اب تو اے پروردگار

بخش وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے
 حد سے اتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا
 کرمی امداد، اللہ! وقت ہے امداد کا
 اپنے لطف و رحمت بے انتہا کے واسطے
 گو میں ہوں ایک بندہ عاصی غلام پر قصور
 جرم میرا حوصلہ ہے نام ہے تیرا غفور
 تیرا کہلاتا ہوں میں جیسا ہوں اے رب شکور
 أَنْتَ شَافٍ أَنْتَ كَافٍ فِي مُهِمَّاتِ الْأُمُورِ
 أَنْتَ حَسْبِي أَنْتَ رَبِّي أَنْتَ لِي نِعَمُ الْوَكِيلِ

محمد زکریا کاندھلوی
 مُقِمِّمِ مَظَاهِرِ الْعُلُومِ سہارنپور
 (وارد بستی حضرت نظام الدین دہلی)
 ۲۷/ شب رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ

مسلمانوں کی موجودہ
پستی کا واحد علاج

تالیف

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ النبی
کراچی - پاکستان

اظہارِ حقیقت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

سیدی و مولائی زُبْدَةُ الْفُضَلَاءِ، قُدْوَةُ الْعُلَمَاءِ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دَامَ مَجْدُهُ کے خاص شَغَف اور انہماک اور دیگر بزرگانِ ملت اور علماء اُمت کی توجہ اور برکت اور عملی جدوجہد سے ایک عرصہ سے مخصوص انداز میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری ہے جس سے باخبر طبقہ بخوبی واقف ہے۔

مجھ بے علم اور سیہ کار کو ان مقدس ہستیوں کا حکم ہوا کہ اس طرزِ تبلیغ اور اس کی ضرورت اور اہمیت کو قلم بند کیا جائے تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی اور نفع عام ہو جائے۔

تفصیل ارشاد میں یہ چند کلمات نذرِ قسط اس کئے جاتے ہیں جو ان مقدس ہستیوں کے دریائے علوم و معارف کے چند قطرے اور اس باغیچہ دینِ محمدی کے چند خوشے ہیں جو انتہائی عجلت میں جمع کئے گئے ہیں۔ اگر ان میں کوئی غلطی یا کوتاہی نظر سے گزرے تو میری لغزشِ قلم اور بے علمی کا نتیجہ ہے۔ نظرِ لطف و کرم سے اس کی اصلاح فرمادیں تو موجبِ شکر و منت ہوگا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے میری بد اعمالیوں اور سیہ کاریوں کی پردہ پوشی فرمادیں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل سے اچھے اعمال اور اچھے کردار نصیب فرمادیں اور اپنی رضا و محبت اور اپنے پسندیدہ دین کی اشاعت اور اپنے برگزیدہ رسول ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کی دولت سے سرفراز فرماویں۔

خاکپائے بزرگاں

مدرسہ کاشف العلوم

محمد احتشام الحسن

بستی حضرت نظام الدین اولیاء ریلوے علیہ دہلی

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ
الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ .

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب دنیا کفر و ضلالت، جہالت و سفاہت کی
تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ بطحا کی سنگ لائخ پہاڑیوں سے رُشد و ہدایت کا ماہتاب
نمودار ہوا اور مشرق و مغرب، شمال و جنوب، غرض دنیا کے ہر گوشہ کو اپنے نور سے متور کیا
اور تیس سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس معراجِ ترقی پر پہنچایا کہ تاریخِ عالم اس
کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رشد و ہدایت، صلاح و فلاح کی وہ مشعل مسلمانوں کے
ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہِ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں اس شان و شوکت
سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا، یہ ایک حقیقت ہے جو
نا قابلِ انکار ہے، لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستاں ہے جس کا بار بار دہرانا، نہ تسلی بخش ہے
اور نہ کار آمد اور مفید، جب کہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور
ہمارے اسلاف کے کارناموں پر بد نما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم
ہوتا ہے کہ ہم عزت و عظمت، شان و شوکت، دبدبہ و حشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار ہیں،
لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت و
خواری، افلاس و ناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں، نہ زور و قوت ہے، نہ زور و دولت ہے، نہ
شان و شوکت ہے، نہ باہمی اخوت و الفت۔ نہ عادات اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے
نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔ اغیار ہماری اس زبوں
حالی پر خوش ہیں اور برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اسی
پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان، اسلام کے مقدس
اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو

ناقابل عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا سبق پڑھایا وہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر مُتمدن ہے؟

رہنمایان قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالتِ زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لئے جدوجہد کی مگر ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ ماضی (گذرے) سے بھی زیادہ پر خطر اور تاریک نظر آ رہا ہے، ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابل تلافی جرم ہے، لیکن اس سے پہلے کہ کوئی عملی قدم اٹھائیں، ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور انحطاط کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں، اور ان کے ازالہ کی متعدد تدابیر اختیار کی گئیں، لیکن ہر تدبیر ناموافق و ناکام ثابت ہوئی جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس و ہراس میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص ہی پورے طور پر نہیں ہوئی۔ یہ جو کچھ اسباب بیان کئے جاتے ہیں اصل مرض نہیں، بلکہ اس کے عوارض ہیں۔ پس تا وقتیکہ اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہوگی اور مادۂ حقیقی کی اصلاح نہ ہوگی، عوارض کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔ پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اور اس کا صحیح علاج معلوم نہ کر لیں، ہمارا اصلاح کے بارے میں لب کشائی کرنا سخت ترین غلطی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانونِ الہی ہے جو ہماری دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا تاقیام قیامت ضامن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کر دیں، بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن حکیم سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکزِ رشد و ہدایت سے طریق علاج معلوم کر کے اس پر کاربند

ہوں۔ جب قرآن کریم قیامت تک کے لئے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔ مالکِ ارض و سماء جلّ و علا کا سچا وعدہ ہے کہ روئے زمین کی بادشاہت و خلافت مومنوں کے لئے ہے۔

”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ“
 اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ (النور: ۵۵)

بنائے گا۔ اور یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ مومن ہمیشہ کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

”وَلَوْ قَتَلْتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ كُنتُمْ إِلَّا زِينَةً يَخْذُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا“ (الفتح: ۲۲)
 اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ پھر نہ پاتے کوئی یار و مددگار۔ اور مومنوں کی نصرت اور مدد

اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہمیشہ سر بلند اور سرفراز رہیں گے۔

”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ“ (الروم: ۴۷)
 اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔
 ”وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“
 اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔ (ال عمران: ۱۳۹)

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
 اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی۔ (المنافقون: ۸)

مذکورہ بالا ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت، سر بلندی و سرفرازی اور ہر برتری و خوبی ان کی صفتِ ایمان کے ساتھ وابستہ ہے، اگر ان کا تعلق خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ مستحکم ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ انکا ہے اور اگر خدا و نخواستہ اس رابطہ، تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے تو پھر سراسر خسران

اور ذلت و خواری ہے جیسا کہ واضح طور پر بتلادیا گیا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَقِيْ خُسْرًا ۝
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝
(سورہ عصر)

قسم ہے زمانہ کی، انسان بڑے خسارے
میں ہے، مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں
نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق
کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو
پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

ہمارے اسلاف عزت کے منتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور ہم انتہائی ذلت و خواری میں
بتلا ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ کمال ایمان سے مُشَفَّع تھے اور ہم اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں
جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔

سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ
الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا
رَسْمُهُ. (مشکوٰۃ)

یعنی قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ
اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور
قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہو گئے جو خدا اور
رسول ﷺ کے یہاں مطلوب ہے اور جس کے ساتھ ہماری دین و دنیا کی فلاح و بہبود
وابستہ ہے تو کیا ذریعہ ہے جس سے وہ کھوئی ہوئی نعمت واپس آئے؟ اور وہ کیا اسباب ہیں
جن کی وجہ سے روح اسلام ہم سے نکال لی گئی اور ہم جسدِ بے جان رہ گئے۔

جب مُصَحَّفِ آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہے اور امتِ محمدیہ کی فضیلت اور برتری کی
علت و غایت ڈھونڈھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا
گیا تھا جس کی وجہ سے ”خَيْرُ الْأُمَمِ“ کا معزز خطاب اس کو عطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصدِ اصلی خدا وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کی ذات و صفات کی معرفت
ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے
پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے لئے ہزاروں

رسول اور نبی بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“ (المائدہ: ۳) کا مژدہ سنایا گیا۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی، ہر بھلائی اور برائی کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا تھا، ایک مکمل نظام عمل دیا جا چکا تھا، اس لئے رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور جو کام پہلے نبی اور رسول سے لیا جاتا تھا، وہ قیامت تک ”امت محمدیہ“ کے سپرد کر دیا گیا۔

”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“
(آل عمران: ۱۱۰)

اے امت محمدیہ! تم افضل امت ہو، تم کو لوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تم بھلی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

”وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“
(آل عمران: ۱۰۴)

اور چاہئے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے، اور بری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں خیر امم ہونے کی وجہ یہ بتلائی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ دوسری آیت میں حصر کے ساتھ فرما دیا کہ فلاح و بہبود صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں، اس پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کر دیا گیا کہ اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا موجب ہے۔

لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط
ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ط

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی اور داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کی زبان سے، یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ

كَانُوا لَا يَتَّاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ط
لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

(المائدہ : ۷۸، ۷۹)

انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے اور جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے واقعی ان کا یہ فعل بے شک بُرا تھا۔

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

(۱) وفي السنن والمسند من حديث عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان من كان قبلكم كان اذا عمل العامل فيهم بالخطيئة جاءه الناهي تعزيراً، فقال: يا هذا! اتق الله، فاذا كان من الغد جالساً واكله وشاربه، كأنه لم يره على خطيئة بالأمس. فلما رأى عز وجل ذلك منهم، ضرب قلوب بعضهم على بعض، ثم لعنهم على لسان نبيهم داود وعيسى ابن مريم، ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون. والذي نفس محمد بيده لتأمرن بالمعروف، ولتنهون عن المنكر، ولتأخذن على يد السفيفه، ولتأطرن على الحق أطراً، أو يضربن الله قلوب بعضكم على بعض، ثم يلعنكم كما لعنهم.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھمکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر، پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا، گویا کل اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔ جب حق عزوجل نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط کر دیا اور ان کے نبی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لئے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو اور چاہئے کہ بیوقوف نادان کا ہاتھ پکڑو، اس کو حق بات پر مجبور کرو، ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے، اور پھر تم پر بھی لعنت ہوگی جیسا کہ

پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔

(۲) وَفِي سَنَنِ ابِي دَاوُدَ وَابْنِ مَاجَةَ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي، يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُونَ، إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوتُوا.

(۳) وَرَوَى الْأَصْبَهَانِيُّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا، وَتَرُدُّ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَا لَمْ يَسْتَخِفُّوا بِحَقِّهَا. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْأَسْتَخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ: يَظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللَّهِ، فَلَا يُنْكِرُ وَلَا يُغَيِّرُ. (ترغیب)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا دور کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی نہ برتی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کے حقوق کی بے پروائی کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

حق تعالیٰ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے، پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ، فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ أَنَّ قَدْ حَضَرَهُ شَيْءٌ، فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ أَحَدًا، فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ اسْتَمِعُ مَا يَقُولُ، فَقَعَدَ عَلَيَّ الْمُنْبَرِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَاتَّيَنِي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی سے کوئی بات

عَلَيْهِ، وَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَكُمْ: مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا أُجِيبَ لَكُمْ، وَتَسْأَلُونِي فَلَا أُعْطِيَكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُونِي فَلَا أَنْصُرَكُمْ، فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتَّى نَزَلَ (الترغيب)

نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تاکہ کوئی ارشاد ہو، اس کو سنوں۔ حضور اقدس ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں

سے منع کرو مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا عَظَّمْتُ أُمَّتِي الدُّنْيَا، نَزَعْتُ مِنْهَا هَيِّئَةَ الْإِسْلَامِ، وَإِذَا تَرَكَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَاتُ الْوَحْيِ، وَإِذَا قَسَّابْتُ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللَّهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو قابل وقعت و عظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت اور ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سب و شتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل ثنا کی نگاہ سے گر جائے گی۔

(کذا فی الدر عن الحکیم الترمذی)

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا خدا و خدہ لا شریک لہ کی لعنت اور غضب کا باعث ہے اور جب امت محمدیہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب و آلام اور ذلت و خواری میں مبتلا کر دی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت و مدد سے محروم ہو جائے گی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اس نے اپنے فرض منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی۔ یہی وجہ

ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور جزو لازمی قرار دیا اور اس کے چھوڑنے کو ایمان کے ضعف و اضمحلال کی علامت بتلایا۔ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ میں ہے ”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“۔ (مسلم)

یعنی تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔ پس جس طرح آخری درجہ اضعف ایمان کا ہوا، اسی طرح پہلا درجہ کمال دعوت اور کمال ایمان کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے: ”مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ قَبْلِي، إِلَّا كَانَ لَهُ فِي أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ، وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ“ (مسلم)

یعنی سنت الہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ کر جاتا ہے۔ یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے، یعنی شریعت الہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے اس کو بعینہ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے، لیکن اس کے بعد شرفتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو طریقہ نبی سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے شریعت نے حکم نہیں دیا۔ سوائے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیام حق و سنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مؤمن ہے، اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا وہ بھی مؤمن ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مؤمن ہے، لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں، اس پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ

اب رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

”اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اگر خدا نخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو اَلْعِیَاضُ بِاللّٰهِ نُوبُت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔ ویانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے منضمحل اور افسردہ ہو جائے گی، کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی، گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، جہالت عالمگیر ہو جائے گی، تمام کاموں میں خرابی آجائے گی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، آبادیاں خراب ہو جائیں گی، مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روزِ محشر خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور باز پرس ہوگی۔

افسوس! صد افسوس!! جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا ”کَانَ

اَمْرُ اللّٰهِ قَدْرًا مَّقْدُورًا“ (الاحزاب: ۳۸) فَإِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

اس سرسبز ستون کے علم و عمل کے نشانات مٹ چکے، اس کی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہو گئیں، لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا، خدائے پاک کے ساتھ قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہو گئے، روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار و کمیاب ہی نہیں، بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔

اگر کوئی مردِ مومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنت کے احیا میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے کے لئے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہوگا۔“

امام غزالی رحمہ اللہ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لئے کافی ہیں۔

ہمارے اس قدر اہم فریضہ سے غافل ہونے کی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں:-

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو علماء کے ساتھ خاص کر لیا، حالانکہ خطابات قرآنی عام ہیں جو امت محمدیہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کی زندگی اس کے لئے شاہد عدل ہے۔

فریضہ تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ علماء کا کام راہ حق بتلانا اور سیدھا راستہ دکھلانا ہے، پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوق خدا کو اس پر چلانا یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے۔ اس کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے:

الَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (بخاری و مسلم)

خبردار! بیشک تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے۔ پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے، وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے اُن کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے اور وہ ان کے بارے میں سوال کی جاوے گی اور

غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔ پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

قَالَ: اَلْدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ حُضُورِ اَقْدَسِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: دین سراسر
 قَالَ: لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلَاِئِمَّةِ النَّصِيحَت ہے۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا:
 الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہُمْ۔ (مسلم) کس کے لئے؟ فرمایا: اللہ کے لئے اور اللہ
 کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔

اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اس وقت فضاءِ زمانہ کا
 مقتضی یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اَعْلَاءُ کَلِمَۃِ اللہ اور حفاظتِ دینِ متین کے
 لئے کمر بستہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں تو
 دوسروں کی گمراہی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس آیتِ شریفہ کا مفہوم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ
 اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر
 چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے
 تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ (پہان القرآن)

(المائدہ: ۱۰۵)

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے اس لئے کہ یہ معنی
 حکمتِ خداوندیہ اور تعلیماتِ شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ شریعتِ اسلامی نے اجتماعی
 زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے اور امتِ مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم
 کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ
 جاوے، اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں
 مبتلا ہوں تو آیت میں مومنوں کے لئے تسلی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو تو
 تم کو ان لوگوں سے مضرت کا اندیشہ نہیں جنہوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعتِ محمدیہ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور
 منجملہ احکامِ خداوندی کے ایک اَمْرٍ بِالْمَعْرُوفِ اور نَهْيٍ عَنِ الْمُنْكَرِ بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے:

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَيُّهَا
النَّاسُ! إِنَّكُمْ تَقْرَأُونَ هَذِهِ الْآيَةَ:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ
لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ
فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:
إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ،
أَوْشَكَ أَنْ يُعْصِبَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ.

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے
لوگو! تم یہ آیت ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ
إِذَا اهْتَدَيْتُمْ“ پیش کرتے ہو اور میں نے
رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے
سنا ہے کہ جب لوگ خلافِ شرع کسی چیز کو
دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب

ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرمادے۔

علماء محققین نے بھی آیت کے یہی معنی لئے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مسلم میں
فرماتے ہیں:

”علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کر دو
جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرت نہ پہنچائے گی جیسا کہ حق تعالیٰ
کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى“ اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جن
کا حکم دیا گیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کر دیا
اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں، اس لئے کہ جو کچھ
اس کے ذمہ واجب تھا (اور وہ امر ونہی ہے) اس نے اس کو ادا کر دیا، دوسرے کا قبول کرنا
اس کے ذمے نہیں۔ واللہ اعلم“۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہو گیا اور
انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے۔ جب کسی
شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی
اب کیسے ہو سکتی ہے، جب کہ ان کے پاس نہ سلطنت و حکومت ہے، نہ مال و زر ہے اور نہ

سامانِ حرب اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوتِ بازو اور نہ باہمی اتفاق و اتحاد۔

بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے، زمانہ رسالت کو بعد ہو چکا، اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط ایک لازمی شے ہے۔ پس اس کے لئے جدوجہد کرنا عبث اور بیکار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوٰۃ نبوت سے بعد ہوتا جائے گا حقیقی اسلام کی شعائیں ماند پڑتی جائیں گی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقائے شریعت اور حفاظتِ دینِ محمدی کے لئے جدوجہد اور سعی نہ کی جائے، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدا نخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی، البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جدوجہد پر مبنی تھا آج اس کے پیرو عمل سے یکسر خالی ہیں، حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جہد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گزار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا، ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا:

لا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر
غَیْرُ أُولَی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ	میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے۔ اور
عَلَى الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَةٌ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ	

عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (النساء: ۹۵، ۹۷)

سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کر وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجرِ عظیم دیا ہے، یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت۔ اور اللہ بڑی مغفرت، رحمت والے ہیں۔

اگرچہ آیت میں جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو، لیکن اگر بد قسمتی سے آج ہم اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لئے جس قدر جدوجہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے، پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدوجہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی: ”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“ (العنکبوت: ۶۹) یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دین محمدی کی بقا اور تحفظ کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے عروج و ترقی کے لئے ہمارا عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لئے جس قدر انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کئے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے۔ ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں، اگر اب بھی ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اَعْلَاءَ كَلِمَةِ اللَّهِ اور اشاعتِ اسلام کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرتِ خداوندی اور امدادِ غیبی سے سرفراز ہوں گے ”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ“ (محمد: ۷) یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس منصب کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں، لیکن یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے۔ جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس

میں پس و پیش کی گنجائش نہیں۔ ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہئے، پھر انشاء اللہ یہی جدوجہد ہماری نجاتی، استحکام اور استقامت کا باعث ہوگی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقربِ خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدوجہد کریں اور وہ رحمن و رحیم ہماری طرف نظر کرم نہ فرمائے۔ میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَا نَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ حَتَّى نَعْمَلَ بِهِ كَلْبَهُ، وَلَا نَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتَّى نَجْتَنِبَهُ كُلَّهُ. فَقَالَ ﷺ: بَلْ مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَإِنْ لَمْ تَعْمَلُوا بِهِ كَلْبَهُ، وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَإِنْ لَمْ تَجْتَنِبُوهُ كُلَّهُ. (رواه الطبرانی فی الصغیر الاوسط)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور بُرائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام بُرائیوں سے نہ بچیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور بُرائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔

سب کے پابند نہ ہو اور بُرائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارسِ دینیہ کا قائم ہونا، علماء کا وعظ و نصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف ہونا، رسالوں کا جاری ہونا، یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اعتنا اہم امور سے ہے، اس لئے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں، لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لئے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفا کرنا ہماری کھلی غلطی ہے۔ اس لئے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت مستفیع ہو سکتے ہیں جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو۔ اب سے پچاس سال پہلے ہم میں شوق اور طلب موجود تھا اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے ان اداروں کا قیام ہمارے لئے کافی تھا، لیکن آج غیر اقوام کی

انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے متنفر اور بیزار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق و رغبت پیدا ہو اور ان کے سوائے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منفعہ ہو سکتے ہیں، ورنہ اگر اسی طرح دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی، تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کا بقا بھی دشوار نظر آتا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بُری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین و تذلیل کرتے ہیں، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کام انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب و تکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام علیہم السلام نے اس راہ میں برداشت کیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ
الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ
إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝
ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے
لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس
کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر یہ اس کی ہنسی
اڑاتے رہے۔ (الحجر: ۱۰، ۱۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ دعوت حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔

پس جب سردارِ دو عالم ﷺ اور ہمارے آقا و مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں، ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہئے۔

مآسیت سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض روحِ اسلامی اور حقیقتِ ایمانی کا

ضعف اور اضمحلال ہے۔ ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے اور ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی اور جب اصل شے میں انحطاط آ گیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں، ان کا انحطاط پذیر ہونا بھی لازمی اور ضروری تھا اور اس ضعف و انحطاط کا سبب اس اصل شے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کا بقا اور دار و مدار ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضہ تبلیغ کو ایسی طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوت ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھر سکیں، ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوں اور اس کے لئے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ﷺ نے مشرکین عرب کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)

اچھی پیروی ہے۔

اسی کی جانب امام مالک رحمہ اللہ علیہ اشارہ فرماتے ہیں ”لَنْ يُصْلِحَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلُهَا“ یعنی اس امت محمدیہ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتدا میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبی کریم ﷺ دعوت حق لے کر کھڑے ہوئے، آپ ﷺ تنہا تھے، کوئی آپ ﷺ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، دنیوی کوئی طاقت آپ ﷺ کو حاصل نہ تھی۔ آپ ﷺ کی قوم میں خود سری اور خود رائی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، ان میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا، بالخصوص جس کلمہ حق کی آپ ﷺ تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب متغیر اور بیزار تھے، ان حالات میں کوئی طاقت تھی جس سے ایک مفلس و نادار، بے یار و مددگار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا، اب غور کیجئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کی طرف آپ نے مخلوق کو بلایا اور جس شخص نے اس چیز کو پالیا وہ پھر ہمیشہ کے لئے آپ کا ہو رہا، دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک سبق تھا جو آپ

کا مَظْمَح نظر اور مقصودِ اصلی تھا جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

الَّا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ
لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ
اللَّهِ ط (ال عمران: ۶۴)

بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ
کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک
نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو
رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

اللہ وَخَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری کی
ممانعت کی اور اغیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظامِ عمل مقرر کر دیا اور بتلا دیا
کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ نہ کرنا۔

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَ
لَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ط (الاعراف: ۳)

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس
تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور
خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع
مت کرو۔

یہی وہ اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي
هِيَ أَحْسَنُ ط إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ
(النحل: ۱۲۵)

اے محمد! بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے
کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے اور
ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو۔
بیشک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے اس
شخص کو جو گمراہ ہو اس کی راہ سے، وہی
خوب جانتا ہے راہ چلنے والوں کو۔

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے ہر پیرو کے لئے مقرر کی گئی:
قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ط عَلَى

کہہ دو: یہ ہے میرا راستہ، بلا تا ہوں اللہ کی

بَصِيرَةٌ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي طَوْسُحَانَ
اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝
(یوسف: ۱۰۸)

طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع
ہیں وہ بھی، اور اللہ پاک ہے، اور میں
شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ
الْمُسْلِمِينَ ۝ (ختم سجدہ: ۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو
خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور
کہے میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس مخلوق کو بلانا، بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق دکھلانا، گمراہوں کو ہدایت
کا راستہ دکھلانا نبی کریم ﷺ کا وظیفہ حیات اور آپ ﷺ کا مقصدِ اصلی تھا اور اسی مقصد کی
نشوونما اور آبیاری کے لئے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا
نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
فَاعْبُدُونِ ۝ (الانبیاء: ۲۰)

ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر
اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبود
نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس لمحاتِ زندگی پر
جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہے اور
وہ اللہ رب العالمین وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کی ذات و صفات کا یقین کرنا، یہی ایمان اور اسلام
کا مفہوم ہے اور اسی لئے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝“ (الذاریات: ۵۶) یعنی ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا
ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔ اب جب کہ مقصدِ زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور
اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو طریقِ علاج کی تجویز میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی
اور اس نظریے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا ان شاء اللہ نافع اور
سودمند ہوگا۔

ہم نے اپنی نارسا فہم کے مطابق مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ایک نظامِ عمل تجویز

کیا ہے جس کو فی الحقیقت اسلامی زندگی یا اسلاف کی زندگی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے جس کا اجمالی نقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

سب سے اہم اور پہلی چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام اغراض و مقاصد دنیوی سے قطع نظر کر کے اِغْلَاء کَلِمَةِ اللہ اور اشاعتِ اسلام اور احکامِ خداوندی کے رواج اور سرسبزی کو اپنا نصب العین بنادے اور اس بات کا پختہ عہد کرے کہ حق تعالیٰ کے ہر حکم کو مانوں گا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور کبھی خداوندِ کریم کی نافرمانی نہ کروں گا اور اس نصب العین کی تکمیل کے لئے اس دستور العمل پر کاربند ہو۔

۱۔ کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کا صحت الفاظ کے ساتھ یاد کرنا اور اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کرنا اور اپنی پوری زندگی اس کے موافق بنانے کی فکر کرنا۔

۲۔ نماز کا پابند ہونا، اس کے آداب و شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا اور ہر رکن میں خداوندِ کریم کی عظمت و بزرگی اور اپنی بندگی اور بیچارگی کا دھیان کرنا۔ غرض اس کوشش میں لگے رہنا کہ نماز اس طرح ادا ہو جو اس رب العزت کی بارگاہ کی حاضری کے شایانِ شان ہو۔ ایسی نماز کی کوشش کرتا رہے اور حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کرے۔ اگر نماز کا طریقہ معلوم نہ ہو تو اس کو سیکھے اور نماز میں پڑھنے کی تمام چیزوں کو یاد کرے۔

۳۔ قرآنِ کریم کے ساتھ وابستگی اور دل بستگی پیدا کرنا، جس کے دو طریقے ہیں:-

(الف) کچھ وقت روزانہ ادب و احترام کے ساتھ معنی و مفہوم کا دھیان کرتے ہوئے تلاوت کرنا۔ اگر عالم نہ ہو اور معنی و مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہو تب بھی بغیر معنی سمجھے کلامِ ربانی کی تلاوت کرے، اور سمجھے کہ میری فلاح و بہبود اسی میں منضم ہے۔ محض الفاظ کا پڑھنا بھی سعادتِ عظمیٰ ہے اور موجب خیر و برکت ہے اور اگر الفاظ بھی نہیں پڑھ سکتا تو تھوڑا وقت روزانہ قرآن مجید کی تعلیم میں صرف کرنا۔

(ب) اپنے بچوں اور اپنے محلہ اور گاؤں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی قرآن مجید اور مذہبی تعلیم کی فکر کرنا اور ہر کام پر اس کو مقدم رکھنا۔

۴۔ کچھ وقت یادِ الہی اور ذکر و فکر میں گزارنا۔ پڑھنے کے لئے کوئی چیز کسی شیخ طریقت متبع سنت سے دریافت کرے، ورنہ کلمہ سوم ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ اور درود و استغفار کی تسبیح، ایک صبح اور ایک شام معنی کا دھیان کرتے ہوئے، جی لگا کر اطمینانِ قلب کی ساتھ پڑھے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۵۔ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا، اس کے ساتھ ہمدردی اور غم گساری کا برتاؤ کرنا، صفتِ اسلام کی وجہ سے اس کا ادب و احترام کرنا، ایسی باتوں سے بچنا جو کسی مسلمان بھائی کی تکلیف و اذیت کا باعث ہوں۔

ان باتوں کا خود بھی پابند بنے اور کوشش کرے کہ ہر مسلمان ان کا پابند بن جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اپنا کچھ وقت دین کی خدمت کے لئے فارغ کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے کر دین کی خدمت اور اشاعتِ اسلام کے لئے آمادہ کرے۔

جس دین کی اشاعت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام نے مشقتیں برداشت کیں، طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے اسلاف نے اپنی عمروں کو اس میں صرف کیا اور اس کی خاطر راہِ خدا میں اپنی جانوں کو قربان کیا، اس دین کی ترویج اور بقا کے لئے تھوڑا وقت نہ نکالنا بڑی بدنصیبی اور خسران ہے اور یہی وہ اہم فریضہ ہے جس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے آج ہم تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

پہلے مسلمان ہونے کا مفہوم یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنا جان و مال، عزت و آبرو، اشاعتِ اسلام اور اَعْلَاءُ کَلِمَةِ اللَّهِ کی راہ میں صرف کرے اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا تھا وہ بڑا نادان سمجھا جاتا تھا، لیکن افسوس کہ آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور دین کی باتوں کو اپنی آنکھوں سے مٹا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور پھر بھی اس دین کی ترویج اور بقا کے لئے کوشش کرنے سے گریز

کرتے ہیں۔ غرض اَعْلَاءُ کَلِمَۃِ اللہ اور اشاعتِ دینِ متین جو مسلمان کا مقصدِ زندگی اور اصلی کام تھا اور جس کے ساتھ ہماری دونوں جہان کی فلاح و ترقی وابستہ تھی اور جس کو چھوڑ کر آج ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اب پھر ہمیں اپنے اصلی مقصد کو اختیار کرنا چاہئے اور اس کام کو اپنا جزوِ زندگی اور حقیقی مشغلہ بنانا چاہئے، تاکہ پھر رحمتِ خداوندی جوش میں آوے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی سرخ روئی اور شادابی نصیب ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر بالکل اس کام میں لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسا اور دنیوی ضروریات انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور ان کو انجام دیا جاتا ہے، اس کام کو بھی ضروری اور اہم سمجھ کر اس کے واسطے وقت نکالا جائے۔ جب چند آدمی اس مقصد کے لئے تیار ہو جائیں تو ہفتہ میں چند گھنٹے اپنے محلے میں اور مہینہ میں تین دن قرب و جوار کے مواضعات میں، اور سال میں ایک چلہ دور کے مواضعات میں اس کام کو کریں اور کوشش کریں کہ ہر مسلمان امیر ہو یا غریب، تاجر ہو یا ملازم، زمیندار ہو یا کاشتکار، عالم ہو یا جاہل، اس کام میں شریک ہو جائے اور ان امور کا پابند بن جائے۔

کام کرنے کا طریقہ

کم از کم دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ کے لئے نکلے۔ اوّل اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنادے اور پھر سب مسجد میں جمع ہوں اور وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کریں (بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو)۔ بعد نماز مل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کریں اور نصرت و کامیابی اور تائید خداوندی اور توفیق الہی کو طلب کریں اور اپنے ثبات اور استقلال کی دعائیں مانگیں۔ دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں اور فضول بات نہ کریں۔ جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور تمام محلّہ یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں۔ اول ان کو نماز پڑھوائیں اور پھر ان امور کی پابندی کا عہد لیں اور اس طریقہ پر کام کرنے کے لئے آمادہ کریں اور ان لوگوں کے ہمراہ گھروں کے دروازوں پر جا کر عورتوں سے بھی نماز پڑھوائیں اور ان کی پابندی کی تاکید کریں۔

جو لوگ اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہو جائیں ان کی ایک جماعت بنادی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کر دیا جائے اور پھر ان کے کام کی نگرانی کی جائے۔ ہر تبلیغ کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرے اور امیر کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گزاری اور راحت رسانی، ہمت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے اور قابل مشورہ باتوں میں سب سے مشورہ لے کر اس کے موافق عمل کرے۔

تبلیغ کے آداب

یہ کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادتِ عظمیٰ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت ہے۔ کام جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کو چاہتا ہے۔ اس کام سے مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار اور حکمِ خداوندی کی بجا آوری اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ پس چاہئے کہ امورِ مندرجہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرے اور ان کی پابندی کرے۔

۱۔ اپنا تمام خرچ کھانے پینے، کرایہ وغیرہ کا حتی الوسع خود برداشت کرے اور اگر گنجائش اور وسعت ہو تو اپنے نادار ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

۲۔ اپنے ساتھیوں اور اس مقدس کام کرنے والوں کی خدمت گزاری اور ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اور ان کے ادب و احترام میں کمی نہ کرے۔

۳۔ عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کا برتاؤ رکھے۔ بات کرنے میں نرم لہجہ اور خوشامد کا پہلو اختیار کرے۔ کسی مسلمان کو حقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھے۔ بالخصوص علماء دین کی عزت و عظمت میں کوتاہی نہ کرے۔ جس طرح ہم پر قرآن و حدیث کی عزت و عظمت، ادب و احترام واجب اور ضروری ہے، اسی طرح ان مقدس ہستیوں کی عزت و عظمت، ادب و احترام بھی ضروری ہے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ علماء حق کی توہین دین کی توہین کے مترادف ہے، جو خدا کے غیظ و غضب کا موجب ہے۔

۴۔ فرصت کے خالی وقتوں کو بجائے جھوٹ، غیبت، لڑائی، فساد، کھیل تماشے کے مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابند لوگوں کے پاس بیٹھنے میں گزارے جس سے خدا اور رسول ﷺ کی باتیں معلوم ہوں، خصوصاً ایامِ تبلیغ میں فضول باتوں اور فضول

کاموں سے بچے اور اپنے فارغ اوقات کو یادِ الہی اور ذکر و فکر اور درود و استغفار اور تعلیم و تعلم میں گزارے۔

۵۔ جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کفایت شعاری کے ساتھ اس کو خرچ کرے، اور اپنے اہل و عیال اور دیگر اقرباء کے شرعی حقوق کو ادا کرے۔

۶۔ کسی نزاعی مسئلہ اور فروعی بات کو نہ چھیڑے، بلکہ صرف اصل توحید کی طرف دعوت دے، اور ارکانِ اسلام کی تبلیغ کرے۔

۷۔ اپنے تمام افعال و اقوال کو خلوص نیت کے ساتھ مزین اور آراستہ کرے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجب خیر و برکت اور باعث ثمراتِ حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا ہی میں کوئی ثمرہ نکلتا ہے نہ آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین کے کاموں میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ (تھوڑا) عمل بھی کافی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ”حق تعالیٰ شانہ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہیں کے لئے کیا گیا ہو۔“ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتے، بلکہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔“ پس سب سے اہم اور اصل شے یہ ہے کہ اس کام کو خلوص کے ساتھ کیا جائے۔ ریا و نمود اس میں داخل نہ ہو۔ جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر کام میں ترقی اور سرسبزی ہوگی۔ اس دستورِ العمل کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے آ گیا اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر بھی کافی روشنی پڑ گئی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ کشمکش اور اضطراب و بے چینی میں یہ طریق کار کس حد تک ہماری رہبری کر سکتا ہے؟ اور کہاں تک ہماری مشکلات کو دور کر سکتا ہے؟ اس کے لئے پھر ہمیں قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم نے ہماری اس جدوجہد کو ایک سودمند تجارت سے تعبیر کیا ہے اور اس کی جانب اس طرح رغبت دلائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ
تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۝
ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ
طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۝ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ
اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۝ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝
(الصف: ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری
بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے
بچائے۔ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں تم اپنے مال و
جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی
بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ
تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو
ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے
نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں
میں، جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں
گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے، اور ایک اور بھی
ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی۔ اور آپ مومنین کو
بشارت دے دیجئے۔

اس آیت میں ایک تجارت کا تذکرہ ہے جس کا پہلا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عذاب الیم سے
نجات دلانے والی ہے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاویں
اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کریں۔ یہ وہ کام ہے جو ہمارے لئے
سراسر خیر ہے، اگر ہم میں کچھ بھی عقل و فہم ہو۔ اس معمولی کام پر ہمیں کیا منافع ملے گا؟
ہماری تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کو ایک دم معاف کر دیا جائے گا اور آخرت میں بڑی بڑی
نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ یہی بہت بڑی کامیابی اور سرفرازی ہے مگر اس پر بس نہیں
بلکہ ہماری چاہتی چیز بھی ہمیں دے دی جائے گی اور وہ دنیا کی سرسبزی اور نصرت و کامیابی
اور دشمنوں پر غلبہ و حکمرانی ہے۔

حق تعالیٰ نے ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا: اول یہ کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ
پر ایمان لاویں۔ دوسرے یہ کہ اپنے جان، مال سے خدا کی راہ میں جہاد کریں اور اس کے

بدلے میں دو چیزوں کی ہم سے ضمانت کی: آخرت میں جنت اور ابدی چین اور راحت، اور دنیا میں نصرت و کامیابی۔ پہلی چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ ایمان ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اس طریق کا منشا بھی یہی ہے کہ ہمیں حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہو۔ دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ جہاد ہے۔ جہاد کی اصل اگرچہ کفار کے ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے، مگر درحقیقت جہاد کا منشا بھی اِغْلَاءِ کَلِمَةِ اللہ اور احکامِ خداوندی کا نفاذ اور اجرا ہے اور یہی ہماری تحریک کا مقصد اصلی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا خوشگوار ہونا اور جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونا، خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے پر موقوف ہے، ایسا ہی دنیاوی زندگی کی خوشگواری اور دنیا کی نعمتوں سے منتفع ہونا بھی اس پر موقوف ہے کہ ہم خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لاویں اور اپنی تمام جدوجہد کو اس کی راہ میں صرف کریں۔

اور جب ہم اس کام کو انجام دے لیں گے یعنی خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لے آویں گے اور اس کی راہ میں جدوجہد کر کے اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ بنالیں گے تو پھر ہم روئے زمین کی بادشاہت اور خلافت کے مستحق ہو جائیں گے اور سلطنت و حکومت ہمیں دے دی جائے گی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ط يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ط	تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن سے
---	--

(النور: ۵۵)

بدل دے گا، بشرطیکہ میری بندگی کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

اس آیت میں تمام اُمت سے وعدہ ہے ایمان و عمل صالح پر حکومت دینے کا جس کا ظہور عہد نبوی سے شروع ہو کر خلافت راشدہ تک متصل مُمتد رہا۔ چنانچہ جزیرہ عرب آپ ﷺ کے زمانے میں اور دیگر ممالک زمانہ خلفاء راشدین میں فتح ہو گئے، اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً گواہِ اتصال نہ ہو، دوسرے صلحاءِ ملوک و خلفاء کے حق میں اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، جیسا کہ دوسری آیت **فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ** (المائدہ: ۵۶) ونحوہ (بیان القرآن)

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں چین و راحت اور اطمینان و سکون اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ ہم اس طریق پر مضبوطی کے ساتھ کار بند ہوں اور اپنی اجتماعی اور انفرادی ہر قسم کی قوت اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقف کریں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
وَلَا تَفَرَّقُوا (ال عمران: ۱۰۳)
تم سب دین کو مضبوط پکڑو اور ٹکڑے
ٹکڑے مت بنو۔

یہ ایک مختصر ”نظامِ عمل“ ہے جو درحقیقت اسلامی زندگی اور اسلاف کی زندگی کا نمونہ ہے۔ ملکِ میوات میں ایک عرصہ سے اس طرز پر کام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس نا تمام کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم روز بروز ترقی کرتی جا رہی ہے۔ اس کام کے وہ برکات و ثمرات اس قوم میں مشاہدہ کئے گئے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر تمام مسلمان اجتماعی طور پر اس طریقِ زندگی کو اختیار کر لیں تو حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کی تمام مصائب اور مشکلات دور ہو جائیں گی اور وہ عزت و آبرو اور اطمینان و سکون کی زندگی پالیں گے اور اپنے کھوئے ہوئے دبدبے اور وقار کو پھر حاصل کر لیں گے۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (المنافقون: ۸)

ہر چند میں نے اپنے مقصد کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن یہ چند تجاویز کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک عملی نظام کا خاکہ ہے جس کو اللہ کا برگزیدہ بندہ (سیدی و مولائی مخدومی و مخدوم العالم

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) لے کر کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کو اس مقدس کام کے لئے وقف کیا۔ اس لئے آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان بے ربط سطور کے پڑھنے اور سمجھنے پر اکتفا نہ کریں، بلکہ اس کام کو سیکھیں اور اس نظام کا عملی نمونہ دیکھ کر اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اسی جانب متوجہ کرنا میرا مقصود ہے اور بس۔

میری قسمت سے الہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ط

من منشورات مكتبة البشري

الكتب العربية

المطبوع

الهداية	(ملون)	كامل ٨ مجلدات
هادي الأنام إلى احاديث الأحكام		مجلد
فتح المغطى شرح كتاب الموطا		مجلد
صلاة الرجل على طريق السنة والآثار		التجليد بالبطاقة
صلاة المرأة على طريق السنة والآثار		التجليد بالبطاقة
متن العقيدة الطحاوية	(ملون)	التجليد بالبطاقة
"هداية النحر" مع الخلاصة والأسئلة والتمارين	(ملون)	التجليد بالبطاقة
"زاد الطالبين" مع حاشيته مزاد الراغبين	(ملون)	التجليد بالبطاقة
أصول الشاشي	(ملون)	مجلد
المرفقات (منطق)	(ملون)	
السراجي في الميراث	(ملون)	
دروس البلاغة	(ملون)	
مختصر القدوري	(ملون)	
نور الأنوار	(ملون)	
كافية	(ملون)	
نفحة العرب	(ملون)	
شرح مائة عامل	(ملون)	
شرح التهذيب	(ملون)	

سيطبع قريبا بعون الله تعالى

المقامات الحبرية	(ملون)	الصحيح لمسلم	(ملون)
قاموس البشري (عربي - اردو)	(ملون)	مشكوة المصابيح	(ملون)
شرح الجامي	(ملون)	مختصر المعاني	(ملون)

مطبوعات مكتبة البشري

اردو کتب (طبع شدہ)	اردو کتب (طبع شدہ)
لسان القرآن اول-ثانی-ثالث (رنگین) مجلد	عربی کا معلم (حصہ اول، دوم) (رنگین) کارڈ کور
مفتاح لسان القرآن اول-ثانی-ثالث (رنگین) کارڈ کور	تسہیل المبتدی (رنگین) کارڈ کور
الحزب الاعظم ایک مہینہ کی ترتیب پر مکمل (رنگین) مجلد	تعلیم الاسلام مکمل (رنگین) مجلد
الحزب الاعظم (جیبی) ایک مہینہ کی ترتیب پر مکمل (رنگین) کارڈ کور	عربی کا آسان قاعدہ (رنگین) کارڈ کور
الحجامة (جدید اشاعت) (رنگین) کارڈ کور	فارسی کا آسان قاعدہ (رنگین) کارڈ کور
تیسیر المنطق (رنگین) کارڈ کور	فوائد مکبہ (رنگین) کارڈ کور
علم الصرف (اولین و آخرین) (رنگین) کارڈ کور	جمال القرآن (رنگین) کارڈ کور
عربی صفوة المصادر (رنگین) کارڈ کور	فضائل اعمال (رنگین) کارڈ کور
خیر الاصول فی حدیث الرسول (رنگین) کارڈ کور	مختب احادیث (رنگین) کارڈ کور
علم النحو (رنگین) کارڈ کور	تاریخ اسلام (رنگین) مجلد
سیر الصحابیات (رنگین) مجلد	بہشتی گوہر (رنگین) مجلد
بہشتی زیور (رنگین) مجلد	اکرام مسلم (رنگین) مجلد
خصائل نبوی شرح شمائل الترمذی (رنگین) مجلد	

زیر طبع (ان شاء اللہ جلد دستیاب ہوگی)

تفسیر عثمانی (رنگین) مجلد

PUBLISHED	To be published Shortly Insha Allah
Tafsir-e-Uthmani (Completed) Vol. I – III	Lisaan-ul-Quran Vol. III & Key
Lisaan-ul-Quran Vol. I & II	Talim-ul-Islam (Coloured) Complete
Key Lisaan-ul-Quran Vol. I & II	Cupping Sunnat and Treatment
Concise Guide to Hajj & Umrah	
Al-Hizbul Azam	
OTHER LANGUAGES	OTHER LANGUAGES
Riyad Us Saliheen (Spanish)	Al-Hizbul Azam (French)